

تعزیت نامہ

محترم محمد سلیم الدین آغا صاحب (مرحوم)
نہایت شریف النفس۔ مخلص اور دین کی اشاعت کا درد رکھنے والے بہت عزیز ساتھی تھے آپ نے ایک
شہید سنت کے احیاء کیلئے ایک گراں قدر تالیف ”اسلامی نظریہ تعدد ازواج“ تحریر کی تھی جو نہ صرف قرآن
وحدیث کے حوالوں سے مزین ہے بلکہ مغرب کے پروپگنڈے کا جواب بھی ہے یہ کتاب اسلامی تعلیمات
کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے نہایت قیمتی اثاثہ ہے جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ابھی کتاب پریس میں زیر
طباعت تھی کہ موصوف اچانک اس دنیا کو چھوڑ کر مالک حقیقی سے جا ملے ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“
محمد سلیم الدین آغا کی عمر ابھی 28 سال ہی تھی تمام قارئین سے ادارہ درخواست گزار ہے کہ مرحوم کیلئے
دعائے مغفرت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

ایم ایم سعید

مدیر السعید، کراچی

اسلامی نظریہ تعددِ ازواج

ایک سے زائد شادیوں کی حقیقت و فضیلت اور ضرورت و اہمیت



تقریظ
مفتی ابوبکر شاہ منصور مدظلہ



تالیف
محمد سلیم الدین آغا



اِنَّ اَكْبَرَ اَنْفُسِكُمْ اُولَئِكَ اَتَتْكُمْ
وَضَرَبَتْكُمْ بِاَنْفُسِكُمْ وَلَئِنْ كُنْتُمْ



فہرست

15	شہید سنت کا احیاء
17	دعوتِ فکر
21	قرآن حکیم اور تعددِ ازواج
22	آیتِ مبارکہ
22	فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (پس نکاح کرو ان عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں)
23	مَثْنٰی وَثُلَّتْ وَرُبْعٌ (دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے)
24	فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (پس اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے کرو)
24	عدل کسے کہتے ہیں؟
27	اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (یا پھر ان باندیوں پر اکتفاء کرو جن کے تم مالک ہو)
30	خلاصہ کلام
31	قبل از اسلام اور تعددِ ازواج
32	غیر الہامی مذاہب اور تعددِ ازواج
33	الہامی مذاہب اور تعددِ ازواج
34	انبیائے سابقین علیہم السلام اور تعددِ ازواج
35	دورِ جاہلیت اور تعددِ ازواج
35	خلاصہ کلام
37	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تعددِ ازواج
38	(1) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
41	(2) حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
42	(3) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
45	(4) حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
47	(5) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جملہ حقوق طباعت بحق مؤلف محفوظ ہیں

کتاب اسلامی نظریہ تعددِ ازواج

مؤلف محمد سلیم الدین آغا

طبع اول جولائی 2010ء

ناشر السعد



رابطہ مؤلف

0333-2292739



ملنے کے پتے

ادارۃ الانور، بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 021-34914596

مکتبہ انعامیہ، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0343-2288277

دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631861

مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور۔ موبائل: 0300-4501769

ادارہ تحقیقات اسلامی، اردو بازار، لاہور۔ موبائل: 0333-4380927

لاٹانی اسٹیشنرز، ایبٹ آباد۔ موبائل: 0334-8997011

کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798

ادارۃ النور، ملتان۔ موبائل: 0300-7332359

مکتبہ فاروقیہ، میٹورہ، سوات۔ موبائل: 0946-729070

اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد۔ موبائل: 0321-7693142

مکتبہ علمیہ، پشاور۔ فون: 091-2580319

مسلم بک لینڈ، مظفر آباد۔ فون: 05822-444238



7	اسلامی نظریہ تعددِ ازواج	6	اسلامی نظریہ تعددِ ازواج
74	کنواری عورتوں سے نکاح کی ترغیب	47	6) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
75	(2) مردوں کی فطری طلب و خواہش	49	7) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا
76	(3) مردوں میں شہوت کی زیادتی	50	8) حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
78	(4) عورتوں کے طبعی و جسمانی نقائص و عوارض	57	9) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
78	(5) حصولِ اولاد	53	10) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
79	(6) کثرتِ اولاد	54	11) حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
81	(7) کئی خویوں اور فائدوں کا حصول	55	اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مزید شادیوں کی ممانعت
81	خلاصہ کلام	55	حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
83	تعددِ ازواج پر اعتراضات کے جوابات	56	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے حقائق
84	تعددِ ازواج کی مخالفت	57	آخر اس طرز میں کیا حکمت تھی؟
84	انسانی معاشرے کی تقسیم	59	غیر مسلموں کا اعترافِ حقیقت
85	اسلامی معاشرہ	61	خلاصہ کلام
85	غیر اسلامی معاشرہ	63	صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تعددِ ازواج
86	غیر مسلموں کے اعتراضات	65	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
87	(1) اسلام عیاشی کی خاطر تعددِ ازواج کی اجازت دیتا ہے	65	حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
88	(2) تعددِ ازواج میں عورتوں کی حق تلفی ہے اور صریح ظلم و زیادتی ہے	65	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
91	(3) جب مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے تو پھر عورت کو کیوں نہیں؟	65	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
95	حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی	65	حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
100	خلاصہ کلام	66	کثرتِ نکاح اور کثرتِ طلاق
101	مسلمانوں کے اعتراضات	67	حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
101	اعتراضات کی وجوہات	68	حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ
101	(1) علم و عمل سے دوری	68	حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ
102	(2) ایمان و یقین کی کمی	68	خلاصہ کلام
102	(3) نفسا نفسی	69	تعددِ ازواج کی وجوہات
		70	(1) عورتوں کی کثرت
102	(4) غیروں کی تقلید	71	بیوہ و مطلقہ عورتوں کے نکاح کا مسئلہ
102	(5) انا و حسد	72	دو ربوبی اور دو ربہ کی چند مثالیں

9	اسلامی نظریہ تعددِ ازواج	8	اسلامی نظریہ تعددِ ازواج
126	ایک مسلمہ حقیقت	103	(6) عیاش و فحاش لوگوں کا فعل
128	علمائے عرب کے فتاویٰ	103	(7) علماء و صلحاء کا فعل
131	خواتین کے لیے ایک بہترین کتاب	104	اعتراضات اور ان کے جوابات
132	ضروری نصیحتیں اور تدابیر	104	(1) ”پہلی بیوی“ بذاتِ خود ایک بہت بڑا اعتراض
134	نسوانی جذبات	104	ایک حقیقت اور کئی حقائق
134	اصل مسئلہ کیا ہے؟	105	(i) تعددِ ازواج اور شوہر کی محبت
135	جذبات کی اصلاح	105	دیگر معاملات میں شوہر کی محبت
135	بلوغت کے تقاضے	105	ایک صحابیہ کا واقعہ
136	شیطانی وسوسے	106	شوہر کا مقام
137	براہِ راست جوابدہی	107	محبت کی حقیقت
138	مخلص دوستوں کی شناخت	107	اللہ تعالیٰ کی محبت
139	شکوک و شبہات	107	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت
139	مفروضے	108	شوہر کی محبت
139	سرگوشیاں	109	محبت میں اعتدال کب ضروری ہے؟
139	وسوسے	109	حد سے بڑھتی ہوئی محبت
140	ہماری مساعی	110	محبت کی تشکیل نو
143	تعددِ ازواج اور دوسری بیوی کا کردار	112	(ii) تعددِ ازواج اور صبر کی ضرورت و اہمیت
145	سوکنوں کی مشترکہ ذمہ داری	112	صبر کسے کہتے ہیں؟
145	سوکنوں کو حسد سے دور رہنا چاہیے	114	(iii) تعددِ ازواج، مرد کا حق
147	سوکنوں کو ایک ہی گھر میں رہنا چاہیے	116	(iv) تعددِ ازواج، بے سہارا عورتوں کا سہارا
148	سوکنوں کو ازواجِ مطہرات سے سبق لینا چاہیے	118	(v) دنیا میں ہر چاہت اور خواہش پوری ہونے کے لیے نہیں
158	سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ	119	(vi) آپ کو شوہر کا فیصلہ اچھے طریقے سے قبول کرنا چاہیے
161	کیا آج کی عورت ازواجِ مطہرات جیسی نہیں بن سکتی؟	121	(vii) اگر آپ کا شوہر دین دار و ذمہ دار ہے
162	شوہر کی ذمہ داری	123	(viii) آپ اپنے شوہر کو گناہ سے بچائیں
162	دوسری شادی سے پہلے	124	(ix) آپ کا شوہر پوشیدہ ناجائز تعلقات بھی قائم کر سکتا ہے
163	دوسری شادی کے بعد	125	(x) اگر اللہ آپ کے شوہر کو موت دیدے
164	متعدد بیویوں کی اولاد کے ساتھ برتاؤ	125	ایک عالمِ دین کا واقعہ

208	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غربت
209	حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غربت
210	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غربت
211	دیگر صحابہ کرام اور غربت
212	غربت اور نکاح
213	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح
213	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح
213	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح
214	حضرت ربیعہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح
215	حضرت جلیبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح
216	حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی کا نکاح
216	حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی کا نکاح
217	حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح
217	ایک مفلس ترین صحابی کا نکاح
218	دو بیوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دو ریاحض
219	(6) متعدد بیویوں میں عدل کرنا بہت مشکل ہے
220	شرط عدل کا مقصد تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی نہیں
220	ایک بیوی کی صورت میں بھی عدل کا حکم ہے
220	ماں اور بیوی کے درمیان بھی عدل ضروری ہے
221	دیگر معاملات میں بھی عدل کا حکم ہے
221	بے عدلی کرنے والوں کا کردار حجت نہیں
222	شریعت کا معیار عدل ہی معتبر ہے
222	ہر چیز میں عدل ممکن نہیں
223	عدل مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں
223	تجارت کی مثال
224	کون عدل کر سکتا ہے؟
225	بے عدلی کی صورت میں تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے

165	شوہر کو حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سبق لینا چاہیے
169	دوسو کنوں کا ایک واقعہ
170	(2) پہلی بیوی پر ظلم و زیادتی اور اس کی حق تلفی ہے
171	اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال کیا
174	دو اہم واقعات
175	(i) ایک انگریز نو مسلم خاتون کا واقعہ
176	(ii) ایک ہندو نو مسلم لڑکی کا واقعہ
179	(3) پہلی بیوی میں کیا خرابی ہے؟
180	(4) متعدد بیویاں آپس میں لڑتی جھگڑتی ہیں
183	ازواج مطہرات اور فطری اختلافات
188	دیگر صحابیات اور اختلافات
190	ایک ضروری وضاحت
190	(5) غربت اور مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے
191	قرآن حکیم اور غربت
194	غربت اور تنگ دستی نکاح سے مانع نہیں
195	دو ریاحض اور مصنوعی غربت
196	غربت اور مہنگائی ہر ایک کے حق میں بڑھ رہی ہے
197	غریب لوگ اپنا معیار کم کر لیں
199	غربت اور تنگ دستی تعددِ ازواج سے مانع نہیں
199	دو بیوی صلی اللہ علیہ وسلم اور غربت
199	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غربت
201	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فاقہ کشی
202	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو حالت
203	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات
204	نان نفقہ کے لیے ازواج مطہرات کا مطالبہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی
207	ازواج مطہرات کے گھر
208	صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور غربت

225	(7) علمائے کرام بھی تو دوسری شادی نہیں کرتے
226	تعددِ ازواج اور علمائے کرام کا کردار
226	(i) دو بیویوں کے درمیان عدل ممکن نہیں
227	عدل ممکن ہے، لوگ کرتے نہیں
227	دیگر معاملات میں لوگوں کی حکم عدولی
228	(ii) جب اکابرین عدل نہ کر سکے تو علماء کیسے کر سکتے ہیں؟
229	(iii) جب علماء عدل نہیں کر پاتے تو عوام کیسے کرے گی؟
229	شوہر کا عدل کرنا حاکم کے عدل کرنے سے زیادہ آسان ہے
230	(iv) اس زمانے میں دوسری شادی باعثِ فتنہ ہے
230	دوسری شادی سے اجتناب اور فتنوں کی بھرمار
230	جہاد سے کئی فتنوں کی سرکوبی
231	(v) دوسری شادی محض مستحب اور ایک جھنجھٹ ہے
232	تعددِ ازواج بحیثیتِ مستحب و سنت
232	تعددِ ازواج کو اگر مستحب سمجھا جائے
233	تعددِ ازواج کو اگر سنت سمجھا جائے
233	(vi) دوسری شادی کی وجہ سے دینی خدمات میں کمی آتی ہے
233	کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اس جذبہ دینی کی تعلیم فرمائی؟
234	کیا اس جذبہ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے پہلی شادی میں تاخیر یا تعددِ ازواج کو ترک فرمایا؟
235	دینی خدمات کی وجہ سے تعددِ ازواج کی اہمیت کم نہیں ہوتی
236	آل واولاد فتنہ ہے، مگر۔۔۔
237	تعددِ ازواج اور علمائے کرام کی ذمہ داری
237	علمائے کرام عدل کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں
237	تعددِ ازواج سے اکابرین کا اجتناب اور اس کی وجوہات
239	تجدیدی کارنامے کی مثال
239	دورِ صحابہ کی مثال
241	تعددِ ازواج اور عوام کی ذمہ داری
243	تعددِ ازواج کی تائید و حمایت میں علمائے عجم کے فرمودات

244	تعددِ ازواج پر دو اہم مضامین
244	پہلا مضمون
248	دوسرا مضمون
253	(8) دوسری شادی جواں عمری میں نہیں کرنی چاہیے
254	(9) بے شرمی اور شہوت پرستی کا طعنہ
256	تعددِ ازواج جنسی خواہش کی تکمیل کا جائز راستہ ہے
257	تعددِ ازواج زہد و تقویٰ کے عین مطابق ہے
260	(10) زمانہ حال اور زمانہ ماضی میں تفریق
260	(i) وہ زمانہ اور تھا، یہ زمانہ اور ہے
260	(ii) وہ لوگ اور تھے، ہم لوگ اور ہیں
261	(iii) اُس زمانے کے مردوں میں طاقت زیادہ تھی
261	(iv) اُس زمانے میں تعددِ ازواج کی مخالفت نہ تھی
262	(v) وہ عظیم لوگ تھے، ہم ان کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟
263	(11) بے نکاحی خواتین اور ان کے سرپرستوں کا کردار
263	(i) اچھے سے اچھے کی امید
264	(ii) دنیاوی حرص و لالچ
264	(iii) خواتین بھی دوسری بیوی بننا پسند نہیں کرتیں
265	(iv) مطلقہ و بیوہ عورتیں بھی اکلوتی بیوی بننا چاہتی ہیں
265	(v) پہلی بیوی پر ظلم کا خوف
266	(vi) معاشرتی تحقیر و تذلیل
267	(vii) نکاح بیوگان کو معیوب سمجھا جاتا ہے
267	ایک عبرت آموز واقعہ
268	خلاصہ کلام
273	تعددِ ازواج سے دُوری کے نتائج
274	(1) ایک مرغوب عمل معیوب بن گیا
276	(2) پہلی شادی بھی مشکل ہو گئی
282	(3) اپنی مدد آپ

- (4) عورت نمائش کا سامان بن گئی اور اس کی قدر و قیمت گر گئی
 (5) بیٹی بوجھ بن گئی
 (6) مرد سے کہیں زیادہ عورت مشکل میں پڑ گئی
 (7) نکاح مشکل اور زنا آسان ہو گیا
 (8) نکاح کا رجحان ہی کم ہونے لگا:
 اسلامی معاشرہ مغربی رنگ میں ڈھل جائے گا
 فتنہ جنس سے حفاظت
 ایک نو مسلم خاتون کا انٹرویو
 حرفِ آخر



شہید سنت کا احیاء

(از: حضرت مفتی ابولہا بہ شاہ منصور حفظہ اللہ تعالیٰ)

ایک وقت تھا جب کسی مسلمان کو کوئی بات سمجھانے کے لیے اتنا کہنا ہی کافی ہوتا تھا کہ یہ اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم ہے۔ اس کے لیے یہ دلیل اور ”سند“ حرفِ آخر ہوتی تھی۔ یہاں پہنچ کر وہ عقل کے گھوڑے دوڑانا چھوڑ دیتا تھا اور کسی کے لیے یہ بات مشکل ہوتی تھی کہ اسے اس حکم کی حقانیت پر اس کے اعتقاد کو متزلزل کر دے یا پروپیگنڈے کے ذریعے مرعوب کر کے شکوک و شبہات میں مبتلا کر سکے۔ آج کل ہماری بد قسمتی کی صورت حال برعکس ہے۔ مغرب کے پروپیگنڈے کا زور اتنا اور ایسا ہے کہ وہ اپنے کھوٹے نظریے اور فرسودہ نظریات کو درست اور برحق قرار دلو چکا ہے اور عالمِ اسلام اس سے اتنا مرعوب ہے کہ اسلام کے ایسے احکامات کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہے یا انہیں خدا نخواستہ معیوب سمجھنے لگ گیا ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول رہے ہیں اور اسلامی معاشرے میں انہیں اسلامی احکامات کا ایک معروف حصہ سمجھا جاتا رہا ہے۔

انہی ”شہید احکامات“ میں سے ایک حکم ”تعددِ ازواج“، یعنی ایک سے زیادہ شادیوں کا ہے۔ مغرب نے اپنی نفس پرستی کو انصاف پسندی اور خواتین کے حقوق کی پامالی کو ان سے ہمدردیوں کا ایسا رنگ دیا ہے کہ آج صورتحال یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ (تقریباً) پورے کا پورا عالمِ اسلام اس شدید غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں افضل نہیں، قابلِ عمل نہیں، یا پھر سرے سے مناسب ہی نہیں۔ اس کے مقابلے میں بغیر شادی کے تعلقات یا شادی شدہ لوگوں کے ناجائز تعلقات کو اتنے خوبصورت، بے ضرر اور پرکشش نام دیے گئے ہیں کہ گویا وہ کوئی عیب یا عار کی بات ہی نہیں، بلکہ النایہ باور کرایا جاتا ہے کہ عیب یا شرم تو (معاذ اللہ) اس افضل ترین نظام میں ہے جو اللہ رب العالمین نے اپنے بندے اور بندویوں کے لیے پسند فرمایا، حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھلایا، خلفائے راشدین، مجتہدین اور اولیائے امت کے ہاں یہ معمول و معروف تھا اور یہ مبارک نظام آج بھی مغربی دنیا میں برپا اس سنگین صورتحال کا واحد حل ہے جس نے خواتین کو عزت و عفت کے بلند مقام سے گرا کر تذلیل و تحقیر کا ہدف بنا رکھا ہے۔

ایک گمبھ سے کسی نے پوچھا: کیا چاہتے ہو؟ تمہاری کمر سیدھی ہو جائے یا سب تم جیسے گمبھے ہو جائیں؟ گمبھہ اکیسہ پرور تھا، اس نے کہا: سب گمبھے ہو جائیں تو میں ان پر بھی جی بھر کے ہنسوں جیسا کہ یہ مجھ پر ہنستے رہے۔ مغرب کے کینہ پروروں کا ہم سے حسد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ان کی بد قسمتی دیکھیے کہ وہاں عفت و عصمت نام کی چیز تو رہی نہیں، بے وفائی اور ہرجائی پن کا یہ عالم ہے کہ جیون ساتھی کا لفظ بے معنی ہوتا جا رہا ہے، کسی کو کسی پر اعتماد نہیں، دوست یا لائف پارٹنر کسی بھی وقت کسی پر بھی رتھجھ سکتا ہے اور انسانی رشتے محبت اور اعتماد کے فقدان کے باعث راحت اور سکون کے بجائے اذیت اور عذاب کا دوسرا نام بن چکے ہیں۔ اس

کے باوجود ان تک کئے فتنہ پردازوں کی کوشش ہے کہ مسلمان معاشرے ان جیسے ناک کئے ہو جائیں۔ وہ مسلسل دوسری شادی کے خلاف (بلکہ شادی کے خلاف) زہریلی زبانوں کے پھن پھیلاتے رہتے ہیں اور ان کی کوشش ہے کہ ان کی کمر سے زیادہ بڑا ”سب“ مسلمانوں کی کمر میں نظر آنے لگے۔

جب کسی مباح کو اس کے شرعی درجے سے زیادہ حیثیت دیتے ہوئے فرض واجب سمجھا جانے لگے تو اس کی اصل حیثیت واضح ہونے تک اس پر عمل چھوڑ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جب کسی سنت یا مستحب عمل کو متروک یا معیوب سمجھا جانے لگے تو اس خرابی کی اصلاح کے لیے اس پر لکھنا، بولنا یا عمل کر کے دکھانا ضروری ہو جاتا ہے۔ فتنہ زدہ مغرب کی کوشش ہے کہ نظام ازدواج کو ختم کر دے، ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ تعددِ ازواج کو رواج دیں۔ اس کی کوشش ہے کہ مسلمان نکاح کے عمل کے بغیر حرام زندگی گزاریں، ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ”یک زوجگی“ نظام سے آگے بڑھ کر ”کثیرالازواجی“ عرف کو فروغ دیں جو مٹتا جا رہا ہے اور اس کے مٹنے سے بہت سی بھلائیاں مٹی چلی جا رہی ہیں۔

زیر نظر کتاب اسی معرکہ الآرا موضوع پر لکھی گئی ہے۔ یہ موضوع نہایت آسان ہے، لیکن اسے مخصوص مقاصد کے تحت جان بوجھ کر پیچیدہ بنا دیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تعددِ ازواج کو محض مباح یا پھر مکروہ قرار دینے کے لیے ہمارے ہاں بھی خامہ فرسائی شروع ہو چکی تھی۔ ایسی کتابیں اور مضامین سامنے آرہے تھے جن میں یہ گردان مسلسل کی جاتی تھی کہ یہ عمل کبھی اچھا رہا ہوگا، اب تو اسے مستحسن سمجھنے کی بھی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس موضوع کی حقیقت و اہمیت کی وضاحت پر مشتمل کتابیں آنا بھی شروع ہو گئی ہیں۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا اسلوب تحریر عمدہ اور جاندار ہے۔ اس میں اس موضوع کے مثبت و منفی پہلوؤں پر غیر جانبدارانہ بحث کی گئی ہے۔ شبہات و اشکالات کا جواب دینے کے ساتھ فوائد و نقصانات کا منصفانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ قرآن و سنت، اقوال صحابہ و مجتہدین کی رو سے مسئلہ کی حقیقت واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ میں اس حکم پر عمل کے حوالے سے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں اور مغرب یا مغرب سے متاثر ہو کر اسلامی معاشروں میں اس مبارک عمل کو چھوڑ دینے سے جو سماجی برائیاں پھیل رہی ہیں اور جو معاشرتی مفاسد وجود میں آرہے ہیں، ان کا تذکرہ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف عالم نہیں اور اس موضوع پر ان سے پہلے اہل علم کی کچھ کتابیں آچکی ہیں، لیکن انہوں نے نہ صرف یہ کہ کتاب میں مکرر باتیں نہیں دہرائیں بلکہ پختہ قلم کاروں جیسا اسلوب اپناتے ہوئے کتاب کی اٹھت اور قارئین کی دلچسپی کو شروع تا آخر برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مصنف کی یہ ”دعوتِ فکر“ اس ”شہید سنت“ کے احیاء کی مفید کوشش ثابت ہو اور اسلامی معاشرے میں عفت و عصمت اور پاکیزگی و طہارت کے فروغ اور بے حیائی کے سد باب کا ذریعہ بنے۔ (آمین)

مفتی ابوالبابہ شاہ منصور حفظہ اللہ تعالیٰ

(10 جون، 2010ء)



دعوتِ فکر

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اُسی کے علم و قدرت میں انسان کا نفع و نقصان ہے۔ انسان چونکہ اپنی تخلیق کے اعتبار سے ضعیف و جلد باز اور ناقص و عیب دار ہے اور انجام کے اعتبار سے فانی ہے، اس لیے اس کے اپنے اصول و قوانین کے مطابق بنائے ہوئے نظام میں نہ تو انسانیت کی صحیح راہنمائی موجود ہے اور نہ ہی منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے کسی صحیح راستے کا تعین ممکن ہے۔ اللہ رب العزت، جو خیر و بصیر ہے، اپنی تخلیق ”انسان“ کو اس سے کہیں زیادہ جانتا ہے جتنا کہ وہ خود اپنے بارے میں جانتا ہے، اس لیے انسانیت کی دائمی فوز و فلاح کے لیے صرف اُسی ضابطے کو تسلیم کیا جاسکتا ہے، جس کا منبع و سرچشمہ وحی الہی ہے، جس کا بنانے والا پوری کائنات کا خالق و مالک ہے، جو ازلی و ابدی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم و دائم ہے، جو بے مثل و بے مثال ہے، اپنی ہر تدبیر میں بے خطا ہے، اُس کا علم پوری طرح سے حاوی و محیط ہے، اُس کے فیصلے اُٹل و حتمی ہیں اور ہر طرح سے ناقابلِ تحویل و تبدیل اور ناقابلِ تردید و تنسیخ ہیں۔ اُسی ذاتِ عالی و اقدس کا فضل و کرم ہوا کہ جس نے انسان کو پیدا کر کے اسے تنہا نہ چھوڑا اور ”اسلام“ کی صورت میں اپنی رحمت و شفقت کا اظہار کر کے، اپنی نعمت کو تمام کیا اور بحیثیت دین اسے پوری انسانیت کے لیے پسند کیا۔

دین اسلام ایک ایسا نظامِ زندگی ہے جس کے اصول و قوانین انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور جس کے احکامات انسانی بھلائی و خیر خواہی اور کامیابی و سرخروئی کے ضامن ہیں۔ اگر اسلام کے کسی حکم کی حکمت و مصلحت اور اس میں پوشیدہ اسرار و رموز انسانی سمجھ میں آجائیں تو اس کو اللہ تعالیٰ کی عطا و عنایت سمجھنی چاہیے اور اگر سمجھ میں نہ آسکیں تو اسے اپنی فہم کا تصور سمجھنا چاہیے، نہ کہ اسلام کی کمزوری، کیونکہ اسلام کی فطرت میں قدرت نے جو حسن و جامعیت اور کشش و لچک رکھی ہے وہ ہر ایک کو متاثر کرنے والی ہے اور ہر صاحبِ عقل سلیم اس کی عظمتوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام جیسا حکیمانہ و منصفانہ مذہب کوئی نہیں ہو سکتا، جس میں انسان کی طبعیت و مزاج کا پورا پورا لحاظ و خیال رکھا گیا اور اس کی فطری خواہشات کا احترام کیا گیا، لیکن تکمیلِ خواہش کا طریقہ کار ایسا وضع کیا گیا جو بعض اوقات ظاہری اعتبار سے تو انسانی طبعیت و مزاج پر ناگوار گزرتا ہے مگر ہر اعتبار سے اُس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

مخالفین و مستشرقین، جو آزادیِ نفس کے قائل ہیں اور کسی بھی ضابطہ و قانون کی پابندی کو روار کھنے کے حق میں نہیں، ہمیشہ اپنی تنگ نظری اور متعصبانہ سوچ کے آگے مجبور ہو جاتے ہیں اور اسلامی احکامات کو تنقید و تردید اور طنز و تمسخر کا نشانہ بناتے ہوئے اختلافات و اعتراضات کا بازار گرم کرنے لگتے ہیں اور اپنی بے جا و بے بنیاد تحقیقات و تاویلات کے ذریعے ان کو انسانی مفاد کے منافی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر ان کی ہمت و شدت اور رنگینی و سنگینی سے مرعوبیت کا تاثر لے کر بہت سے اسلام کے نام لیوا بھروسے لکیر کے فقیر بن کر معذرت خواہانہ انداز اپناتے ہوئے اپنے ہی دینی طور طریقوں سے معیوبیت کا تاثر پیش کرنے لگتے ہیں۔

اسلام کے انہی احکامات میں سے ایک حکم ”تعددِ ازواج“ ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا بھی ہے، جس کے تحت اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب استطاعت مرد کو عدل کی شرط کے ساتھ ایک وقت میں چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے، جس کا مقصد صرف تکمیلِ خواہش ہی نہیں، بلکہ ایک پاکیزہ اور صاف ستھرے معاشرے کی تشکیل بھی ہے، تاکہ مرد و عورت کی فطری طلب کو فطری طریقے سے پورا کرنے کے لیے تکمیلِ خواہش کے غیر فطری راستوں کو بند کر کے معاشرے کو فتنہ و فساد، انتشار و بگاڑ اور کئی قسم کی روحانی و جسمانی برائیوں اور بیماریوں سے بچایا جاسکے اور اس کے ساتھ ہی قلیل مردوں کے مقابلے میں کثیر عورتوں کی مالی کفالت اور عفت و عصمت کی حفاظت کا احسن طریقے سے انتظام کر کے معاشرتی توازن کو برقرار رکھا جاسکے۔ یہ اجازت بہت سادہ اور غیر پیچیدہ معاملہ ہے، لیکن اس کو مشکل اور پیچیدہ بنانے کے لیے اس کے ساتھ ایسی قیود و شروط کو منسلک کیا گیا ہے جو محض انسانی خواہشات یا ذاتی کوتاہیوں کا نتیجہ ہیں، جن کے لیے صحیح شواہد کہیں نہیں ملتے۔ ان پابندیوں کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ تعددِ ازواج معاشرے میں ایک بدترین جرم بن چکا ہے، بلکہ اپنی حقیقت و حیثیت تک کو کھو چکا ہے۔

دورِ حاضر میں تعددِ ازواج کے ساتھ جو غیر مناسب رویہ اختیار کیا جا رہا ہے اور اس کی وجہ سے انفرادی و اجتماعی طور پر جن مصائب و مسائل کا سامنا ہو رہا ہے، اس کا مشاہدہ ہر کوئی کھلی آنکھ سے کر سکتا ہے۔ پوری مسلم دنیا تعددِ ازواج کی حیثیت کے بارے میں غلط خیالات و تصورات میں مبتلا ہے اور اسلام کو اس الزام سے بری قرار دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ معاشرتی صورتحال ازدواجی زندگی کے کافرانہ نظریات کی ترویج اور ان سے مسلمانوں کی ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، جس کی بنا پر وہ تعددِ ازواج کے اسلامی تصور سے خائف و بدظن ہو رہے ہیں۔ کبھی تو اس سے لطیف پیرائے میں اظہارِ نفرت کیا جاتا ہے اور کبھی اسے بیہودہ طریقے سے مسترد کر دیا جاتا ہے۔ اسلام کے دامن کو اس ”داغ“ سے بچانے کے لیے قرآن و سنت کے احکامات کے ساتھ ایسی شرائط نکھڑی کی جاتی ہیں جن کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ آج مسلمانوں کی اکثریت تعددِ ازواج کے بارے میں جن غلط فہمیوں کا شکار ہے، اگر ان کا ازالہ بروقت نہ کیا گیا تو جس سنگین صورتحال کا اس وقت اہل مغرب کو سامنا ہے کہ ہر ایک اپنی خواہش کو پورا کرنے میں آزاد اور بے پروا ہو چکا ہے، ایک دوسرے کا لحاظ اور عزت نفس کا خیال ختم ہو چکا ہے، شرم و حیا اور غیرت کے جنازے اٹھ چکے ہیں، نسوانی تحقیر و تذلیل معمول بن چکا ہے، گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کلچر عام ہو چکا ہے، اگر عورت واپس گھریلو زندگی کی طرف آنا چاہے تو کوئی مرد اسے بیوی کی حیثیت سے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، ازدواجی و خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے، رشتوں کا تقدس پامال ہو چکا ہے اور اخلاقی و معاشرتی پستی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔۔۔ یہی صورتحال کل ہمیں بھی درپیش ہو سکتی ہے اور پھر اس پر قابو پانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوگا۔

چنانچہ وقت کی حالت و نزاکت کو دیکھتے ہوئے انتہائی ضروری ہے کہ تعددِ ازواج کے صحیح اسلامی موقف کو سمجھا جائے اور معاشرے میں اس کو اس کا جائز مقام دیا جائے۔ اس کتاب میں قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں اسلامی نظریہ تعددِ ازواج کی حقیقت و فضیلت کو واضح کرنے اور موجودہ دور میں اس کی ضرورت و اہمیت کو ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے، نیز اس پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات حقائق و دلائل کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اپنی بارگاہِ عالی و اقدس میں اس حقیر سی کوشش کو قبول و منظور فرمائے اور کمی و کوتاہی کو درگزر فرما کر اس کو قبولیت و مقبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

یہ کتاب ”دعوتِ فکر ہے“ خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکموں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقوں میں کامیابی کا یقین رکھتے ہیں اور اپنی زندگیوں کو ان سے خالی دیکھنا پسند نہیں کرتے، لیکن بد قسمتی سے بھول بیٹھے ہیں کہ تعددِ ازواج بھی اللہ کا حکم، نبی کی سنت اور صحابہ کا طریقہ ہے اور آج ان کی زندگی اس سے دیران ہی نہیں بلکہ اس کی مخالفت میں ایک شور و غوغا مچا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہر طرف سے اس ”شہیدِ سنت“ کو زندہ کرنے کی ایک خاموش صدا ہے۔

محمد سلیم الدین آغا
(3 اپریل، 2010ء)





قرآنِ حکیم

اور

تعدادِ ازواج



قرآن حکیم اور تعددِ ازواج

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَرُبْعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ

أَيْمَانُكُمْ ط ۝﴾ (سورة النساء: آية: ۳)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پس نکاح کرو ان عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں، دودو سے اور تین تین سے اور چار چار سے، پس اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے کرو یا پھر ان باندیوں پر اکتفاء کرو جن کے تم مالک ہو۔“

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت سے تعددِ ازواج کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت مبارکہ میں جن امور کی وضاحت کی گئی ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (پس نکاح کرو ان عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں):

آیت مبارکہ کے اس حصے میں ”فَانكِحُوا“ امر کا صیغہ ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نکاح کا حکم دیا ہے، کیونکہ نکاح کی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، جن کی وجہ سے شریعت اسلامی میں نکاح کی اہمیت و فضیلت بہت زیادہ ہے، مثلاً:

☆ انسان کی نگاہ بچی رہتی ہے اور وہ گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

☆ انسان کو پاکیزہ راستے کی طرف لے جانے اور ناپاکی سے دور رکھنے کا ذریعہ ہے۔

☆ انسان کی عفت و عصمت کی حفاظت اور جنسی خواہشات کی تسکین ہوتی ہے۔

☆ انسان کی شہوت کا زور ٹوٹتا ہے اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

☆ انسان کو بیوی کے ذریعے سکون ملتا ہے، بیوی نغمہ ساری اور ہزاروں افکار میں آرام کا ذریعہ ہے۔

☆ انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ کسی سے دوستی اور محبت کرے اور اس کے لیے بیوی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

☆ اولاد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور نیک اولاد انسان کے لیے صدقہ جاریہ ہوتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ادا ہو جاتی ہے۔

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

”تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں بھی جو اس لائق ہوں، ان کا بھی۔“

(سورة النور آية: 32)

احادیث میں بھی کئی مقامات پر نکاح کی فضیلت کو اجاگر کیا گیا ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نکاح میری سنت ہے۔“ (ابن ماجہ)

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بندے نے جب نکاح کر لیا تو اس نے آدھا دین پورا کر لیا، اب باقی دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔“

(مشکوٰۃ)

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ سے جو پاک و صاف ہو کر ملنا چاہے اس کو چاہیے کہ شریف عورتوں سے نکاح کرے۔“ (مشکوٰۃ)

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو اسبابِ جماع کی قدرت رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ نکاح کر لے، کیونکہ یہ نگاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور شرم گاہ کو بہت بچاتا ہے۔“ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کثرت سے نکاح کرو، تم تعداد میں زیادہ ہو جاؤ گے، اس لیے کہ قیامت کے دن میں دوسری امتوں پر تمہاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا۔“ (مصنف عبد الرزاق ح: 10391)

اس کے بعد یہ مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ معاملہ صرف ایک نکاح کا ہوا یا ایک سے زائد کا، حکم اور فضیلت دونوں کے لیے یکساں ہے، کیونکہ ”فَانكِحُوا“ کے ذریعے امر کا صیغہ استعمال کرنے کے بعد ”مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ“ میں جمع کا صیغہ اس چیز کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ پھر ”مَا طَابَ لَكُمْ“ کے ذریعے انسان کو اختیار دیا کہ جب وہ نکاح کرے تو ان عورتوں سے کرے جو کسی بھی مصلحت یا خوبی کی بنا پر اسے پسند ہوں، کیونکہ ایک ہی عورت میں تمام مصلحتوں اور خوبیوں کا پایا جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ عورت کی سب سے بڑی خوبی تو بہر حال اس کی دینداری ہی ہے، لیکن اس کے علاوہ اور بھی کئی خوبیاں اور فوائد ہیں جن کے حصول کی خاطر مرد کو تعددِ ازواج کی طرف راغب کیا گیا ہے۔

مَثْنَى وَرُبْعَ (دودو سے اور تین تین سے اور چار چار سے):

نکاح کا حکم اور اپنی پسند کا اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کر دیا کہ وہ ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، کیونکہ آیت مبارکہ میں گنتی کو ”ایک“ سے نہیں بلکہ ”دودو، تین اور چار چار“ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہوا کہ ”دودو، تین اور چار چار“ کی جگہ ”دو، تین اور چار“ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ”دودو، تین اور چار چار“ کے الفاظ کے ذریعے گویا تعددِ ازواج کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اس کا شوق اور ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔

نکاح کا حکم اور اپنی پسند کا اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کر دیا کہ وہ ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، کیونکہ آیت مبارکہ میں گنتی کو ”ایک“ سے نہیں بلکہ ”دودو، تین اور چار چار“ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہوا کہ ”دودو، تین اور چار چار“ کی جگہ ”دو، تین اور چار“ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ”دودو، تین اور چار چار“ کے الفاظ کے ذریعے گویا تعددِ ازواج کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اس کا شوق اور ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔

نکاح کا حکم اور اپنی پسند کا اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کر دیا کہ وہ ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، کیونکہ آیت مبارکہ میں گنتی کو ”ایک“ سے نہیں بلکہ ”دودو، تین اور چار چار“ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہوا کہ ”دودو، تین اور چار چار“ کی جگہ ”دو، تین اور چار“ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ”دودو، تین اور چار چار“ کے الفاظ کے ذریعے گویا تعددِ ازواج کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اس کا شوق اور ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔

نکاح کا حکم اور اپنی پسند کا اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کر دیا کہ وہ ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، کیونکہ آیت مبارکہ میں گنتی کو ”ایک“ سے نہیں بلکہ ”دودو، تین اور چار چار“ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہوا کہ ”دودو، تین اور چار چار“ کی جگہ ”دو، تین اور چار“ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ”دودو، تین اور چار چار“ کے الفاظ کے ذریعے گویا تعددِ ازواج کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اس کا شوق اور ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔

نکاح کا حکم اور اپنی پسند کا اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کر دیا کہ وہ ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، کیونکہ آیت مبارکہ میں گنتی کو ”ایک“ سے نہیں بلکہ ”دودو، تین اور چار چار“ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہوا کہ ”دودو، تین اور چار چار“ کی جگہ ”دو، تین اور چار“ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ”دودو، تین اور چار چار“ کے الفاظ کے ذریعے گویا تعددِ ازواج کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اس کا شوق اور ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔

نکاح کا حکم اور اپنی پسند کا اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کر دیا کہ وہ ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، کیونکہ آیت مبارکہ میں گنتی کو ”ایک“ سے نہیں بلکہ ”دودو، تین اور چار چار“ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہوا کہ ”دودو، تین اور چار چار“ کی جگہ ”دو، تین اور چار“ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ”دودو، تین اور چار چار“ کے الفاظ کے ذریعے گویا تعددِ ازواج کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اس کا شوق اور ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔

نکاح کا حکم اور اپنی پسند کا اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کر دیا کہ وہ ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، کیونکہ آیت مبارکہ میں گنتی کو ”ایک“ سے نہیں بلکہ ”دودو، تین اور چار چار“ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہوا کہ ”دودو، تین اور چار چار“ کی جگہ ”دو، تین اور چار“ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ”دودو، تین اور چار چار“ کے الفاظ کے ذریعے گویا تعددِ ازواج کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اس کا شوق اور ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔

نکاح کا حکم اور اپنی پسند کا اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کر دیا کہ وہ ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، کیونکہ آیت مبارکہ میں گنتی کو ”ایک“ سے نہیں بلکہ ”دودو، تین اور چار چار“ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہوا کہ ”دودو، تین اور چار چار“ کی جگہ ”دو، تین اور چار“ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ”دودو، تین اور چار چار“ کے الفاظ کے ذریعے گویا تعددِ ازواج کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اس کا شوق اور ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔

نکاح کا حکم اور اپنی پسند کا اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کر دیا کہ وہ ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، کیونکہ آیت مبارکہ میں گنتی کو ”ایک“ سے نہیں بلکہ ”دودو، تین اور چار چار“ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہوا کہ ”دودو، تین اور چار چار“ کی جگہ ”دو، تین اور چار“ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ”دودو، تین اور چار چار“ کے الفاظ کے ذریعے گویا تعددِ ازواج کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اس کا شوق اور ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔

نکاح کا حکم اور اپنی پسند کا اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کر دیا کہ وہ ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، کیونکہ آیت مبارکہ میں گنتی کو ”ایک“ سے نہیں بلکہ ”دودو، تین اور چار چار“ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہوا کہ ”دودو، تین اور چار چار“ کی جگہ ”دو، تین اور چار“ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ”دودو، تین اور چار چار“ کے الفاظ کے ذریعے گویا تعددِ ازواج کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اس کا شوق اور ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔

جامعۃ الامام، سعودی عرب کے مشہور عالم اور مدرس، شیخ ناصر النخین حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اصل حکم ایک سے زائد شادیوں کا ہے۔ بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ کن حالات میں مرد کو دوسری شادی کی اجازت ہے؟ گویا کہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ اصل حکم تو یہ ہے کہ دوسری شادی ممنوع ہے، ہاں بعض صورتوں میں اس کی اجازت ہے، چنانچہ جب کوئی خاص وجہ پائی جائے تو مرد کو دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں، لیکن یہ بات درست نہیں اور افسوس اس پر ہے کہ عام مسلمانوں میں یہی بات مشہور ہے، لیکن شرعی نصوص جو ایک سے زائد شادیوں کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں، انہیں دیکھا جائے تو صحیح بات یہ سامنے آتی ہے کہ اسلام میں اصل حکم یہ ہے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ شادیاں کرے جبکہ وہ بیویوں کے حقوق ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔“ (www.do3aa.net/marriage.html)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ایک سے زائد شادیاں کرنے کا حکم تو مستحب بھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اولاً یہی حکم دیا ہے اور صرف ایک عورت سے شادی کرنے کو تو صرف ایک خاص حالت یعنی عدل نہ کرنے پر موقوف رکھا ہے۔“ (روح المعانی 196/4)

فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (پس اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے کرو):

آیت مبارکہ کے اس حصے میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی صورت میں مرد اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنی تمام بیویوں کے ساتھ یکساں طور پر عدل یعنی انصاف کا معاملہ کرے، اگر اس کو اس چیز کا خوف ہو کہ وہ ان کے درمیان عدل نہیں کر سکے گا تو پھر صرف ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرے۔ یعنی عدل ہی وہ شرط ہے جس کی بنیاد پر ایک مرد کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت اور حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا ضروری ہوگا کہ:

عدل کسے کہتے ہیں؟

عدل کا مطلب یہ ہے کہ کسی بیوی پر ظلم نہ ہو، یعنی اس کے حقوق واجبہ ادا کرنے میں کوتاہی نہ ہو۔ چنانچہ جن چیزوں میں عدل برابری پر موقوف ہے ان چیزوں میں برابری ضروری ہے اور جن چیزوں میں عدل برابری پر موقوف نہیں ان چیزوں میں برابری ضروری نہیں۔ اس لیے متعدد بیویاں رکھنے کی صورت میں مندرجہ ذیل تین چیزوں میں برابری ضروری ہے:

(1) ضروری نان نفقہ..... یعنی مناسب خوراک، مناسب لباس اور مناسب رہائش (گھر کے ضروری سامان کے ساتھ رہائش کے لیے کم از کم ایک علیحدہ کمرہ، جس میں بیوی کے سوا کسی کا عمل دخل نہ ہو)۔

(2) شب باشی..... یعنی رات گزارنا۔ اگر کوئی شخص دو بیویوں والا ہے تو جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گزارے گا اتنی ہی راتیں دوسری بیوی کے ساتھ گزارنا اس پر واجب ہو جائے گا خواہ دوسری بیوی کو اس کی ضرورت نہ بھی ہو۔ ہاں! اگر کوئی بیوی بلا جبر اپنی رضا و خوشی سے اپنی باری یا کچھ راتیں بخش دے تو الگ بات ہے۔

(3) صلات زائدہ..... یعنی ضروری نان نفقہ سے ہٹ کر وہ اضافی جیب خرچ، اضافی کپڑے یا اضافی تحفہ و تحائف جو شوہر عید، شادی یا کسی بھی خوشی کے موقع پر یا ایسے ہی بغیر کسی موقع کے اپنی بیوی کو دیتا ہے۔ یہ اضافی چیزیں دینا شوہر پر واجب تو نہیں، لیکن

اگر دو بیویوں میں سے کسی ایک کو دے گا تو دوسری بیوی کو بھی یہی چیز یا اس کے مناسب اتنی مالیت کی کوئی اور چیز دینا واجب ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ متعدد ازواج میں جس حد تک برابری کی استطاعت ہو، ہر معاملے میں برابری کی کوشش کرنی چاہیے۔ لہذا ہنسنے، بولنے اور دن کے اوقات گزارنے میں بھی جہاں تک استطاعت ہو برابری کرنی چاہیے۔ الغرض کوئی بھی ایسا قدم جس سے ایک زوجہ کو یہ غیر معمولی احساس ہو کہ اس کا شوہر اس کی نسبت دوسری زوجہ کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے اور اس وجہ سے وہ احساس کمتری کا شکار ہونے لگے، ظلم ہے اور شریعت ایسے اقدام کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور اس نے ان کے ساتھ عدل کا معاملہ نہ کیا تو قیامت کے دن وہ شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ مفلوج ہوگا۔“ (ترمذی، مشکوٰۃ ص: 279)

اس لیے جہاں تک ممکن ہو برابری میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہیے۔ البتہ اگر کوئی شخص دونوں بیویوں کے حقوق برابر ادا کرے اور ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہ کرے، لیکن قلبی تعلق ایک کے ساتھ زیادہ ہو تو یہ غیر اختیاری بات ہے۔ اس پر اس کی گرفت نہیں، کیونکہ محبت کم و بیش ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یوں دعا فرمایا کرتے تھے:

”اے اللہ! جو چیز میرے اختیار میں ہے، وہ میں کرتا ہوں (یعنی سلوک میں برابری) اور جو چیز میرے اختیار میں نہیں اس میں میری گرفت نہ فرما (یعنی قلبی محبت)۔“ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابو داؤد ح: 2134)

لیکن اس سے یہ مراد بھی ہرگز نہیں کہ آدمی محبت اور قلبی تعلق کے نام پر صرف ایک طرف ہی جھک جائے اور دوسری بیوی کو اس طرح نظر انداز کر دے کہ وہ شوہر ہوتے ہوئے بھی بے شوہری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا:

”پھر کسی ایک کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو معلق ہی چھوڑ دو۔“ (سورۃ النساء: 129)

یہ حقیقت ہے کہ انسان تمام حالات میں متعدد بیویوں کے درمیان مساوات قائم نہیں رکھ سکتا۔ ایک خوبصورت ہے اور دوسری بد صورت، ایک جوان ہے اور دوسری عمر رسیدہ، ایک دائم المریض ہے اور دوسری تندرست، ایک بد مزاج ہے اور دوسری خوش مزاج اور اسی طرح کئی وجوہات کی بنا پر ایک بیوی کی طرف طبعاً آدمی کی رغبت کم اور دوسری کی طرف زیادہ ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”شہوت میں کوئی بھی برابری نہیں کر سکتا، خواہ وہ برابری کا حریص بھی ہو۔“ (روضۃ المحبین ص: 171)

ان حالات میں شرعی قانون یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ محبت و رغبت میں ضرور بیویوں کے درمیان برابری کی جائے، بلکہ صرف یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جب تم بے رغبتی کے باوجود ایک عورت کو طلاق نہیں دیتے تو اس سے کم از کم اس حد تک تعلق ضرور رکھو کہ وہ عملاً بے شوہر ہو کر نہ رہ جائے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یہ مساوات ان امور میں ضروری ہے، جو انسان کے اختیار میں ہیں۔ مثلاً: نفقہ میں برابری، شب باشی میں برابری۔ وہ جو

انسان کے اختیار میں نہیں مثلاً: قلب کا میلان کسی کی طرف زیادہ ہو جائے تو یہ غیر اختیاری معاملہ ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں، بشرطیکہ اس میلان کا اثر اختیاری معاملات پر نہ پڑے۔“ (معارف القرآن 287/2)

سعودی عرب کے جلیل القدر عالم شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”شوہر کو چاہیے کہ وہ بیویوں پر ظلم اور ان کے درمیان بے عدلی سے ڈرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے عدلی پر وعید سنائی ہے۔ لہذا مرد پر لازم ہے کہ وہ ہنسے بولنے، رات گزارنے اور ہر اس چیز میں برابری کی کوشش کرے، جس میں برابری اس کے لیے ممکن ہے۔ ہاں! محبت چونکہ غیر اختیاری چیز ہے، اس لیے محبت کے معاملے میں برابری ضروری نہیں، کیونکہ دل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جس طرف چاہے پھیر دے، لیکن اس کے علاوہ جن چیزوں میں بھی مرد عدل کر سکتا

ہے، ان میں عدل کرنا اس پر واجب ہے۔“ (www.ibnothaimeen.com/all/noor/article_3567.shtml)

عدل کے تفصیلی احکام و جزئیات بہت ہیں، ضرورت پڑنے پر اہل علم سے رجوع کیا جاسکتا ہے، فی الحال عدل کا ایک بنیادی خاکہ اور ڈھانچہ پیش کیا گیا ہے، جس کو سامنے رکھ کر اگر کوئی شخص اس معیار عدل پر پورا اُترتا ہے تو وہ جب چاہے دوسری شادی کر سکتا ہے، بلکہ چار تک بیویاں رکھ سکتا ہے۔ البتہ ایک سے زائد شادیاں کرنے کی اجازت اس شرط پر ہے کہ تمام بیویوں کے حقوق ادا کر سکتا ہو اور ان میں عدل یعنی برابری کر سکتا ہو۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ کوئی شخص تمام بیویوں کے حقوق ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور ان کے درمیان عدل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں خود اس کی اپنی رائے کا اعتبار ہے، دوسرے کسی شخص کو اس بارے میں رائے زنی اور دخل اندازی کرنے کا شرعاً کوئی اختیار نہیں، کیونکہ ”فَإِنْ خِفْتُمْ“ میں واضح اشارہ ہے کہ ”پس اگر تمہیں خوف ہو۔۔۔“ ہاں! محض مشورے کی حد تک رائے دینے کی تو اجازت ہے، مگر اس بارے میں کسی کو رائے مسلط کرنے کی اجازت نہیں۔ جیسا کہ علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً فِي وَاحِدَةٍ تَصْرَحُ بِهٖ بِبَعدِ عَدْلٍ كَاخُوفٍ، جس کی وجہ سے متعدد شادیوں پر پابندی ہے تو اس بارے میں اس کا خوف معتبر ہے، جو شادی کرنا چاہ رہا ہو، اس کے سوا اور کسی کے خوف کا اعتبار کر کے اسے بنیاد بنانا کتاب اللہ کی واضح تصریح کو بدلنے کے مترادف ہے۔“ (مقالات کوثری ص: 325)

ایک مشہور عرب عالم، شیخ احمد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”آیت مبارکہ میں بے عدلی کے خوف والی شرط کا تعلق اس شخص سے ہے جس سے خطاب کیا جا رہا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی بھی مرد کو صیغہ امر کے ساتھ اس کی پسندیدہ عورتوں میں سے متعدد عورتوں سے نکاح کی اجازت دی تو اس اجازت کو کسی بھی قاضی یا قانون کی اجازت یا سرپرست یا ان کے علاوہ اور بھی کسی کی اجازت کے ساتھ مشروط نہیں فرمایا اور حکم دیا کہ اسے اگر خود اپنے دل میں اس بات کا خوف ہو کہ وہ ایک سے زائد بیویوں میں عدل نہ کر سکے گا تو ایک بیوی پر اکتفاء کرے۔ جب کسی کے دل کی کسی کو خبر نہیں تو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اس شخص پر چھوڑ دیا جس کا ایک

سے زیادہ شادیاں کرنے کا ارادہ ہے۔“ (فقہ تعدد الزوجات ص: 15)

شیخ ناصر النخین حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر کسی کو ایک سے زائد شادیوں کے نتیجے میں کسی بیوی پر ظلم کا خوف ہو اور وہ خود اپنے بارے میں خوف محسوس کرتا ہو کہ متعدد بیویوں میں میں عدل نہ کر سکے گا تو ایسا شخص ایک بیوی پر اکتفاء کرے۔ اسی بات کو علمائے وقت میں سے شیخ الاسلام عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجیح دی ہے اور آپ اپنی مجلس میں بیٹھنے والے شرکاء سے بعض مرتبہ بطور مزاح فرمایا کرتے کہ ”اے فلاں! تم نے ایک سے زیادہ شادیاں کی ہوئی ہیں یا تم خوفزدہ ہونے والوں میں سے ہو؟“ چنانچہ اس ”خوفزدہ“ کے لفظ میں یوں مزاح تھا کہ اس کا ایک قریبی معنی تو یہ ہے کہ ”پہلی بیوی سے ڈرنے والے ہو“ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ”اس بات سے خوفزدہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے۔“ (www.do3aa.net/marriage.htm)

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ہم یہ سمجھتے ہیں کہ متعدد بیویاں رکھنا ایک بیوی پر اکتفاء کرنے سے افضل ہے، کیونکہ اس میں اولاد کی کثرت اور بہت سی عورتوں کی عفت و پاکدامنی کا انتظام ہے، کیونکہ عموماً عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ رہتی ہے، جس کی بنا پر وہ محتاج ہوتی ہیں اس بات کی طرف کہ کوئی مرد ان کی عفت و پاکدامنی کا انتظام کرے۔ انسان کے نکاح میں جب ایک بیوی ہوتی ہے تو وہ بعض مرتبہ اس سے عمدہ سلوک کرتا ہے اور بیوی کو شریعت کی وہ باتیں سکھاتا ہے جو اللہ نے اسے سکھائی ہیں۔ ایسے شخص کے نکاح میں جب دو بیویاں ہوں گی تو اس کی بھلائی میں اضافہ ہوگا اور یہ دو عورتوں کو تعلیم دے گا، ان کی صحیح رہنمائی کرے گا اور ان کے نان نفقے کا ذمہ دار ٹھہرے گا اور اگر اس کے نکاح میں تین عورتیں ہوں تو اس کی بھلائی میں مزید اضافہ ہوگا اور اگر چار عورتیں ہوں تو خیر و بھلائی میں اور اضافہ ہوگا، چنانچہ جیسے جیسے بیویوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا تو تعدد میں یہ اضافہ مزید عمدہ اور افضل ہوتا چلا جائے گا، اُن مصلحتوں میں اضافے کی وجہ سے جو نکاح پر مرتب ہوئی ہیں، مگر اس کام کے لیے تین شرطوں کا ہونا لازمی ہے: پہلی شرط قدرت مالیہ ہے اور قدرت مالیہ کا مطلب یہ ہے کہ مہر کی ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو اور بیوی کے نان نفقے کی طاقت بھی رکھتا ہو، دوسری شرط قدرت جسمانیہ ہے، یعنی مرد میں اتنی جنسی شہوت و قوت ہو کہ وہ بیویوں کا حق ادا کر سکے اور تیسری شرط یہ ہے کہ عدل پر قادر ہو، یعنی اس کا اپنے بارے میں یہ خیال ہو کہ وہ غنی اور سابقہ بیوی کے درمیان عدل کر سکے گا۔ چنانچہ جسے یہ خوف ہو کہ وہ عدل نہیں کر سکے گا تو (ایسے لوگوں کے لیے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: پس اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے کرو۔۔۔“

(www.ibnothaimeen.com/all/noor/article_3567.shtml)

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (یا پھر ان باندیوں پر اکتفاء کرو جن کے تم مالک ہو):

آخر میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ تم ایک بیوی کے ساتھ بھی عدل نہ کر سکو گے تو ان باندیوں پر گزرا کرو جن کے تم مالک ہو، کیونکہ نہ تو باندیوں میں عدل ضروری ہے اور نہ ہی ان کے حقوق وہی ہیں جو ایک آزاد عورت کے ہوتے ہیں۔ بیویاں تو چار سے زیادہ رکھنے پر پابندی ہے، لیکن باندیاں چار تو کیا چار ہزار بھی رکھ سکتے ہو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”اگر تمہیں خوف ہو کہ چار بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے تو تین پر اکتفاء کرو، اگر تین میں عدل نہ کر سکو تو دو پر، اگر دو میں

عدل نہ کر سکو تو ایک پر اور اگر ایک کے حقوق بھی ادا نہ کر سکو تو پھر باندیوں پر ہی گزارا کرو۔“ (الدر المنثور 424/2)

علامہ ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر آدمی چار شادیوں کی طاقت رکھتا ہے تو چار کرے اور اگر اس کی حالت اس کی متحمل نہ ہو تو اسے صرف اتنی ہی شادیاں کرنی چاہئیں جتنی کی وہ طاقت رکھتا ہے۔“ (احکام القرآن 130/1)

آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عدل کا حکم صرف ایک سے زائد بیویوں ہی کے معاملے میں نہیں، بلکہ ایک بیوی کے معاملے میں بھی ہے۔ اگر انسان ایک بیوی کے ساتھ بھی عدل کرنے کے قابل نہیں تو وہ ایک شادی بھی نہ کرے، بلکہ باندیوں پر ہی گزارا کرے۔ اب آج کے دور میں باندیاں تو رکھی جاسکتیں اور نہ ہی اس کا رواج قائم ہے تو کیا ایسا انسان پھر نکاح ہی نہ کرے۔۔۔؟ چنانچہ دنیا و آخرت کی بھلائیاں اور فوائد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان واپس نکاح کے حکم ہی کی طرف رجوع کرے اور اگر وہ خود کو قابل سمجھتا ہے تو ایک نہیں بلکہ دو دو، تین تین اور چار چار کرے، کیونکہ یہی پسندیدہ اور مرغوب ترین عمل ہے اور اس کے برعکس بلا کسی شرعی عذر کے نکاح سے کنارہ کشی اختیار کرنا شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ اور مذموم ترین عمل ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو نکاح کر سکتا ہو پھر بھی نہ کرے تو وہ ہم میں سے نہیں۔“ (کنز العمال 119/1)

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر تم صلاحیت رکھتے ہو اور خوشحال ہو پھر بھی تم نے شادی سے گریز کیا تو تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔“

(جمع الفوائد ص: 216)

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”وہ شخص مسکین ہے جس کی بیوی نہیں، چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو اور وہ عورت مسکینہ ہے جس کا شوہر نہیں، چاہے وہ

مالدار ہی کیوں نہ ہو۔“ (جمع الفوائد ص: 216)

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ متقی اور اللہ سے ڈرنے والا ہوں، مگر میں تو روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں (یعنی میری امت میں سے نہیں)۔“ (بخاری ج: 5063، مسلم ج: 1020)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”تمہیں نکاح کرنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی سوائے اس بات کے کہ یا تو تم نکاح سے عاجز ہو یا تم فاسق ہو۔“

(مصنف عبد الرزاق ج: 10383)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کا حکم فرمایا کرتے اور مجرد (غیر شادی شدہ) رہ کر زندگی گزارنے سے بہت سختی سے منع

فرمایا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی عورت سے نکاح کیا کرو جو بہت زیادہ محبت کرنے والی اور کثرت سے بچے جننے والی ہو۔“ (مجمع الزوائد 258/4)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا کہ آئندہ نکاح نہیں کریں گے، اس پر آپ کی ہمیشہ، اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے فرمایا:

”اے میرے بھائی! ایسا نہ کرنا، نکاح کرو، کیونکہ نکاح کے بعد جو تمہاری اولاد ہوگی، اگر تمہاری زندگی میں ہی فوت ہوگئی تو اجر کا ذریعہ ہوگی اور اگر زندہ رہی تو تمہارے مرنے کے بعد تمہارے لیے دعا کیا کرے گی۔“ (البیہقی ج: 509)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”اگر مجھے علم ہو جائے کہ میری زندگی ختم ہونے میں صرف ایک دن باقی ہے اور میری کوئی بیوی نہیں تو میں چاہوں گا کہ وہ رات بھی بیوی کے بغیر نہ گزرے۔“ (بخاری، مسلم، مصنف عبد الرزاق ج: 10382)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، اس حالت میں اپنے متعلقین سے فرمانے لگے:

”اے لوگو! میرا فوراً نکاح کراؤ، اس لیے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسی

حالت میں نہ ملوں کہ میرے نکاح میں کئی عورت نہ ہو۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ ج: 15908)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس بیماری کے دوران جس میں آپ کا انتقال ہوا، فرمایا:

”اے لوگو! میرا فوراً نکاح کراؤ، اس لیے کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے بغیر ملاقات کروں (گو کہ آپ پہلے نکاح کر چکے تھے، مگر طلاق یا موت کے باعث کوئی عورت اُس وقت آپ کے نکاح میں موجود نہ تھی)۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ ج: 15909)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”نکاح کرو، اس لیے کہ اس اُمت میں بہتر وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہیں۔“ (بخاری ج: 4782)

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اسلام میں نکاح کے بغیر زندگی کا کوئی تصور نہیں۔“ (الدرع لابن حنبل 119/1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نکاح کا ترک کرنا ایسی چیز نہیں کہ اسے ترجیح دی جائے، اس لیے کہ اگر نکاح کا ترک قابل ترجیح چیز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اختیار کرتے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ خشیت و معرفت رکھنے کے باوجود

کثرت سے نکاح فرماتے اور ”شفاء“ میں لکھا ہے کہ عرب نکاح کی کثرت کو پسند کیا کرتے تھے، کیونکہ یہ کام نکاح کرنے

والے مرد کی مردانگی پر دلالت کرتا ہے۔“ (فتح الباری 115/9)

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ایسے مرد کے لیے جو نکاح پر قدرت رکھتا ہو نکاح میں تاخیر میں اس حدیث کی مخالفت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے نوجوانوں کو جلد نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد ہے کہ: اے نوجوانو! پس تم میں جو قدرت رکھتا ہو وہ نکاح کرے۔ اس حدیث کی بنا پر علماء میں اختلاف ہے کہ جس نوجوان میں نکاح کی خواہش اور قدرت ہو، اگر وہ نکاح میں تاخیر کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بعض علماء کا مذہب ہے کہ اس حدیث میں چونکہ امر کا صیغہ ہے اور امر و وجوب کے لیے ہوتا ہے، اس لیے جلد نکاح واجب ہے اور اس میں تاخیر حرام ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ نکاح میں تاخیر سے گناہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ جب کسی کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا کا خوف ہو اور حدیث میں جو امر کا صیغہ ہے وہ وجوب پر نہیں بلکہ استحباب و ارشاد پر محمول ہے۔ بہر حال (کچھ بھی ہو)، میں اپنے وہ مسلمان بھائی، جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی قدرت اور جسمانی شہوت عطا کی ہے، ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر انہوں نے ابھی تک نکاح نہیں کیا تو وہ جلد از جلد نکاح کریں اور اگر ان کے نکاح میں پہلے سے بیویاں ہیں اور انہیں مزید شادی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ مزید نکاح کریں، کیونکہ چار شادیوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ میں اولاد کی کثرت کی ترغیب دی ہے اور اس میں شک نہیں کہ زائد بیویاں رکھنا اولاد کی کثرت کا سبب ہے، نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ اس امت میں بہتر وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہیں۔“ (www.ibnothaimeen.com)

خلاصہ کلام

قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ سے نکاح کے حکم کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہوا کہ ایک سے زائد شادیوں کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ اصل حکم ہی ایک سے زائد شادیوں کا ہے۔ اس لیے ایک مرد ایک وقت میں اپنی پسند کے مطابق چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے اور اگر اس کو خوف ہو کہ چار بیویوں میں عدل نہ کر سکے گا تو پھر تین کرے، اگر تین میں بھی عدل نہ کر سکے گا تو پھر دو کرے، اگر دو میں بھی عدل نہ کر سکے گا تو پھر ایک ہی کرے اور اگر ایک کے ساتھ بھی عدل کا معاملہ نہ کر سکے گا تو پھر ایک بھی نہ کرے، لیکن اس کے لیے دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی اسی میں ہے کہ وہ نکاح کرے اور خود کو نکاح کے قابل بنانے کی پوری پوری کوشش کرے۔



قبل از اسلام

اور

تعددِ ازواج



کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ ان کی تفصیلات درج ذیل کتب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

1) Marriage/Encyclopaedia of Islam, 26/8.

2) Marriage/Encyclopaedia of Religions, 218/9.

الہامی مذاہب اور تعددِ ازواج:

یہودیت اور عیسائیت الہامی مذاہب ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے دنیا میں تعددِ ازواج کی کافی قبیح رسمیں قائم رہیں، لیکن انہوں نے بھی ان رسموں کے خلاف ایک لفظ تک نہیں کہا۔ جارج سیل کہتا ہے کہ کچھ یہودی علماء نے باہم مشورے سے بیویوں کی تعداد کی حد چار مقرر کی تھی، لیکن ان کا مذہبی قانون اس سلسلے میں ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ عیسائیت کے نزدیک بھی قانون وہی معتبر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو انجیل نازل ہوئی تھی اس کے متعلق بھی عیسائی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ اس میں تعددِ ازواج کی ممانعت کا کوئی قانون موجود تھا، البتہ انجیل متی کے باب 25 میں یہ ملتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی آمد کی خبر میں دس کنواریوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے پانچ نے دولہا کے ساتھ شادی کی اور ان کے گھر گئیں اور جو پانچ پیچھے رہ گئیں ان کے لیے دروازہ نہیں کھولا گیا۔ مشہور برطانوی شاعر ملٹن بھی اسی تعلیم کی وجہ سے ایک سے زیادہ بیویوں کے جواز کا قائل تھا۔

اس سلسلے میں عرب مصنف زکریا ہاشم زکریا لکھتے ہیں:

”ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک تمام شریعتوں میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت تھی اور میں نہیں سمجھتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو انجیل نازل ہوئی تھی، اس نے اس کی ممانعت کی ہو، لیکن ایک سے زائد بیویاں رکھنے کے لیے جو شرائط تھیں، شریر لوگوں نے ان سے تعددِ ازواج کی ممانعت سمجھی اور انجیل میں تحریف کر دی۔“ (المستشرقون والاسلام ص: 329، قاہرہ 1956)

معروف یہودی مؤرخ ابراہم لیون ساچر (Abram Leon Sacher) لکھتا ہے:

”یہودیت میں تعددِ ازواج کی کوئی قانونی ممانعت نہ تھی، قرونِ وسطیٰ میں ایک یہودی مذہبی رہنما جیر شام "Gersham" نے تو یہاں تک اجازت دے دی ہے کہ ایک شخص اتنی بیویاں رکھ سکتا تھا جتنی بیویوں کی اس میں استطاعت موجود ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ گائیڈون "Gideon" کی ستر بیویاں تھیں۔“

(A History of the Jews Pg:94, New York-1972)

پادری فاکس اپنی کتاب ”غلطیوں کی اصلاح“ میں لکھتا ہے:

”تعددِ ازواج کے مقدمے میں ہم بے تردید تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی اس نے رواج پایا تھا اور خداوند نے بھی اس سے منع نہیں کیا، بلکہ اس رسم پر چلنے والوں کو خوشخبری کی نوید اور برکت کا وعدہ سنایا ہے۔“

(مذہب عالم ص: 292، علمی کتب خانہ، لاہور، طبع شدہ 1980)

قبل از اسلام اور تعددِ ازواج

حقیقت یہ ہے کہ تعددِ ازواج کا تصور صرف دین اسلام ہی میں نہیں، بلکہ اس سے صدیوں پہلے سے ہر معاشرے میں موجود رہا ہے اور انتہائی گھناؤنی شکل میں موجود رہا ہے۔ اسلام سے پہلے تعددِ ازواج کی جو رسمیں رائج تھیں ان میں سے زیادہ تر ایسی تھیں جن کی موجودگی میں نہ گھر کا سکون برقرار رہ سکتا تھا اور نہ ہی معاشرے کا۔ ایک مرد کی لاتعداد بیویاں ہوتی تھیں اور ایک عورت کے بے شمار شوہر۔ ان شادیوں کے لیے کسی ضابطے اور قانون کی پابندی ضروری نہیں تھی۔ اسلام سے پہلے جتنے بھی مذاہب آئے انہوں نے ان قبیح رسموں کو ختم کرنے کے لیے کچھ نہیں کیا۔

غیر الہامی مذاہب اور تعددِ ازواج:

”ہندومت“ بڑا قدیم مذہب ہے اور غیر الہامی مذاہب میں سب سے زیادہ معروف اور قابلِ ذکر حیثیت کا حامل ہے۔ اس مذہب کی کتب و تواریخ اس حقیقت کا اعتراف کرتی نظر آتی ہیں کہ تعددِ ازواج ہندومت میں بھی ہمیشہ رائج رہا ہے اور اس کے مذہبی اور مقدس رہنما ”منو“ کے مطابق ایک مرد ایک وقت میں دس بیویاں رکھ سکتا ہے، لیکن اس مذہب کی حالت یہ تھی کہ قدیم ہندو حکمران ”شاہ چندر“ کی سو بیویاں تھیں اور ہندوؤں کے ہیر و ”پانچ پانڈو بھائی“ ایک ہی عورت کے شوہر تھے۔ ہندومت میں اس بد اخلاقی کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی سے بچہ پیدا نہ کر سکے تو وہ اپنے دیور سے ملاپ کر کے بچہ پیدا کر لے۔ جیسا کہ ”رگ وید“ کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے:

”کسی عورت کے پہلے سے دس غیر برہمن خاوند ہوں، اگر کوئی برہمن اس کا ہاتھ پکڑ لے، تو وہ اکیلا اس کا خاوند سمجھا جائے گا، کیونکہ برہمن ہی عورتوں کا مالک یا خاوند ہے نہ کہ کھشتری اور ویش۔“ (منزل: 10، سوکت: 109، منتر: 6-7)

ہندوؤں کے راجہ ”وشرتھ“ کی تین بیویاں اور ساڑھے تین سولہ بیویاں تھیں۔ اس کی مہارانی ”سیتا“ کا جب سوئسٹر چایا گیا تو اس کی عمر صرف پانچ سال تھی۔ ”مہا بھارت“ میں اس نوعیت کے بہت سے واقعات موجود ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ”دروپدی“ کے پانچ خاوند تھے۔ ”پرانوں“ کی روایت کے مطابق ”نریشی کنیا“ سے سات ”رشیوں“ (مذہبی رہنماؤں) نے ایک ساتھ شادی کی، اسی طرح ”دارکشی منی کنیا“ سے دس برہمن بھائیوں نے ایک ساتھ بیاہ رچایا اور یہ دس بھائی مقدس ویدوں کے مصنف بھی ہیں۔ (ویدارتھ پرکاش ص: 143)

پندرھویں صدی میں وجیا نگر (دکن) کے حاکم ”دیوراجہ“ کی بارہ ہزار بیویوں کا ذکر ”ونسٹ سمتھ“ نے کیا ہے، جن میں سے تین ہزار اس کی وفات پرستی کی رسم میں زندہ جل گئیں۔ ہندو مذہب میں جنس کو عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ مرد و عورت کے اعضاء مخصوصہ کے باقاعدہ بُت آج بھی مندروں میں موجود ہیں اور ان مندروں میں حسین دوشیزاؤں کو دیو داسیاں بنا کر زائین کی عیاشی

مشہور عیسائی فاضل، مسٹر ڈیون پورٹ کثرتِ ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: ”ان آیتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں خاصی برکت رکھی ہے۔“ (معارف القرآن 287/2)

عرب مصنف احمد عبدالعزیز الحصین لکھتے ہیں:

”تعددِ ازواج قدیم مصری، ایرانی آشوری، بابلی اور ہندوستانی تہذیبوں میں مروج تھی، جس طرح روسی اور جرمنی تہذیب سے پتہ چلتا ہے۔ بعض یونانی بادشاہ بھی اس پر عامل رہے ہیں، اسی طرح یہودیت سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔“

(المرأة بین الفقه والقانون ص: 71)

ڈاکٹر مصطفی السباعی لکھتے ہیں:

”قدیم چینی معاشرت میں ”لیکی“ کی شریعت کے مطابق 130 بیویوں تک کی اجازت تھی، جبکہ چین کے بعض قدیم حکمرانوں کے متعلق تیس ہزار بیویوں تک کا پتہ چلتا ہے۔“ (المرأة بین الفقه والقانون ص: 71)

انبیائے سابقین علیہم السلام اور تعددِ ازواج:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

”یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے اُن کو بیویاں اور بچے بھی دیے۔“ (سورۃ الرعد ایت: 6)

انبیائے سابقین علیہم السلام کی عظمت و تقدس پر تینوں آسمانی مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام متفق ہیں۔ ان کی تاریخِ زندگی اس چیز کی گواہ ہے کہ وہ خود بھی تعددِ ازواج پر عامل رہے اور نہ ہی ان کی جانب سے کسی ممانعت کی کوئی دلیل ملتی ہے۔ ”عہدِ نامہ قدیم“ یعنی تورات میں تعددِ ازواج کے مندرجہ ذیل اعداد و شمار ملتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام..... حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں مذاہب میں مسلم ہے، تینوں مذاہب کا سلسلہ آپ ہی پر ختم ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویوں کا ذکر ملتا ہے: ہاجرہ، سارہ اور قنوزہ۔

(کتاب پیدائش: 25/1, 18, 15, 16/4)

حضرت یعقوب علیہ السلام..... حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویوں کا ذکر ملتا ہے: لیاہ، زلفہ، رافل اور بلہہ۔

(کتاب پیدائش: 29/3, 29/34, 29/28, 29/29)

حضرت موسیٰ علیہ السلام..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویوں کا ذکر ملتا ہے: سفورہ، بشیر، بنت قینی اور بنت حباب۔

(کتاب خروج: 2/31، قاضیوں 4/16, 1/16)

حضرت داؤد علیہ السلام..... حضرت داؤد علیہ السلام کی نو بیویوں کا ذکر ملتا ہے: اخنوع، ابی جلی، میکمل، معکہ، حجیت، ابیطال، عجلہ، بنت سبع و ختر ابیعام اور ابی شاگ۔ ان کے علاوہ بھی آپ کی دس حرمیں تھیں۔ (ابواب سمویل)

حضرت سلیمان علیہ السلام..... انبیائے سابقین میں تعددِ ازواج کے حوالے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیگر تمام انبیاء پر سبقت

حاصل تھی۔ آپ کی سات سو بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں، جبکہ آپ کے بڑے بیٹے رجھام کی اٹھارہ بیویاں اور ساٹھ حرمیں تھیں۔ (عہد نامہ قدیم، باب سلاطین)، (قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین 141/2)

دورِ جاہلیت اور تعددِ ازواج:

قبل از اسلام عربوں کے دورِ جاہلیت میں بھی تعددِ ازواج کا تصور ملتا ہے، لیکن انتہائی بھیا تک اور دردناک صورت میں۔ اُس وقت کی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ کیا جائے تو نکاح کی بہت سی اقسام دکھائی دیتی ہیں۔ ”نکاح بغایا“ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایسی عورت اپنے گھر کے باہر ایک ایسا مخصوص جھنڈا لگالیتی تھی جو حرام کاری کی دعوتِ عام کی علامت تھی۔ ”نکاح جمع“ کی صورت میں ایک عورت ایک سے زائد شوہر رکھتی تھی۔ ”نکاح طلب ولد“ کی شکل میں ایک شادی شدہ عورت اولاد کی طلب اور خواہش میں اپنے شوہر کے علاوہ غیر مردوں سے مباشرت کر لیتی تھی۔ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو کھلی چھوٹ اور مکمل آزادی حاصل تھی۔ ایک مرد دس دس، بارہ بارہ نکاح کر لیتا تھا۔ پھر منکوحہ کو الگ کرنے اور دھتکار دینے میں کوئی اخلاقی حس رکاوٹ نہ تھی۔ شادی کرنے کے بعد مرد جتنی بار چاہے عورت کو طلاق دے دے اور پھر جب دل چاہے اسے واپس بلا لے۔ عورت اس کے ہاتھ میں ایک مظلوم کھلونے سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ والد کے انتقال کے بعد یہی بیویوں کی تعداد بیٹوں کے ترکے میں تقسیم ہو جاتی تھی اور سوتیلی ماں سے نکاح میں کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کے ہاں بیویوں سے محبت اور عدل کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ بعض لوگ یتیم لڑکیوں سے ان کے مال و دولت کی وجہ سے شادی کر لیتے تھے، حالانکہ انہیں ان لڑکیوں سے محبت نہیں ہوتی تھی، اس لیے وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔

خلاصہ کلام

اسلام سے پہلے تعددِ ازواج کا تصور بغیر کسی ضابطے کے دنیا بھر میں موجود رہا تھا، مگر کسی مذہب نے اس کو باضابطہ بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے ان تمام صورتوں کو ممنوع قرار دے دیا جن سے ایک فرد یا معاشرے کا سکون برباد ہو سکتا تھا، جن سے نسب میں اختلاط کا اندیشہ تھا یا جن سے مقاصدِ زوجیت فوت ہونے کا خطرہ تھا۔ اس لیے دین اسلام میں ایک مرد ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے اور ایک عورت ایک وقت میں صرف ایک ہی مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی حقوق و فرائض کا وہ باضابطہ سلسلہ ہے جس کے ذریعے نہ تو رشتہٴ زوجیت کو ٹھیس پہنچتی ہے اور نہ ہی کسی فرد یا معاشرے کا سکون تباہ ہوتا ہے۔





نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اور

تعددِ ازواج



آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیشکش کا سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یہ رزق اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ (الطبرانی، الہیسمی 222/9)

مکہ کے سرداران اور بڑے بڑے رئیس حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کے خواہش مند تھے، مگر آپ نے سب کو انکار کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں جو خوبیاں آپ کو نظر آئیں، ان کی وجہ سے آپ کا رخ اس طرف ہو گیا۔ آپ نے اپنی ایک سہیلی ”نقیسہ بنت منیہ“ کو اپنے دل کی بات بتادی تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رشتے کے بارے میں بات کی اور کہا: اے محمد! آپ کو شادی سے کیا چیز مانع ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ہاتھ میں شادی کے لیے کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے کہا: اگر آپ کو کفایت ہو جائے اور حسن، مال اور شرافت کی طرف دعوت ملے تو کیا حامی نہیں بھریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: خدیجہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میرے ذمہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔ نقیسہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کامیابی کی خبر لے کر لوٹیں اور انہیں بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شادی کے لیے تیار ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کی شادی کر دیں۔ وہ آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آل عبدالمطلب کو لے کر آئے، جن میں آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوطالب تھے۔ ان سب کی موجودگی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ (طبقات ابن سعد 131/1)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی وہاں ہر طرف سے دھن برستا تھا۔ وہ منہ میں چاندی کا چھچھ لے کر پیدا ہوئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی سے قبل آپ دولت میں کھیلتی تھیں۔ تقریباً سارا مکہ اور اس کی بیشتر آبادی آپ کے مال تجارت پر اپنی زندگی کی گزران کرتا تھا۔ کئی نوکر چاکر اور خادماں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے کام کرنے میں اپنے لیے فخر محسوس کرتی تھیں، لیکن جو نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اپنی پوری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں تہج کر دی۔ گھر کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کرتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھتیں۔ اس صبر اور خدمت کا اجر بارگاہِ خداوندی سے یہ ملا کہ خود رب العزت کے سلام آنے لگے۔ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برتن میں کھانے کی کوئی چیز لا رہی ہیں، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کا اور میرا سلام پہنچا دیجیے اور ان کو جنت کے ایک محل کی بشارت دیجیے، جو ایک ہی موتی کا بنا ہوا ہوگا اور اس محل میں نہ کوئی شور و غل ہوگا نہ کسی قسم کی مشقت و تکلیف ہوگی۔ (بخاری ج: 3820، مسلم ج: 2422)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آتے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا سارا مال و اسباب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ اس سے آپ کو فکر معیشت سے نجات مل گئی۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور عبادتِ خداوندی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کے پہلے دن ہی سے آپ کی خدمت گزاری میں جان و مال سے ایسی مصروف ہو گئیں کہ گویا باندی ہیں۔ مرتے دم تک آپ سے کوئی ایسا امر ظہور پذیر نہیں ہوا، جس سے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تعددِ ازواج

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا نکاح 25 سال کی عمر میں اُس خاتون سے فرمایا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں 15 سال بڑی تھیں، یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ شادی کے وقت ان کی عمر 40 برس تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر مبارک کا 25 سالہ عرصہ ان ہی واحد خاتون کے ساتھ گزارا، 15 سال نبوت سے پہلے کا اور 10 سال نبوت کے بعد کا عرصہ۔ جس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا، اُس وقت ان کی عمر 65 برس تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 50 سال تھی، گویا جب تک یہ معمر خاتون زندہ رہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا اور انہی کے ساتھ بحسن و خوبی گزارا فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ وہ بھی ایک بیوہ اور معمر خاتون تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کنواری تھیں اور باقی تمام ازواجِ مطلقہ یا بیوہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مجموعی طور پر گیارہ شادیاں فرمائیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو نکاح ہوئے تھے۔ پہلا نکاح عتیق بن عائد سے ہوا اور ان کے مرنے کے بعد دوسرا نکاح ابوہالہ سے ہوا، لیکن وہ بھی انتقال کر گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 15 سال قبل نبوت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 40 برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 25 سال رہیں اور سن 10 نبوی میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 65 سال تھی۔ (تاریخ اسلام ص: 40)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ کی خواتین میں مال، شرافت اور مرتبے کی حیرت انگیز مثال تھیں۔ آپ کی بڑی وسیع تجارت تھی۔ آپ بااعتماد لوگوں کو مستاجر بنا کر ان کا حصہ مقرر کر کے انہیں تجارت کے لیے بھیجا کرتی تھیں۔ اسی دوران آپ ایک امانت دار نو جوان محمد بن عبد اللہ سے واقف ہوئیں، جن کا نسب آپ کے نسب سے ملتا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی دور اندیش اور ذوق فراست معروف تھیں۔ آپ صبح و شام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہکتے واقعات سنا کرتی تھیں۔ اسی لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت کے لیے بھیجنے کی طرف راغب ہوئیں۔ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا اور کہا: آپ کی سچائی اور عظیم امانت داری اور اچھے اخلاق کی وجہ سے میں آپ کو پیغام بھجووانے پر مجبور ہوئی ہوں، میں آپ کی تجارت میں آپ کی قوم کے لوگوں سے دو گنا حصہ آپ کو دوں گی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشکش کو قبول فرمایا اور جب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا ہو بلکہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوئی ہو تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشفی اور دل جمعی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب قریش مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزاء اور تمسخر اڑاتے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزارتا تو اکثر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرانی طبیعت کو اپنی تسلی آمیز باتوں سے ہلکا کرتی تھیں۔ ہر امر میں مطیع و فرمانبردار تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر بات میں آپ سے مشورہ لیتے تھے۔ (عیون الاثر 227/1، البیہقی 352/2)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً چوتھائی صدی کے قریب عرصہ گزارا اور اپنی اس مبارک زندگی میں اپنے شوہر کی ہمدرد اور دل جو بیوی ثابت ہوئیں۔ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر غم و خوشی میں شریک رہیں، ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشی کا لحاظ رکھا اور جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسیت ہوتی ان سے نیک سلوک روا رکھتیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کا رتبہ بڑھے۔ آپ کے نیک سلوک اور کرم کی وہ ادائیں سامنے آئیں، جنہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اونچے اور باعزت مرتبے پر فائز کر دیا۔ ایک سال لوگوں کو قحط کا سامنا کرنا پڑا، اسی سال حضرت حلیمہ سعدیہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضائی ماں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے تشریف لائیں اور جب واپس لوٹیں تو ان کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دیا ہوا ایک اونٹ تھا، جس پر پانی لدا ہوا تھا اور چالیس بکریاں بھی ساتھ تھیں۔ ان کا یہ سلوک اس کے بعد بھی ظاہر ہوا کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی رضائی ماں حضرت ثویبہ تشریف لاتیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی بنا پر آپ ان کا خوب اعزاز و اکرام کرتیں۔ (جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص: 27، ناشر: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلی ہستی تھیں جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و عظمت کو پہچانا اور اپنا تن، من، دھن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے بعد 25 سال کی زندگی میں بے پناہ مشکلات آئیں، مگر ان تمام مشکلات میں آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری طرح ساتھ دیا۔ قریش مکہ قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچاتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام و سکون پہنچاتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف کو دیکھ کر وہ کبھی مایوس نہ ہوتیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی کرتیں اور تبلیغ کے کام میں ہر ممکن مدد کرتیں۔ آپ نے اپنی ہر خوشی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دی۔ محرم الحرام، 7 نبوی میں قریش مکہ نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ لکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم اور ان کے حامیوں سے یک قلم تمام تعلقات منقطع کر لیے اور بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔ یہ محاصرہ 3 سال تک رہا، جو سخت تکلیف دہ تھا۔ یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے بلبلانے کی آواز باہر سنائی دینے لگتی اور سنگ دل بلبلانے کی آواز سن کر خوش ہوتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شعب ابی طالب میں تمام بنو ہاشم کے ساتھ محصور تھیں اور ہر وہ تکلیف برداشت کر رہی تھیں جو دوسرے محصورین کو دی جاتی تھی۔ (نسخ التواریخ 341/2، المقد الفرید 96/3)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم کے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی۔ آپ کی

موجودگی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کی کوئی فکر نہیں ہوتی تھی۔ سب کام آپ نے سنبھالے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے ایمان بھی آپ ہی لائیں اور آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ نمازیں سب سے پہلے پڑھیں جو پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے تھیں، یعنی دو رکعت صبح اور دو رکعت رات کو۔ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال ساتھ دیا۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدیجہ نے جو مجھ سے وفاداری کی، اس کے سبب مجھے ان کی یاد بہت مرغوب ہے۔ جب لوگوں نے میری نبوت کا انکار کیا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جب میری مدد کرنے سے لوگ ڈرتے تھے تو وہ چٹان کی طرح مضبوطی سے میرے ساتھ کھڑی رہیں۔ وہ بہترین ساتھی تھیں اور میرے بچوں کی ماں۔ (امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبداللہ فارانی)

مرض الموت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: جو کچھ میں نے تمہارے لیے دیکھا ہے، کیا تم اس سے خوش نہیں؟ اللہ تعالیٰ ناپسندیدگی میں ہی خیر فرمانے والا ہے، یعنی ہماری جدائی کے اس غم میں ہی خیر ہے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ اس نے جنت میں تمہارے ساتھ ساتھ مریم بنت عمران یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ، موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی آسیہ سے میری شادی کی ہے (یعنی جنت میں یہ تمہارے ساتھ ہوگی)۔ یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کی خبر دی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: اللہ تعالیٰ محبت و برکت عطا فرمائے۔ (امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبداللہ فارانی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے یہ بھی فرمایا: جنت تمہارے دیدار کی مشتاق ہے، تم جہان کی عورتوں سے افضل ہو، تم مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ سے زیادہ بزرگ ہو۔ (بخاری ج: 3815)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کا ذکر بہت محبت سے فرماتے تھے۔ آپ کی سہیلیوں سے بھی شفقت کا برتاؤ فرماتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر آپ کا خیال رکھتے تھے اور اکثر ان کی تعریف فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ باقی ازواج مطہرات کو رشک آنے لگتا تھا۔ (بخاری ج: 3816)

(2) حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد سن 10 نبوی میں، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 50 سال اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر بھی 50 برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 14 سال رہیں اور سن 19 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 72 برس تھی۔ (تاریخ اسلام ص: 41)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد اسی سال مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس سے شادی کروں؟ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: بیوہ اور کنواری

دونوں طرح کی لڑکیاں ہیں، جس سے آپ پسند فرمائیں، اس کے بارے میں بات کی جاسکتی ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کون ہیں؟ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری آپ کے محبوب ترین دوست ابو بکر کی بیٹی عائشہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، تم ان دونوں کے بارے میں بات کرو۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پا کر پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئیں، ان سے بات طے کرنے کے بعد حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئیں اور کہا: اللہ تعالیٰ کس قدر بھلائی اور برکت تمہارے ہاں داخل کرنا چاہتا ہے! حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ تمہارا رشتہ طے کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: میں مناسب سمجھتی ہوں کہ تم میرے والد کے پاس جاؤ اور ان سے اس بات کا تذکرہ کرو۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے والد کے پاس گئیں اور رشتے کی بات کی۔ آپ کے والد نے رضامندی ظاہر کر دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔ (الہیسی 225/9)

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضرت سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں تو آپ نے ایک خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لارہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ان کی گردن کو چھوا ہے، یہ خواب انہوں نے اپنے خاوند حضرت سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا۔ حضرت سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں انتقال کر جاؤں گا اور تیرا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا۔ پھر ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ سوئی ہوئی ہیں اور آپ پر چاند ٹوٹ کر گرا ہے۔ یہ خواب بھی آپ نے اپنے خاوند سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں تھوڑے عرصے کے بعد انتقال کر جاؤں گا۔ چنانچہ اسی رات حضرت سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑے اور تھوڑے دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ پھر کچھ عرصے بعد حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد 56/8)

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اخلاق نبوی کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھیں۔ اطاعت و فرمانبرداری تو آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازدواجی مطہرات سے فرمایا: میرے بعد گھر میں بیٹھنا۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے بھی نہ گئیں۔ فرماتی تھیں: میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گھر میں ہی بیٹھوں گی۔ (مسند احمد 324/6)

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طبیعت میں سادگی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے پاس درہموں سے بھرا ہوا تھیلہ بھیجا، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لانے والوں نے بتایا کہ یہ درہم ہیں، تو حیران ہو کر فرمایا: ارے! کھجوروں کی طرح تھیلے میں درہم۔ پھر انہوں نے وہ سارے درہم تقسیم کر دیے۔ (الاصابة 339/4)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کسی سے نہیں ہوا تھا، یعنی آپ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی واحد کنواری زوجہ محترمہ تھیں، آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے محبوب و مقرب دوست اور ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ سن 10 نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 50 سال اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 6 برس تھی۔ اس وقت آپ کی رخصتی نہیں ہوئی بلکہ 3 سال بعد ہوئی، جب آپ کی عمر 9 برس تھی۔ آپ کا نکاح حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پہلے ہوا، مگر رخصتی ان کے بعد ہوئی۔ رخصتی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 9 سال رہیں اور سن 57 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 63 برس تھی۔ (تاریخ اسلام ص: 41)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پا کر حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئیں اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر جانے کیا خیر و برکت اتارنا چاہتا ہے! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ سے اپنے رشتے کے لیے بھیجا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ مناسب ہوگی؟ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی کی بیٹی ہے۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم پھر ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم میرے اسلامی بھائی ہو اور میں تمہارا اسلامی بھائی ہوں، تمہاری بیٹی میرے لیے جائز ہے۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتائی تو انہوں نے فوراً منظور کر لیا۔ اب ایک اور مسئلہ بھی تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے سے طے ہو چکی تھی، اس لیے ان سے پوچھنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: تم نے عائشہ کی نسبت اپنے بیٹے سے طے کی تھی، اس سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟ اس وقت تک حضرت جبیر بن مطعم کا خاندان مسلمان نہیں ہوا تھا، اس لیے ان کی بیوی نے کہا: اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آگئی تو ہمارا بیٹا بے دین ہو جائے گا، اس لیے ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔ اس طرح نسبت خود ان کی طرف سے ختم ہو گئی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ (الہیسی 225/9)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: آپ کی بیوی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کا کپڑا اٹھا کر دیکھا تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ (بخاری ج: 3895)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بے حد محبت فرماتے اور اس کا اظہار بھی فرماتے۔ ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کس لیے پوچھ رہی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: تاکہ میں بھی اس سے محبت کروں جس سے آپ محبت کرتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عائشہ۔ (ترمذی ج: 3884)

یہی وجہ ہے کہ اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہنا پسند فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑا پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سینے پر سر سے ٹیک لگا کر لیٹے ہوئے تھے، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں مسواک تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کی خواہش ہے، چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسواک لے کر اپنے دانتوں سے نرم کی اور خدمت اقدس میں پیش کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت فخر سے فرمایا کرتی تھیں: تمام ازواج مطہرات میں، مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ میں لگایا۔ (بخاری ج: 3100)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت فرماتیں اور زندگی کے ہر مرحلے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت و چاہت کا خیال رکھتیں۔ آپ فرماتی ہیں: رمضان کے مہینے میں طبعی مجبوری کی وجہ سے جو روزے مجھ سے قضاء ہو جاتے تھے، میں عام طور پر ان روزوں کو آنے والے شعبان کے مہینے میں رکھا کرتی تھی، یعنی تقریباً گیارہ ماہ بعد۔ یہ میں اس لیے کرتی تھی کہ شعبان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت سے روزے رکھتے تھے، لہذا اس زمانے میں اگر میں بھی روزے سے ہوں گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزے سے ہوں گے تو یہ صورت زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ میں روزے سے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ نہ ہو۔ حالانکہ وہ نفلی روزے نہیں تھے بلکہ قضاء روزے تھے اور قضاء روزوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے ان کو ادا کر لینا چاہیے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے خیال سے شعبان تک مؤخر فرماتی تھیں۔ (مسلم ج: 11466)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک دن میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہیں، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی: یا اللہ! عاشرہ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما اور جو اس نے چھپ کر کیے اور علی الاعلان کیے وہ بھی سب معاف فرما۔ اس دعا سے خوش ہو کر میں خوشی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئی، جس سے میرا سر میری گود میں چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں میری دعا سے بہت خوشی ہو رہی ہے؟ میں نے کہا: مجھے آپ کی دعا سے خوشی کیوں نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ دعا تو میں اپنی امت کے لیے ہر نماز میں مانگتا ہوں۔ (الہیثمی 244/9)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا قرب حاصل تھا کہ کئی مرتبہ آپ کی موجودگی میں حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! جبریل امین آئے ہیں اور تمہیں سلام کہتے ہیں، تو میں نے جواب دیا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (الطبرانی، الہیثمی 33/8)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم جلدی سے اٹھے اور گھر کے باہر اس کے پاس گئے۔ میں بھی دیکھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے ترکی گھوڑے کی گردن کے بالوں پر سہارا لگائے کھڑا ہے۔ جب میں نے ذرا غور سے دیکھا تو ایسے لگا کہ یہ وحیہ کلبی ہیں اور وہ پگڑی باندھے کھڑے ہیں، جس کا شملہ ان کے کندھوں کے درمیان لٹکا ہوا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اندر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: آپ بہت تیزی سے اٹھ کر باہر گئے تھے، میں نے بھی باہر جا کر دیکھا، وہ تو وحیہ کلبی تھے (ان کی وجہ سے آپ کو اتنی جلدی کرنے کی ضرورت نہیں تھی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا واقعی تم نے انہیں دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، انہوں نے مجھے کہا ہے کہ بنو قریظہ پر حملہ کرنے کے لیے چلوں۔ (طبقات ابن سعد 250/4)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونکہ کم عمری میں ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آ گئی تھیں، اس لیے آپ کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں ہوئی۔ اسی زمانے میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ آپ کا حجرہ چونکہ مسجد نبوی کے ساتھ ہی تھا، اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتیں سنتی رہتی تھیں۔ کوئی بات سمجھ نہ آتی تو آپ بلا جھجک پوچھ لیتی تھیں۔ (بخاری 21/1)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 9 سال گزارے اور اس عرصے میں خوب علم حاصل کیا۔ احادیث کی کتب میں بے شمار مسائل ایسے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پوچھنے سے امت کو معلوم ہوئے۔ اس طرح بہت سے صحابہ و تابعین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شاگرد تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں: اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی الجھن پیش آتی تو اس کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کرتے تھے۔ جب بھی ہم نے ان سے کچھ پوچھا انہیں اس مسئلے کے بارے میں ضرور علم ہوتا تھا۔ (امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبداللہ فارانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر قرآن کا علم رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا اور نہ اسلام کے فرائض، حلال و حرام کا جاننے والا اور عرب کے واقعات جاننے والا آپ سے بڑھ کر کوئی دیکھا۔ آپ اہل عرب کے نسب کی بھی سب سے زیادہ واقف تھیں۔ طب سے بھی آپ کو خوب واقفیت تھی۔ (امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبداللہ فارانی)

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات اور ان کے علاوہ باقی تمام عورتوں کے علم کو جمع کیا جائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علم سب سے بڑھا ہوا رہے گا۔ (امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبداللہ فارانی)

علم کے ساتھ ساتھ تقویٰ گزاری، عبادت گزاری، آہ و زاری اور سخاوت و قناعت میں بھی آپ کو ایک منفرد مقام حاصل تھا۔ آپ اکثر روزے سے رہتیں، تہجد، عشراق و چاشت کا اہتمام فرماتیں اور اکثر مصلے پر اپنے رب کے سامنے روتی اور گڑ گڑاتی رہتیں۔ ہر معاملے میں شریعت کا خیال رکھتیں۔ آپ اس قدر قناعت پسند تھیں کہ صرف ایک جوڑا اپنے پاس رکھتیں اور اسی کو دھو دھو کر پہنتیں۔ یہ تمام حالات حدیث کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔

4) حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا

تھا۔ جنگ احد میں انہیں کچھ گہرے زخم آئے، انہی زخموں کی وجہ سے ان کی شہادت ہوئی تو سن 3 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 55 سال اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 22 برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 8 سال رہیں اور سن 41 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 60 برس تھی۔ (تاریخ اسلام ص: 42)

جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ ہو گئیں تو آپ کے والد محترم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کی شادی کی فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور ان سے کہا: اگر تم چاہو تو تمہارا نکاح حفصہ سے کر دوں؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں اس معاملے میں غور کر لوں، لیکن کئی راتوں کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمہارا نکاح حفصہ سے کر دوں؟ لیکن وہ خاموش رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ غصہ آیا۔ اس طرح کئی راتیں گزر گئیں، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور کہا: تم مجھ سے بہت ناراض ہوئے ہو گے، جب کہ تم نے مجھ سے حفصہ سے نکاح کرنے کو کہا تھا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: بالکل! یہی بات ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نے جواب صرف اس لیے نہ دیا کہ مجھے علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کے ساتھ نکاح کی خواہش ظاہر کی تھی اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ سے نکاح نہ فرماتے تو پھر میں ان سے ضرور نکاح کر لیتا۔ (بخاری ج: 5122، جمع الفوائد 214/1)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حفصہ عثمان سے بہتر آدمی سے شادی کرے گی اور عثمان حفصہ سے بہتر عورت سے شادی کرے گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دی۔ (جمع الفوائد 214/1)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق رجعی دے دی، اسی دوران میں ان کے دو ماموں حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے۔ دیکھا کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رو رہی ہیں اور فرما رہی ہیں: خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی عیب کی وجہ سے طلاق نہیں دی۔ کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے جبریل علیہ السلام نے کہا ہے کہ حفصہ کی طلاق سے رجوع فرما لیجیے، کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور

پرہیزگار ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوں گی۔ (طبقات ابن سعد 84/8)

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علم سیکھنے کا بہت شوق تھا اور دین میں تفقہ کا بھی ایک خاص ملکہ تھا۔ مختلف آیات سے مختلف نکات نکال لیتی تھیں۔ اسی ذوق و شوق کا اثر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم کی بہت فکر رہتی تھی۔ سیدہ شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چیونٹی کے کاٹے کا دم آتا تھا۔ ایک روز وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حفصہ کو بھی وہ دم سکھا دو۔ (مسند احمد 286/6)

5) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تین نکاح ہوئے تھے۔ پہلا نکاح طفیل سے اور دوسرا نکاح عبیدہ سے، یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد تھے۔ ان کے بعد تیسرا نکاح عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد تھے۔ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں شہید ہوئے تو اسی سال سن 3 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 55 سال اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 30 برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف 2 یا 3 ماہ رہنے پائی تھیں کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد صرف آپ ہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 30 برس تھی۔ (تاریخ اسلام ص: 42)

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونکہ غریبوں اور مسکینوں کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں، اس لیے آپ ”اُم المساکین“ کی کنیت سے مشہور ہو گئیں۔ (الاصابة 94/8)

6) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی (ابو سلمہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور دودھ شریک بھائی تھے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد سن 4 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 56 سال اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 24 برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 7 سال رہیں اور سن 59 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 59 برس تھی۔ ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی۔ (تاریخ اسلام ص: 43)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک دن میرے شوہر ابو سلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے میرے ہاں آئے اور انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی ہے، جس سے مجھے بہت زیادہ خوشی ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ اس پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ پڑھے اور یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ فِيْ مُصِيبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر ضرور عطا فرماتے ہیں۔ حضرت اُم

سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ان کی اس بات کو یاد رکھا، چنانچہ جب ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے یہ عمل کیا، دعا تو میں نے پڑھ لی، لیکن دل میں یہ خیال آتا رہا کہ ابوسلمہ سے بہتر مجھے کون مل سکتا ہے! جب میری عدت ختم ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام دے دیا، تو واقعی اللہ تعالیٰ نے مجھے ابوسلمہ سے بہتر خاوند عطا فرمایا۔ (مسلم ج: 918، فتح الباری 335/2، البدایہ والنہایہ 91/4)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب میری بیٹی زینب پیدا ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھے شادی کا پیغام دیا۔ میں نے کہا: کیا مجھ جیسی عورت کا بھی نکاح ہو سکتا ہے؟ میری عمر اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ اب میرا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوگا اور مجھ میں غیرت بھی بہت ہے اور میرے بچے بھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عمر میں تم سے بڑا ہوں اور تمہاری غیرت کو اللہ تعالیٰ دور کر دے گا اور تمہارے بچے اللہ اور اس کے رسول کے حوالے۔ تو میں راضی ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح فرمالیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور ازراہ شفقت فرمایا: زینب کہاں ہے؟ زینب کو لاؤ۔ (پیار کی وجہ سے زینب فرمایا)۔ (طبقات ابن سعد 93/8، الاصابہ 459/4)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پوری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔ سفر و حضر دونوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے قریب سے دیکھا۔ غزوہ خندق کے موقع پر آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے قریب تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں۔ فرماتی ہیں: مجھے اس وقت اچھی طرح یاد ہے جب سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو انیٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھتے جاتے۔ (مسند احمد 289/6)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قرآن کریم نہایت اچھا پڑھتی تھیں اور بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز اور لہجے میں پڑھتی تھیں۔ (مسند احمد 300/6)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو احادیث کی سماعت کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گندھوار ہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دینا شروع کیا۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ** ہی نکلا تھا کہ خادمہ کو حکم دیا کہ بال باندھ دو۔ اس نے کہا: اتنی بھی کیا جلدی ہے، ابھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ** ہی کہا ہے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھڑی ہوئیں اور اپنے بال خود باندھ لیں اور ناراض ہو کر فرمایا: کیا ہم **يَا أَيُّهَا النَّاسُ** میں شامل نہیں؟ اس کے بعد مکمل توجہ اور خشوع و خضوع سے پورا خطبہ سنا۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات ص: 144، ناشر: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جامع کلام فرماتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرون خانہ زندگی کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بہت اچھا کہا۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات ص: 148، ناشر: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت اُم سلمہ بہت بہترین مشورہ دینے والی اور لوگوں کی فطرت کا صحیح اندازہ لگانے والی خاتون تھیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح نامے کی لکھائی سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو قربانی کرنے اور سر

منڈانے کا حکم فرمایا، کیونکہ معاہدے کی رو سے سب لوگوں کو بغیر عمرہ کیے واپس لوٹنا تھا۔ اس معاہدے کی شرائط ظاہری طور پر مسلمانوں کے لیے بہت سخت تھیں، اس وجہ سے مسلمان بہت غمگین تھے۔ وہ اس قدر غم زدہ تھے کہ کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج محسوس ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے میں تشریف لے آئے، وہاں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات آپ کو بتائی تو آپ نے عرض کیا: مسلمانوں کو یہ صلح بہت ناگوار گزری ہے، اس لیے وہ بہت رنجیدہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کی، آپ کسی سے کچھ نہ کہیں اور باہر نکل کر قربانی کر کے اپنا سر منڈوا لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مشورے پر عمل کیا، جب صحابہ نے یہ دیکھا تو وہ بھی کھڑے ہو گئے اور اپنے قربانی کے جانور ذبح کرنے کے بعد ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے۔ اس وقت جو ہم کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹنا پڑتا تھا۔ (بخاری، البیہقی 218/9، البدایہ والنہایہ 177/4)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام و آسائش کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور غلام تھے، درحقیقت حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے۔ آپ نے انہیں اس شرط پر آزاد کیا کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم باحیات رہیں، ان کی خدمت کرنا تمہارے لیے لازمی ہے۔ (مسند احمد 319/6)

7) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، لیکن ان دونوں کی آپس میں بن نہ سکی، اس لیے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد سن 5 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 57 سال اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 36 برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 5 سال رہیں اور سن 21 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 52 برس تھی۔ (تاریخ اسلام ص: 43)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: میں جب تک اپنے رب سے مشورہ نہ کر لوں اس وقت تک میں کوئی کام نہیں کیا کرتی۔ یہ کہہ کر وہ کھڑی ہوئیں اور اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر چلی گئیں۔ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ”ہم نے آپ کی شادی زینب سے کر دی“۔ اس طرح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بن گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بغیر اجازت کے اندر چلے گئے اور نکاح کی خوشخبری سنائی۔ (مسلم، نسائی، مسند احمد، حیات الصحابہ 773/2)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سالانہ وظیفہ 12 ہزار مقرر کیا اور وہ بھی انہوں نے صرف ایک سال لیا اور لینے کے بعد یہ دعا فرمائی: اے اللہ! اس سال کے بعد مجھے عمر کی عطا نہ ملے، کیونکہ مال تو ہے

ہی فتنہ۔ پھر اپنے رشتہ داروں اور ضرورت مندوں میں سارا مال تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ انہوں نے سارا مال تقسیم کر دیا ہے تو فرمایا: یہ ایسی خاتون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بھلائی کا ہی ارادہ فرمایا ہے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار درہم مزید ان کے پاس بھیجے تو انہوں نے ان کو بھی پہلے کی طرح تقسیم کر دیا اور اگلے سال ان کا انتقال ہو گیا۔ (الاصابة 314/4)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا دستکاری اور ہاتھ کے ہنر کی ماہر تھیں، وہ کھال رنگا کرتیں اور کھال سیا کرتیں، پھر سی کر فروخت کر دیتیں اور اس کی قیمت اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا کرتیں۔ (الاصابة 314/4)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت متبع شریعت تھیں۔ جب ان کے بھائی کا انتقال ہوا تو تین دن بعد انہوں نے خوشبو منگوائی، اس کو اپنے جسم اور کپڑوں پر لگایا، پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم! مجھے خوشبو لگانے کی ضرورت تو نہ تھی، مگر میں نے یہ کام صرف اس لیے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، البتہ شوہر کے مرنے پر چار ماہ دس دن سوگ کرنا چاہیے۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات ص: 161، ناشر: دارالاشاعت، کراچی)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیچ میں کسی بات پر بول پڑیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سختی سے منع کیا کہ وہ اس معاملے میں دخل نہ دیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! ان سے کچھ نہ کہو، یہ بڑی عابدہ و زاہدہ ہیں۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات ص: 160، ناشر: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انتقال فرمایا۔ آپ نے یہ وصیت کی تھی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابوت پر اٹھایا جائے۔ اس سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس تابوت پر قبر تک پہنچایا گیا تھا۔ آپ پہلی خاتون تھیں جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تابوت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اٹھائی گئیں۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات ص: 163، ناشر: دارالاشاعت، کراچی)

(8) حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اپنے قبیلے کے ایک شخص مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا۔ آپ کے والد حارث بن ابی فرات قبیلہ مصطلق کے سردار تھے۔ آپ کے والد اور شوہر دونوں اسلام دشمن تھے۔ آپ کے والد تو بعد میں ایمان لے آئے تھے، مگر آپ کا شوہر کفر کی حالت میں قتل ہوا۔ اس کے بعد سن 5 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 57 سال اور حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 20 برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 5 سال رہیں اور سن 50 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 70 برس تھی۔ (تاریخ اسلام ص: 44)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد نے قریش کے اشارے پر مدینہ منورہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور صحابہ کرام کو لے کر قبیلہ بنی مصطلق کی طرف روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے اچانک دشمن پر حملہ آور ہوئے اور اتنا زوردار حملہ کیا کہ دشمن حملے کی تاب نہ لاسکے۔ ان کے دس مرد قتل ہوئے اور باقی مرد، عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے گئے۔ بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ لگا۔ ان میں سردار حارث کی بیٹی ”بدرہ“ یعنی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا گیا تو حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئیں۔ لیکن حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے 4 اوقیہ سونے پر مکاتبت کر لی۔ آپ کے پاس اتنا سونا نہیں تھا کہ ادا کر سکیں، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور گزارش پیش کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتبت ادا کر دی اور آپ کو آزاد کر کے آپ سے نکاح فرمایا۔ صحابہ کرام کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ 159/4)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حملہ آور ہونے سے تین رات پہلے میں نے خواب دیکھا کہ گویا شرب کا چاند چل کر میری گود میں آ گیا ہے، میں نے یہ خواب کسی کو بھی نہیں بتایا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، جب ہم قید ہوئیں تو مجھے اپنے خواب کے پورا ہونے کی امید ہو گئی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کر کے مجھ سے نکاح فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ 159/4)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت حسین تھیں، چہرے پر ملاحظت تھی، کہتے ہیں کہ جو نگاہ پڑ جاتی تھی اٹھتی نہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی بہت عبادت گزار اور زاہدہ خاتون تھیں۔ آپ خود فرماتی ہیں: ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مصلے پر چھوڑ کر گئے، دو پہر کے قریب واپس تشریف لائے تو میں اسی طرح مصلے پر بیٹھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم اسی حالت پر ہو جس پر میں تمہیں چھوڑ گیا تھا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! (الترغیب والترہیب 98/3)

(9) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا۔ آپ اپنے خاوند کے ساتھ شروع ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کرنے والوں میں آپ دونوں میاں بیوی بھی شامل تھے۔ وہاں کچھ دنوں بعد آپ کا خاوند مرتد ہو گیا، اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور اسی حالت کفر میں مر گیا۔ اس کے بعد سن 6 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 58 سال اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 36 برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 5 سال رہیں اور سن 44 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 72 برس تھی۔ (تاریخ اسلام ص: 44)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: عبید اللہ کے عیسائی ہونے سے پہلے میں نے خواب میں اسے نہایت بری اور بھیاںک شکل میں دیکھا، میں بہت گھبرائی، صبح ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے اس امید پر اسے یہ خواب سنایا کہ شاید

(10) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو نکاح ہوئے تھے۔ پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا، اس نے آپ کو طلاق دے دی تو دوسرا نکاح کنانہ بن ابی حقیق سے ہوا، یہ خیبر کے سردار کا بھتیجا تھا۔ آپ کے والد کا نام جی بن اخطب تھا اور یہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ خیبر کی لڑائی میں آپ کے والد، بھائی اور شوہر سب مارے گئے، تو سن 7 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 59 سال اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 17 برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 4 سال رہیں اور سن 50 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 60 برس تھی۔ (تاریخ اسلام ص 45)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آکر گر رہا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے بہت زور سے میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور کہا: تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے! (الہیسی 251/9)

خیبر کی لڑائی کے بعد حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک باندی مانگی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مرحمت فرمادیا۔ چونکہ یہ سردار کی بیٹی تھیں، اس لیے لوگوں نے عرض کیا: یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار ہوگی، صفیہ کو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نکاح میں لے لیں تو بہت سے لوگوں کی دل داری ہوگی۔ اس لیے حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاطر خواہ عوض دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے لیا اور آزاد فرما کر آپ سے نکاح کر لیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اختیار دے دیا اور فرمایا: اگر تم اپنی قوم اور ملک میں رہنا چاہو تو آزاد ہو، چلی جاؤ اور اگر میرے پاس میرے نکاح میں رہنا چاہو تو رہو۔ آپ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں شرک کی حالت میں آپ کی تمنا کرتی تھی، اب مسلمان ہو کر کیسے جاسکتی ہوں! اس سے مراد آپ کا وہ خواب تھا جو آپ نے خیبر کی لڑائی سے پہلے دیکھا تھا۔ (نضال اعمال ص 155)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: خیبر کی لڑائی میں یہودیوں کی شکست کے بعد جب میں گرفتار ہوئی اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ناپسندیدہ انسان کوئی بھی نہ تھا، کیونکہ میرا باپ، شوہر اور دوسرے رشتہ دار قتل ہو چکے تھے۔ شادی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد اور خاوند کے قتل کی وجوہات بیان فرماتے رہے اور یہ بھی فرمایا: اے صفیہ! تمہاری قوم نے ہمارے ساتھ یہ کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں: جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب میرے نزدیک کوئی نہ تھا۔ (الطبرانی، الہیسی 251/9)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسن اخلاق کا مجسمہ کوئی اور نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت خیبر سے ایک اونٹنی پر سوار ہوئے، اس وقت مجھے اونگھ آ رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار مجھے جگاتے کہ کہیں میں اونٹ سے گر نہ جاؤں اور فرماتے: اے بنت جحی! تھوڑی دیر انتظار کرو، یہاں تک کہ ہم صہبا پہنچ جائیں۔ (المہبات المؤمنین قدم ب قدم، عبد اللہ فارانی)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت عقل مند، عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ بردباری تو آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

وہ توبہ کر لے، لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں مر گیا۔ چند روز بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھے ”یا اُم المؤمنین“ کہہ کر پکار رہا ہے، میں بہت گھبرائی، پھر جب میری عدت ختم ہوگئی تو شاہ حبشہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی باندی ابرہہ کے ذریعے میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ میں نے ابرہہ کو چاندی کے دو ٹکڑے اور چاندی کے دو پازیب جو کہ میں نے پہنے ہوئے تھے اور چاندی کی وہ تمام انگوٹھیاں جو میرے پاؤں کی ہر انگلی میں تھیں، سب اتار کر اس بشارت کی خوشخبری میں دے دیں۔ جب وہ مال (حق مہر کے چار سو دینار جو حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ادا کیے تھے) میرے پاس آیا تو میں نے ابرہہ کو بلایا اور اس سے کہا: اس دن میں نے تمہیں جو کچھ دیا وہ تو تھوڑا سا تھا، اس لیے کہ میرے پاس مال نہیں تھا، اب میرے پاس مال آ گیا ہے، یہ پچاس مثقال سونا لے لو اور اپنے کام میں لے آؤ۔ اس نے ایک ڈبہ نکالا جس میں میری دی ہوئی تمام چیزیں تھیں اور اس نے مجھے وہ واپس کرتے ہوئے کہا: بادشاہ نے مجھے قسم دے کر کہا ہے کہ میں آپ سے کچھ نہ لوں اور میں ہی بادشاہ کے کپڑوں اور خوشبو کو سنبھالتی ہوں اور میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اختیار کر لیا ہے اور مسلمان ہوگئی ہوں۔ بادشاہ نے اپنی تمام بیویوں کو حکم دیا ہے کہ ان کے پاس جتنا عطر ہے وہ سارا آپ کے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ اگلے روز بہت سی خوشبوئیں لے کر میرے پاس آئی۔ یہ تمام خوشبوئیں لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ (طبقات ابن سعد 97/8، مستدرک الحاکم 20/4)

اللہ تعالیٰ نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سیرت کے ساتھ حسن صورت سے بھی نوازا تھا۔ آپ میں ایمانی غیرت، دینی حمیت اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی حد درجہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت حبشہ کے وقت آپ نے اپنے باپ تک کو چھوڑ دیا اور شوہر کے مرتد ہو جانے کے باوجود خود ایمان و اسلام پر ڈٹی رہیں۔ فتح مکہ سے پہلے آپ کے والد ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، صلح کی مدت میں اضافے کے لیے جب مدینہ منورہ آئے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے ان کے گھر آئے۔ اندر داخل ہونے کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان دھک سے رہ گئے اور ناراض ہو کر بولے: یہ کیا بیٹی! تم نے بستر کیوں لپیٹ دیا؟ تو نے بستر کو میرے قابل نہیں سمجھایا میں اس بستر کے قابل نہیں؟ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: یہ اللہ کے رسول کا بستر ہے، اس پر ایک مشرک نہیں بیٹھ سکتا جو شرک کی نجاست سے آلودہ ہو۔ یہ سن کر ابوسفیان کو غصہ آ گیا اور بولے: اللہ کی قسم تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی ہے۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: میں شر میں نہیں بلکہ کفر کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت کی روشنی میں داخل ہوگئی ہوں اور حیرت ہے کہ آپ قریش کے سردار ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں، جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ (الاصابة 298/4)

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی متبع شریعت تھیں۔ جب آپ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو تین دن بعد آپ نے خوشبو منگوائی، جس میں زردی تھی۔ پھر وہ خوشبو اپنے لباس، جسم اور اپنے رخساروں پر لگائی اور فرمایا: کسی عورت کے لیے جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتی ہو، حلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، البتہ شوہر کے مرنے پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات ص 179، ناشر: دارالاشاعت، کراچی)

آپ میں برداشت کا مادہ بھی بہت تھا۔ خیبر کی لڑائی کے بعد جب آپ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو آپ کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھیں، لیکن آپ ان کی طرح بالکل نہیں چیخیں، یہاں تک کہ اپنے شوہر کی لاش کو دیکھ کر بھی صبر سے کام لیا۔ (امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبداللہ فارانی)

اللہ تعالیٰ نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حسن و جمال سے بھی خوب نوازا تھا۔ آپ جب خیبر سے مدینہ منورہ آئیں تو حضرت حارث بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر اتاری گئیں۔ آپ کے حسن و جمال کی شہرت سن کر بہت سی انصاری عورتیں آپ کو دیکھنے کے لیے آئیں۔ (طبقات ابن سعد 2/116)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونکہ یہودیوں کے سردار کی بیٹی تھیں، اس لیے شروع ہی سے اپنے چاروں طرف دولت کے انبار دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت میں فیاضی عطا فرمائی تھی۔ جب آپ ام المؤمنین بن کر مدینہ منورہ میں آئیں تو آپ کے پاس سونے کے زیورات تھے۔ آپ نے ان میں سے کچھ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور کچھ ان کے ساتھ آنے والی دوسری عورتوں کو تحفے کے طور پر دیے۔ (الاصابة 4/347)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی تھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت آخری وقت میں ناساز ہوئی تو آپ نے نہایت حسرت سے کہا: کاش! آپ کی بیماری مجھے لگ جاتی۔ اس پر تمام ازواج مطہرات نے آپ کی طرف حیرت سے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صفیہ سچ کہہ رہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت محبت تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر آپ کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ اس سفر میں دوسری ازواج مطہرات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ ایک صحابیہ کے پاس دو اونٹ تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہ کو دے دو۔ انہوں نے نہ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو ماہ تک ان صحابیہ سے ناراض رہے۔ (امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبداللہ فارانی)

11) حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو نکاح ہوئے تھے۔ پہلا نکاح مسعود بن عمرو سے ہوا، لیکن کسی وجہ سے دونوں میں علیحدگی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد دوسرا نکاح ابورحم سے ہوا، اس کا انتقال ہوا تو سن 7 ہجری میں سرف کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 59 سال اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 36 برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 3 سال رہیں اور سن 51 ہجری میں بمقام سرف، جہاں نکاح ہوا تھا وہیں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 81 برس تھی۔ (تاریخ اسلام ص: 46)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی خالہ تھیں۔ سن 7 ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بہنوئی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ میمونہ سے نکاح فرمائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے نکاح فرمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا وکیل بنالیا اور انہوں نے آپ کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ عمرۃ القضاء ادا کرنے کے بعد حدود حرم ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام اتار چکے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرے سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کی طرف لوٹے تو مقام سرف پر، جو کہ مدینہ منورہ کے راستے پر مکہ مکرمہ سے 10 میل پر واقع ہے، قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے کر سرف پہنچے۔ یہیں رسم عروسی ادا ہوئی۔ (مسند رک الحاکم 4/30)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت عقل مند اور دور اندیش تھیں۔ سفر حج میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ لوگوں کو 9 ذی الحجہ کو شک ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ ہے یا نہیں؟ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک پیالہ دودھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پی لیا۔ سب لوگوں نے دیکھ لیا اور اس ترکیب سے پتہ چل گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ نہیں۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات، ص: 201، ناشر: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دینی مسائل کی بہت بڑی عالمہ تھیں۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے بیماری کی حالت میں منت مانی تھی کہ شفا یاب ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شفاء دی اور وہ سفر کی تیاری کرنے لگی۔ جب رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئی تو آپ نے اس کو سمجھایا کہ تم یہیں رہو اور مسجد نبوی میں نماز ادا کرلو، کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات، ص: 199، ناشر: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ میں مقیم تھیں۔ وہاں کچھ طبیعت خراب ہوئی تو فرمایا: مجھے مکہ سے لے چلو، کیونکہ مجھے مکہ میں موت نہیں آئے گی۔ یہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ چنانچہ مکہ سے روانہ ہوئیں اور جب مقام سرف پہنچیں تو انتقال فرمایا۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات، ص: 201، ناشر: دارالاشاعت، کراچی)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مزید شادیوں کی ممانعت

مذکورہ بالا گیارہ خوش قسمت اور سعادت مند خواتین سے نکاح کرنے کے بعد درج ذیل آیت کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی گئی:

”اور ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ انہیں چھوڑ کر اور عورتوں سے نکاح کریں،

اگرچہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو، مگر جو آپ کی ملک یمنیں ہوں۔۔۔“ (سورۃ الاحزاب ایت: 52)

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نزول کے بعد کسی خاتون سے نکاح نہیں فرمایا اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی زوجہ کو طلاق بھی نہیں دی۔ یہی تعلیم ازواج مطہرات کے لیے بھی تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتیں۔ البتہ سورۃ الاحزاب کی آیت مذکورہ کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ملک یمین سے تمتع کی اجازت برقرار رہی۔ ملک یمین کا تصور بھی ایک خاص صورتحال سے متعلق ہے، جو اب کہیں پر بھی موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ بنت شمعون رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں منکوحہ بیوی کے بجائے ملک یمین کی قرآنی رعایت کی بنا پر داخل ہوئیں۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق مصر کے قبطی خاندان سے تھا، جو کسی دور میں مصر کے حکمران بھی رہے ہیں۔ سن 6 ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ارد گرد کے حکمرانوں اور رئیسوں کو بہت سے مکاتیب لکھوائے، جن میں سے ایک مصر کے بادشاہ مقوقس کے نام بھی تھا۔ مقوقس اسلام کی قبولیت کی سعادت تو حاصل نہ کر سکا، مگر سن 7 ہجری میں چند تحائف بھیج کر اپنی پاک نفسی اور خوش اخلاقی کا ثبوت دیا۔ ان تحائف میں دو خادماں بھی تھیں، جن کے نام ماریہ اور سیرین تھے۔ ان دونوں نے سفر کے دوران ہی اسلام قبول کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی رفاقت میں لینے کا فیصلہ فرمایا اور حضرت سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خادمہ کے طور پر عطا کیا، جس کے لطن سے حضرت عبدالرحمن بن حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

حضرت ماریہ تھوڑی مدت کے لیے مسجد نبوی کے قریب حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں رہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قباء کے قریب ایک مستقل بالا خانے کا انتظام کروایا، جسے ”العالیہ“ کہتے ہیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونکہ ملک یمین کی صورت میں آئی تھیں، اس لیے ان سے نکاح ضروری نہ تھا۔ دوسری ازواج مطہرات کی طرح ان کے گھر پر بھی مستقل پردہ لگتا رہتا تھا۔ مدنی زندگی میں صرف حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لطن سے آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے، جو 18 یا 20 ماہ تک زندہ رہ کر اپنے مالک حقیقی کے پاس چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات سے بہت صدمہ پہنچا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے اشکوں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے حقائق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے تاریخی حقائق ہمارے سامنے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی پر بحث کرتے وقت دو چیزوں کو خصوصاً ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

پہلی..... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی وہاں بلوغت کے بعد مرد و عورت دونوں کے جلد نکاح کا دستور تھا، نیز متعدد شادیوں کا دستور بھی عروج پر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تمام اعلیٰ و اکمل صفات کے مجموعے کی صورت میں وہاں موجود تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانتداری و امانتداری، سچائی و حمد لی اور پاک بازی و پاکدامنی پورے عرب میں مشہور تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مردانہ حسن و وجاہت اور نہی شان و شوکت کی وجہ سے ان حسین ترین، کنواری اور کم عمر عورتوں کی کمی نہ تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرنا چاہتی ہوں، لیکن تمام خوبیوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا نکاح 25 سال

کی عمر میں ایک ایسی خاتون سے فرمایا جو عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے 15 سال بڑی تھیں اور درجہ بیوہ بھی ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد صرف یہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معمر اور بیوہ خاتون کے ساتھ نکاح فرمایا بلکہ جوانی کے ان بہترین ایام میں سے 25 سال انہیں خاتون کے ساتھ بحسن و خوبی گزارے اور 55 سال کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ دوسری..... پھر اچانک طرز مبارک میں تبدیلی آئی اور عمر کے اس حصے میں پہنچنے کے باوجود کہ جس میں کسی بھی شخص کی نکاح کی طرف رغبت میں غیر معمولی کمی واقع ہو جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پے در پے نکاح فرمائے اور 5 سال کے مختصر عرصے میں ازواج مطہرات سے حجرے آباد ہوتے چلے گئے۔

آخر اس طرز میں کیا حکمت تھی؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس زہد و تقویٰ کے سب سے اعلیٰ اور بلند ترین مرتبے پر فائز تھی۔ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو ایک شفاف قطرے کی طرح پاک و صاف رکھا اور ہر قسم کی گرد اور آلودگی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بھی نہ آنے دیا۔ نبوت سے پہلے بھی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، دیانت، امانت اور عفت سے بخوبی واقف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ فطرت، بلند اخلاق، حکمت و دانائی، عاجزی و انکساری اور ہمدردی و رحمتی سے اہل قریش معروف تھے۔ مردانہ وجاہت اور حسن و جمال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بے مثال تھی۔ کون ایسا بدمعاش ہوگا جو اپنی بیٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دینا پسند نہ کرتا یا کون سی ایسی عورت ہوگی جو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنا پسند نہ کرتی۔ عرب کے دستور کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو بیک وقت کئی حسین سے حسین تر و شیرازوں کو اپنے نکاح میں لے سکتے تھے، لیکن اس تمام صورتحال کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بالکل مختلف طرز عمل اختیار فرمایا، کیونکہ تمام تر خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعیت مبارکہ قناعت پسندی اور دنیاوی بے رغبتی سے بھرپور تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی عیش و عشرت اور مال و متاع سے کوئی رغبت نہ تھی، اس لیے نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے میں تاخیر فرمائی بلکہ ایک معمر اور بیوہ عورت سے پہلا نکاح فرمایا اور 55 سال کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو اس وقت عرب معاشرہ گمراہی کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، چاروں طرف جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، تہذیب و ترقی کا نام و نشان تک نہ تھا، اخلاقی و معاشرتی حالت نہایت دگرگوں تھی، طرز زندگی وحشیانہ تھا، قانون کا کوئی تصور تک نہ تھا، انسان اور انسانیت کی کوئی قدر نہ تھی، اس لیے کوئی ایسی وجہ نہیں ملتی کہ جس کو قابل تقلید سمجھا جاتا اور زندگی کو اس ماحول کے مطابق ترتیب دیا جاتا۔ نبوت سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک منفرد و مختلف مزاج رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اس وقت بھی سب میں بے مثال تھی جو ارد گرد کے منفی اثرات لینے سے پاک تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی عمل کو دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اُس وقت کے دستور کے مطابق تھا۔ اس لیے اُس وقت کے طریق سے ہٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعدد ازواج کو نہیں اپنایا اور صرف ایک بیوی پر اکتفاء فرمایا۔ نبوت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز مبارک یہی رہا اور 15 سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔

لیکن جب ہجرت کا وقت آیا تو اس کے ساتھ ہی احکامات کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کی تفصیلات اور اسی طرح نکاح اور طلاق وغیرہ سے متعلق تفصیلی احکامات ہجرت کے بعد نازل ہوئے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے قریب قریب اور ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت کے تفصیلی احکامات سے جب مطلع فرمایا تو ان میں نکاح کے احکام بھی نازل ہوئے، جن میں ایک اہم حکم یہ کہ نکاح کے معاملے میں اسلام ”تاخیر“ اور ”قناعت“ کو پسند نہیں کرتا اور نکاح سے کنارہ کشی کو رہبانیت قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نکاح کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں قناعت اور بے رغبتی والی طبعیت کے برخلاف عورتوں کی طرف نکاح والی رغبت باقاعدہ طور پر ڈالی گئی، تاکہ دنیا کی بقیہ چیزوں میں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قناعت پسندی کے باعث بقدر ضرورت بلکہ اس سے بھی کم پر اکتفاء فرمایا، شادیوں کے معاملے میں ایسی قناعت کا مظاہرہ نہ فرمائیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر ابتدائے جوانی میں یا نبوت اور ہجرت سے قبل نکاح میں کثرت فرمائے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح عرب کے دستور کے مطابق کیے، لیکن ہجرت مدینہ کے بعد چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصروفیت میں غیر معمولی زیادتی آگئی اور عمر بھی زیادہ ہوگئی، ان تمام رکاوٹوں کے باوجود قلیل مدت میں پے درپے نکاح کرنا اور نکاح کی تعداد میں مبالغہ سے کام لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد شادیاں اسلام کی ترغیب سے متاثر ہو کر فرمائیں۔

پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے نمونہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے۔ ایسا کوئی بھی قرآنی حکم نہیں کہ جس کی تعلیم و ترغیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عمل کے ذریعے نہ فرمائی ہو۔ اس لیے جب ایک سے زائد شادیاں کرنے کا حکم نازل ہوا تو قدرت کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعیت میں نکاح کے ذریعے عورتوں کی محبت و رغبت کو خصوصی طور پر ڈالا گیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک عمل کے ذریعے اپنی امت کو تعلیم و ترغیب اور شوق دلانیں۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میری نظر میں عورتوں اور خوشبو کو محبوب بنادیا گیا ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“ (المستدرک علی

الصحيحين، 173/2)

اس حدیث کی تشریح میں امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح اشارہ فرمادیا کہ میں کھانے پینے سے تو صبر کر سکتا ہوں، مگر عورتوں سے صبر نہیں کر سکتا۔“ (زاد المعاد 250/4)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”عورتوں سے محبت انسان کے کامل ہونے کی علامت ہے، اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس

امت میں سب سے بہترین وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہیں۔“ (الداء والداع ص: 290)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”عورتیں اور خوشبو بظاہر دنیا کا سامان ہیں مگر درحقیقت یہ دین سے تعلق رکھتی ہیں۔“ (شرح السیوطی 62/7)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کے بعد گھوڑوں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی۔“ (السنن الکبریٰ ص: 8889)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی چیزوں میں تین چیزیں سب سے زیادہ محبوب و مرغوب تھیں: عورتیں، خوشبو اور کھانا۔

پس ان میں سے دو چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاصل فرمایا اور ایک سے اجتناب فرمایا۔“ (الطبقات الکبریٰ 398/1)

حضرت سلمہ بن کہیل فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی جتنی چیزیں استعمال فرمائیں ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبت

عورتوں اور خوشبو سے تھی۔“ (الطبقات الکبریٰ 398/1)

غیر مسلموں کا اعتراف حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ تعددِ ازواج کا دستور ہمیشہ انسانی معاشرے میں رواج پذیر رہا اور اس کی وجہ سے کسی بھی انسان کے معاشرتی مقام میں کوئی کمی نہیں آئی۔ یہی حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے، لیکن جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد شادیاں جنسی جذبے کی تسکین کی وجہ سے کی ہی نہیں تھیں، بلکہ ان شادیوں کے مقاصد اتنے بلند تھے کہ مستشرقین و مخالفین ان کے تصور سے بھی قاصر ہیں۔

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں ایسے بہت سے غیر مسلم مفکرین و مصنفین کے اقوال ”تجلیات سیرت“ کے نام سے ایک کتاب میں مستند حوالوں کے ساتھ جمع فرمائے ہیں، جس میں غیر مسلم اپنی متعصبانہ سوچ کے باوجود بھی اسلام کے محاسن اور پیغمبر اسلام کی سیرت کے مختلف گوشوں کی اچھائی اور عمدگی کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کتاب سے کچھ اقتباسات کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

معروف یورپین دانشور، جان ڈیون پورٹ کہتا ہے:

”کہا جاتا ہے کہ آپ نے بی بی خدیجہ کے بعد گیارہ نکاح کیے اور آپ پندرہ یا تیرہ عورتوں سے منسوب ہوتے ہیں، اس بنا

پر بعض مخالف مؤرخین آپ پر بہت اعتراضات کرتے ہیں اور آپ کے اس فعل کو شہوت پرستی کی طرف منسوب کرتے ہیں،

مگر علاوہ اس بات کے کہ اہل عرب اور مشرقی لوگ آپ کے عہد میں ایک سے زیادہ شادیاں کیا کرتے تھے اور ان کا یہ فعل

فتیح خیال نہیں کیا جاتا تھا، یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بچپن کی عمر سے پچاس برس کی عمر تک ایک ہی بیوی پر قانع

رہے۔۔۔ اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص شہوت پرست ہو اور ایسے ملک کا باشندہ ہو جہاں ایک سے

زیادہ شادیاں کرنا جائز ہوں اور وہ شخص پچاس برس کی عمر تک ایک ہی بیوی پر قناعت کرے؟“

(Apology for Muhammad and Quran)

مشہور انگریز سیرت نگار، جان بیکن کہتا ہے:

”آپ نے کبھی بھی جنسی بے راہ روی یا ہوس پرستی کی وکالت نہیں کی، زندگی بھر سوائے اپنی بیویوں کے کسی بھی عورت کے ساتھ آپ کے تعلقات نہیں رہے۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے کبھی بھی سوائے اپنی محرمات کے کسی بھی بہانے کسی کو چھوا تک نہیں، آپ نے اس وقت اپنی ازواج میں اضافہ کیا جب آپ کی عمر پچپن برس تھی، قابل ذکر بات یہ ہے کہ سوائے بی بی عائشہ کے آپ کی تمام بیویاں بیوہ تھیں اور ان میں سے بھی کئی ایک ادھیڑ عمر اور حسن سے عاری تھیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عمر رسیدہ عورتوں کی مصاحبت پسند تھی۔۔۔ آپ کا انتقال تریسٹھ برس کی عمر میں ہوا، وفات کے بعد آپ کی گیارہ بیویاں تھیں، ان بیویوں کی تعداد کو دیکھ کر آپ پرفنس پرستی کا الزام لگانا سراسر زیادتی ہے، آپ نے اپنی زندگی کے بہترین ایام صرف ایک ہی بیوی کے ساتھ گزارے، زندگی کے پچاس برس تک آپ نے صرف ایک ہی بیوی پر قناعت کی۔“

(The Life and Time of Muhammad)

یورپ کا ایک اور مصنف، تھامس کارلائل لکھتا ہے:

”محمد عیش و عشرت اور شہوانیت کے دلدادہ نہ تھے، یہ وہ الزام ہے جو آپ پر ان ناعاقبت اندیش لوگوں نے لگایا جن کے ضمیر تاریک ہو چکے تھے، یہ بہت بڑی گمراہی ہوگی کہ اس شخص کو بندہ ہوس تصور کیا جائے، آپ کا گھریلو سامان معمولی اور خوراک بہت سادہ اور عام قسم کی تھی، بعض اوقات ایسا بھی رہا کہ مہینوں آپ کے گھر چولہا روشن نہ ہوا۔“

(On Heroes, Heroes worship and the Heroic in History)

لین پول کہتا ہے:

”یہ کہنا کہ محمد بندہ ہوس تھے، غلط ہے، ان کی روزمرہ کی زندگی، ان کا تخت، بوریا جس پر وہ سوتے تھے، ان کی معمولی غذا، کمتر سے کمتر کام اپنے ہاتھ سے انجام دینا ظاہر کرتا ہے کہ وہ نفسانی خواہشات سے بلند و بالا تھے۔۔۔ خدیجہ کے بعد اگرچہ انہوں نے متعدد شادیاں کیں لیکن انہیں کبھی نہ بھولے اور آخر وقت تک یاد رکھا، یہ محبت بھری یاد ایک شریف الطبع انسان ہی میں ہو سکتی ہے، نہ کہ ایک بندہ ہوس میں۔“ (The Life of Muhammad)

ایچ ایس لیڈر کہتا ہے:

”جب آپ بوڑھے ہو گئے تو محض رقت قلب کی وجہ سے جو آپ کو خاص طور سے عطا کی گئی تھی، عورتوں کو محض ان کی حالت پر رحم کرنے کے لیے اپنی ازواج میں داخل کرنا پڑا۔“ (ماہنامہ مدینہ، جولائی 1933)

بی ایس کشالیہ کہتا ہے:

”آپ کی کثرت ازواج کے متعلق بہتان باندھا گیا، لیکن یہ محض غلط ہے، بے شک آپ نے کئی بیویاں کی تھیں مگر زمانے کے برے رواج کو مٹانے کے لیے کہ لوگ بیوہ، کنواری، غلام اور لاوارث عورتوں کو اپنے نکاح میں لائیں اور لوگ آپ کے نمونے کی پیروی کریں۔ آپ نے اپنی نفسانی خواہش کے لیے نکاح نہیں کیے، آپ میں نفسانی خواہش کی کوئی بھی دلیل یا علامت نہیں پائی جاتی۔“ (شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص: 35، از: میاں عابد احمد)

رسوائے زمانہ آریہ سماج لیڈر، راج پال، جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے عصبیت اور جنون نوازی کے اظہار کے لیے بدنام زمانہ کتاب لکھی، اپنی فتنہ انگیزیوں کے باوجود لکھتا ہے:

”محمد کا پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں ہوا، یہاں تو آریہ سماجوں کو بھی ماننا پڑے گا کہ محمد نے شاستر کے مطابق زندگی کا پہلا حصہ مجرد (غیر شادی شدہ) رہ کر گزارا، وہ برہم چاری تھے اور ان کا حق تھا کہ شادی کریں، معیار خانہ داری کے پچیس برس وہ ایک ہی بیوی پر قانع رہے اور وہ بھی دو خاوندوں کی بیوہ جو نکاح کے وقت چالیس برس اور انتقال کے وقت پینسٹھ برس کی تھیں، اس بوڑھی عورت سے اس جوان مرد نے نباہ کیا، یہ بات محمد کی پاکیزہ زندگی پر دلالت کرتی ہے۔“ (تجلیات سیرت، ص: 176-199)

خلاصہ کلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خصوصی طور پر نکاح کی رغبت ڈالی گئی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اتباع سنت کے شوق میں صرف ایک شادی کو کافی سمجھتے ہوئے اسی پر قناعت کرنا نہ شروع کر دے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے بے رغبتی والی سنت کو سامنے رکھتے ہوئے عورتوں کو دنیا کی بقیہ مرغوبات پر قیاس کر کے نکاح کے معاملے میں بھی غایت درجے کی قناعت کا مظاہرہ اور ”بقدر ضرورت“ پر اکتفاء کو ثواب سمجھنا نہ شروع کر دے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے نکاح فرما کر اپنی امت کو تعدد ازواج کی قوی و عملی ترغیب فرمائی۔





صحابہ کرام
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اور

تعددِ ازواج



صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تعددِ ازواج

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت، ادب و احترام اور اطاعت و فرمانبرداری کی جو مثال صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پیش کی، وہ رہتی دنیا تک کوئی بھی نہیں پیش کر سکتا، کیونکہ یہ وہ باسعادت اور خوش قسمت جماعت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اور معاونت کے لیے چنا۔ صحابہ کرام کی قربانی اور جاں نثاری اپنی مثال آپ ہے۔ وقت پڑنے پر کسی بھی محبوب ترین چیز کو اللہ اور اس کے رسول کے لیے قربان کرنا ان کے لیے کوئی نئی اور بڑی بات نہ تھی۔ بات بات پر ”میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول۔۔۔!“ کے الفاظ کے ذریعے اظہارِ محبت اور اقرارِ وفا، انہی حضرات کا شیوہ تھا۔ یہ جذبہ محبت صرف زبانی نہیں تھا، بلکہ ان حضرات نے عملی طور بھی محبت کے تمام تقاضوں کو پورا کر کے دکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تعددِ ازواج کا قرآنی حکم اور اُس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سامنے آیا تو ان حضرات کا عمل بھی قرآن و سنت کے عین مطابق رہا۔ زمانے کی تمام تر مصروفیات، رکاوٹیں اور مجبوریاں ان حضرات کو تعددِ ازواج سے نہ روک سکیں۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سب سے بڑا درجہ خلفائے راشدین کا ہے۔ خلفائے راشدین میں اُن چار جلیل القدر اور معتبر صحابہ کو شمار کیا جاتا ہے جن کے نام عشرہ مبشرہ میں بھی سب سے پہلے آتے ہیں اور انہی چار صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ قربت و رفاقت حاصل ہوئی، یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہی وہ صحابہ ہیں کہ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر یا داماد ہونے کا شرف حاصل ہوا اور یہی وہ صحابہ ہیں جو مزاجِ نبوت کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اطاعت کے ساتھ ان حضرات کی اطاعت کو بھی لازمی قرار دیا۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”پس میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص: 30)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ اور انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان ہیں۔ آپ پر خلافت اور دین کی خدمت و حفاظت کی ذمہ داری ایک ایسے وقت میں آن پڑی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے باعث انہوں ہی کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ ابھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صدمہ ہلکا نہ ہوا تھا کہ نبوت کے جھوٹے دعویدار میلہ کذاب کا فتنہ کھڑا ہو گیا، اس فتنے کو کچلنے ہی پائے تھے کہ حفاظ کی ایک بڑی تعداد اس لڑائی میں شہید ہو گئی، جس کے باعث ایک دوسرا اہم مسئلہ ”حفاظتِ قرآن“ کا کھڑا ہو گیا، اس کے فوراً بعد ہی منکرینِ زکوٰۃ کا فتنہ کھڑا ہو گیا، ان سب فتنوں کی سرکوبی کے ساتھ ساتھ

اسلامی حدود کو بڑھانے کے لیے اقدامی جہاد بھی تسلسل کے ساتھ جاری رہا، مگر یہ تمام تر خدمات اور اعصاب شکن مصروفیات آپ کو متعدد شادیوں والی سنت سے نہ روک سکیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجموعی طور پر 4 شادیاں کیں۔ (الغیر الطبری 351/2)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے دوسرے خلیفہ ہیں۔ آپ کی خلافت کا دور اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ یہ وہ عظیم الشان دور ہے جس میں اسلامی فتوحات کو ایسا طول ملا کہ اُگھی دنیا میں اسلام کا جھنڈا اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ لہرانے لگا۔ قیصر و کسریٰ سرنگوں ہوئے اور مسجد اقصیٰ میں اذانوں کی آواز گونجنے لگی۔ عدل و انصاف کا وہ عالم تھا کہ نگاہِ عدالت میں ظالم کمزور اور مظلوم طاقتور تھا۔ رعایا مطمئن اور حکام فکر مند نظر آتے تھے۔ ان تمام تر خدمات اور مصروفیات کے باوجود آپ نے تعددِ ازواج کو اپنایا اور شہادت کے وقت آپ کے نکاح میں 4 بیویاں تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجموعی طور پر 8 شادیاں کیں۔ (البدایۃ والنہایۃ 48/8)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے تیسرے خلیفہ ہیں۔ آپ نے خلافت کا بار ایک ایسے وقت میں اٹھائے رکھا کہ جب آپ کو دشمن اسلام کی جانب سے ہر محاذ پر اعصاب شکن الجھنوں اور پیچیدگیوں میں مبتلا کیا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے دشمنانِ اسلام کی طرف سے اٹھنے والی سازشوں اور سخت فتنوں میں اپنی جان ہی قربان کر ڈالی۔ مگر ان تمام حالات اور مجاہدات کے باوجود آپ تعددِ ازواج والی سنت پر عمل پیرا رہے اور شہادت کے وقت آپ کے نکاح میں 4 بیویاں تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجموعی طور پر 8 شادیاں کیں۔ (البدایۃ والنہایۃ 121/8)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے چوتھے خلیفہ ہیں۔ آپ نے جب خلافت کا بار اٹھایا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جو فتنے تھے، ان سمیت مزید ایک اور فتنے کا اضافہ ہو چکا تھا اور وہ فتنہ قاتلینِ عثمان کے قصاص سے متعلق تھا۔ چنانچہ آپ کی خلافت کا پورا دور، ابتداء سے انتہاء تک ایسی آزمائشوں میں گزرا کہ اس میں شادیوں کی طرف توجہ جانا ہی محال نظر آتا تھا، مگر اس کے باوجود آپ نے زیادہ شادیاں کیں اور شہادت کے وقت 4 بیویاں اور 19 باندیاں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجموعی طور پر 9 شادیاں کیں۔ (البدایۃ والنہایۃ 332/7)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اُس اولاد سے چلا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لپٹن سے ہوئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صرف دو بیٹے زندہ رہے: حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد بہت تھوڑی تھی، مگر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت کثرت سے نکاح کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی اس کمی کو پورا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی مختلف اقوام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ”سید“ کثیر تعداد میں نظر آئیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے لیے فرماتے ہیں:

”مجھے دنیا کے عیش (سامان) میں عورتوں اور خوشبو کے سوا کوئی چیز محبوب نہیں۔“ (الطبقات الکبریٰ 398/1)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو چاروں طرف فتنوں اور سازشوں کے پہاڑ کھڑے تھے۔ آپ کی شہادت بھی کسی باغی کے زہر کھلانے کی وجہ سے ہوئی اور یوں ان فتنوں کی سرکوبی میں آپ نے بھی اپنی جان پیش کر دی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سب سے زیادہ نکاح حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے مجموعہ ستر

شادیاں کیں، بعض نے کہا ہے کہ سات سوشادیاں کیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے مجموعہ ایک ہزار شادیاں کیں، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ بیک وقت آپ نے چار بیویوں کو طلاق دی اور بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ 297/8)

کثرت نکاح اور کثرت طلاق

تقویٰ و خشیت، عبادات و تسبیحات کی کثرت، حسن کلام، خوش اخلاقی، غیر معمولی سخاوت، بردباری و قوت برداشت، حکمت و بصیرت، ہمدردی و ایثار جیسی عمدہ خوبیوں اور اعلیٰ وصفوں کے ساتھ مختلف جہادی و سیاسی مصروفیات اور امت مسلمہ کی اجتماعی و انفرادی خدمات کے باوجود آپ بھی اُن جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں جنہوں نے تعددِ ازواج کو بخوبی اپنایا اور اس قدر کثرت سے نکاح فرمائے کہ مؤرخین و محدثین دیگر عمدہ صفات بیان کر کے آپ کی کثرت نکاح کی عادت کو بیان کرنا ترک نہیں کرتے۔

متعدد مؤرخین کا بیان ہے کہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت کثرت سے نکاح فرماتے اور کسی بھی عورت کو آپ کے نکاح میں بہت ہی کم مدت رہنا نصیب ہوتا، کوئی عورت ایسی نہ تھی جو آپ سے نکاح کرتی مگر یہ کہ اس کو آپ سے غیر معمولی محبت ہو جاتی۔۔۔ آپ نکاح بہت کثرت سے فرماتے اور کوئی بھی وقت آپ پر ایسا نہ گزرتا کہ جس میں چار عورتیں آپ کے نکاح میں نہ ہوتی ہوں، طلاق بھی بہت کثرت سے دیا کرتے تھے اور نکاح کے وقت بیوی کو مہر بہت زیادہ دیا کرتے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے مجموعہ ستر شادیاں کیں، بعض نے کہا ہے کہ سات سوشادیاں کیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے مجموعہ ایک ہزار شادیاں کیں، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ بیک وقت آپ نے چار بیویوں کو طلاق دی اور بیک وقت چار عورتوں سے نکاح فرمایا۔۔۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ سے فرمایا کہ: اے اہل کوفہ! حسن سے اپنی بیٹیوں کا نکاح نہ کروایا کرو، کیونکہ حسن طلاق بہت زیادہ دیتا ہے، اہل کوفہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ نصیحت سن کر کہا کہ اے امیر المؤمنین! اگر حسن روز بروز بھی نکاح کا پیغام بھیجیں تو وہ جس سے بھی چاہیں گے خدا کی قسم! ہم ان کا نکاح ضرور کروائیں گے تاکہ آپ کے بیٹے کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری قرابت داری قائم ہو جائے۔ جیسا کہ ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے:

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ سے فرمایا کہ حسن سے نکاح نہ کیا کرو، کیونکہ وہ طلاق کثرت سے دیتے ہیں،

آپ کی یہ بات سن کر ہمدان قبیلے کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: خدا کی قسم ان سے نکاح ضرور کریں گے، پھر حسن کی مرضی کہ جسے چاہیں اپنے نکاح میں رکھیں اور جسے چاہیں طلاق دے کر علیحدہ کر دیں۔“ (البدایۃ والنہایۃ 297/8)

ایک اور جگہ یوں فرمایا: ”حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکاح اتنی کثرت سے فرماتے تھے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر چڑھ پڑے اور لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! خبردار تم میں سے کوئی بھی حسن بن علی سے نکاح نہ کروائے، کیونکہ وہ طلاق دے دیتے ہیں، ہمدان کے یمنی قبیلے کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: خدا کی قسم! ہم تو ان سے نکاح ضرور کروائیں گے، آپ جب مہر دیتے ہیں تو بہت زیادہ دیتے ہیں اور جب آپ کے ہاں ولادت ہوتی ہے تو عزت دار بچے کی ولادت ہوتی ہے۔“

مطلب یہ کہ جس بیٹی سے بھی نکاح کرتے ہیں تو یہ بیٹی ایک ایسے بچے کی ماں بننے کا شرف حاصل کرتی ہے جس کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جالمتا ہے اور اس کے ذریعے اس عورت کے پورے خاندان کی قرابت داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے قائم ہو جاتی ہے، یعنی خواہ آپ بعد میں طلاق ہی کیوں نہ دے دیں، دنیوی و اخروی مصلحتیں تو بہر حال حاصل ہو ہی جاتی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ جن کی لڑکیوں کو طلاق دی جا رہی ہے، خود ان کو تو کوئی اشکال نہیں اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت کے مشہور و معروف ہونے کے باوجود عورتیں آپ سے نکاح کرنے پر آمادہ ہیں تو لوگوں کے اس جذبے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری قائم کرنے کے شوق کو دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہو کر فرمانے لگے: ”اگر میں جنت کے کسی دروازے پر متعین ہوتا تو ہمدان قبیلے کو دیکھ کر ان سے کہتا کہ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔“ (ماثور الانافۃ 105/1)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور بطور مہر اسے سو باندیاں اور ہر باندی کے ساتھ ایک ہزار درہم بھی دیے۔“ (البدایۃ والنہایۃ 297/8)

مؤرخین حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس عادت کا بھی خصوصیت سے ذکر فرماتے ہیں کہ آپ طلاق بہت زیادہ دیتے، مگر جس عورت کو طلاق دیتے اسے عزت و اکرام اور بہت زیادہ مال و اسباب کے ساتھ رخصت فرماتے، اس نوع کا ایک دلچسپ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دن آپ نے اپنی دو بیویوں کو طلاق دی، ایک کا تعلق بنی اسد سے تھا اور دوسری کا تعلق بنو فزارہ سے تھا، طلاق دے کر اپنے خادم کے ہاتھوں دونوں میں سے ہر ایک کے لیے دس دس ہزار درہم اور شہد سے بھر ایک منکا بھجوا دیا اور غلام سے فرمایا: یہ مال دونوں کے سپرد کر کے دیکھو کہ اس موقع پر دونوں کیا کہتی ہیں اور پھر واپسی پر مجھے اطلاع دو۔ وہ بیوی جس کا تعلق بنو فزارہ سے تھا اس مال کو دیکھ کر کہنے لگی: اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں اور دعائیں دینے لگی، مگر بنی اسد والی بیوی اس کثیر رقم اور شہد سے بھرے منکے کو دیکھ کر کہنے لگی: جس محبوب سے جدائی ہو رہی ہے اس کے مقابلے میں یہ مال بہت کم ہے۔ غلام نے دونوں کے تاثرات حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچا دیے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تاثرات سن کر بنو فزارہ والی کو چھوڑے رکھا اور بنی اسد والی کی طلاق سے رجوع فرمایا۔ (البدایۃ والنہایۃ 38/8)

سوید بن غفلہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شہید ہو گئے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ عائشہ بنت خلیفہ آپ سے کہنے لگی: آپ کو خلافت مبارک ہو، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: امیر المؤمنین کی موت پر مجھے مبارک باد دے رہی ہو۔۔۔! اور فوراً اسے طلاق دے دی، آپ کی زوجہ کہنے لگی: میرا ارادہ بھلائی کے سوا کچھ نہ تھا، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق دینے کے بعد مہر کا بقیہ حصہ اور اس کے ساتھ دس ہزار درہم کی مزید اضافی رقم ایک خادم کے ہاتھ اسے بھجوا دی، خادم نے جب یہ بھاری رقم عائشہ بنت خلیفہ کو پیش کی تو وہ یہ رقم دیکھ کر رونے لگیں اور کہنے لگی: جس محبوب سے جدائی ہو رہی ہے اس کے مقابلے میں یہ رقم بہت تھوڑی ہے۔ خادم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ بھی یہ بات سن کر رونے لگے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے طلاق بائن نہ دی ہوتی تو میں ضرور رجوع کر لیتا۔ (کتاب السنن ج: 83)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا..... حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب علم اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنائے قلب کے ساتھ ظاہری طور پر بھی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح مال و دولت سے خوب نوازا تھا۔ زمانہ اسلام میں آپ نے بہت کثرت سے نکاح کیے اور بیک وقت

تعددِ ازواج کی وجوہات

چار عورتیں آپ کے نکاح میں رہیں۔ آپ نے زندگی بھر میں 70 سے کچھ زیادہ نکاح کیے۔ آپ اپنا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں: ”میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے اسے دیکھ لو، کیونکہ اس بات میں اس کا زیادہ امکان ہے کہ تم دونوں کے درمیان محبت قائم رہ سکے۔ لہذا میں نے اسے دیکھا، اس کے بعد اس سے نکاح کیا اور میں نے (زندگی بھر میں) ستر سے کچھ زائد نکاح کیے ہیں، مگر سب سے بہترین بیوی یہی ثابت ہوئی۔“ (سنن البیہقی الکبریٰ: 84/7)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں، عمر اور اولاد میں برکت اور آخرت میں مغفرت کی خصوصی دعا دی تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی یہ برکات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا مال دیا کہ بصرہ میں میرے دو باغات ہیں، جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتے ہیں اور میرے سوا کسی کا بھی باغ سال میں دو مرتبہ پھل نہیں دیتا، عمر میں برکت اتنی دی کہ مجھے زندہ رہتے ہوئے اب لوگوں سے شرم آنے لگی اور رب سے ملاقات کا شوق پیدا ہونے لگا، آخرت میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید لگائے بیٹھا ہوں اور اولاد میں اتنی برکت ہوئی کہ مجھے میری بیٹی امینہ نے بتایا کہ میں اپنی صلیبی اولاد (یعنی پوتے اور نواسے اس میں شامل نہیں) میں سے ایک سو بیس (120) کو تو دفن کر چکا ہوں۔“ (بخاری ج: 1881)

جب اولاد کی تعداد ہی سینکڑوں میں تھی اور وہ بھی نرینہ اولاد، بیٹیاں اس میں شامل نہیں، تو آپ نے شادیاں کتنی کی ہوگی؟ ایک بیوی سے تو اتنی اولاد ممکن نہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خود بھی تو کچھ کوشش کی ہوگی؟ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کے نام عشرہ مبشرہ میں آتے ہیں۔ 16 سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اور کسی بھی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہ ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے کچھ حواری (خصوصی دوست و مددگار) ہوتے ہیں اور میرے حواریوں میں سے میری پھوپھی کے بیٹے زبیر بن العوام ہیں۔ ساری عمر جہاد اور آزمائشوں میں گزاری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق جہاد میں ہی جامِ شہادت نوش فرمایا، لیکن شہادت کے وقت آپ کے نکاح میں بھی 4 بیویاں تھیں۔ (بخاری ج: 2961)

خلاصہ کلام

تعددِ ازواج ایک ایسا احسن و افضل عمل ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں اسی طرح رائج رہا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر مبارک سنتیں رائج تھیں۔ تمام تردینی و دنیوی خدمات و مصروفیات اور مسائل و مصائب کے باوجود ان پیکرانِ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنت کو اپنا کر عملی طور پر محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کر کے دکھایا۔ تقریباً تمام مشہور و معروف اور جلیل القدر صحابہ نے تعددِ ازواج کو اپنایا، شاید ہی کوئی ایسا صحابی ہو، جس نے کسی معقول وجہ سے تعددِ ازواج کو نہ اپنایا ہو۔

نہیں ہوتے، مثلاً معذور ہوتے ہیں یا قابل ہونے کے باوجود برسرِ روزگار نہیں ہوتے اور جو برسرِ روزگار ہوتے ہیں تو ان میں سے بھی کچھ ایسے ہوتے ہیں جو شادی کے حق میں نہیں ہوتے، بلکہ بغیر نکاح کے گناہ والی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں قابلِ نکاح مردوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اور قابلِ نکاح عورتوں کی تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”کثرتِ نساء و قلتِ رجال منقول ہونے کے ساتھ مشاہد بھی ہے، اولاً تو عورت کی پیدائش زیادہ ہے اور مردوں کی کم، ثانیاً عالمگیر جنگوں میں مرد ہی تباہ و برباد ہوتے رہتے ہیں، پس اگر تعددِ ازواج کا مسئلہ تسلیم نہ کیا جائے تو عورتوں کی مکافات کے لیے اتنے مرد کہاں سے آئیں گے؟“ (احسن الفتاویٰ 66/5)

اسی طرح بہت سی بے بس و مجبور عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو شکل و صورت، تعلیم و تربیت، اخلاق و اعمال، سیرت و کردار اور دیگر خصوصیات میں مناسب ہوتی ہیں، لیکن صرف غربت اور وسائل کی کمی کی وجہ سے گھروں میں کنواری بیٹھی رہتی ہیں اور ان کے سر پرست ان کے نکاح کا بندوبست نہیں کر پاتے۔ پھر کچھ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے نان نفقے کا کوئی ذمہ دار نہیں ہوتا، وہ عفت مآب زندگی گزارنا چاہتی ہیں اور دل سے گھر داری میں مصروف رہنا چاہتی ہیں، لیکن مجبوری کے باعث گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی صورتیں ہیں جن کی وجہ سے عورتیں بے نکاحی رہ جاتی ہیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ عورتیں کہاں جائیں؟ ان کی کفالت کون کرے اور ان کی شرم و حیا اور پاکدامنی کو تحفظ کون فراہم کرے؟ جس طرح مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ شہوت عطا فرمائی ہے اسی طرح عورتوں کو بھی یہ قوت دی گئی ہے، لیکن عورت کی حیا اس پر غالب آ جاتی ہے۔ اب یا تو یہ عورتیں بغیر نکاح کے اپنی زندگیاں گزاریں یا پھر غلط راستہ اختیار کریں اور تیسری صورت یہ ہے کہ جو مرد پہلے سے شادی شدہ ہیں وہ ان سے نکاح کر لیں۔ پہلی صورت کے مطابق عورت کا تنہا زندگی گزارنا مشکل ہے، کیونکہ اس طرح بہت سی عورتیں مردوں کو ہوس رانی کا شکار بن جاتی ہیں، مگر سچی جذباتی تسکین سے پھر بھی نا آشنا رہتی ہیں، شوہر اور بچوں کی محبت کو، جس کے بغیر ان کی زندگی نامکمل اور بے کیف رہتی ہے، ساری عمر ترستی رہتی ہیں۔ اگر دوسرا راستہ اختیار کریں تو معاشرے میں برائیاں پھیلیں گی، کیونکہ اس طرح کے حالات میں ایسی عورتوں کو اگر معاشرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا کہ جس طرح چاہیں ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنی جنسی تسکین کرتی رہیں تو معاشرے میں بے حیائی کی زبردست وبا پھوٹ پڑے گی۔ اس صورت میں کیا یہ معاشرتی انتشار اور اخلاقی بگاڑ بہتر ہے یا یہ بہتر ہے کہ مرد کو قانوناً ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت ہو؟ تو اب اسلام کے قانون کے مطابق یہ صورت بالکل مناسب ہے کہ جو مرد پہلے سے شادی شدہ ہیں وہ ان عورتوں سے نکاح کر کے معاشرتی توازن کی صورتحال کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں۔

بیوہ و مطلقہ عورتوں کے نکاح کا مسئلہ

اسی طرح بیوہ و مطلقہ عورتوں کے نکاح کا مسئلہ ہے، کیونکہ اسلام میں بیوہ و مطلقہ سے نکاح کرنے کی فضیلت بہت زیادہ ہے اور اس کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اگر کسی بیوہ کو نکاح کے ذریعے عزت و عفت کا تحفظ فراہم نہ کیا گیا تو معاشرے میں فساد

تعددِ ازواج کی وجوہات

دین اسلام حقیقت میں دین فطرت ہے، جو خواہشاتِ انسانی کی قدر کرتا ہے، لیکن ان تمام خواہشات کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جو کسی بھی لحاظ سے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے مضر ہوں۔ اسلام زندگی کے ہر معاملے میں عدل کی تعلیم دیتا ہے اور عدل ہی وہ طرہ امتیاز ہے جو اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔ کسی بھی معاشرے کی بقاء و دوام کے لیے جو نظامِ عدل اسلام پیش کرتا ہے وہ کوئی بھی دین نہیں دے سکتا۔ تعددِ ازواج کا حکم بھی دراصل قیامِ عدل ہی کی ایک صورت ہے، جس کے ذریعے دین اسلام انسان کے جذبات و احساسات اور اس کی روحانی و جسمانی خواہشات و ضروریات کا احترام کرتے ہوئے ان کی تکمیل و تعمیل کی فکر کرتا ہے۔ اسلام کسی بھی فطری خواہش اور اس کی تکمیل کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ طریقہ کار صرف ایسا بتاتا ہے جو خود انسان کے حق میں ہر طرح سے مفید ہوتا ہے اور کئی حکمتوں اور مصلحتوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ انسانی ضرورت کے پیش نظر جن وجوہات کی بنا پر اسلام میں تعددِ ازواج کی اجازت دی گئی، ان کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

1) عورتوں کی کثرت:

یہ ایک حقیقت ہے کہ عورتوں کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ رہتی ہے، اگر ہر مرد استطاعت و طاقت رکھنے کے باوجود قانوناً ایک ہی عورت سے شادی کرے تو باقی عورتیں کہاں جائیں گی؟ اگر ہم انسانی معاشرے کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہر دور میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ رہی ہے اور قریب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے کافی بڑھ جائے گی۔ قدیم زمانے میں عورتوں کی اس بڑھتی ہوئی تعداد کا ایک غیر مہذب حل یہ نکالا جاتا تھا کہ ملوک و سلاطین ان میں سے دو شیرازوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنے حرم اور محلات میں کینروں اور باندیوں کی شکل میں ظالمانہ طریقے سے باندھ رکھتے تھے۔ اسلام نے عورتوں کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنا گوارا نہ کیا کہ وہ معاشرے میں گندگی اور ناپاکی پھیلاتی رہیں، بلکہ مردوں کو عدل و انصاف کی شرط کے ساتھ ایک وقت میں چار شادیاں کرنے کی اجازت دے دی، جو اس مسئلے کی ایک جائز اور فطری صورت ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے اکثر زیادہ رہتی ہے اور یہ امر صریح دلیل ہے اس بات کی کہ ایک مرد کے لیے کئی جوہر (بیویاں) ہو سکتی ہیں۔“ (احکام اسلام عقل کی نظر میں ص: 182)

اس کے علاوہ کئی مردوں کی جانیں جنگوں میں یا مختلف قسم کے حادثات میں ضائع ہو جاتی ہیں، باقی بچ جانے والوں میں سے بعض مرد مختلف اخلاقی برائیوں کا شکار ہو جاتے ہیں، جو کسی نشے یا برائی کے عادی نہیں ہوتے، ان میں بھی سب سنجیدہ مزاج نہیں ہوتے اور آوارہ و ادباز مزاج کے ہوتے ہیں، جو ذمہ دار اور سنجیدہ مزاج ہوتے ہیں تو ان میں بھی سب کے سب روزگار کے قابل

برپا ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بہترین حل یہ ہے کہ جو عورت بیوہ یا مطلقہ ہو جائے تو اس کے قریبی اعزہ اور رشتہ داروں میں سے کوئی محض انسانی جذبے کے تحت ایسی عورت کا ہاتھ تھام کر اس سے نکاح کر لے۔ اس سے ایک ضرورت مند عورت کی خبر گیری احسن طریقے سے ہو سکتی ہے۔

دور نبوی اور دو صحابہ کی چند مثالیں

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زیادہ شادیاں کیں تو اس میں دیگر اسباب کے علاوہ ایک خصوصی سبب ان بیواؤں کی دیکھ بھال بھی تھا، جن کا کوئی کفیل نہیں تھا۔ جیسا کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ یہی طریقہ عمل صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور میں رائج رہا۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا..... حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تو عدت کے بعد کئی حضرات نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا، جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوالجہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کے لیے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند فرمایا۔ (شرح معانی الآثار 230/3)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی نکاح کا پیغام بھیجا تھا، مگر فرماتی ہیں: میں نے سن رکھا تھا کہ اسامہ بن زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب ہیں۔ (السنن الکبریٰ 275/3)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا..... حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جوان شوہر حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام قبول کیا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے نکاح فرمایا اور ان سے آپ کی مزید اولاد بھی ہوئی، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تیسری شادی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ نکاح کا پیغام بھیجا جواب آپ نے قبول کر لیا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے نکاح فرمایا اور ان سے بھی آپ کی مزید اولاد ہوئی، یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چوتھی شادی تھی۔ (البدایہ والنہایہ 253/4)

حضرت سبیحہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا..... حضرت سبیحہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر کا انتقال ہوا تو آپ حمل سے تھیں، ابھی چند راتیں ہی گزری تھیں کہ ولادت ہو گئی اور آپ کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا گیا، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تو آپ نے نکاح کر لیا۔ (المعجم الکبیر ج: 2)

حضرت عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل الحدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا..... حضرت عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل الحدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی، پھر جب یہ طائف میں شہید ہو گئے تو

حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے نکاح کیا، وہ بھی جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے نکاح کیا، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر آپ کا نکاح حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، جب وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا تو آپ نے معذرت کر لی کہ کہیں وہ بھی جلد شہید نہ ہو جائیں۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ان کے پہلے شوہر نے ان کے لیے کچھ مال مخصوص کر دیا تھا تا کہ ان کے مرنے کے بعد وہ کسی اور سے نکاح نہ کریں، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ ناجائز وصیت ہے، جس چیز کو اللہ نے حرام نہیں کیا ہے اس کو انہوں نے کیوں حرام کیا، لہذا تم مال شوہر کے رشتہ داروں کو لوٹا دو اور خود دوسرا نکاح کر لو۔ (الاصابہ 357/4)

حضرت ام ابان بنت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا..... حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ان کے چہرے پر ہر وقت سلوٹیں ہوتی ہیں، آخرت کی فکر نے انہیں دنیا سے یکسر غافل کر دیا ہے اور گویا ہر وقت اپنے رب کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتے ہیں، پھر ان کی طرف حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام بھیجا تو انہوں نے اسے بھی قبول نہ کیا، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام بھیجا تو اسے بھی قبول نہ کیا۔ اس کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام بھیجا تو اس مرتبہ انہوں نے کہا: ہاں! یہ واقعی میرے شوہر بننے کے لائق ہیں، میں ان کے اچھے اخلاق کو پہلے سے جانتی ہوں کہ جب گھر میں داخل ہوتے ہیں تو ہنستے ہوئے اور جب گھر سے نکلتے ہیں تو بھی ان پر مسکراہٹ ہوتی ہے، اگر ان سے کچھ مانگوں گی تو عطا کریں گے اور اگر خاموش رہی تو بغیر مانگے دے دیں گے، اگر کوئی اچھا کام کروں گی تو اس کی قدر کریں گے اور اگر کبھی مجھ سے غلطی ہو جائے تو معاف کریں گے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہو جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اے ام ابان! اللہ کی قسم، آپ نے ہم میں سب سے خوبصورت اور اہل وعیال پر سب سے زیادہ خرچ کرنے والے مرد سے نکاح کیا ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین 5614)

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا..... حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، جب وہ غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے نکاح کیا، لیکن انہوں نے طلاق دے دی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہوا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہوا۔ (الاصابہ 491/4)

حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا..... حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی بہن ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت کم عمر تھیں، آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیغام کو مسترد کر دیا اور کہا: مجھے ان سے نکاح میں کوئی رغبت نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: امیر المؤمنین کے رشتے کا انکار کر رہی ہو؟ آپ نے کہا: ہاں، کیونکہ وہ بہت ہی تنگ دست (غریب) ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ دیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ام کلثوم کے لیے پیغام بھیجیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنین کے سامنے معذرت کرتے ہوئے عذر پیش کیا کہ بچی کی عمر آپ کی نسبت بہت کم ہے اور اس بچی کو میں

نے اپنے بھائی جعفر طیار کے بیٹے کے لیے بٹھا رکھا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش میں آ کر فرمایا: اللہ کی قسم! نکاح سے میرا ارادہ محض نکاح برائے نکاح نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی بچی سے نکاح کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری قرابت مضبوط ہو جائے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جذبے کی قدر کرتے ہوئے پیغام قبول فرمالیا۔ (الاحادیث المختارة 398/1 ح: 281)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح عون بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا اور انہی کے نکاح میں آپ کا انتقال ہوا۔ (فضائل اعمال ص: 162)

کنواری عورتوں سے نکاح کی ترغیب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور میں کسی بیوہ یا مطلقہ عورت کا نکاح اور اس کی کفالت کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ اگر کوئی عورت بیوہ یا مطلقہ ہو جاتی تو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی ایسی عورت کو اپنانے میں دیر نہ کرتے۔ حالانکہ حدیث میں کنواری عورت سے نکاح کرنے کی ترغیب بہت زیادہ آئی ہے۔ جیسا کہ ایک روایت کے مطابق ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر خوشبو اور مسرت کے کچھ آثار دیکھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ گفتگو فرمائی:

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا: کیا تم نے شادی کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! اے اللہ کے رسول۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے کسی باکرہ عورت سے شادی کی ہے یا غیر باکرہ سے؟ انہوں نے عرض کیا: غیر باکرہ سے شادی کی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں کسی باکرہ عورت سے شادی کرنی چاہیے تھی کہ وہ تمہارے ساتھ دل لگی کرتی اور تم اس کے ساتھ دل لگی کرتے، وہ تمہارے ساتھ ہنسی مذاق کرتی اور تم اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے۔“ (بخاری، مسلم 475/1)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم کو کنواری عورتوں سے شادی کرنا لازم ہے، کیونکہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں، بچے بہت جنتی ہیں اور تھوڑے پر خوش و خرم رہتی ہیں۔“ (مشکوٰۃ)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم کنواری اور جوان عورتوں سے نکاح کو لازم پکڑ لو، کیونکہ وہ بات کے لحاظ سے میٹھی اور عمدہ اخلاق والی ہوتی ہیں اور بچے زیادہ جنتی ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔“ (مسلم 448/1، کتاب السنن 170/1)

حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ منیٰ میں چلا جا رہا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے فرمایا: اے ابو عبد الرحمن! کیا ہم آپ کا کسی کنواری اور کم عمر لڑکی سے نکاح نہ کرادیں، جو آپ کو آپ کی جوانی کا زمانہ یاد دلادے؟“

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

”اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کم عمر کنواری سے نکاح جسمانی قوت میں اضافے کا باعث ہے۔“

اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس روایت میں کنواری سے نکاح کرنے کی ترغیب ہے، کیونکہ اس سے نکاح میں نکاح کی مصلحتیں زیادہ حاصل ہوتی ہیں، نیز جسمانی قوت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔“ (شرح النووی علی الصحيح المسلم)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”لوگو! کنواری عورتوں سے نکاح کو لازم پکڑو، اس لیے کہ کنواری لڑکیاں بات کے لحاظ سے میٹھی اور بچے زیادہ پیدا کرنے والی ہوتی ہیں، نیز کم خرچے میں راضی ہو جاتی ہیں۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ ح: 17694)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”کنواری لڑکیوں سے نکاح کیا کرو کہ نکاح کے بعد ان کو راضی رکھنا زیادہ آسان ہوتا ہے اور وہ اپنے شوہروں سے محبت بھی زیادہ کرتی ہیں۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ ح: 17695)

الغرض کنواری عورت سے نکاح کی ترغیب کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بیواؤں سے نکاح کرنے کے خواہشمند رہتے اور اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، کیونکہ اُس دور میں زیادہ تر صحابہ تعدد ازواج کو اپنانے کی کوشش کرتے تھے اور اس کے لیے کنواری لڑکی کا حصول کوئی آسان کام نہ تھا، اس لیے نکاح چاہے کنواری سے ہو یا بیوہ سے، ان حضرات کا اصل مقصد حکم خداوندی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کر کے معاشرے کو فتنہ و فساد سے پاک رکھنا تھا۔

(2) مردوں کی فطری طلب و خواہش:

ایک سے زیادہ عورتوں کی خواہش اور طلب مرد کی فطرت میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ وہ صرف ایک عورت پر قناعت نہیں کر سکتا۔ تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ ابتداء ہی سے مردوں کا ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رجحان رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنت میں بھی ایک مؤمن مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں اور کئی حوریں ملیں گی۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایک ادنیٰ درجے کے جنتی کے اسی ہزار خادم ہو گئے اور بہتر بیویاں ہوں گی۔“ (ترمذی، الترغیب والترہیب 305/4)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایک جنتی مرد کی پانچ سو حوروں اور چار ہزار کنواریوں اور آٹھ ہزار بیوہ عورتوں سے شادی کروائی جائے گی۔ جنتی ان میں

سے ہر ایک سے اپنی دنیاوی زندگی کی مقدار کے برابر معاف کرے گا۔“ (البیہقی، الترغیب والترہیب 327/4)

حضرت ابن وہب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جنت میں ایک غرفہ ایسا ہے جس کا نام ”سُخَا“ ہے۔ جب اللہ کا ولی اس میں جانے کا ارادہ کرے گا تو حضرت جبریل علیہ السلام اس غرفہ کے پاس جا کر پکاریں گے تو وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ اس غرفہ میں چار ہزار خدمتگار لڑکیاں ہوں گی جو اپنے دامن اور بالوں کو ناز و انداز سے اٹھاتے ہوئے چلیں گی اور وہ عود کی انگلیٹھیوں سے خوشبو حاصل کریں گی۔“ (ابو نعیم فی الحلیۃ)

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو حاکم اور عورتوں اور بچوں کو رعیت یعنی محکوم بنایا ہے اور یہ قاعدہ اور مشاہدہ ہے کہ محکوموں کی تعداد ہمیشہ حاکم سے زیادہ ہوتی ہے، ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ محکوم تو ایک ہو اور اس کے حکام بہت زیادہ ہوں، بلکہ محکوموں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی حاکم کی عزت و طاقت زیادہ سمجھی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے مرد کو حاکم کی حیثیت سے تعدد ازواج اور کثرت اولاد کی ترغیب دی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ظاہر ہے کہ محکوموں کا تعدد اور ان کی کثرت موجب عزت ہے، وہ بادشاہ زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے جس کی رعیت زیادہ ہو اور حکام کی کثرت موجب ذلت ہے۔۔۔ فرض کرو ایک شخص تو رعیت ہو اور اس کے بادشاہ اور حاکم کثیر، سب جانتے ہیں کہ یوں نہیں ہوا کرتا اور مرد کے لیے بہت سی عورتیں ہونا کوئی عیب کی بات نہیں، کیونکہ مرد مخدوم اور عورت خادم ہے۔“

(احکام اسلام عقل کی نظر میں ص: 182-180)

چنانچہ کسی معاشرے کے خود ساختہ قوانین اور رکاوٹوں کی وجہ سے ایک مرد اگر ایک سے زیادہ بیویاں نہیں رکھتا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ فی الواقع دوسری بیوی کی خواہش یا ضرورت محسوس نہیں کرتا، محسوس تو وہ ضرور کرتا ہے، مگر خود پر جبر کرتا ہے۔ اب یا تو ایمان و تقویٰ کی قوت و برکت سے وہ خود کو بچاتا رہتا ہے اور مسلسل مجاہدے میں رہتا ہے یا پھر بد خیالی و بد نظری کر کے دل ہی دل میں شرمندہ اور کڑھتا رہتا ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ بڑھتی ہوئی بے حیائی، وسائل گناہ کی کثرت اور آزادانہ ماحول اس کا بھرپور ساتھ دیتا ہے، وہ ناجائز تعلقات کی طرف پیش رفت کرتا ہے اور آخر کار حرام کاری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اب سوچنا چاہیے کہ حرام کاری کی خرابیاں زیادہ ہیں یا دوسری شادی کرنے کی؟

(3) مردوں میں شہوت کی زیادتی:

تقویٰ ایک ایسی پیاری چیز ہے کہ اس کا خیال ہر انسان کو رکھنا چاہیے، کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو انسان کو اللہ و رسول کے نزدیک کرتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبے میں فرمایا: نہ عربی کو عجمی پر، نہ عجمی کو عربی پر، نہ کالے کو گورے پر اور نہ ہی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و عزیز ترین انسان وہ ہے جو متقی و پرہیزگار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مردوں میں شہوت زیادہ رکھی ہے اور ایسے مردوں کی ضرورت ایک عورت سے پوری نہیں ہو سکتی، یہ ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کو اپنے نفس پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔ اگر ایسی صورتحال میں مرد کو دوسری، تیسری یا چوتھی شادی سے روکا جائے تو نتیجتاً وہ زنا کی طرف مائل ہوگا، تقویٰ کا دامن چھوڑ دے گا اور معاشرے میں برائیاں پھیلنے شروع ہو جائیں گی۔ جبکہ اسلام کسی ایسے ماحول کا روادار نہیں جس سے معاشرے میں گندگی اور بے حیائی پھیلے، اسلام نے ہمیشہ اس بات کا حکم دیا جس سے پاک و صاف معاشرہ وجود میں آئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جب مادہ تولید کی پیداوار میں زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوبصورت عورتوں کو دیکھنا آدمی کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگتی ہے، اس کے بخار کا ایک حصہ شرم گاہ کی طرف بھی آتا ہے، جس کی وجہ سے تقاضے میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اور مقاربت کی قوت ابھرتی ہے اور یہ عموماً جوانی کے دور میں ہوتا ہے اور شادی نہ ہونے کی صورت میں بالآخر یہ چیز زنا کے لیے ابھارتی ہے، اس کے اخلاق گندے ہونے شروع ہوتے ہیں اور ایک دن شہوت اسے بڑے خطروں میں ڈال دیتی ہے۔“ (حجة الله البالغة 122/2)

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عقلاً و نقلاً و تجربہ و قیاساً، ہر لحاظ سے یہ امر مسلم ہے کہ مرد میں عورت کی بہ نسبت شہوت کئی گنا زیادہ ہے۔

☆ شرعاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو چار بیویوں کا اختیار دیا ہے، اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی تو اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے بہت سی وعیدیں بیان فرمائی ہیں، جبکہ وہ مرد کے بلانے پر ہم بستری پر راضی نہ ہوں، اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی تو مردوں کے لیے ایسی وعیدیں آنی چاہیے تھیں۔

☆ عقلاً اس لیے کہ مرد کا مزاج گرم ہے، جو سبب شہوت ہے اور عورت کا مزاج سرد ہے۔

☆ تجربہ اس لیے کہ کوئی شخص اس کا قائل نہیں اور اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا کہ عورت ہم بستری کی دعوت دے اور مرد انکار کرے، اس کے برعکس اس کی مثالیں روزانہ پیش آتی رہتی ہیں کہ مرد بلاتا ہے اور عورت راضی نہیں ہوتی۔

☆ قیاساً اس طریقے سے کہ دوسرے حیوانات میں یہ امر مشاہدہ ہے کہ ایک مذکر سینکڑوں مؤنث کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی یا برابر ہوتی تو شہر کا ہر گلی کوچہ شب و روز زنا کاری کا بازار ہوتا، بازار میں ہر مرد کا عورتوں کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے، الا لمتقین، اگر عورت کی جانب سے بھی ایسا ہی میلان پایا جائے تو بد فعلی سے مانع کیا چیز ہوگی؟ خصوصاً جس حکومت میں بد فعلی جرم نہ ہو اور لڑکیوں کے والدین اور اقربین اسے نفرت کی نگاہوں سے نہ دیکھتے ہوں۔۔۔ مزید برآں مرد میں کثرت احتلام اور عورتوں میں اس کا وجود کالعدم ہونا بھی تین دلیل ہے کہ عورتوں میں شہوت کالعدم ہے، ان امور سے ثابت ہوا کہ مرد میں شہوت زیادہ ہے۔۔۔ پس ثابت ہوا کہ مرد کی کثرت خواہش کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لیے متعدد بیویاں ہوں۔ (احسن الفتاویٰ 66/5)

بیت الحکمت، لاہور کے پروفیسر عبد الجبار شاہ صاحب لکھتے ہیں:

کثرت ازواج کا ایک حیاتیاتی پہلو بھی ہے، جس پر اسلامی نقطہ نظر کے علاوہ خالص سیکولر تناظر میں طبی ماہرین اور حکمائے جنس نے بھی اپنے تجربات، مشاہدات اور مطالعات کو پیش کیا ہے، جو سراسر اسلامی موقف کی تقویت کا باعث ہیں۔

☆ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرد کی جسمانی ساخت، عورت سے مختلف اور مضبوط ہے۔

☆ مرد خلقی طور پر عورت کے لیے کشش محسوس کرتا ہے اور یہ کشش جنسی تسکین کا تقاضا کرتی ہے۔

☆ مرد حسن کی گرویدگی کا آسانی سے شکار ہو جاتا ہے، وہ ایک بیکر جمیل سے متاثر ہو کر پھر اسے حاصل کرنے اور اس سے اپنی جنسی

پیاں بچانے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔

☆ مردوں میں ایک قدرتی کیمیکل ”پی ای اے“ (Phenylethylamine) کے نام سے موجود ہے۔ اس قدرتی کیمیکل کے باعث مرد عورتوں کی نسبت زیادہ رومانیت کا شکار ہوتے ہیں اور اپنی مخالف جنس سے بہرہ نوع وابستگی کی شدید خواہش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

☆ مردوں میں جو اجزاء جنسی خواہشات کو بڑھاتے ہیں ان میں ایک حیاتیاتی کیمیائی مادہ ”ٹیسٹرون“ (Testosterone) ہے، جو عورتوں کی نسبت دس سے بیس فیصد زیادہ ہوتا ہے۔ یہ مادہ جنسی خواہشات کو بڑھانے اور برقرار رکھنے کا موجب ہے۔ یہی حیاتیاتی عنصر بسا اوقات مردوں کی جنسی تسکین کے ایک سے زائد ذرائع کو اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسلام جنسی تسکین کے ناپاک ذرائع کو اختیار کرنے کی نسبت انہیں تعددِ ازواج کے فطری چینل (نظام) کو اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے، جو ایک وقت میں چار سے زیادہ خواتین نہیں ہو سکتیں۔

☆ مردوں کے اعضاء کی ساخت ایسی ہے کہ عورتوں کی نسبت ان کے قویٰ میں ایک قوت، جوش اور جذبہ کی فراوانی ہوتی ہے، جو صرف کسی ایک ہی جسم کے ساتھ وابستہ رہنے میں بعض اوقات تسکین محسوس نہیں کرتا۔ (شادی سے شادیوں تک، ص: 22، ناشر: دارالسلام، لاہور)

(4) عورتوں کے طبعی و جسمانی نقائص و عوارض:

مرد ہمیشہ جنسی عمل کے لیے تیار رہتا ہے، جبکہ عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ شوہر اس سے ہم بستر ہو سکے، کیونکہ مہینے کے چند دن ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ”ایام حیض“ کہتے ہیں کہ جن میں مرد کو عورت سے دور رہنا پڑتا ہے۔ دوسرے حمل کے آخری مہینے میں بھی عورت کو اپنی اور بچے کی صحت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرد کو اپنے سے دور رکھے۔ جب وضع حمل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد بھی کچھ عرصے تک مرد کو عورت سے دور رہنا پڑتا ہے۔ پھر رضاعت کے دوران بھی عورت پر کمزوری غالب رہتی ہے۔ ان مراحل میں عورت کے فطری جذبات نسبتاً کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اس قسم کی مفارقت بعض مردوں پر شاق گزرتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کی طبعیتوں کو ایک جیسا نہیں بنایا، بعض لوگ اس قسم کی مفارقت برداشت کر سکتے ہیں اور بعض لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر شہوت کا غلبہ کسی وقت کو نہیں دیکھتا، اگر اس دوران مرد پر شہوت کا غلبہ ہو جائے تو مرد کیا کرے؟ اب یا تو وہ غلط راستہ اختیار کرے گا یا پھر دوسری بیوی سے اپنی خواہش پوری کرے گا۔ اسلام کے نقطہ نظر سے دوسری صورت بالکل صحیح ہے کہ وہ دوسری شادی کر کے اپنی خواہش کو جائز طریقے سے پورا کرے اور اگر اس کی دو بیویاں ہیں اور دونوں اسی حالت میں ہیں کہ وہ ان سے مقاربت نہیں کر سکتا تو اس صورت میں بھی اس کے لیے تعددِ ازواج ہی بہترین حل ہے، کیونکہ دو بیویوں کا ایک وقت میں حیض سے ہونا تو ممکن ہے لیکن تین یا چار بیویاں ہوں گی تو تینوں یا چاروں کا اس حالت میں بیک وقت ہونا بہت نادر ہے۔

(5) حصولِ اولاد:

اگر عورت بانجھ ہے اور اس کا کوئی علاج بھی ممکن نہیں تو اس صورت میں مرد اگر دوسری شادی نہ کرے تو قطع نسل لازم آئے گی یا عورت کو کوئی ایسی بیماری پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے مرد اس سے مقاربت نہ کر سکے تو مرد کے لیے دوسری شادی میں ہی عافیت ہے، کیونکہ اولاد کا حاصل کرنا ہر مرد کا حق ہے اور یہ انسان کی خواہش بھی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مرد کی افزائش نسل کی مدت

عورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ مرد میں تولید اور افزائش نسل کی صلاحیت 70 سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر تک رہتی ہے جبکہ عورت میں یہ صلاحیت 50 برس کی عمر میں ختم ہو جاتی ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مرد و عورت کے نکاح کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ افزائش نسل کے ذریعے زندگی کے تسلسل کو برقرار رکھا جاسکے تاکہ انسانوں سے زمین آباد رہے۔ اب بقیہ جو 20 یا اس سے زیادہ سال ہیں ان سے اگر مرد فائدہ نہ اٹھائے تو یہ فطرت کے خلاف ہوگا۔ اس لیے اس مدت سے فائدہ اٹھانے کے لیے تعددِ ازواج کی رخصت ہی مرد کے لیے مناسب ہے، کیونکہ اس طرح کی صورت حال میں کسی عورت کو صرف اس وجہ سے طلاق دینا کہ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہی، ایک ظلم ہے اور اسلام ایسے ظلم کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

(6) کثرتِ اولاد:

کثرتِ اولاد کسی بھی قوم کی افرادی قوت میں اضافے کا سب سے بڑا اور اہم سبب ہے اور افرادی قوت قوم کی پائیداری اور استحکام میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ دفاع، صنعت، زراعت، تجارت غرض ہر شعبے میں ترقی کے لیے افرادی قوت کی اہمیت مسلمہ ہے اور زیادہ افرادی قوت حاصل کرنے کا ذریعہ تعددِ ازواج بھی ہے، کیونکہ کثرتِ ازواج کی وجہ سے کثرتِ اولاد کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اس کے علاوہ نیک اولاد انسان کے لیے صدقہ جاریہ ہوتی ہے اور خدمتِ دین کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کثرتِ اولاد کی بہت زیادہ ترغیب اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایسی عورت سے شادی کرو جو بہت زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو، کیونکہ قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔“ (ابو داؤد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کا حکم فرمایا کرتے اور مجرد (غیر شادی شدہ) رہ کر زندگی گزارنے سے بہت سختی سے منع فرمایا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی عورت سے نکاح کیا کرو جو بہت زیادہ محبت کرنے والی اور کثرت سے بچے جننے والی ہو۔“ (مجمع الزوائد 258/4)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مختلف سندوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کثرت سے بچے جننے والی عورت سے شادی کرو تاکہ تمہاری نسل میں اضافہ ہو، کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا اور روایت میں یہ بھی ہے کہ اس بچے کی وجہ سے بھی فخر کروں گا جو ولادت سے قبل ماں کے پیٹ میں مرجانے کی وجہ سے ناقص الخلق پیدا ہوا ہو (یعنی اللہ تعالیٰ اسے بھی حیات دے کر اس کے والدین کے لیے سفارش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فخر کا ذریعہ بنائیں گے)۔“ (زہب کبیر 287/3)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اولاد کی طلب اور تجسس جاری رکھو، اس لیے کہ بچے دلوں کا شرہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ ہیں۔“ (فتح الباری

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”قیامت کے دن جب انسان اپنے اونچے درجے کو دیکھے گا تو پوچھے گا: اے میرے رب! مجھے یہ درجہ کیسے مل گیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تمہاری اولاد کی دعا کے سبب سے۔“ (البیہقی 13237)

علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس حدیث کے عموم میں عورت بھی داخل ہے یعنی صرف باپ مراد نہیں بلکہ ماں کے درجات بھی اولاد کی دعاؤں سے بلند ہوتے ہیں۔“ (فیض القدیر 339/2)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”اللہ کی قسم میں خود کو زوجہ سے ہم بستری پر بہ تکلف تیار کرتا ہوں، اس امید پر کہ شاید اس کے نتیجے میں میری ایسی اولاد پیدا ہو جو اللہ کی تسبیح بیان کرے۔“ (ابو داؤد ح: 13238)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”میں بسا اوقات کسی عورت سے نکاح کرتا ہوں، حالانکہ مجھے نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی اور زوجہ سے ہم بستری کرتا ہوں، حالانکہ جماع کی خواہش نہیں ہوتی، کیونکہ میں یہ بات پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے اتنی اولاد پیدا کرے کہ جس کی کثرت کی وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے پیغمبروں پر فخر کر سکیں۔“ (التفسیر القرطبی 328/9)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

”کسی بھی شخص کے لیے ایمان کی دولت کے بعد اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں کہ اسے ایسی بیوی مل جائے جو عمدہ اخلاق والی ہو، بہت زیادہ محبت کرنے والی ہو اور کثرت سے بچے جننے والی ہو۔“ (ابو داؤد ح: 13257)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”امام ابو حنیفہ اور امام احمد ابن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے کہ نکاح کی فضیلت تمام نفل عبادات سے بڑھ چڑھ کر ہے، کیونکہ نکاح اولاد کے وجود کا سبب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کرو اور خوب خوب نسل میں اضافہ کرو۔“ (تلبیس ابلیس ص: 121)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بڑھ چڑھ کر نکاح کرو، تم تعداد میں بہت زیادہ ہو جاؤ گے، اس لیے کہ قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔“ (مصنف عبد الرزاق ح: 10391)

علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ واضح فرمادیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے افراد کی کثرت چاہتے ہیں اور امت کے افراد کی کثرت ولادتوں کی کثرت کے ذریعے ہی ممکن ہے اور ولادتوں کی کثرت بڑھ چڑھ کر نکاح کرنے کے ذریعے ہوتی ہے، بس یہ کام (تعدد ازواج) شریعت کی نظر میں پسندیدہ کام ہے۔“ (فیض القدیر 269/3)

7) کئی خویوں اور فائدوں کا حصول:

تعدد ازواج کی ایک وجہ کئی خویوں اور فائدوں کا حصول بھی ہے۔ ایک ہی عورت سے کئی خویوں اور فائدوں کا حصول ناممکن ہے۔ کسی کی بیوی خوبصورت ہے مگر سلیقہ شعار نہیں، سلیقہ شعار ہے مگر پڑھی لکھی نہیں، پڑھی لکھی ہے مگر ست اور کاہل ہے، زیادہ تر خوبیاں ہیں مگر بہت دہلی یا موٹی یا حسن سے عاری ہے وغیرہ۔ عورت کی سب سے بڑی خوبی اور فائدہ تو بہر حال اس کی دینداری ہی ہے، مگر اس کے علاوہ اور بھی بہت سی دینی و دنیوی خوبیاں اور انفرادی و اجتماعی فوائد ہیں، جن کے حصول کی خاطر مرد کا تعدد ازواج کی جانب رجوع کرنا ہی مناسب اور بہتر ہے۔

مشہور فلسفی شیخ طوطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”تعدد ازواج کے فوائد میں سے اولاد کو بڑھانا، زنا کو کم کرنا، بے سہارا عورتوں کی کفالت کا انتظام کرنا اور عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت کے زمانے میں عورتوں کی عزت کی حفاظت کرنا ہے۔“ (مقالات کوثری ص: 222)

خلاصہ کلام

تعدد ازواج ہر لحاظ سے انسانی فطرت اور ضرورت کے عین مطابق ہے، معاشرتی و اخلاقی بگاڑ اور فتنہ و فساد کو روکنے کا سبب ہے اور اسلامی نظام زندگی کا ایک ایسا قانون ہے جس میں خواہشات انسانی کا احترام اور انکی تکمیل کا مناسب و معقول طریقہ موجود ہے۔ کسی بھی دور اور کسی بھی وقت میں ان وجوہات میں سے کسی بھی ایک کا موجود ہونا تعدد ازواج کی ضرورت و اہمیت پر دلالت کرتا ہے، غرض یہ کہ جتنی زیادہ وجوہات پائی جائیں گی اس عمل کی ضرورت و اہمیت اتنی ہی زیادہ بڑھتی چلی جائے گی۔





تعددِ ازواج

پر

اعتراضات کے جوابات



تعددِ ازواج کی مخالفت

اللہ رب العزت کی ذات ہر طرح کے ضعف و نقص سے پاک ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب و بے خطا ہے، اسی طرح بنی نوع انسانوں کے لیے اس کا طرف سے نازل کردہ احکامات نہ صرف یہ کہ بے عیب و بے خطا ہیں بلکہ انسانوں کی دنیوی و اخروی فلاح و نجات کا واحد ذریعہ بھی ہیں۔ لیکن جس طرح یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ قوانین میں تحریف کے مرتکب ہوئے اور پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کی تعلیمات پر اکتفاء کرنے کے بجائے اپنی عقل اور مزاج کی دخل اندازی کر کے اچھے اور بُرے کا معیار از خود متعین کرنا شروع کر دیا، بالکل اسی طرح بہت سے مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم کی تعلیمات پر اکتفاء کرنے کے بجائے اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق ان کی ایسی تشریحات کرنے لگے جو کلام اللہ و رسول اللہ کسی سے منقول نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے نام نہاد مسلمان غیروں کی جھوٹی شان و شوکت اور مصنوعی چمک دمک سے مرعوب و متاثر ہو کر کبھی اسلامی نظام زندگی پر تنقید کرتے ہیں تو کبھی نظام عدل پر، کبھی وہ شرعی معاشی نظام کو رد کر دیتے ہیں تو کبھی تعلیمی نظام کو، کبھی ان کو مرد کی داڑھی چبھتی ہے تو کبھی عورت کا پردہ، کبھی روزہ ان کی طبیعت پر گراں گزرتا ہے تو کبھی نماز، کبھی زکوٰۃ ان کو فضول خرچی لگتی ہے تو کبھی حج و عمرہ۔۔۔ غرض شریعت کا ہر وہ حکم جو ان کی طبیعت اور مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا ان کے نزدیک غیر ضروری اور ناقابل عمل ہوتا ہے۔ وہ نفسانی خواہشات کو جسمانی ضروریات سمجھتے ہیں جبکہ روحانی اقدار کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ تعددِ ازواج بھی اسلام کے ان ہی مظلوم احکامات میں سے ایک حکم ہے، جن کی مخالفت میں غیر مسلم تو ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں، لیکن ان کی اندھی تقلید میں بہت سے مسلمان بھی اعتراضات کرنے لگتے ہیں اور اس بارے میں معذرت خواہانہ رویہ اپناتے ہیں۔ اس خود بینی و خود ساختگی کے ہولناک نتائج آج پوری دنیا، چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم، اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے، لیکن قلبی آنکھوں سے اندھے اور کچھ بھینگے اور کچھ کانے اس واضح حقیقت کا اقرار کرنے سے قاصر ہیں کہ آج کی بیقرار و مضطرب انسانیت کی راحت و نجات کا واحد راستہ صرف اور صرف ”رجوع الی اللہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں پر کامل یقین رکھتے ہوئے خود کو احکاماتِ خداوندی کے تابع کرنے اور شیطانی و نفسانی مرضیات کے بجائے خود کو روحانی و روحانی مرضیات کے سپرد کرنے میں ہے۔

انسانی معاشرے کی تقسیم

موجودہ انسانی معاشرے کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک ”اسلامی معاشرہ“ اور دوسرا ”غیر اسلامی معاشرہ“۔ ان دونوں معاشروں میں ”جنسی تعلق“ کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن جنسی تعلق قائم کرنے کے مقاصد و اصول کیا ہیں اور اس کے حصول و تکمیل کی کیا صورت ہے؟ اس معاملے میں دونوں معاشرے مختلف تصور رکھتے ہیں۔ ماہرین

نفسیات کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ایک سے زیادہ عورتیں رکھنے کی خواہش مرد کے دل میں ہر وقت گھر کی رہتی ہے، جبکہ عورت کے دل میں ایسی خواہش کا فقدان ہے۔ یعنی عام طور پر مرد یہی چاہتا ہے کہ اس کی ملکیت میں ایک سے زیادہ عورتیں ہوں، جبکہ عورت صرف ایک مرد کو اپنا دیکھنا چاہتی ہے۔ لہذا جب ایک سے زیادہ عورتوں کی خواہش مرد کے دل میں جڑ پکڑے ہوئے ہے تو لازمی طور پر یہ خواہش مرد کو اس امر پر اکسائے گی وہ کسی طرح اس خواہش کو پورا کر لے۔ اب اس خواہش کو پورا کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس کے لیے ہم اسلامی اور غیر اسلامی، دونوں معاشروں کا جائزہ لیتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ:

اسلامی معاشرہ ”حدود اللہ“ پر قائم ہے، جس میں مرد و عورت کو قانونِ نکاح کا پابند بنایا گیا ہے، یعنی اگر ایک مرد کسی عورت کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کا خواہشمند ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کر کے اس کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کر لے۔ دین اسلام میں نکاح کا مقصد صرف جنسی تسکین حاصل کرنا نہیں بلکہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے جو مرد و عورت دونوں پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ مرد جس عورت سے نکاح کرے گا اب وہ اس کے اخراجات، دیکھ بھال اور حفاظت کا ذمہ دار ہوگا، اس کے ساتھ عورت بھی اس چیز کی ذمہ دار ہوگی کہ وہ مال و عزت غرض کسی بھی معاملے میں اپنے مرد کے ساتھ بے وفائی نہیں کرے گی۔ یہ وہ مقدس رشتہ ہے جو عورت کو مرد کے لیے روحانی و جسمانی تسکین کا سبب بننے اور مرد کو عورت کی مادی و معنوی بوجھ اٹھانے پر مامور کرتا ہے اور دونوں کو اس عظیم عہد کی پاسداری پر مجبور کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ”میثاقِ عظیم“ کا نام دیا ہے۔

اب رہا مسئلہ مرد کی اس فطری خواہش کا جو اسے ایک سے زیادہ عورتوں کے لیے ابھارتی ہے، تو اسلامی معاشرے کے اندر شریعت اس کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ اگر وہ اسلامی معیارِ عدل پر پورا اترتا ہے اور خود کو قابل سمجھتا ہے تو ایک عورت کے ہوتے ہوئے وہ مزید تین عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ یعنی ایک مرد ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ اس صورت میں بھی وہ تمام ذمہ داریاں اس پر عائد ہوں گی جو ایک بیوی کی صورت میں تھیں۔ عورت کے معاملے میں شریعت کا قانون یہی ہے کہ ایک عورت ایک وقت میں صرف ایک مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے، کیونکہ عورت اپنی فطرت و ضرورت اور جسمانی قوت و کیفیت کے لحاظ سے ایک سے زیادہ مردوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اسلامی معاشرے کے اندر ایک انسان جنسی تعلق قائم کر سکتا ہے۔

غیر اسلامی معاشرہ:

غیر اسلامی معاشرہ ”آزادیِ نفس“ کا قائل ہے، جس میں ہر مرد و عورت کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جب چاہیں اور جس طرح چاہیں ایک دوسرے کی رضامندی کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ اس معاملے میں نہ مرد کے اوپر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور نہ ہی عورت پر۔ ایک مرد آج ایک عورت کے ساتھ ہے تو کل کسی دوسری عورت کے ساتھ اور ایک عورت آج ایک مرد کے ساتھ ہے تو کل کسی دوسرے کے ساتھ۔ زمانہ ماضی میں عمومی طور پر ازدواجی زندگی کا تصور اور اس کا وجود تو وہاں بھی رہا ہے، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ نوجوان نسل کی بڑھتی ہوئی آوارگی و بے راہ روی، بے شرمی و بے حیائی، فحاشی و عریانی، آزادانہ فکر و سوچ

اور اخلاقی پستی کی وجہ سے موجودہ مغربی معاشرے میں ازدواجی زندگی کا رجحان ناپید ہو گیا ہے۔ وہاں کے مردوں کی اکثریت اُس ذمہ داری کو قبول کرنے کے حق میں نہیں، جو رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد بحیثیت شوہر ایک مرد پر عائد ہوتی ہے، یعنی عورت کی کفالت اور اس کی حفاظت۔ ان کا مقصد صرف اور صرف جنسی تسکین کا حصول بن چکا ہے، جس کے لیے ان کو سب سے آسان اور مناسب صورت یہی نظر آتی ہے کہ کسی بھی لڑکی کے ساتھ ایک مخصوص وقت کے لیے دوستی کا تعلق قائم کر کے اپنی شہوانی پیاس کو بجھایا جائے اور مقصد پورا ہونے کے بعد اس کو استعمال شدہ بے کار چیز کی طرح پھینک دیا جائے، جبکہ عورتوں کی اکثریت ازدواجی زندگی کو اپنانے اور ہر وہ ذمہ داری قبول کرنے کے حق میں ہے جو ایک عورت پر عائد ہوتی ہے، لیکن وہاں کوئی ایسا مرد نہیں ملتا جو ان کو اپنا سکے اور بیوی کی حیثیت سے قبول کر سکے۔ وہاں صرف ایک ہی رشتہ قابل قبول ہے یعنی ”گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ“ کا رشتہ۔ اس طرح عورتیں مایوس ہو کر امید کا دامن چھوڑ بیٹھی ہیں اور اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ بھی مردوں کے شانہ بشانہ فحاشی و عریانی کے اس سمندر میں کود پڑی ہیں کہ جس کا پانی پینے کے بعد پیاس بجھتی نہیں بلکہ کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

غیر اسلامی معاشرے کے اندر مرد و عورت دونوں پر تعدد کی کوئی قید نہیں، یعنی وہ جس سے چاہیں اور جتنوں سے چاہیں بغیر کسی قانون کے جنسی تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں نہ مرد پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور نہ ہی عورت پر۔ غیر اسلامی معاشرہ چونکہ ہر معاملے میں مرد و عورت کے درمیان مساوات کا قائل ہے اس لیے تعدد کے معاملے میں بھی جس طرح مرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے جنسی تعلق قائم کر سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایک سے زیادہ مردوں سے جنسی تعلق قائم کر سکتی ہے۔ اب یہ تعلق چاہے ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ہو، ایک مرد اور کئی عورتوں کے درمیان ہو یا ایک عورت اور کئی مردوں کے درمیان ہو، اس کا مقصد نہ کسی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے اور نہ ہی ایک دوسرے کا رفیق حیات بننا ہے، بلکہ صرف اور صرف جنسی تسکین حاصل کرنا اور لطف و مزے کے ساتھ وقت گزارنا ہے۔

غیر مسلموں کے اعتراضات

غیر اسلامی معاشرے میں ”اسلامی نظریہ تعددِ ازواج“ کو تنقید کا نشانہ بنانے کے لیے غیر مسلم جن اعتراضات کا سہارا لیتے ہیں ان کا سبب صرف اور صرف ”خواہشِ نفس“ اور اس کی تکمیل ہے۔ اس معاملے میں ان کی طبیعت آزادانہ ماحول کی روادار ہے، جو ان کو بغیر کسی پابندی کے جنسی تسکین کا بھرپور موقع فراہم کر سکے۔ اس لیے وہ کسی بھی ایسے قانون کے حق میں نہیں جو ان کے لیے تکمیلِ خواہش کے راستے محدود کر دے اور کسی مخصوص ضابطے کے تحت ان کو تکمیلِ خواہش کی اجازت دے اور ساتھ ہی ذمہ داریوں کا ایسا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال دے جس کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے بجائے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا کرنے کی فکر و سعی میں ہی لگے رہیں۔ تعددِ ازواج کی مخالفت میں غیر مسلموں کی طرف سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کا جواب دینے کے لیے تو ان کی اپنی اخلاقی و معاشرتی حالت ہی کافی ہے، لیکن وضاحت کی غرض سے ہم ان اعتراضات کا جواب حقائق پر مبنی نہایت ہی معقول دلائل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

1) اسلام عیاشی کی خاطر تعددِ ازواج کی اجازت دیتا ہے:

مغربی معاشرے کا جائزہ لینے کے بعد مخالفین اسلام کا یہ اعتراض دم توڑ دیتا ہے کہ اسلام صرف عیاشی کی خاطر ایک مرد کو چار چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں کے قوانین ”تعددِ ازواج“ کو تو حرام قرار دیتے ہیں، لیکن گرل فرینڈز رکھنے پر وہاں کوئی پابندی نہیں، یعنی مردوں کے دل میں جو شدید رغبت ہوتی ہے اسے پورا کرنا ان کے لیے نہایت آسان ہے، اس معاملے میں وہ بالکل آزاد ہیں اور ان کو روکنے والا کوئی نہیں ہوتا، پھر جب عورت خود اپنی مرضی اور خوشی سے بغیر شادی کے مرد کے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہو تو قانون کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ دخل اندازی کرے، قانون تو صرف یہ کہہ کر الگ ہو جاتا ہے کہ یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں نہ تو مرد کا محاسبہ ہے اور نہ ہی عورت کا مواخذہ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ متعدد گرل فرینڈز رکھنا مردوں کے لیے متعدد بیویاں رکھنے سے زیادہ آسان ہے، کیونکہ اس میں مردوں پر نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور نہ ہی اخراجات کا بوجھ بڑھتا ہے۔ ایک مرد جب چاہے اور جتنی چاہے گرل فرینڈز رکھ سکتا ہے اور دل بھر جانے کے بعد ان کو استعمال شدہ بے کار چیز کی طرح پھینک کر تبدیل کر سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو ناجائز بچے جنم لیتے ہیں ان کی کفالت، پرورش اور تعلیم و تربیت بے شمار مسائل کھڑے کر دیتی ہے اور ان کا وجود کئی اعتبار سے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان بچوں سے اخلاقی و معاشرتی جرائم کے علاوہ کسی خیر کی امید تو قیام نہیں رہتی۔ موجودہ حالات بھی اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں کہ عالمی اعداد و شمار کے مطابق امریکہ و یورپ میں اپنی بیویوں کو دھوکہ دینے والے اور ان کے پیٹھ پیچھے غیر عورتوں سے ناجائز تعلقات قائم کرنے والے شوہروں کی تعداد 70 فیصد تک پہنچ چکی ہے۔

جبکہ اسلامی معاشرے میں اگر کوئی مرد اس آسان نسخے پر عمل کرنا چاہے، یعنی ایک بیوی کے ہوتے ہوئے گرل فرینڈز رکھنا چاہے تو اس سلسلے میں شریعت اس کو کسی قسم کی آزادی اور اختیار نہیں دیتی، کیونکہ اس قسم کے تعدد پر اس کا محاسبہ ہوگا اور شریعت کی نظر میں وہ بدکار و زنا کار کہلائے گا، جس کی سزا سنگسار ہونا ہے۔ اس لیے تعدد کے خواہشمند مسلمان شوہر کے سامنے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مزید ایک یا دو یا تین عورتوں سے نکاح کر کے اپنی فطری خواہش کو پورا کر لے۔ اس کے ساتھ ہی جس طرح وہ ایک بیوی کے معاملے میں اس کی کفالت و حفاظت کا ذمہ دار تھا اسی طرح ایک سے زیادہ بیویوں کے معاملے میں بھی نہ صرف یہ کہ ان کی کفالت و حفاظت کا ذمہ دار ہوگا، بلکہ ان کے درمیان عدل اور برابری کرنے کا بھی پابند ہوگا۔ پھر یہ ذمہ داری صرف یہیں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ ان بیویوں سے پیدا ہونے والی اولاد کی کفالت، پرورش اور تعلیم و تربیت بھی اس کے ذمے ہوگی۔ یعنی اسلام میں تعددِ ازواج کا مقصد صرف مرد کی فطری خواہش کو پورا کرنا نہیں، بلکہ ضرورت مند عورتوں کی کفالت، ان کی عزت و ناموس کی حفاظت اور اچھی نسل کی فراہمی بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام بغیر نکاح کے کسی بھی عورت کے ساتھ تعلق قائم کرنے کو حرام اور ناجائز قرار دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ تعدد کا ایک طریقہ کار وہ ہے جو اسلام بتاتا ہے، جس کا مقصد انسانی ہمدردی و خیر خواہی اور جائز خواہشات کی تکمیل ہے، جس کا نتیجہ سکون و امن اور متوازن معاشرے کا قیام ہے اور دوسرا طریقہ کار وہ ہے جو غیر اسلامی معاشرے میں قائم ہے، جس کا مقصد انسانی تذلیل و تحقیر اور ناجائز خواہشات کی تکمیل ہے، جس کا نتیجہ جنسی بے راہ روی، اخلاقی پستی، معاشرتی بگاڑ اور فتنہ و

فساد ہے۔ اب کون سا طریقہ قابل تنقید ہے اور کون سا طریقہ قابل تحسین؟ اس کا جواب بالکل صاف اور بہت سادہ ہے، جس کے بعد غیر مسلموں کا یہ اعتراض کہ اسلام عیاشی کی خاطر تعددِ ازواج کی اجازت دیتا ہے یقیناً غلط اور بے بنیاد ثابت ہو جاتا ہے۔

(2) تعددِ ازواج میں عورتوں کی حق تلفی ہے اور صریح ظلم و زیادتی ہے:

مغربی معاشرے کے لیے جو عام تاثر پیش کیا جاتا ہے، اس کے مطابق وہ عورتوں کے حقوق کا محافظ اور علمبردار ہے۔ اسی تاثر کے پیش نظر وہ تعددِ ازواج کے اسلامی طریقے کو عورتوں کے حقوق کے منافی سمجھتا ہے اور اس کو صریح ظلم و زیادتی قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ عورت کو بھرپور دفاعی قوت فراہم کرتا ہے تاکہ وہ اپنے حقوق کے حصول و تحفظ کے لیے ہر دم مستعد اور تیار رہے، کیونکہ مغربی نظریے کے مطابق ایک بیوی کے ہوتے ہوئے اگر دوسری آگئی تو ساری عمر اس کی حریف اور مد مقابل بن کر اس کو چڑاتی رہے گی اور اس کے حقوق ضبط کرنے کی کوشش کرتی رہے گی، جو کہ صریح ظلم و زیادتی ہے۔ چنانچہ اس ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے بعض ممالک میں قانوناً ایک ہی بیوی رکھنے کی اجازت ہے۔

تعددِ ازواج کا تعلق اگرچہ مردوں کے حقوق کے ساتھ شامل ہے، مگر موجودہ دور کے مغربی مفکرین خواہ مخواہ اسے عورتوں کے حقوق کے ساتھ جوڑتے ہیں کہ کسی مرد کا ایک سے زیادہ شادیاں کرنا لازمی طور پر عورتوں کی حق تلفی اور ان کے حقوق پر دست درازی بلکہ ان کی توہین کے مترادف ہے۔ حالانکہ شریعت کا کوئی بھی حکم ایسا نہیں کہ جس سے عورتوں کی حق تلفی یا تحقیر و تذلیل ہوتی ہو۔ جس طرح پردہ عورت کے قیدی ہونے کی علامت نہیں بلکہ اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے درحقیقت ایک ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح تعددِ ازواج میں بھی عورتوں کی حق تلفی نہیں بلکہ ان کے ساتھ بہت بڑی ہمدردی اور خیر خواہی ہے، کیونکہ اس کا مقصد صرف مرد کی تکمیل خواہش نہیں بلکہ عورت کی کفالت و حفاظت بھی ہے۔ تکمیل خواہش کے طریقے تو وہ بھی ہیں جو مغربی معاشرے کے اندر رائج ہیں، لیکن عورتوں کی کفالت اور ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کا مناسب و معقول طریقہ تعددِ ازواج کے علاوہ اور کوئی نہیں، خاص کر اس وقت جب عورتوں کی تعداد مردوں سے کئی گنا زیادہ ہو اور مردوں کی اکثریت شادی کے قابل نہ ہو یا پھر سرے سے شادی کے حق میں ہی نہ ہو۔

اگر تعددِ ازواج کوئی ظلم و زیادتی ہے تو یاد رکھنا چاہیے کہ اس ظلم و زیادتی کا آغاز ابتدائی دور کے انسان نے کیا تھا۔ دنیا کی بیشتر قوموں میں اس کا رواج رہا ہے۔ تمام مذاہب نے اس کی اجازت دی ہے اور سب پیغمبروں کی ایک سے زیادہ بیویاں رہی ہیں۔ تورات اور انجیل میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی کئی شادیوں کی اجازت رہی ہے۔ مسئلے کی اصل نوعیت یہ ہے کہ اسلام نے چار شادیوں کا کوئی نیا حکم نہیں دیا، بلکہ پہلے سے موجود دس اور سو بیویوں کی تعداد کو چار تک محدود کر دیا ہے۔

پھر چند عورتوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر کئی عورتوں کے حقوق کو صلب کر لینا کہاں کا انصاف ہے؟ اہل مغرب مرد و عورت کی برابری تسلیم کرتے ہیں، لیکن یہاں تو عورت کے مقابلے میں عورت ہے! ”مرد اور عورت“ کے حقوق کا فرق تو پھر بھی معقول بات ہے، لیکن ”عورت اور عورت“ کے حقوق کا فرق کسی طرح بھی معقول نہیں۔ اس لیے تعددِ ازواج کی مخالفت کا مطلب ہر ایک شادی شدہ عورت کی خاطر باقی تین عورتوں کو شادی کی نعمت سے محروم کر کے ان کی حق تلفی کرنا ہے۔

مغربی معاشرہ ایک طرف تو عورت کے حقوق اور آزادی کی بات کرتا ہے اور دوسری طرف عورت کو وہ مقام بخشتا ہے کہ خود

عورت کو بھی اپنا وجود ایک اچھوت اور اجنبی سا لگنے لگتا ہے۔ وہ یہی خیال کرتی ہے کہ شاید اس کی تخلیق کا مقصد صرف اور صرف مردوں کی جنسی خواہش کو پورا کرنا اور شہوانی پیاس کو بجھانا ہے۔ کبھی پرسنل سیکریٹری، کبھی پرائیویٹ سیکریٹری، کبھی ایئر ہوسٹس اور کبھی سیلز گرل کی حیثیت سے مرد کو خوش رکھنا اور اس کو متاثر و متوجہ کرنا ہے۔ اس کے حقوق کا محافظ معاشرہ اگر کچھ وقت کے لیے اس پر رحم و کرم کی نظر کر دے تو ایک گرل فرینڈ کے روپ میں وہ کسی مرد کو اپنا معاون و مددگار سمجھ کر تب تک اس کے ساتھ رہ سکتی ہے جب تک کہ وہ اس کے لیے قابل استعمال ہے، اس کے بعد وہ پھر ایک نئے بوائے فرینڈ کی تلاش میں دردر کی ٹھوکریں کھاتی ہے۔ بہت ہی خوش قسمت سمجھی جاتی ہے وہ عورت جس کو ایک بیوی کی حیثیت سے کوئی مرد قبول کر لے، لیکن اس صورت میں بھی اس کی خوشی مصنوعی و عارضی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ شادی تو محض ایک رسم تھی جو اس کے شوہر نے ادا کر دی، اب وہ اتنا کم عقل تو نہیں کہ باقی تمام عورتوں سے بے نیاز ہو کر صرف اسی کے ساتھ محبت و وفا کا تعلق قائم رکھے، بے وفائی وہاں کے ہر مرد کی فطرت کا حصہ بن چکی ہے، آخر وہ بھی تو ”گرل فرینڈ بوائے فرینڈ کلچر“ کی پیداوار ہے، جہاں شادی سے پہلے اور شادی کے بعد ایک لڑکی کے لیے کئی بوائے فرینڈز اور ایک لڑکے کے لیے کئی گرل فرینڈز کا ہونا ایک معمول کی بات سمجھی جاتی ہے۔ لہذا شادی کے بعد بھی اس کا رسمی شوہر اپنا زیادہ تر وقت اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ گزارتا ہے اور اس کو اپنی تھکاوٹ کے کچھ اوقات عنایت کر دیتا ہے، اس تنہائی اور اکتاہٹ کے عالم میں زندگی گزارنے کے حق میں تو وہ بھی نہیں، وہ کوئی مشرقی لڑکی کی طرح تو ہے نہیں کہ صبر کے کڑے گھونٹ پیتی رہے، قانون کی طاقت و حمایت اس کے پاس ہے، ماحول بھی اس کے حق میں سازگار ہے اور نہ ہی شوہر کو کوئی اعتراض ہے۔ اس لیے کبھی بوریٹ اور اکتاہٹ سے نجات کی خاطر، کبھی خواہش نفس کی تکمیل کی خاطر اور کبھی انتقامی آگ کو بجھانے کی خاطر وہ بھی بوائے فرینڈز کی تلاش میں نکل پڑتی ہے اور اپنی ”اُنا“ کو تسکین پہنچا کر دم لیتی ہے۔ اس طرح معاشرے میں فتنہ و فساد کی ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے کہ نسلیں اس کی لپیٹ میں آ جاتی ہیں۔ آزاد مرد و عورت کی اولاد بھی آزاد خیال ہوتی ہے، جب عقل کی آنکھ کھولتی ہے تو ان کے سامنے ان کے باپ کی بیوی تو ایک ہوتی ہے مگر گرل فرینڈز کئی ہوتی ہیں، جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں اور ان کی ماں کا شوہر تو ایک ہوتا ہے مگر بوائے فرینڈز کئی ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں، اس لیے ان کے دل میں بھی یہی تصور قائم ہو جاتا ہے کہ شاید زندگی صرف دوستیاں نبھانے کا نام ہے! یہی اولاد جب جوان ہوتی ہے تو زندگی کو بھرپور لطف و آزادی کے ساتھ گزارنا اپنا حق سمجھتی ہے، اس سلسلے میں قانون بھی ان کی بھرپور نصرت و حمایت کرتا ہے اور ان کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور ماں باپ کا مرتبہ و مقام گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کی حیثیت سے ان کے سامنے ہوتا ہے، لہذا بغیر کسی رحم و کرم اور فکر و غم کے وہ اپنے والدین کو یہ کہتے ہوئے گھر سے نکال دیتے ہیں:

"You enjoyed your life, now let us enjoy our life."

”آپ نے اپنی زندگی کو مزے سے گزار لیا، اب ہمیں اپنی زندگی کو مزے سے گزارنے دیجیے۔“

معاشرے کے درد مند، عورت کو تو آزادی کا سہانا خواب دکھاتے رہے، لیکن حقیقت میں وہ اپنی شہوانی خواہشات کا راستہ ہموار کرتے رہے۔ وہ عورت کو تو ترساتے رہے، مگر اپنی پیاس بجھاتے رہے۔ عورت بھی یہی سمجھتی رہی اور اسی میں خوش رہی کہ یہ اسی کے حقوق کی بات ہو رہی ہے، لیکن کرتے کرتے آج وہ اس مقام پر آ پہنچی کہ صرف نمائش اور جنسی تسکین کا سامان بن کر رہ گئی۔

ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کا جو مقدس مرتبہ و مقام کبھی اس کے پاس تھا اب گرل فرینڈ کے علاوہ کوئی حیثیت اس کے پاس نہیں بچی۔ جسمانی و روحانی زوال سے بے نیاز ہو کر یہ بھی مردوں کے ساتھ مست رہی، لیکن جب کئی بیماریوں، کمزوریوں اور خامیوں نے گھیر لیا تو کسی کے دل میں اس کی وقعت نہ رہی، کوئی اس کا پرسان حال تک نہ بن سکا۔ اس بے بسی و محرومی کے عالم میں آخر کار اس کو ہوش آیا کہ یہ تباہی و بربادی اسی راستے کی تو منزل ہے جس کا انتخاب خود اس نے کیا تھا! لیکن اب ہوش کے ناخن لینے کا کیا فائدہ کہ جب پانی ہی سر سے گزر گیا۔ وہ چاہتی ہے کہ اپنی آہ و بکا اور چیخ و پکار سے دوسری عورتوں کو احساس دلا سکے اور ان کو اس دلدل سے نکال سکے، لیکن اس کی ہر فریاد بے حس معاشرے کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس اسی کے کانوں میں گونجنے لگتی ہے، اگر کسی طرح اس کی آواز کسی تک پہنچ بھی جائے تو آج اس کو وہی جواب ملتا ہے جو کل کبھی اس کی طرف سے دیا جاتا تھا۔

اگر تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو تعددِ ازواج کے معاملے میں اہل مغرب کی مخالفت کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ نام نہاد عیسائیوں میں ابتداء ہی سے عورتوں سے تعلق رکھنا روحانیت کے خلاف اور دنیا داری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ جہاں عورت کو ”گناہ کا دروازہ“ اور ”غارتگر و لڑبا“ سمجھا جاتا ہو، وہاں سرے سے شادی کرنا ہی اچھا خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ لہذا وہاں تعددِ ازواج کو کیسے گوارا کیا جاسکتا تھا؟ وہاں ایک بیوی کی اجازت بھی مجبوری اور ناگزیر برائی کے طور پر دی جاتی تھی۔ آج کا جدید مغرب بھی عیسائیت کے اس خود ساختہ اور قدیم راہبانہ تصور سے نجات نہ پاسکا اور تعددِ ازواج کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہا۔

لیکن عورت سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنے کا عزم ایک شدید ترین جرم ہے اور فطرت کبھی نہ کبھی اس کا انتقام لے لیتی ہے۔ یہی ہوا کہ روحانیت و رہبانیت کا درس دینے والے نفسانیت و شیطانیہ کی لپیٹ میں آ کر شہوت پرستی کا شکار ہو گئے۔ مذہبی رہنما و پیشوا ہونے کی حیثیت سے ظاہر میں تو انہوں نے روحانیت و رہبانیت کا لبادہ اوڑھے رکھا، لیکن باطن میں انہوں نے جنسی تسکین حاصل کرنے کی خاطر کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ وہ نوجوان لڑکیاں جو مذہبی جذبے کے تحت عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان روحانی پیشواؤں کے زیر سایہ رہیں، عیسائیت کے فروغ کی خاطر اپنی زندگی وقف کر دیتیں یا پھر بے سہارا ہونے کی بنا پر گر جا گھروں میں آ کر مقیم ہو جاتیں تو ان بھوکوں اور پیاسوں کی حرص و ہوس کا نشانہ بن جاتیں۔ معاشرے کی ستائی ہوئی لڑکیوں کو یہ مزید ستاتے اور مذہب کی آڑ میں ان کے جذبات کو بھڑکاتے اور شہوانیت پر ابھارتے۔ پھر ان میں سے کچھ مرعوب ہو کر، کچھ عشق و محبت سے مجبور ہو کر اور کچھ نفسانی خواہش سے مغلوب ہو کر آمادہ ہو جاتیں اور ان کے جال میں پھنس جاتیں۔ شروع میں تو یہ سب عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے اور حقیقت کو چھپاتے رہے، لیکن تکمیل خواہش کا یہ طریقہ اتنا منظم ہوتا چلا گیا کہ اس پر اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی۔ خود قانون اس کو تحفظ و تعاون فراہم کرتا رہا اور اس معاملے میں برابر کا شریک رہا۔

ہندو مذہب کے روحانی پیشواؤں کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ روحانیت و رہبانیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے پنڈت اور سادھو بظاہر تو نفسانی و شہوانی خواہشات سے عاری نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ اپنی خواہشات کے تابع ہوتے ہیں۔ وہ اپنی مکاری و عیاری سے بیوقوف لوگوں کے دلوں پہ راج کرتے ہیں اور لوگ ان کی عقیدت میں اندھے اور سحر زدہ ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت میں اکثر نوجوان لڑکیاں حاضر و پیش رہتی ہیں جو ان کی جنسی تسکین کا ذریعہ بنتی ہیں۔ خوبصورت عورت کے ہر مسئلے کا حل پنڈت جی کے نزدیک ان کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے میں ہے۔ کسی کو اولاد چاہیے، کسی کو شوہر کی محبت چاہیے یا کسی کو بیماری کی دوا

چاہیے تو اس کے سامنے یہی طریقہ ہے کہ اپنا جسم پنڈت جی کے سامنے بطور نذرانہ پیش کرے اور اپنے مسئلے کا حل حاصل کرے۔ گر جاؤں اور مندروں کی یہ دوہری صورت اور پادریوں اور پنڈتوں کا یہ دوغلہ پن آج کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ ٹی وی، اخبارات اور رسالے وقتاً فوقتاً اس حقیقت سے پردے اٹھاتے رہتے ہیں اور ان ستم زدہ لڑکیوں کے خیالات و تاثرات پیش کرتے رہتے ہیں جو بے زار اور باغی ہو کر اس اندھیر نگری سے نکل آتی ہیں یا مجبوراً وہیں پھنسی رہتی ہیں۔

شہوانیت و حیوانیت سے مغلوب انہی مذہبی پیشواؤں کے روحانی فیض کا اثر ہے، جس کے تحت آج کے نام نہاد حقوق نسواں کے علمبردار تعددِ ازواج سے تو بیزار نظر آتے ہیں، لیکن کسی بھی عورت کو سوائے محبوبہ و معشوقہ کی حیثیت سے قبول کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ عورت جو کل تک غارتگر دلربا، گناہ کا دروازہ اور غلاظت کا ڈھیر تھی، آج وہی عورت جب تک گرل فرینڈ کے روپ میں ہوتی ہے تو ان کے نزدیک سب سے زیادہ مرغوب، پسندیدہ اور لذیذ ترین چیز ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں بیوی کا وجود ناقابل برداشت ہو گیا اور چار بیویوں کی مخالفت کرنے والے ایک بیوی کے حق میں بھی نہ رہے۔

یہ ہے وہ مقام جو ہر عورت کو دولوانے کے لیے مقتدائے مغرب حقوق نسواں کی جنگ لڑتے ہیں، تعددِ ازواج پر بڑھ چڑھ کر حملے کرتے ہیں اور اس حکم قرآنی کو عورتوں کے حقوق کے منافی قرار دیتے ہیں، لیکن اس مقام کی حقیقت و اصلیت جان لینے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ تعددِ ازواج میں عورتوں کی حق تلفی نہیں بلکہ حق رسائی ہے اور اس میں عورتوں پر ظلم و زیادتی نہیں بلکہ ان کی ہمدردی و خیر خواہی ہے۔

(3) جب مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے تو پھر عورت کو کیوں نہیں؟

مغربی معاشرہ ہر معاملے میں مرد و عورت کے درمیان مساوات یعنی برابری کا قائل ہے، اس لیے وہاں کی ہر عورت ہر معاملے میں مرد کے برابر اختیار چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعددِ ازواج کی مخالفت کرتے ہوئے فرنگ زدہ خواتین یہ اعتراض اٹھاتی ہیں کہ جب مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے تو پھر عورتوں کو بھی ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ملنی چاہیے۔ یہ اعتراض اتنا لغو اور بیہودہ ہے کہ ایک شریف الطبع عورت کو اس بات کا تصور کرنے سے بھی گھن آتی ہے، کیونکہ اس میں انتہا درجے کی بے غیرتی و بے شرمی ہے۔ یہ ایک ایسا مطالبہ ہے جس کا عورت کی فطرت سے کوئی واسطہ نہیں۔ ویسے بھی ایک عورت اپنی جسمانی کمزوری کی بنا پر ایک سے زیادہ شوہروں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ حیض و نفاس اور رضاعت کی مجبوریوں ایسی ہیں کہ وہ بعض اوقات صرف ایک مرد یعنی اپنے شوہر کی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتی۔ پھر بچے کا نسب باپ سے چلتا ہے، ماں سے نہیں۔ اگر عورت کے ایک سے زیادہ شوہر ہونگے تو یہ نہیں پتہ چل سکے گا کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ جب بچے کا نسب معلوم نہ ہوگا تو کوئی مرد اس کی پرورش کی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا، اس طرح بچے کی عمر برباد ہو جائے گی۔

مغربی معاشرے میں جو عورتیں کئی مردوں کی تسکین کا سامان بنتی ہیں، ان کی اپنی عفت و عصمت تو برباد ہوتی ہی ہے، مگر وہ اتنی جنسی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں کہ وہ گھریلو زندگی کے قابل نہیں رہتیں، اولاد کی نعمت سے تو وہ مستقل طور پر محروم ہو جاتی ہیں اور اگر اولاد ہو بھی جائے تو اس سے بہت سے معاشرتی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً یہ بچہ کس کا ہے؟ کون اس بچے کا باپ ہے؟ اس بچے کو کس کی طرف منسوب کیا جائے؟ وہ کس کا وارث ہے؟ اس کا کفیل کون بنے گا؟ اس قسم کے مزید بے شمار سوالات ہیں جن کا

جواب دیا ہی نہیں جاسکتا۔ اس کے برعکس اگر ایک مرد کی دو، تین یا چار بیویاں ہوں تو اولاد چاہے کسی بیوی سے ہو لیکن ہے تو اسی مرد کی! اور بچہ بھی اسی کی طرف منسوب ہوگا، وہی اس کا کفیل ہوگا اور وہی اس کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار ہوگا۔

”ایک عورت کے لیے کئی مرد“ یہ ایک ایسا مطالبہ تھا جو عورت کی طرف سے از خود پیش نہیں کیا گیا، بلکہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عورت کو اس پر ابھارا گیا۔ مغربی معاشرے نے ایک طرف تو مرد کو اختیار دیا کہ وہ ایک بیوی کے ہوتے ہوئے کئی عورتوں کو گرل فرینڈز کے طور پر رکھ سکتا ہے اور دوسری طرف عورت کو مساوات کا سبق پڑھایا کہ وہ ہر معاملے میں مرد کے برابر حقوق رکھتی ہے، اس طرح عورت کی انتقامی آگ مزید بھڑک اٹھی اور رد عمل کے طور پر اس نے بھی شوہر کے ہوتے ہوئے کئی بوائے فرینڈز رکھنا شروع کر دیے۔ مرد کے لیے جنسی تسکین کی راہ ہموار ہو گئی اور عورت کے لیے ازدواجی زندگی دشوار ہو گئی۔ ایک سے زیادہ شوہروں کا مطالبہ کرنے والی کے لیے ایک شوہر کا حصول بھی ناممکن ہو گیا۔ بے وفائی و بے اعتباری کی ایسی فضا قائم ہو گئی کہ مرد و عورت ایک دوسرے کو میاں بیوی کی حیثیت سے قبول کرتے ہوئے گھبرانے اور کترانے لگے۔

آج اس افسوس ناک اور شرم ناک صورتحال میں مغرب کی عورت قابل ترس اور قابل رحم بن چکی ہے۔ وہ ازدواجی زندگی کی طرف واپس لوٹنا چاہتی ہے، مگر اس کے لیے واپسی کے تمام راستے بند کر دیے گئے ہیں، کیونکہ جس معاشرے میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ ہو اور تعدد ازواج پر تو پابندی ہو، لیکن کئی کئی داشتائیں (گرل فرینڈز) رکھنے کی پوری اجازت ہو تو بہت سی عورتیں شادی کی نعمت سے محروم رہ جاتی ہیں۔

مردم شماری کے مطابق برطانیہ کلاں میں بوزروں کی جنگ سے پہلے 12 لاکھ 69 ہزار 3 سو 50 عورتیں، جرمنی میں سن 1900ء میں 8 لاکھ 87 ہزار 6 سو 48 عورتیں، سوئیڈن میں سن 1901ء میں 1 لاکھ 22 ہزار 8 سو 70 عورتیں، ہسپانیہ میں سن 1890ء میں 4 لاکھ 57 ہزار 2 سو 8 عورتیں، آسٹریلیا میں 1890ء میں 6 لاکھ 44 ہزار 7 سو 96 عورتیں، فرانس میں سن 1900ء میں 8 لاکھ 87 ہزار 6 سو 48 عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں اور ان عورتوں سے شادی کرنے والا کوئی مرد نہ تھا، جبکہ موجودہ صورتحال اس سے کافی زیادہ خراب ہے۔

ان حالات میں عورت کے سامنے دو ہی راستے ہوتے ہیں: پہلا یہ کہ وہ اپنی پوری زندگی بغیر مرد کے ہی گزار دے، جس کا مطلب ہے مایوسی، محرومی اور تنہائی سے بھرپور زندگی، جو بلاشبہ ایک عورت کے لیے کسی قید سے کم نہیں اور دوسرا یہ کہ وہ کسی شادی شدہ مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کر لے اور یہ بھی اس کے لیے قید اور پابندی ہے، کیونکہ عام طور پر اس قسم کے تعلقات میں راز داری برتی جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اس کے لیے قید بن جاتے ہیں، پھر ان تعلقات کا برقرار رہنا مرد کے موڈ اور مزاج پر منحصر ہوتا ہے، کیونکہ مرد و عورت کے درمیان کوئی ایسا معاہدہ تو ہوتا نہیں جو مرد کو کسی ذمہ داری کا پابند بنا سکے، اس لیے اس قسم کے تعلقات الٹا عورت کو پابند و اسیر بنا دیتے ہیں اور صرف یہی نہیں، بلکہ ان ناجائز تعلقات کو قائم کر کے عورت کے دل میں ہر وقت بدنامی اور رسوائی کا ڈر کروٹیں لیتا رہتا ہے، جو کسی قید سے کم نہیں۔

لیکن صورتحال اُس وقت مزید خراب ہو جاتی ہے جب معاشرے کے کل قلیل مردوں میں سے اکثر مرد ایک شادی کے حق میں بھی نہ ہوں، کیونکہ جہاں فحاشی و عریانی عروج پر ہو، مرد و عورت کا اختلاط عام ہو، جنسی تسکین ہی مقصد زندگی بن چکا ہو، جنسی تعلق

قائم کرنے میں کسی قسم کی کوئی پابندی اور قانون نہ ہو اور مرد و عورت کو مکمل آزادی اور اختیار ہو کہ وہ جب چاہیں، جہاں چاہیں، جیسے چاہیں اور جتنوں سے چاہیں جنسی تعلق قائم کر سکتے ہیں تو وہاں شادی کے ذریعے خود کو کئی ذمہ داریوں کا پابند بنانا کسی طرح بھی پسند نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح عورتوں کی کثیر تعداد مردوں کے ہاتھوں کھلو بن کر شادی کی نعمت سے محروم رہ جاتی ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں 80 لاکھ عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں، جن سے شادی کرنے والا کوئی مرد نہیں اور فرانس میں ایک کروڑ ایک لاکھ عورتیں تنہائی اور محرومی کا عذاب جھیل رہی ہیں، جن میں 58 لاکھ عورتیں غیر شادی شدہ، 32 لاکھ بیوہ اور 11 لاکھ عورتیں ایسی ہیں جن کو شوہروں نے چھوڑ دیا ہے۔ (جریدہ سیاست 1986/7)

سن 1998ء میں مغرب کی عورتوں سے رائے لی گئی کہ وہ اس آزادی سے خوش ہیں یا واپس گھروں کی طرف لوٹنا چاہتی ہیں؟ تو 95 فیصد عورتوں کی یہی رائے سامنے آئی کہ وہ اس آزادی کو ٹھکرا کر ازدواجی زندگی کی طرف واپس لوٹنا چاہتی ہیں، لیکن کوئی ایسا مرد نہیں ملتا جو ان کو بیوی کی حیثیت سے قبول کر کے اس حسرت و یاس بھری زندگی سے چھٹکارا دلا سکے۔ اس وقت وہاں کے مردوں کے نزدیک عورت کی حیثیت صرف اور صرف اس مشین کی طرح ہے جو ان کی جنسی ضرورت کو پورا کر سکے، جبکہ عورتوں کے نزدیک مرد کی حیثیت صرف اور صرف اس پردیسی درخت کی طرح ہے جو کچھ وقت کے لیے ان کو سایہ فراہم کر سکے اور بہلا کر ان کی اکتاہٹ کو دور کر سکے۔

اصل حقیقت یہی ہے کہ اس آزادی نے مغرب کی عورت کو کئی اعتبار سے قید و بند کر دیا ہے۔ اس ضمن میں ہونے والے سروے کی مختلف رپورٹس اس حقیقت کو کھول کر رکھ دیتی ہیں کہ اس طرح عورت تنہائی کا زہر گھونٹ گھونٹ پیتی ہے، وہ ایسی دنیا میں رہتی ہے جہاں اس کا غم اور خوشی بانٹنے والا کوئی نہیں ہوتا اور وہ تنہا ہی اپنے حالات سے لڑتے لڑتے ایک بے مقصد و بے معنی سی زندگی گزارتی رہتی ہے۔ دوسری طرف ماہرین نفسیات کے کلینک اور اعصابی امراض کے ہسپتال تنہائی کے شکار لوگوں سے اٹ گئے جن میں زیادہ تر عورتیں شامل ہیں۔ مغرب کے مفکرین و مصلحین کو اس دردناک صورتحال کا پورا احساس ہے، لیکن اس پر قابو پانا اب ان کے بس میں نہیں رہا۔ آزادی کے نتیجے میں اخلاقی برائیوں اور جنسی بیماریوں کا وہ سیلاب اُٹ آیا کہ تھامنے والے خود اس میں بہتے چلے گئے اور بتانے والے صرف بتاتے ہی رہ گئے۔

ایک امریکی دوشیزہ لینڈا ”ورلڈ کمپنی آف چرچ“ کے نام ایک خط میں لکھتی ہے: ”آپ لوگوں نے اپنے میگزین ”روشن حقیقت“ میں ایک مضمون چھاپا تھا، جس میں آپ کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے عورت کی تخلیق اس لیے کی ہے تاکہ وہ محبت اور زندگی میں مرد کا ساتھ دے، اس کی اطاعت کرے اور اس کی حوصلہ افزائی کرے اور بغیر اس کے عورتوں کے وجود کا کوئی تصور نہیں رہتا۔۔۔ پھر آپ نے لکھا کہ اگر کوئی عورت مرد کے لیے یہ سب کچھ نہیں کر سکتی تو وہ مایوسی کا شکار ہو کر ایک عضو معطل کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔۔۔ درحقیقت میں بھی اس بات کا اعتراف کرتی ہوں، کیونکہ میں خود ایسی یاس بھری زندگی گزار رہی ہوں۔۔۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق عورتوں اور مردوں کی تعداد میں زمین آسمان کا فرق ہے، امریکہ میں 78 لاکھ عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں، یہ حقیقت امریکہ کے مختلف ذرائع ابلاغ سے واضح ہو چکی ہے۔۔۔ میں بتیس تینتیس سال کی ایک غیر شادی شدہ

عورت ہوں، پُرکشش ہوں اور یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوں، جب میں یہ اعداد و شمار پڑھتی ہوں تو سخت ڈپریشن اور مایوسی کا شکار ہو جاتی ہوں۔۔۔ ان مایوس کن اعداد و شمار کے علاوہ ایک المیہ یہ ہے کہ مردوں کے آپس کے تعلقات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں، دوسرا یہ کہ 98 فیصد جیل کے قیدی مرد ہوتے ہیں، جس سے معاملہ اور بگڑ جاتا ہے۔۔۔ اگر واقعی خداوند تعالیٰ نے عورت کو مرد کی شریک حیات کے طور پر پیدا کیا ہے تو پھر یہ صورتحال کیوں؟ کم از کم 80 لاکھ عورتیں ایسی ہیں جنہیں کسی مرد کو پانے کا کبھی موقع ہی نہیں ملے گا، علاوہ اس کے کہ وہ مرد کسی اور عورت کا شوہر ہو۔۔۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ میری باتوں پر غور کیجیے گا۔۔۔ یہاں تک کہ شادی شدہ عورتوں کے لیے بھی سوچنے کا مقام ہے، کیونکہ جب تک عورتوں اور مردوں کی تعداد میں اتنا فرق ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ مرد اپنی بیویوں سے بے وفائی کریں گے، چاہے ان کی ازدواجی زندگی کی بنیادیں کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہوں۔“ (جریدہ سیاست 1986/7)

ایک عورت جو ایک بہت بڑی کمپنی کی مینیجر ہے اور بہت خطرناک مشاہرہ پاتی ہے، نہایت شاندار گھر اور قیمتی گاڑی کی مالک ہے، چیخ کر کہتی ہے:

”میرا دم گھنا جاتا ہے اور اکثر یہی خیال آتا ہے کہ خودکشی ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو مجھے اس قاتل تنہائی کی قید سے رہائی دلا سکتا ہے۔“ (جریدہ اہمس، شمارہ 5572)

ایک رپورٹ کے مطابق یورپ اور امریکہ میں آزادی نسوان کی تحریک، عورت کو مرد کے برابر درجہ دینے کے مطالبے اور پھر کام کرنے والے عورت کا گھر سے باہر نکلنے کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ کسی بھی لڑکی کا اپنا گھر چھوڑ کر دوسرے شہر میں تنہا قیام کرنا معمول کی بات ہو کر رہ گئی، جہاں وہ خود کام کرنے کا پناہ بوجھ خود اٹھاتی ہے۔۔۔ اور کسی بھی نگرانی سے دور جو اس کے دل میں آئے کرتی ہے۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق اس سارے شور شرابے کے باوجود جو عورت کی آزادی کے نام پر کیا جاتا ہے، 95 فیصد عورتوں کو یہ خیال ہے کہ مرد کے بغیر عورت بے قیمت ہے اور اس خیال میں تعلیم یافتہ، غیر تعلیم یافتہ اور ہر عمر کی عورت شامل ہے۔ اس کی تائید کرتے ہوئے علم نفسیات کی پروفیسر ڈاکٹر نیلوب روسیانوف کہتی ہے:

”عورت کا یہ احساس کہ وہ مرد کے بغیر کچھ بھی نہیں، ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں مختلف طبقوں، عمر، تعلیم، مذہب اور مختلف مالی حالات سے وابستہ خواتین شامل ہیں جو مختلف حسن و جمال کی مالک اور مختلف انداز میں تربیت پانے والی ہیں، یعنی یہ احساس ہر عورت کی فطرت میں شامل ہے۔۔۔ میں چند شادی شدہ خواتین سے ملی جن سے مل کر اندازہ ہوا کہ ان عورتوں کی اپنی کوئی خاص زندگی نہیں، بلکہ ان کے سارے خوابوں کا محور وہ مرد ہیں جن کے ساتھ وہ رہتی ہیں، انہی عورتوں سے ملنے کے بعد میں نے اپنی مشہور کتاب ”مجھے کیوں لگتا ہے کہ میں مرد کے بغیر کچھ بھی نہیں؟“ کے عنوان سے لکھی۔۔۔ تنہائی کا شکار خواتین نے مجھے بتایا کہ جب انہیں کسی مرد کا ساتھ نصیب ہو جائے گا تو وہ اپنی ادھوری اور خالی زندگی سے نجات پا لیں گی۔۔۔ اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ عورت ایک ایسے مرد کو تلاش کرتے جو ہر دم اس کے ساتھ رہے، کیونکہ ہر انسان کو ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔“ (جریدہ اہمس، شمارہ 6193)

لندن کا ایک پادری کہتا ہے:

”آج کل غلطی سے کسی دوشیزہ کو شادی شدہ سمجھ لیا جائے تو وہ چند لمحوں کے لیے باغ باغ ہو جاتی ہے، اکثر کنواری لڑکیوں نے زندگی کا مقصد ہی شادی سمجھ رکھا ہے، وہ شادی کے لیے ماری ماری پھرتی ہیں اور انہیں جو لڑکا بھی مل جاتا ہے اسے اپنا ممکن شوہر سمجھنا شروع کر دیتی ہیں۔ جو دوشیزائیں مسز (شادی شدہ) کہلاتی ہیں وہ اپنے آپ کو اعلیٰ و ارفع سمجھنا شروع کر دیتی ہیں اور احساس برتری کے مرض کا شکار ہو جاتی ہیں، وہ ان سہیلیوں کو نفرت سے دیکھنا شروع کر دیتی ہیں، جن کو شوہر نہیں ملتے۔ عام لڑکیاں جب ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو سب سے پہلے ان کی نگاہیں دوسری کی انگلی میں شادی کی انگلی کی تلاش کرتی ہیں۔ ان حالات میں لڑکیاں شادی کے خیال سے ہی محبت شروع کر دیتی ہیں۔ یہاں عورت آزاد ہے، لیکن اس کی حالت قابلِ رحم ہے، یہاں عورت کی کوئی عزت کوئی مقام نہیں۔ اگر وہ ”مشرق کی مظلوم عورت“ کی جہل بھری زندگی دیکھ لے تو آزادی اور مساوات سے فوراً توبہ کر لے، یہاں ہزاروں عورتیں ساری عمر گھر اور اولاد کو ترستے ہوئے زندگی بسر کر دیتی ہیں اور انہیں اپنی مظلومیت اور کمپرسی کا پورا احساس ہے۔“ (عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں ص: 179)

ان تاثرات و کیفیات میں چھپے ہوئے درد و کرب کو محسوس کیا جاسکتا ہے، جس میں آج کی ستم زدہ مغربی عورت مبتلا ہے کہ جس کی زندگی حسرت و یاس کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ یہ حسرت، یہ محرومی، یہ قلق، یہ مایوسی اور احساس کمتری کیا عورت کی فطرت کے لیے ایک قید نہیں؟ وہ فطرت جس کی آبیاری ایک شوہر، بچوں اور ہنستے مسکراتے گھر سے ہی ہوتی ہے۔ وہ کون سا طریقہ ہے جو ان کروڑوں عورتوں کو اس قید سے رہائی دلا کر وحشت و اذیت سے نجات دلا سکے۔۔۔ علاوہ ”تعددِ ازواج“ جیسے حکم اسلامی کے؟ کہ اسی حکم شرعی میں عورت کے لیے آزادی ہے، تنہائی اور وحشت کے کرب سے آزادی، کہ یہ تنہائی اور وحشت عورت کو اپنی قید میں جکڑنے والی وہ بیڑیاں ہیں جو اس کی فطرت کا گلا گھونٹ کر اسے خودکشی کرنے پر آمادہ کر دیتی ہیں۔۔۔ اور یہی حکم شرعی آج کی مظلوم عورت کے لیے شوہر مہیا کرے گا جو اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کرے گا، اس کے اخراجات برداشت کرے گا اور شرعی تعلق کے حصار میں جس کے لیے وہ بچے پیدا کرے گی، کہ جس میں نہ بدنامی کا ڈر ہوگا اور نہ چھپانے کی ضرورت۔

حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

آخر کار یہی ہوا کہ اندھے، بہرے، گونگے اور بے دل لوگوں کی اس بستی میں کچھ ایسے صاحب بصیرت، صاحب سماعت، صاحب کلام اور صاحب دل لوگ سامنے آئے جنہوں نے حقیقت کو دیکھنے، سننے، تسلیم کرنے اور اسے بیان کرنے میں کسی بھی قسم کے تعصب سے کام نہ لیا۔ ایک طرف اپنی قوم کی اخلاقی و معاشرتی بد حالی، اس کے نتیجے میں حدود کو پار کرتی ہوئی جنسی آوارگی و بے راہ روی اور دوسری طرف عورت کی بے بسی و بے چارگی کو انہوں نے کھل کر ظاہر کیا۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے ازدواجی تعلق کی ضرورت پر زور دیا، بلکہ نظام یک زوجگی پر تنقید کرتے ہوئے اسلامی طریقہ تعددِ ازواج کی حکمت و مصلحت اور اہمیت و افادیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ ان حقیقت پسندوں میں عوام و خواص سب ہی شامل ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

تعددِ ازواج کے جواز کو تسلیم کرنے والے یورپی ارباب فکر و دانش کے بارے میں لکھا ہے:

”انگلستان میں جنسی بے راہ روی کو روکنے کے لیے سترویں صدی سے کثرتِ ازواج کا چرچہ شروع کیا گیا۔ چنانچہ

رواج میں شامل ہے۔“ (روزنامہ نوائے وقت 27 اپریل 1997)
 شیخ الاسلام عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں تعدد ازواج سے متعلق غیر مسلموں کے اعترافات کو نقل کیا ہے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

لندن کے ایک اخبار کی کالم نگار، انگریز غیر مسلم خاتون اپنے کالم میں لکھتی ہیں:
 ”تحقیق ہماری قوم کی بیٹیوں میں آوارہ عورتوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور فتنہ پھیلتا جا رہا ہے، اس فساد کا حقیقی سبب کیا ہے؟ اس کے بارے میں بہت کم غور کیا جاتا ہے، مگر میں ایک عورت ہونے کی حیثیت سے جب اپنی ان بیٹیوں کی طرف نظر کرتی ہوں تو ان کی کمپری والی اس حالت کو دیکھ کر شفقت اور غم کے باعث میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگتا ہے۔ اگرچہ اس غم میں ساری دنیا کے انسان ہی کیوں نہ شریک ہو جائیں، مگر جب تک قوم کی لڑکیوں کو اس ناپاک حالت سے نکالنے کا عملی سبب اختیار نہ کیا جائے اس وقت تک میرے اس غم اور پریشانی کا، ان لڑکیوں کو کچھ فائدہ نہیں۔۔۔ اور قوم کی عورتیں جس حالت میں مبتلا ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ مرد کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی جائے، ایسا کرنے سے جس آزمائش میں ہم مبتلا ہیں، وہ یقیناً ختم ہو جائے گی اور ہماری بیٹیاں گھروں میں قرار حاصل کریں گی، بس بہت بڑی تباہی ہے اس قانون میں کہ یورپ میں مرد کو ایک بیوی پر اکتفاء کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، یہی وہ قانون ہے، جس نے ہماری بیٹیوں کو آوارہ بننے پر مجبور کیا اور انہیں اس بات پر بھی مجبور کیا کہ وہ مالی کفالت کے لیے مردوں کے ساتھ کارخانوں میں ملازمتوں پر مجبور ہونے لگیں، اور جب مرد کو ایک بیوی پر قناعت کرنے پر مجبور کیا جائے تو شر اور فساد پھیلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دلدار لڑکیاں بچوں کی کثرت ہونے لگی اور یہ بچے معاشرے پر بوجھ اور معاشرے کے لیے ذلت اور عار کا سبب بن گئے، اگر مرد کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت ہوتی تو قوم میں پیدا ہونے والے بچے اور ان بچوں کی مائیں اس عذاب اور ذلت سے دو چار نہ ہوتیں اور ان ماؤں اور ان کی اولاد دونوں کی عزتیں بھی محفوظ رہتیں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ فطرت نے مرد اور عورت کی جسمانی ساخت میں جو فرق رکھا ہے، یہ فرق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دونوں پر ایک ہی قسم کی ذمہ داریاں نہ ڈالی جائیں، چنانچہ ایک سے زائد شادیوں کی اگر مرد کو اجازت دی جائے تو ہر عورت اس قابل ہو سکے گی کہ وہ اپنی ذمہ داریاں اپنے گھر تک محدود رکھے اور ایسے بچوں کی ماں بن سکے جو ولد الزمان نہ ہوں۔“

ایک اور انگریز کالم نگار، گوستان لو بوف لکھتا ہے:

”ایک مرد کے لیے متعدد بیویاں رکھنے کی اجازت دینے والا اسلامی قانون ایک عمدہ قانون ہے، جن اقوام نے اس کا ارتکاب کیا انہیں اخلاقی برتری حاصل ہوئی اور اس پر عمل سے ان کے ہاں خاندانی نظام مربوط اور مستحکم ہوا، نیز اس قانون پر عمل کے باعث ایسے معاشروں میں عورت کو وہ عزت و احترام والی اور ایسی عمدہ زندگی میسر ہوئی جس سے یورپ کی عورتیں محروم ہیں۔“

ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد شیخ ابن باز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اسلام اور تعدد ازواج کے بارے میں دشمنان اسلام کے اقوال میں سے یہ وہ بعض اقوال ہیں جن پر میں مطلع ہوا اور ان

1658 میں ایک شخص نے زنا کاری اور نومولود حرامی بچوں کی اموات کو روکنے کے لیے کثرت ازواج کی حمایت میں ایک پمفلٹ شائع کیا۔ اس کے ایک صدی بعد انگلستان کے ایک قابل اعتماد اور صاحب کردار پادری نے اس مسئلے کی تائید میں ایک کتاب لکھی۔ مشہور ماہر جنسیات ”جیمس ہلٹن“ نے فحاشی اور زنا کاری کو روکنے کی لیے کثرت ازواج کے طریقے کو اختیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔“ (اسلام اور جنسیات ص: 286)

مشہور ماہر جنسیات ”کیلی چن“ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

”گو انگلستان میں کثرت ازواج کے اصول پر عمل ہوتا ہے، لیکن سوسائٹی اور قانون نے ابھی اس کو تسلیم نہیں کیا ہے۔۔۔ سوسائٹی ان لوگوں کے اعمال پر خاموش رہتی ہے جو ایک بیوی یا شوہر سے شادی کر کے دو یا تین داشتاؤں یا آشناؤں سے تعلقات رکھتے ہیں، لیکن سوسائٹی چیخ مچاتی ہے جب کوئی یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ مرد کو ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی اجازت دی جانی چاہیے۔“ (اسلام اور جنسیات ص: 287)

”شوہن ہاور“ اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”ایک بیوی پر اکتفاء کرنے والے کہاں ہیں؟ میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہم میں سے ہر شخص کثرت ازواج کا قائل ہے۔ چونکہ ہر آدمی کو متعدد عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے مرد پر کسی قسم کی تحدید عائد نہیں ہونی چاہیے۔“ (اسلام اور جنسیات ص: 285)

ایک رپورٹ کے مطابق:

”حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں عورتوں کی کثرت ہے اور ان کے مقابلے میں آدمی قلیل ہیں، لہذا اس وجہ سے یورپ کے ارباب فکر و نظر تعدد ازواج کو قانونی درجہ دینے کے درپے ہیں۔ علاوہ ازیں یورپ کے نظریہ یک زوجگی نے وہاں فحاشی اور بے حیائی کا طوفان برپا کر دیا ہے۔ ایک ایک آدمی نے پانچ پانچ، چھ چھ داشتائیں اور کال گرلز رکھی ہوئی ہیں، اس وجہ سے بھی اب اسلام کے اس مسئلے کی طرف لوگوں کا رجحان ہو رہا ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ تعدد ازواج اور وحدت ازواجی میں مقابلہ ہے۔۔۔ لیکن یہ غلط ہے۔ اصل میں مقابلہ محدود تعدد ازواجی کا لامحدود حرام کاری سے ہے، اسلام محدود تعدد ازواجی کی اجازت اس لیے دیتا ہے کہ لامحدود حرام کاری کا سد باب ہو، لیکن جو وحدت ازواجی کے قائل ہیں، ان کے پاس لامحدود حرام کاری کے اسناد کا کوئی علاج نہیں۔ اسی لیے تو وہ تعدد ازواج کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں، مگر یہ آواز بلند نہیں کرتے کہ ایک عورت والے مرد کو دوسری جگہ شہوانی جذبات کی سیری کے لیے منہ کالا نہیں کرنا چاہیے۔“ (زم زم، لاہور 15 ستمبر 1945)

ایک اور رپورٹ کے مطابق:

”جوہنس برگ میں افریقی چرچ کی ایک تنظیم نے کیتھولک عیسائی مسولین سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ مقامی عیسائیوں کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دے دیں، کیونکہ ان کے جائزے کے مطابق اسلام قبول کرنے والوں میں بعض افراد وہ بھی ہیں جنہوں نے محض اس رخصت کی وجہ سے اسلام قبول کیا ہے۔ ویسے بھی افریقہ میں ایک سے زیادہ شادیاں مقامی رسم و

اقوال میں ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس میں عقل ہو۔۔۔ اور اللہ ہی مددگار ہے۔“

(www.iu.edu.sa/magazine/24/25/html)

عرب کے ایک مشہور عالم خالد الجریسی حفظہ اللہ تعالیٰ ”فضل تعدد زوجات“ میں غیر مسلموں کے اعترافات نقل کرتے ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

ایک امریکی غیر مسلم خاتون، الیزابیتہ جوزف لکھتی ہیں:

”مرد کے لیے ایک سے زائد بیویاں رکھنا ایک ایسا اقدام ہے جو (امریکی خواتین کو مشکلات سے نکالنے کا) واحد حل ہے اور مجھے یقین ہے اگرچہ اب تک یہ نظام امریکہ میں موجود نہیں، مگر امریکی خواتین پر یہ بات متعین طور پر لازم ہو جائے گی کہ وہ اس نظام کو اختیار کریں۔“

انی بیزانت، جو ایک غیر مسلم مغربی خاتون ہیں اور ان کا ادیان عالم پر گہرا مطالعہ ہے، لکھتی ہیں:

”(ہمارے ہاں) اسلام پر صرف اس لیے اعتراض کرتے ہیں کہ کسی دوسرے مذہب کے عیوب کو تلاش کرنا اور اس کا پرچار کرنا ایک بہت آسان کام ہے، لیکن اہل مغرب جن کے ہاں زنا خوب پھیل چکا ہے، کے لیے کیسے جائز ہوگا کہ اسلام نے جو محدود بیویاں رکھنے کی اجازت دی اس پر اعتراض کریں اور جو بھی قوم کے حالات میں غور کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ ایک بیوی پر اکتفاء بہت ہی پاک صاف قسم کے لوگ کرتے ہیں، جن کی تعداد بہت کم ہے۔ لہذا جب قوم کے مرد قانونی طور پر اگرچہ ایک بیوی رکھتے ہیں، مگر پوشیدہ طور پر کئی کئی عورتوں سے دوستیاں لگا کر رکھتے ہیں، تو یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ یہ لوگ صرف ایک بیوی پر قناعت کرتے ہیں؟ اگر ہم انصاف کی نظر سے دیکھیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اسلام کا ایک سے زائد شادیوں والا نظام عورت کو حفاظت کا لباس عطا کرتا ہے اور یہ نظام یورپ کے اس نظام سے زیادہ وزن رکھتا ہے جو اس بات کو برداشت کر رہا ہے کہ مرد عورتوں سے محض اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے دوستیاں لگاتے رہیں اور جب عورت سے خواہش پوری ہو جائے تو اسے نظر انداز کر کے حقارت سے پھینک دیں۔“

جرمنی کی ایک غیر مسلم خاتون اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

”جرمنی کی خواتین جن مشکلات کا شکار ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ مرد کو زیادہ شادیوں کی اجازت دی جائے۔ ایک کامیاب آدمی کی دسویں بیوی بننا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک لاپرواہ، غیر ذمہ دار اور فضول شخص کی اکلوتی بیوی بنوں۔۔۔ اور تعددِ ازواج سے متعلق یہ صرف میری رائے نہیں بلکہ جرمنی کی ہر خاتون یہی رائے رکھتی ہے۔“

لندن کے ایک ڈاکٹر اتین دینیہ کے مطابق:

”عیسائیت سے ماخوذ ایک بیوی پر قناعت والا نظریہ ایک ایسا نظریہ ہے جسے اختیار کرنے سے معاشرے میں بہت سے فسادات نے جنم لیا ہے، جن میں تین فسادات تو ایسے ہیں جو بہت ہی خطرناک اور بالکل واضح طور پر ظاہر ہوئے، یعنی طوائف خانوں کا کھلنا، لڑکیوں کی عمریں نکل جانا اور ولد الزنا بچوں کی پیدائش۔“

ایک انگریز کالم نگار، گوستان لوبوف کے مطابق:

”مجھے معلوم نہیں کہ اہل یورپ تعددِ ازواج کو باطل قرار دے کر ایک بیوی پر قناعت والا وہ نظام جس کی بنیاد ہی جھوٹ اور نفاق پر مبنی ہے، اس کو کیوں اختیار کیے ہوئے ہیں؟ جب کہ اسباب مجھے مجبور کرتے ہیں کہ میں صرف تعددِ ازواج کو ترجیح دوں اور اہل مشرق (عرب) جب تعددِ ازواج کے معاملے میں ہماری سخت دلی پر تعجب کرتے ہیں تو مجھے ان کے اس تعجب پر ذرا بھی حیرانگی نہیں ہوتی۔“

جرمن فلسفی، شوپن ہاؤر اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”یورپ میں نکاح سے متعلق قوانین اس اصول پر مبنی ہیں کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے مساوی ہیں، اس قانون نے ہمیں ایک بیوی پر قناعت کرنے پر مجبور کیا۔ مرد و عورت کو ایک دوسرے کے برابر اختیارات دینا اس وقت درست تھا جب دونوں کو (قدرت کی طرف سے) عقل بھی برابر ملتی۔ چنانچہ اس ایک بیوی والے نظام نے ہم (مردوں) کو ہمارے آدھے حقوق سے محروم کر دیا۔ جن قوموں میں ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا رواج ہے، ان میں کوئی عورت کسی اچھے ذمہ دار مرد سے نکاح سے محروم نہیں ہوتی، جو اس کا کفیل بن سکے۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں شادی شدہ خواتین کی تعداد بہت کم ہے اور غیر شادی شدہ خواتین اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ آپ ان خواتین کو دیکھیں گے کہ ان کا کوئی کفیل اور ذمہ دار نہیں، ان میں مالدار گھرانوں کی وہ کم عمر لڑکیاں بھی ہیں جو ساری زندگی حسرت اور افسوس کے ساتھ بوڑھی ہو گئیں اور غریب گھرانوں کی وہ لڑکیاں بھی ہیں جو مالی کفالت کے لیے محنت کے سخت کاموں پر مجبور ہوئیں اور بہت سی عورتوں نے تو ذلت اور رسوائی کی چادر اوڑھ کر زنا کاری کے ذریعے زندگی خرچ کر ڈالی۔ صرف ایک بیوی پر قناعت اور اس بارے میں یورپ کے اونچے گھرانوں کی عورتوں کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے، جس نے ایک بیوی پر اکتفاء کے مذبح خانے میں ان (غیر شادی شدہ) عورتوں کی شرافت کا خون بہایا۔“

انگریز کالم نگار، ٹینڈرسل اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”ایک بیوی پر اکتفاء والے نظام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جب یہ فرض کر لیا جائے کہ مردوں اور عورتوں کی آبادی کا تناسب بھی برابر یا قریب قریب ہے، مگر جب معاملہ اس طرح نہیں تو اس ایک بیوی والے نظام کو برقرار رکھنے میں ان عورتوں کے ساتھ انتہائی درجے کی سخت دلی والا معاملہ ہے جو شادی سے محروم زندگی پر مجبور ہو کر اسی حال میں جوانی کی عمر سے تجاوز کر جاتی ہیں۔“

شیخ خالد الجریسی حفظہ اللہ تعالیٰ یورپ کے ان غیر مسلم مرد و خواتین اور مفکرین کے اقوال و اعترافات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”کیا امت مسلمہ کے وہ غافل اب غفلت سے بیدار ہو جائیں گے جو ہر معاملے میں مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔۔۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں سچ فرمایا: بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، درحقیقت وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔۔۔“ (رسالہ فضل تعدد زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)

خلاصہ کلام

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تعددِ ازواج نہ صرف اسلام میں جائز ہے بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی وہ جائز تھا اور اب وقتی طور پر انہوں نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے تو آہستہ آہستہ اس کی افادیت سے روشناس ہو کر اس کو قانونی طور پر جائز قرار دے رہے ہیں۔ اسلام میں تعددِ ازواج تعیش کے لیے نہیں، بلکہ یہ ایک انفرادی اور سماجی ضرورت ہے جس کو پورا کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کے اعتراضات

تعددِ ازواج سے متعلق مغربی معاشرے کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم اسلامی معاشرے کی طرف آتے ہیں، جس میں بسنے والے مسلمان، اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُس پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید پر ایمان تو رکھتے ہیں اور ان کو حق اور سچ بھی مانتے ہیں، لیکن تعددِ ازواج کے معاملے میں وہ اللہ کا حکم، نبی کی سنت اور قرآن کی ہدایت سب کچھ بھول جاتے ہیں اور وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو معیار حق تو سمجھتے ہیں، لیکن اس معیار پر پورا اترنے سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اس صورتحال میں اگر کوئی شخص اللہ کے حکم، نبی کی سنت اور صحابہ کے عمل کو سامنے رکھتے ہوئے، اس عمل کی اہمیت و فضیلت کو دیکھتے ہوئے، اپنی اور وقت کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے، اپنے ایمان و تقویٰ کی حفاظت اور پاکدامن زندگی گزارنے کی خاطر تعددِ ازواج کو اپنانے کا ارادہ کرتا ہے تو پورا معاشرہ اس طرح سے اُس پر ٹوٹ پڑتا ہے کہ جیسے اس نے کسی گناہ کے ارتکاب کا ارادہ کر لیا ہو! سب سے پہلے تو اس کی پہلی بیوی رو رو کر سراپا فریاد بن جاتی ہے، سب کے سامنے خود کو مظلوم اور قابلِ رحم ثابت کرنے کے لیے ہر کوشش بروئے کار لاتی ہے اور آخر کار اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر مینے چلی جاتی ہے، ادھر پورا خاندان اس مظلوم عورت کی نصرت و حمایت کے لیے تیار کھڑا ہوتا ہے، ماں دودھ نہ بخشنے، باپ جائیداد سے عاق کرنے اور بھائی بہن تعلق ختم کرنے کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ یہ ردِ عمل تو نسبی خاندان کی طرف سے ہوتا ہے اور سسرال تو پھر سسرال ہے۔ ان حالات میں ایک عام شخص کے لیے، جسے خواہ مخواہ پریشان ہونے کا شوق نہ ہو، تعددِ ازواج پر عمل کرنا مشکل اور تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ لہذا قرآن مجید کے اس مظلوم حکم کو انصاف دلانے کے لیے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شہید سنت کو زندہ کرنے کے لیے نہ کوئی ہمت کرتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہمت کرنے دی جاتی ہے۔

اسلامی معاشرے کا وہ حصہ جو عرب ممالک پر مشتمل ہے، شروع ہی سے تعددِ ازواج کا قائل ہے اور وہاں کے رہنے والے عرب کثرتِ ازواج کو فخر و عزت کا باعث سمجھتے ہیں۔ اس لیے ایک مرد کے لیے ایک سے زیادہ شادیاں کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ اس معاملے میں نہ پہلی بیوی کوئی اعتراض کرتی ہے اور نہ ہی دونوں طرف کے خاندان والے کسی قسم کی کوئی مخالفت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں میں مسلمانوں کی بقیہ اقوام کی نسبت متعدد شادیوں کا رواج سب سے زیادہ ہے اور عرب یہ شادیاں چودہ سو سال سے کرتے چلے آ رہے ہیں، جب غریب تھے اُس وقت بھی کرتے تھے اور جب تیل نکالنے پر دولت مند بن گئے تو اس وقت بھی کرتے ہیں، بلکہ دولت مند بننے کے بعد عربوں میں پہلے کی نسبت اس رواج میں کچھ کمی واقع ہوئی ہے۔ اس کے بعد دنیائے عجم کے وہ خطے جہاں پٹھان آباد ہیں، کسی نہ کسی درجے میں تعددِ ازواج پر قائم ہیں، لیکن برصغیر پاک و ہند میں چونکہ ہندو معاشرے کی

چھاپ کا اثر نمایاں ہے، اس لیے قانونی طور پر وہاں تعددِ ازواج پر کوئی پابندی تو نہیں، لیکن ایسے شخص کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا جو صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود ایک سے زیادہ بیویاں رکھتا ہے۔ جہاں دیگر مراحلِ زندگی میں ہندو اندر رسم و رواج کو اپنایا جاتا ہے وہاں تعددِ ازواج کو بھی بھرپور تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اس کی مخالفت میں کئی اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں۔ ان اعتراضات کا مقصد اس حکم خداوندی اور سنتِ نبوی سے انکار نہیں، بلکہ اس کو اتنا مشکل اور پیچیدہ بنا کر پیش کرنا ہے کہ اس معاملے میں ہر شخص خود کو نا اہل اور بے بس خیال کرے اور اس کو اپنے وہم و گمان سے بھی بالاتر سمجھے۔

ان اعتراضات کی تفصیل سے پہلے ضروری ہوگا کہ ان اعتراضات کی اہم وجوہات پر نظر ثانی کی جائے۔

اعتراضات کی وجوہات

تعددِ ازواج، جس کی جلت خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مجید میں بیان فرمائی، جس کی تعلیم و ترغیب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عمل کے ذریعے اپنی اُمت کو دلائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عام معمول بھی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رہا، لیکن ان تمام مضبوط دلائل اور روشن حقائق کے باوجود آخر کیا وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت اس کے حق میں نہیں؟ اللہ و رسول کی ذات و بات کو حق و سچ ماننے کے باوجود محض اپنی کمزور دلائل و تاویلات اور غیروں کی تحقیقات و تجربات کا سہارا لیتے ہوئے اور اجتماعی طور پر اُمت مسلمہ کے دنیوی و اخروی فائدے کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے اتنا ڈرایا اور دور بھگایا گیا کہ اس مرغوب و محبوب عمل کو معیوب و مذموم سمجھا جانے لگا؟ اور خود ایمانی و عمویدار بھی اپنے ایمان کی پروا کیے بغیر اس کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر بولنے لگے اور اعتراضات کرنے لگے؟

فتنہ و فساد کے موجودہ دور میں تعددِ ازواج کے حکم شرعی پر کیے جانے والے اعتراضات کی وجوہات بھی وہی ہیں، جن وجوہات کی بنا پر غیروں کی جھوٹی شان و شوکت سے مرعوب و مغموں، نام نہاد مسلمان دیگر احکامِ شریعت پر اعتراضات کرتے ہیں اور اس کو قوی و عملی طور پر غیر ضروری ثابت کرتے کرتے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ان وجوہات کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

1) علم و عمل سے دوری..... علمی سطح پر زیادہ تر مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ دین کی بنیادی تعلیمات اور روزمرہ زندگی کے ضروری مسائل تک کا علم نہیں رکھتے، اس سلسلے میں نہ تو وہ کسی سے کچھ سیکھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی کو کچھ سکھانے کی اجازت دیتے ہیں۔ عملی سطح پر ان کی حالت یہ ہے کہ ان کا مزاج نماز و روزہ کو بھی بڑی مشکل سے قبول کرتا ہے اور اس میں بھی وہ پہلی ترجیح اپنی سہولت و آرام کو دیتے ہیں۔ ان حالات میں بہت مشکل ہے کہ وہ تعددِ ازواج کی حقیقت کو سمجھ سکیں، کیونکہ ان کے نزدیک صرف وہی طریقہ درست اور تسلیم شدہ ہے جو انہوں نے اپنے بڑوں سے اتفاقی طور پر کبھی سیکھ لیا ہوتا ہے۔ ان کے سامنے اللہ کا حکم، نبی کی سنت اور صحابہ کا عمل نہیں، بلکہ صرف اپنے بڑوں کا طریقہ ہوتا ہے اور صرف وہی طریقہ ان کے نزدیک معتبر اور قابلِ عمل ہوتا ہے۔ اس لیے اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی، وہ بھی تعددِ ازواج پر اعتراضات کرنے لگتے ہیں اور اس کی مخالفت پر اتر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو لوگ تھوڑا بہت علم رکھتے ہیں تو وہ بھی صرف جاننے اور ماننے کی حد تک، ماحولیاتی اثر سے اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں کہ وہ بھی تعددِ ازواج کی مخالفت کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

(2) ایمان و یقین کی کمی..... مادیت پرستی کے اس مشکل ترین دور میں ہر انسان، چاہے کافر ہو یا مسلمان، سب سے پہلے اپنے مادی وسائل کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل ایمان، پختہ یقین اور توکل کے جذبات سے اس کا دل خالی ہوتا ہے۔ وہ ہر مسئلے کا حل مال و اسباب میں تلاش کرتا ہے۔ بے یقینی کی اس صورتحال میں کہ جب سہولیات کو ضروریات کا درجہ مل چکا ہو اور جائز و ناجائز خواہشات کا فرق مٹ چکا ہو تو صرف ایک بیوی کو سنبھالنے میں انسان اتنا الجھ کر رہ جاتا ہے کہ دوسری بیوی کا تصور بھی اس کے لیے مزید فکر و پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ ان حالات میں نہ وہ اپنے لیے تعدد کو ضروری سمجھتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے لیے۔ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ہر کوئی تعددِ ازواج پر اعتراضات کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ موجودہ دور میں یہ ایک قابل ترک فعل اور خود کو مزید مشکلات اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہے۔

(3) نفسا نفسی..... قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ”نفسا نفسی“ ہے، یہاں تک کہ عین قیامت کے دن بھی نفسا نفسی اپنے عروج پر ہوگی۔ نفسا نفسی اس کیفیت کا نام ہے، جس میں انسان کو صرف اپنا فائدہ نظر آتا ہے۔ جذبہ ہمدردی و ایثار اور اجتماعی فکر و سوچ سے ہٹ کر وہ صرف اپنی انفرادیت کو مد نظر رکھتا ہے اور اسی پر وہ اپنی تمام تر توجہات و ترجیحات کو مرکوز کرتا ہے۔ نفسا نفسی کے اس عالم میں لوگ ایک دوسرے کے درد و غم اور ضرورت و حاجت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، ہر کوئی صرف اپنے دامن میں خوشیاں سمیٹنے کا خواہشمند ہوتا ہے اور خوشیوں کے اس دامن کو دوسروں کے سامنے پھیلانے سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس کی اپنی خوشیاں ادھوری نہ رہ جائیں۔ اس صورتحال میں ایک شادی شدہ عورت جو اپنے گھر میں خوشیوں اور راحتوں بھری زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے، کبھی بھی یہ پسند نہیں کرتی کہ اس کی موجودگی میں اس کا شوہر دوسری عورت لے آئے۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے مرد کی وہ محبت، دولت، وقت اور توجہ، جو کبھی صرف اس کے لیے تھی آج دو میں، کل تین میں اور پرسوں چار میں تقسیم ہو جائے گی۔ چونکہ یہ تقسیم عورت کی طبیعت پر شاق گزرتی ہے، اس لیے عورت ہوتے ہوئے بھی وہ دوسری عورت کے درد و غم اور حاجت و ضرورت سے بے نیاز و بے فکر ہو جاتی ہے اور تعددِ ازواج کی مخالفت پر اتر آتی ہے۔ ان حالات میں مرد بھی نہیں چاہتا کہ دوسروں کی زندگی کو خوشیوں سے بھرنے کی خاطر خواہ مخواہ اپنی زندگی کو خوشیوں سے محروم کیا جائے۔ اس لیے فطری و قلبی طلب و خواہش ہونے کے باوجود نہ وہ اپنے لیے تعدد کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے لیے۔ اس طرح ہر کوئی نفسا نفسی کا درس دیتے ہوئے تعددِ ازواج کی مخالفت کرتا ہے اور اسے فکر و پریشانی میں اضافے کا باعث سمجھتا ہے۔

(4) غیروں کی تقلید..... ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مسلمان اس حد تک یہود و نصاریٰ کی تقلید کریں گے کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے تو مسلمان بھی اس میں گھس کر رہیں گے (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص: 458)۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے مسلمان قلبی و ذہنی طور پر مغلوب ہو کر غیروں کے غلام بن چکے ہیں۔ معاملہ چاہے خوشی کا ہو یا غمی کا، طور طریقے کا ہو یا رہنے سہنے کا، وضع و لباس کا ہو یا شکل و صورت کا، معاشرت کا ہو یا سیاست کا، ہر معاملے میں غیروں کی تقلید کو فخر و عزت کا باعث سمجھنا اور اسلامی روایات کی پیروی میں ذلت و عار محسوس کرنا آج کے مسلمانوں کا معمول بن چکا ہے۔ اس لیے غیروں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے جہاں اسلام کے دیگر احکامات کو تنقید و تمسخر کا نشانہ بنایا جاتا ہے وہاں تعددِ ازواج کو بھی تختہ مشق بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔

(5) انا و حسد..... بعض اوقات ایک انسان کی ”انا“ دوسرے انسان کی کامیابی کے راستے میں کئی رکاوٹیں کھڑی کر دیتی ہے۔ ایک

انسان حق پر ہوتے ہوئے بھی اپنے حق کو قربان کر دیتا ہے اور دوسرے انسان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنے جائز مقاصد سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ لیکن جب چاروں طرف ”انا“ کے سیاہ پہاڑ کھڑے ہوں تو ان کو سر کرنے کے لیے دلائل کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے اور انسانی حوصلہ نا کافی ہو جاتا ہے۔ تعددِ ازواج ایک مسلمان مرد کا وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے، لیکن اس کے حصول کی راہ میں بھی کئی مسلمانوں کی ”انا“ آڑے آ جاتی ہے۔ قرآن و حدیث کے مستحکم اور ٹھوس دلائل کو رد کرنے کے لیے جب تمام خود آرائیاں ختم ہو جاتی ہیں تو آخر میں ”انا“ کی ترجمانی کرتا ہوا دلوک فیصلہ سنا دیا جاتا ہے کہ:

”جب میں نے کہہ دیا کہ دوسری شادی نہیں کرنی۔۔۔ تو بس!۔۔۔ اب نہیں کرنی۔۔۔“

حسد بھی ”انا“ کی طرح ایک روحانی بیماری ہے، جس کی وجہ سے انسان کسی دوسرے انسان کو خوشحال دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا ہے، دوسرے کی نعمتوں کو دیکھ کر جلتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ کسی طرح اس سے یہ نعمت چھین جائے، اس کے لیے پھر وہ عملی طور پر بھی مستعد اور تیار رہتا ہے۔ انسانی دل کی ایک اور کیفیت ہے، جس کا نام رشک ہے اور اس میں کسی بھی انسان سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا نہیں ہوتی، بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ عطا کرے، لیکن نعمت کے حصول کے لیے چونکہ انسان کا دل لچکتا ہے، اس لیے ساتھ میں یہ تمنا بھی ہوتی ہے کہ کاش یہ نعمت اسے بھی مل جائے! اس لیے تعددِ ازواج کے معاملے میں جب کسی انسان کے لیے تمام راستے ہموار ہوتے ہیں، حالات سازگار ہوتے ہیں اور وہ ہر طرح سے دوسری شادی کے قابل ہوتا ہے تو اس کے مد مقابل خاندان اور برادری کے وہ افراد جو کئی طرح سے بے بس و لاچار ہوتے ہیں اور تعددِ ازواج جیسی نعمت سے محروم بلکہ نا امید ہو چکے ہوتے ہیں، ہرگز یہ گوارا نہیں کرتے کہ یہ نعمت کسی اور کو مل جائے۔ حالانکہ اس معاملے میں روڑے اٹکا کر حسد کے بجائے اگر وہ رشک کا اظہار کرتے تو شاید ان کے لیے بھی اس نعمت کا حصول ممکن اور آسان ہو جاتا اور حسد کی آگ میں جلنے کے بجائے وہ بھی ایک پُر لطف زندگی کا مزہ اٹھاتے۔

(6) عیاش و فحاش لوگوں کا فعل..... تعددِ ازواج کا ایک نظریہ وہ ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج رہا، جس کی بنیاد حرص و ہوس پر رکھی گئی اور جس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ مرد کو بے لگام جانور کی طرح کھلا چھوڑ دیا گیا، بلکہ عورت کو مقید کر کے اسے ہمیشہ کے لیے ناامیدی اور مایوسی کی کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا۔ کوئی بھی مرد کسی بھی عورت کے مال و دولت سے متاثر ہو کر اس سے شادی کر لیتا اور مقصد پورا ہونے کے بعد اسے باندیوں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتا، یا پھر اس کے حسن و جمال سے اتنا مغلوب ہو جاتا کہ باقی بیویوں کو بالکل نظر انداز کر دیتا۔ اسی نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے خوفِ خدا سے عاری، علم و عمل سے محروم، عیاش و فحاش، غیر سنجیدہ و غیر ذمہ دار، انسانی حقوق اور عزتِ نفس سے نا آشنا و بے پروا قسم کے لوگ صرف اپنی شان و شوکت، مالی حیثیت اور دنیاوی قابلیت کے بل بوتے پر، کسی عورت کے مال و حسن کی طرف مائل ہو کر یا اس کی محبت کے جال میں گرفتار ہو کر جب دوسری شادی کرنے لگے اور دوسری بیوی کے نشے میں مست ہو کر نہ صرف یہ کہ پہلی بیوی کو نظر انداز کرنے لگے، بلکہ اس کے ساتھ ظلم و زیادتی اور بے عدلی کا معاملہ کرنے لگے تو شریف اور سادہ قسم کے لوگ پہلی کے بعد دوسری، تیسری اور چوتھی شادی کو اتنا بُرا سمجھنے لگے کہ شرعی حدود کو پھلانگتے ہوئے وہ تعددِ ازواج کی بھرپور مخالفت پر اتر آئے۔

(7) علماء و صلحاء کا فعل..... اس کے برعکس تعددِ ازواج کا ایک نظریہ وہ ہے جو اسلام نے پیش کیا، جس کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھی گئی

اور جس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ مرد کی فطری خواہش کو پورا کیا گیا، بلکہ عورت کو بھی مکمل تحفظ فراہم کیا گیا اور اس کی کفالت کا انتظام کیا گیا۔ اسی نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے اور موجودہ وقت میں اس کی ضرورت و اہمیت کو سمجھتے ہوئے، صاحب استطاعت، متقی و پرہیزگار، دیندار و ذمہ دار اور خصوصاً اہل علم حضرات اپنے قول و فعل سے اس غلط روی کی اصلاح کرتے اور تعددِ ازواج پر عمل پیرا ہو کر اس کی اصل تصویر اور صحیح رخ پیش کرتے تو اس کی شدید مخالفت کی وجہ سے معاشرے کی بگڑی ہوئی صورتحال جو آج ہمارے سامنے ہے، ہرگز پیش نہ آتی۔

اعتراضات اور ان کے جوابات

تعددِ ازواج کی مخالفت کی وجوہات پر نظر ثانی کرنے کے بعد اب ہم ان اعتراضات کا بغور جائزہ لیتے ہیں جو تعددِ ازواج کی مخالفت میں مسلمانوں کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں اور ساتھ میں ان اعتراضات کے جوابات شرعی و عقلی دلائل اور حقائق کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

1) ”پہلی بیوی“ بذاتِ خود ایک بہت بڑا اعتراض:

تعددِ ازواج کی ابتدا چونکہ دوسری شادی سے ہوتی ہے، اس لیے ہم دوسری شادی کو ہی موضوع بنا کر اپنے مضمون کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔ مرد کی دوسری شادی کو ممکن و ناممکن اور کامیاب و ناکام بنانے میں سب سے اہم کردار اس کی پہلی بیوی ادا کرتی ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس معاملے میں حامی و معاون بن کر نہ صرف یہ کہ شوہر کا دل جیت سکتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و عزت پا کر آخرت میں بھی بلند درجات کی حقدار بن سکتی ہے۔ اس لیے ایک شادی شدہ مرد جب دوسری شادی کا ارادہ کرتا ہے تو سب سے پہلے اپنی پہلی بیوی کے سامنے اس کا اظہار کرتا ہے، لیکن شوہر کا حق سمجھتے ہوئے تسلیم و رضا کا اظہار کرنے کے بجائے وہ سراپا احتجاج بن جاتی ہے، کبھی طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو کبھی خودکشی کی دھمکی دیتی ہے یا پھر بالکل خفا ہو کر بچوں سمیت اپنے ماں باپ کے گھر جا بیٹھتی ہے اور خود کو مظلوم ثابت کرتے ہوئے رورور کر تمام خاندان والوں کو اپنے حق میں کر لیتی ہے۔ اس معاملے میں جو بے بس ہو وہ اُس وقت تو خاموش رہتی ہے، لیکن دوسری شادی کے بعد شوہر کو بدنام کرنے کے لیے اور سوکن سے بدلہ لینے کے لیے مستعد ہو جاتی ہے اور طرح طرح کے ہتھکنڈے تیار کرتی ہے۔ اس طرح وہ اپنی اور دوسروں کی زندگی اجیرن بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔ مولانا محمد حنیف عبد المجید حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اکثر اوقات اگر مرد کسی عورت سے ہمدردی اور مہربانی، غم خواری و ولداری کرنا چاہتا بھی ہے اور اس کے پاس وسائل بھی ہوتے ہیں اور شرعی شرائط کے ساتھ دو یا تین شادیاں کر سکتا ہے، تو بجائے یہ کہ پہلی بیوی اس کی معاون بنے، یہ مانع بن جاتی ہے اور رکاوٹ ڈالتی ہے۔ تعجب ہے کہ عورت خود ہی کسی مسلمان بہن کی بھلائی نہیں چاہتی، اگر غور کیا جائے تو عورت خود عورت کے لیے ظالمہ ہے۔“ (تحفہ لبین، ص: 109)

ایک حقیقت اور کئی حقائق

یہ حقیقت ہے کہ عورت کے لیے اپنے شوہر کی محبت و قربت میں شراکت برداشت کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ عورت کے

نزدیک دنیا کی سب سے تلخ چیز سوکن کا وجود ہے، جس کی جگہ اس کی دنیائے تصور میں بھی نہیں۔ ہر عورت کی یہی چاہت ہوتی ہے کہ اس کا شوہر صرف اس کا ہی بن کر رہے اور وہ انکیلی اس کے دل پر راج کرے۔ اپنی موجودگی میں وہ ذرا سی دیر کے لیے بھی اپنے شوہر کی توجہ سے محروم ہونا پسند نہیں کرتی۔ اس لیے کوئی بھی عورت یہ نہیں چاہتی کہ اس کا شوہر اس کے علاوہ کسی دوسری، تیسری یا چوتھی عورت کے ساتھ منسلک ہو جائے، لیکن اس حقیقت کے علاوہ کئی حقائق اور بھی ہیں، جو عورت کی قلبی آنکھوں سے اوجھل ہیں، جن کو پیش نظر رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔

ii) تعددِ ازواج اور شوہر کی محبت:

شوہر کی محبت، وہ کمزوری ہے جس کو بنیاد بنا کر اکثر عورتیں تعددِ ازواج کی مخالفت کرتی ہیں، کیونکہ شوہر کی محبت و قربت میں کسی دوسری عورت کی شراکت کسی بھی عورت کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے اور وہ کسی طرح اس پر سمجھوتہ کرنے کے لیے خود کو بے بس و مجبور سمجھتی ہے۔ یہی وہ محبت ہے جس سے مغلوب ہو کر وہ دوسری کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور یہی وہ محبت ہے جو دوسری بیوی کے آنے کے بعد نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہی وہ محبت ہے جو دوسری شادی سے پہلے اس کو بڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے تو وہ احساسِ برتری کا شکار رہتی ہے اور یہی وہ محبت ہے جو دوسری شادی کے بعد اس کو گھٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے تو احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہے۔

دیگر معاملات میں شوہر کی محبت:

اب آپ اپنے شوہر کی محبت اور اس کے دعوے میں کہاں تک سچی ہیں اور کتنی مخلص ہیں؟ یہ جاننے کے لیے اور فیصلہ کرنے کے لیے ضروری ہوگا کہ دیگر معاملاتِ زندگی میں بھی آپ کے اظہارِ محبت کو دیکھا جائے کہ آپ ان میں بھی معیارِ محبت پر پورا اترتی ہیں یا پھر دوسری شادی کے معاملے میں ہی آپ کا جذبہ محبت جاگ اٹھتا ہے؟ اگر آپ دیگر معاملاتِ زندگی میں شوہر کی محبت کو نظر انداز کر جاتی ہیں تو یہاں بھی آپ کا جوش و جذبہ بے کار و بے بنیاد ہے اور اگر آپ ہمیشہ اپنے شوہر کی محبت کو پیش نظر رکھتی ہیں تو یہاں بھی اس کی محبت یہی تقاضا کرتی ہے کہ اس کی رضا و خوشی کے لیے سب کچھ کیا جائے، کیونکہ ایک مسلمان عورت کے لیے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کے سوا دنیوی و اخروی فلاح و نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہو، اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرتی ہو اور شوہر کی اطاعت کرتی ہو تو وہ جنت کے

جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔“ (التَّوْبَةُ وَالتَّوْبَةُ 33/3)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس عورت کا انتقال اس حالت میں ہو کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو تو وہ عورت جنت میں جائے گی۔“

(ترمذی، التَّوْبَةُ وَالتَّوْبَةُ 33/3)

ایک صحابیہ کا واقعہ:

حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور

محبت کی حقیقت

سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک مؤمنہ و مسلمہ کی حیثیت سے آپ کو سونا چاہیے کہ انسان کی تخلیق و حیات کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا ہے، باقی تمام محبتیں اس کے تابع ہیں۔ انسان کے اندر محبت کے کئی جذبات جنم لیتے رہتے ہیں اور اظہار کے لیے پھلتے رہتے ہیں، لیکن جب تک یہ جذبات مرکز سے جڑے رہیں تو کارآمد ہوتے ہیں اور جب مرکز سے دور ہو جائیں تو ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اندر محبت کے جتنے بھی جذبات موجزن ہیں اور ان کی جتنی بھی اقسام ہیں ان میں سے اہم ترین محبت، اللہ کی محبت ہے، جو ان کو مرکز قرار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت:

اللہ سے محبت کے معنی یہ ہیں کہ ہر اس چیز سے محبت کی جائے جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور ہر اس چیز سے نفرت کی جائے جس سے اللہ نفرت کرتا ہے۔ اس کے قوانین کی پاسداری کی جائے اور اسی کی خاطر دوستیاں اور دشمنیاں کی جائیں۔ اللہ سے محبت کو سب محبتوں سے بالاتر سمجھا جائے اور اس سے بڑھ کر کسی سے بھی محبت نہ کی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اور ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے۔“ (سورۃ البقرۃ: ۱۶۵)

اللہ سے محبت ہماری زندگیوں میں سرفہرست رہنی چاہیے۔ اپنے بچوں، اپنے والدین اور دوستوں سے محبت، حتیٰ کہ شوہر سے بھی اللہ سے محبت کے برابر نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ ہمیں اپنی زندگی کے ہر روز اور ہر لمحے اللہ کی محبت میں سرشار رہنا چاہیے۔ اپنی خواہشات کو بالائے طاق رکھ کر صرف اسی کے احکامات کی پیروی کرنی چاہیے اور ہر اس چیز سے دور رہنا چاہیے جس سے اس نے ہمیں منع کیا ہے اور وہی کام کرنے چاہیے جن سے اس کی خوشنودی اور رضا حاصل ہوتی ہے۔ ہمیں تمام غلط رویوں سے باز رہنا چاہیے اور اس سے ہر دم مغفرت و بخشش مانگتے رہنا چاہیے۔ اگر ہم اس راستے پر چلتے رہے تو ہمارے دلوں میں اس کی محبت بڑھے گی اور دولتِ ایمان میں بھی زبردست اضافہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت:

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑی سعادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی دل و جان سے پیروی کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کو سب آراء پر ترجیح دی جائے اور ہر معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔“ (سورۃ النساء: ۸۰)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو، اللہ بھی تم سے

محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔“ (سورۃ آل عمران: ۳۱)

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عرض کیا: میرے والدین آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول! میں عورتوں کی جانب سے قاصد بن کر آئی ہوں۔ میری جان آپ پر فدا، مشرق و مغرب کی کسی عورت کو بھی میری آمد کی اطلاع نہیں، نہ کسی نے سنا، مگر جو میری طرح رائے رکھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ مردوں اور عورتوں کی جانب بھیجا ہے۔ ہم آپ پر اور جو آپ لے کر آئے ہیں، اس پر ایمان لائے۔ ہم عورتوں کی جماعت گھروں میں بند بیٹھی مردوں کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں، حمل اور اولاد کے بوجھ کو برداشت کرتی ہیں اور مرد حضرات جمعہ، جماعت، مریضوں کی عیادت، جنازے میں حاضری اور حج پر حج کرنے اور اس سے افضل خدا کے راستے میں جہاد کرنے کی وجہ سے فضیلت پاتے ہیں۔ یہ مرد حضرات جب حج و عمرہ اور راہِ خدا میں جاتے ہیں تو ہم ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں، ان کے لیے کپڑے تیار کرتی ہیں اور ان کے بچوں کی پرورش کرتی ہیں، تو اے اللہ کے رسول! ہم اس ثواب میں کیسے شریک ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ مبارک اصحاب کی طرف کیا اور فرمایا: تم نے اس عورت کے سوال کو سنا؟ دین کے بارے میں کتنا اچھا سوال کیا! حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں نہیں معلوم کہ اس عورت کی طرح کوئی ان باتوں کی معلومات رکھتی ہوگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: جاؤ اور تم اپنے علاوہ تمام عورتوں کو بتا دو کہ تم عورتوں کا شوہروں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خوشیوں کا خیال رکھنا اور ان کی باتوں کو ان کی مرضی کے مطابق ماننا، ان سب اعمال کے برابر ہے (جو یہ مرد کرتے ہیں)۔“ چنانچہ وہ عورت خوشی کے مارے تھلیل و تکبیر کہتی ہوئی چلی گئی۔ (البیہقی 421/6)

شوہر کا مقام:

پھر شوہر کا وہ مرتبہ و مقام، جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمایا اور وہ حقوق جس کی ادائیگی کا آپ کو ذمہ دار بنایا، اس امر پر آپ کو ابھارتے ہیں کہ اس کے جائز عزائم و مقاصد میں اس کی حمایت کی جائے اور مخالفت کر کے اس کی ناراضگی نہ مول لی جائے۔ اس بارے میں آپ کو یقیناً دربارِ خداوندی میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ شوہر کے ساتھ حسن سلوک آپ کے باقی اعمال کو نکھارنے، سنوارنے، درجات کو بلند کرنے کا باعث بنے گا اور اس کے ساتھ بدسلوک آپ کے باقی اعمال کو بگاڑنے اور برباد کرنے کا سبب ہوگا۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر میں کسی کو سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔“ (ترمذی 138/1)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”قیامت کے دن عورتوں سے سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا، پھر شوہر کے متعلق سوال ہوگا کہ اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا تھا۔“ (کنز العمال 166/16)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تین لوگوں کی نہ نماز قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی نیکی اوپر جاتی ہے: بھاگے ہوئے غلام کی، جب تک کہ اپنے آقا کے پاس واپس نہ آجائے اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دیدے، مست شرابی کی، جب تک کہ شراب کا اثر ختم نہ ہو جائے اور اس عورت کی جس کا شوہر اس سے ناراض ہو (جب تک کہ وہ راضی نہ ہو جائے)۔“ (البیہقی 417/6)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح محبت یہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی طور پر محبت کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات سے بھی عزیز تر رکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس انداز میں محبت کرنا ایمان باللہ کا جزو لازم ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک صحیح مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی اولاد، اپنے باپ اور تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرتا ہو۔“ (مسلم ج: 44)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح طریقے سے محبت کرنا، کسی شخص کے دین پر اہم اور براہ راست اثرات مرتب کرتا ہے، جس سے وہ صحیح معنوں میں مؤمن بن جاتا ہے، اس سے اس کے تقویٰ اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہمیں اس بات کا بھی ادراک اور احساس ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، محبت کی بہترین اور اہم ترین اقسام میں سے ہیں۔ ہر دوسرے انسان سے اور ہر دوسری چیز سے بڑھ کر ان سے پیار، جنت کے حصول اور جہنم سے چھٹکارے میں بڑا مددگار ثابت ہوگا۔ ہمیں اس محبت کے حصول کے لیے جدوجہد کو اپنی زندگی کا اولین نصب العین اور اپنے وجود کا مرکزی نقطہ بنالینا چاہیے۔ ایسا کرنے سے ایک ایسا طرز زندگی ابھر آئے گا، جس میں خاوند سے محبت کو صحیح اہمیت حاصل ہو جائے گی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوگا کہ یہ ہمارے اسلام کا حصہ بن کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی آرزو میں ڈھل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و شفقت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“ (سورۃ الروم آیت 21)

شوہر کی محبت:

عورتوں کے دلوں میں اپنے شوہروں کے لیے جو محبت پائی جاتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہے۔ اس محبت کا مقصد ان کے اندر رحم اور شفقت پیدا کرنا، حوصلہ پیدا کرنا، احساس تحفظ فراہم کرنا اور انہیں خوش رکھنا ہوتا ہے۔ اس کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان قربت کو مستحکم کیا جائے اور ان کے مابین ہم آہنگی اور طمانیت کا احساس بڑھایا جائے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے اس کا انکار یا اس کی تردید کرنے کی کوشش کی جائے، بلکہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے دونوں کو فائدہ پہنچایا جائے اور ان کے درمیان سچا توازن قائم کر کے ایک دوسرے کے مونس و غم خوار بنا دیا جائے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ شوہر کی محبت اللہ و رسول کی محبت کی نقیض یا اس کی ضد بن جائے۔ تناقض (contradiction) اس صورت میں سامنے آئے گا کہ بیوی شوہر سے اپنے بندھن کو قائم رکھنے کے لیے گناہوں کی دلدل میں جا پھنسے، یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ثل جائے۔ حالات اگر یہ شکل اختیار کر جائیں تو ایسی محبت مفید نہیں بلکہ ضرر رساں ہو جائے گی۔ شوہر کے لیے اس کی محبت مضبوط تو ہونی چاہیے، لیکن اعتدال کی حدود سے متجاوز نہیں ہونی چاہیے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اپنے محبوب سے محبت اعتدال کے دائرے کے اندر رہ کر کرو، ہو سکتا ہے کہ کسی دن تم اس سے نفرت کرنے لگو اور کسی ناپسندیدہ شخص سے نفرت بھی راہ اعتدال میں رہ کر کرو، ہو سکتا ہے کہ کسی دن تم اس سے محبت کرنے لگو۔“ (ترمذی ج: 1997)

محبت میں اعتدال کب ضروری ہے؟

زیادہ تر عورتیں یہ کبھی نہیں سوچتیں کہ شوہر سے محبت کیسے اور کس حد تک کرنی چاہیے؟ ان کی اکثریت شوہر سے ٹوٹ کر محبت کرنے والیوں کی ہوتی ہے۔ ایسی محبت بالآخر انتہائے عشق کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ شوہر سے مضبوط محبت اور پُر جوش محبت تقاضائے فطرت ہے، اسی کی توقع کی جاتی ہے اور یہ دونوں کے مفاد میں بھی ہے، لیکن جب یہ اللہ و رسول سے کی جانے والی محبت سے متناقض اور متصادم ہونے لگے تو یہ حد اعتدال سے تجاوز ہوگا، بایں صورت اس کی از سر نو تشکیل ہونی چاہیے۔

معتدل محبت کے مقاصد کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے یہ اندازہ لگایا جائے کہ خاوند کی محبت میرے دل میں اللہ و رسول کی محبت سے کس طرح ٹکراتی ہے؟ جب یہ شعور حاصل ہو جائے تو اس پر از سر نو غور کر کے اسے اس طرح اعتدال اور توازن کی طرف لایا جائے کہ دونوں محبتوں میں ٹکراؤ اور تصادم کا کوئی امکان نہ رہے۔ سوکنا پے کا مسئلہ درپیش ہو تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ یہ ایسی جذباتی کیفیت ہوتی ہے کہ احتیاط نہ کی جائے تو بعد میں بہت سی ذہنی پریشانیوں کا باعث بن سکتی ہے۔

حد سے بڑھتی ہوئی محبت:

یہ ایک پیچیدہ کیفیت ہوتی ہے، جو اپنی آخری انتہا پر پہنچی ہوئی ہونے کی وجہ سے اضطراب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس میں مبتلا ہونے والے فرد کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی کہ اس کا آئندہ رویہ کیا ہوگا۔ ثابت قدم نہ ہونے کی وجہ سے وہ قابل اعتبار نہیں رہتا۔ جو محبت ایسا روپ دھار لے وہ عورت پر کئی طریقوں سے اثر انداز ہوتی ہے اور اسے مکمل طور پر اپنے شکنجے میں گس لیتی ہے۔ اس کی گفتگو اور حرکتیں اس کی بدلی ہوئی بیجانی کیفیات کا واضح طور پر اظہار کرتی ہیں۔ عورت چونکہ پہلے ہی ایک جذباتی شخصیت کی حامل ہوتی ہے اور جب اس کے جذبات میں متذکرہ اضطرابی کیفیات بھی شامل ہو جاتی ہیں تو صورتحال بہت مختلف ہو جاتی ہے۔ شک اور حسد کی سوجھ بوجھ، عقل اور رائے پر بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ جذبات عروج پر پہنچے ہوئے ہوں تو شک اور حسد میں مزید شدت پیدا کر دیتے ہیں، جس پر وہ فوراً غم و عصہ، نفرت و تحقیر، یا وہ کوئی اور نامناسب طرز عمل اختیار کر لیتی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وہو عشتق ایک نفسیاتی عارضہ ہے جس کا واحد علاج دل کو اس قابل ملامت محبت سے پاک کرنا ہے۔“

(عوارض قلب اور ان سے راہ نجات ص: 78)

جذبہ عشق عموماً ناقابل کنٹرول ہوتا ہے اور اس پر قابو پانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر مال و دولت کا عشق ہو جائے تو اس پر قابو پانے میں بھی بہت دشواری پیش آتی ہے۔ جب مال سے اسلام کی کوئی مطابقت نہیں ہے۔ اس امر کی اور بھی کئی مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حد سے بڑھتی ہوئی محبت مفید نہیں بلکہ نقصان دہ ہوتی ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ دنیا کی کسی بھی چیز کے ساتھ

شدید محبت تباہی کے راستے پر لے جاتی ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

”ایک بار حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جیسی زندگی چاہیں بسر کر لیں، آخر آپ نے دنیا سے رخصت ہونا ہے، آپ جس سے چاہیں محبت رکھیں، آخر ایک دن آپ نے اسے یقیناً چھوڑ جانا ہے۔ آپ جیسا چاہیں عمل کریں، آخر اس کا آپ کو یقیناً اجر دیا جائے گا۔ پھر کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جان لیجیے کہ مؤمن کی معراج رات کے قیام میں ہے اور اس کے لیے عزت اس بات میں ہے کہ وہ کسی پر انحصار کیے بغیر ہر چیز سے مستغنی رہے۔“ (مسند درک الحاکم 325/4، الرقاق ج: 7921)

چنانچہ اس دنیا میں حسنات تلاش کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اپنا مرتبہ و مقام بڑھایا جائے اور مسلمان عورت کے لیے اللہ کا قرب حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس سے محبت کرے، اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع پیدا کرے اور عبادت گزار بنے۔ مسلمان عورت کا اپنے شوہر سے صرف شہوت پر مبنی تعلقات رکھنا اللہ تعالیٰ کے قرب والے نصب العین کے منافی ہے۔ جب شوہر کے افعال و اعمال ہی عورت کے افعال و اعمال کا تعین کرتے ہوں تو وہ انہی چیزوں میں گن رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی اہمیت کو نظر انداز کر بیٹھتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی محبت راہ اعتدال سے ہٹی ہوئی اور انتہا پسندانہ محبت ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ کسی کو اعتدال و ازواج کو ارتکاب گناہ کا ذریعہ بنانے کی جازت نہ دی جائے۔ جب ایسا ہونے لگے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شوہر کے ساتھ ایک منفی قسم کی جذباتی وابستگی کا اظہار ہو گیا ہے اور شوہر کے لیے جذباتی اور شہوتی محبت کو اللہ کے ساتھ محبت پر ترجیح دے دی گئی ہے۔ تب یہ امر لازم ہو جاتا ہے کہ شہوتی جذبات پر مبنی محبت کو ترک کر کے اسے اعتدال والی محبت کی شکل دی جائے، جو کہ لازماً حصول جنت میں معاون بنے گی۔

محبت کی تشکیل نو:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ شوہر سے خود غرضانہ شہوت پر مبنی محبت کبھی حقیقی سکون و طمانیت کا ذریعہ نہیں بن سکتی، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان عورت اسے اعتدال اور سلامتی پر مبنی محبت میں کیسے تبدیل کر سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب ”دعا“ سے شروع ہوتا ہے۔ دعا زندگی کے تمام معاملات میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ جس طرح خود اعتمادی حاصل کرنے اور حسد کے جذبات کو قابو میں لانے میں کارگر ثابت ہوتی ہے، اسی طرح محبت کی تشکیل نو میں بھی اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تسلسل اور توازن کے ساتھ دعا مانگتی رہیے، دل کی گہرائیوں سے اسے یاد کیجیے اور اس یقین کے ساتھ ہاتھ اٹھائیے کہ پروردگار عالم اہل ایمان کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی یاد ہر پریشانی کا علاج، ہر دکھ کا مداوا اور ہر مسئلے کی کلید ہے۔ زبان کو ہر لمحہ اس کے ذکر سے تر رکھیے اور اُسے جملہ صفاتی ناموں سے پکارتی رہیے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

”ایمان والوں کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے، یاد رکھو! اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔“

(سورۃ الرعد آیت 28)

”توبہ“ سے ہر گناہ جھڑ جاتا ہے اور یہ جنسی بے اعتدالیوں سے سرزد ہونے والے گناہوں کو بخشنا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی

دور کرنے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ توبہ خلوص دل سے کی جائے، گناہ پر اظہارِ ندامت کیا جائے اور ماضی کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اعادہ نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ مسلمان عورت کے اطمینانِ قلب کے لیے بہت بڑا سہارا ثابت ہو سکتا ہے۔ سوکنا پے کے مسئلے سے نبرد آزما خاتون کی اس سے بہت ڈھارس بندھتی ہے۔ یہاں بھروسے سے مراد یہ ہے کہ انسان تمام امور کا نگہبان اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے، جو جانتا ہے کہ اس بندے کی بھلائی کس میں ہے؟ اس سے دعا کرتے ہوئے یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ علیم و بصیر ہے اور انتہائی مہربانی اور رحم کرنے والا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ حکمت و دانائی پر مبنی ہوتا ہے اور اس کے صحیح ہونے پر رتی بھر شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ اگر دعا کرنے والی ان فیصلوں کی صحت کے بارے میں شبہات میں پڑ گئی تو وہ نہ صرف افسردگی و پشیمانی کا شکار ہو جائے گی، بلکہ دولتِ ایمان سے بھی محروم ہو جائے گی۔ مسلمان عورت کو اپنی محبت کی تشکیل نو کے لیے تین باتوں پر خصوصی توجہ دینا ہوگی:

☆ میں کون ہوں، میں کیا کر رہی ہوں اور میرا مقصد زندگی کیا ہے؟

☆ اس امر کا شعور حاصل کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں پیدا کیا ہے؟

☆ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا ہے، میرے کتنے کام اس عبادت کے زمرے میں آتے ہیں اور کون کون سے کام اس عبادت کی نفی کرتے ہیں؟

دعا کرتے ہوئے مسلمان عورت کو اپنا یہ مقصد ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے محبت کو اعتدال پر مبنی محبت میں تبدیل کرنے کی خواہاں ہے۔ دعا میں اللہ تعالیٰ سے اس نیک کام میں مدد مانگتے رہنا چاہیے۔ اپنی قسمت میں بہتری لانے کے لیے دعا اور تدبیر اختیار کرنے کی ہدایت خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دی ہے۔

شہوت زدہ محبت کو معتدل محبت میں تبدیل کرنے کے لیے محنت کرتے ہوئے زندگی کے دیگر پہلوؤں کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے، مثلاً: راست بازی اور تقویٰ کا شعور حاصل ہوتا ہے اور آخرت کی زندگی سنوارنے کی فکر بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ محبت کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے آداب سیکھنا ایسا ہی ہے جیسے اپنی نمازوں کو صحیح طرح ادا کرنا، ٹھیک ٹھیک دعا کرنا اور صحیح تلاوت کرنا سیکھا جاتا ہے۔ ہمارے لیے سب اسلامی تعلیمات اہم ہیں اور ان پر عمل کرنا بھی اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے۔ پہلا مرحلہ اسلام کا علم حاصل کرنا اور دوسرا مرحلہ ان پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ اس علم و عمل کی یکجائی سے ایمان میں بھی اضافہ ہوگا اور محبت بھی مفید اور بامعنی محبت میں بدل جائے گی۔ بہ الفاظِ دیگر جب کوئی مسلم خاتون اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت والی زندگی میں ڈھال لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ شوہر کی اس محبت کو بھی مطلوبہ خطوط پر استوار کر دیتا ہے، پھر اعتدال والی محبت، اللہ و رسول کے ساتھ اس کی محبت سے ہرگز متصادم نہیں ہوتی۔

لہذا آپ کے لیے دنیا و آخرت کی فلاح و عزت اور سکون و راحت کا سامان اسی میں ہے کہ شوہر کی دوسری شادی کو اسلامی نظریات کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کی وجہ سے دل میں پیدا ہونے والے منفی خیالات کی اصلاح کے لیے اسلامی ازدواجی زندگی کے تصور کو سامنے رکھیں۔ شوہر کی دوسری شادی کی وجہ سے عورت کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اسی کے جذباتی رد عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ وہ چونکہ شوہر کے اس اقدام کو اپنی محبت کی توہین و شکست اور تذلیل و تحقیر سمجھتی ہے، اس لیے اس کی

مخالفت میں اپنی تمام تر دفاعی و انتقامی قوت کو بروئے کار لے آتی ہے اور کئی طرح کے مسائل سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اُس وقت وہ اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہو جاتی ہے کہ اس کی زندگی کا محور و مقصد شوہر کی محبت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، جو اسی کے حکم کے آگے جھکنے کے بعد ہی مل سکتی ہے۔

اگر آپ حقیقی محبت کے اس مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے شوہر کے ساتھ اپنی محبت کی تشکیل نو میں کامیاب ہو جاتی ہیں تو یقیناً آپ نہ نفرت محسوس کریں گی، نہ دکھ اٹھائیں گی اور نہ ہی خود کو ناکارہ سمجھیں گی، بلکہ اس کے بالکل برعکس آپ کے لیے گہری محبت کے دروازے کھل جائیں گے۔ یہ اس قسم کی محبت ہوگی جسے آپ محسوس کر سکیں گی، اس سے آپ کا دامن خوشیوں سے بھر جائے گا اور باہمی مفاہمت بھی بڑھے گی۔ یہ محبت خاص طور پر سوکن والے مسئلے کی صورت میں آپ کو اپنے شوہر سے قریب تر لے آئے گی۔ محبت کے صحیح طریقوں سے آگاہی آپ کو جذباتی صدموں اور آزمائشوں سے بچالے گی اور اس کے بعد آپ کے لیے کوئی مشکل باقی نہیں رہے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”محبت و رضا کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے ہونا چاہیے، باقی سب محبتیں اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ اپنے شوہر کی خدمت نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ کیجیے اور اس میں رضائے الہی کو مد نظر رکھیے۔ مسلمان کے دل کو پریشان نہیں ہونا چاہیے، ہمہ وقت ہشاش بشاش رہنا چاہیے اور جو ناگواریاں پیش آتی ہیں ان سے دل کو مشوش نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہر چیز میں یہ خیال ذہن میں رہنا چاہیے کہ مالک کی اسی میں حکمت ہوگی۔“ (آپ کے مسائل اور ان کا حل 244/7)

(ii) تعددِ ازواج اور صبر کی ضرورت و اہمیت:

تعددِ ازواج کی صورت میں اکثر عورتیں شوہر کی محبت کے جوش میں ہوش کھو بیٹھتی ہیں اور جذبات سے مغلوب ہو کر ایسی حرکات کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، جو کسی مسلمان عورت کو زیب نہیں دیتیں۔ لہذا اس صورت میں بھی آپ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے تحمل کا مظاہرہ کریں اور صبر کی چادر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔ تعددِ ازواج کے لیے ”صبر“ ایک شرط لازم ہے، ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے باہمی تعلق کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ جس طرح رستے کے بغیر کوہِ پیما کی پیروی نہیں ہو سکتی، اسی طرح صبر کے بغیر تعددِ ازواج کی کامیابی ناممکن ہو جاتی ہے۔ لہذا صبر ہر مسلمان عورت کا نصب العین ہونا چاہیے، خاص طور پر جو خواتین تعددِ ازواج میں داخل ہونے والی ہیں یا اس سے گزر رہی ہیں، ان کے لیے بے حد ضروری چیز ہے۔ یہ اقدام آپ کے لیے مشکل ضرور ہوگا، لیکن اس کے دیر پا مثبت نتائج کی وجہ سے آپ کی کئی مشکلیں آسان ہو جائیں گی، الجھنیں سلجھ جائیں گی اور شوہر کی دوسری شادی کی وجہ سے لاحق ہونے والے تفکرات سے آپ کافی حد تک آزاد ہو جائیں گی۔ اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی کے لیے دینِ مبین کی واضح ہدایات موجود ہیں، جن کو پیش نظر رکھ کر آپ اپنے درد کی مؤثر دوا کر سکتی ہیں۔

صبر کسے کہتے ہیں؟

امام ابن قیم جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ”صبر“ کی تعریف کے سلسلے میں مندرجہ ذیل اصحابِ فکر کے اقوال نقل کیے ہیں:

عمر بن عثمان المکی فرماتے ہیں:..... صبر کے معنی اللہ کا قرب حاصل کرنا اور اس کی بھیجی ہوئی آزمائشوں کو بغیر شکوہ و شکایت قبول کر لینا، ان پر مغموں نہ ہونا اور ان پر خاموش رہنا ہے۔ الخواص فرماتے ہیں:..... صبر قرآن و سنت کے احکامات پر ثابت قدمی سے کاربند رہنے کا نام ہے۔ ذوالنون فرماتے ہیں:..... صبر خود کو غلط طریقہ عمل اختیار کرنے سے روک رکھنے، درپیش مشکلات میں خاموش رہنے اور بغیر شکوہ و شکایت سب کچھ قبول کر لینے کا نام ہے۔ ابو عثمان فرماتے ہیں:..... جس کے اندر صبر آگیا گویا اس نے مشکلات سے نمٹنے کا فن سیکھ لیا۔ ابوعلی الدقاق فرماتے ہیں:..... صبر کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو اپنی تقدیر پر کوئی اعتراض نہ رہے۔ (طریق صبر و شکر ص: 3، ام القری، مصر 2000)

چنانچہ تعددِ ازواج کے تجربے سے گزرنے والی مسلمان عورت کے لیے صبر سے مراد تعددِ ازواج پر اظہارِ رضامندی ہوگا۔ اس کا یہ مطلب بھی ہوگا کہ اس کا شوہر اگر دوسری شادی کرنا چاہے تو وہ نہ اس پر برہم ہوگی اور نہ ہی آنے والی دوسری یا تیسری سوکن کے بارے میں دل میں کدورت رکھے گی۔ خاوند کے اس ارادے یا اقدام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے لیے ایک امتحان سمجھے گی اور اس میں سرخرو ہونے کی کوشش کرے گی۔ اس کے لیے صبر کے یہ بھی معنی ہونگے کہ اس کی ذاتی خواہش اور پسند و ناپسند خواہ کچھ بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر دل و جان سے عمل کرے گی۔ صبر اسے خوفزدہ ہو کر راہِ فرار اختیار کرنے سے باز رکھے گا، وہ اسی گھر میں رہ کر اللہ سے لولگائے رکھے گی اور اسی کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھے گی۔ وہ سوکن بننے پر عدم رضامندی کے باعث طلاق کا مطالبہ نہیں کرے گی اور راضی بہ رضائے مولیٰ ہو کر اس کے عوض میں ملنے والے اجر و ثواب کو بہترین انعام سمجھے گی۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات، اس کے دیے ہوئے قوانین اور اس کے عطا کردہ حقوق کو کسی ذہنی تحفظ کے بغیر قبول کرے گی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جس پر کوئی آفت آئے اور اس نے ایمان رکھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور منشا کے تحت آئی ہے، پھر وہ اسے صبر سے برداشت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے اجر کا انتظار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کی رہنمائی فرماتا ہے،

اس کے نقصان کی اسی دنیا میں تلافی کر دیتا ہے اور اس کے ایمان میں بھی یقیناً اضافہ کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اس کے قلب کی رہنمائی فرما دیتا ہے، یعنی اللہ اس کے دل کی یقین کی منزل تک رسائی کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ جان لیتا ہے کہ جو چیز اس تک پہنچ چکی ہے، وہ اس سے چوک نہیں سکتی تھی اور جو چیز خطا ہو چکی ہے وہ اس تک پہنچ نہیں سکتی تھی۔“ (تخفیس ”تفسیر ابن کثیر“ 25/10، دارالسلام، ریاض)

جو خاتون سوکن کے تجربے سے گزر رہی ہے، اس کے لیے صبر کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے وہ اپنے منفی جذبات کی بنا پر اللہ کی نافرمانی کی مرتکب ہوتی ہے۔ صبر کے بغیر اسے یہ خطرہ بھی رہے گا کہ شاید اس کا وہ حوصلہ ہی ختم ہو جائے جو شوہر کے ساتھ نارمل تعلقات کے قیام کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ بے صبری اسے آمادہ سرکشی کر سکتی ہے، معمول کی عبادت ترک کر دینے کی وجہ سے وہ دعا کے ذریعے سے اللہ سے تعلق برقرار رکھنے سے محروم ہو جائے گی۔ اس طرح اس کے نفس پرست بن جانے اور جذبات کی تسکین کی متلاشی ہو جانے کے باعث ایسی راہ پر چل پڑنے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا جو سراسر خسارے کا سودا ہوگا یعنی طلاق لے لینا، دوستوں کے ذریعے سے تسکینِ جذبات پانا یا غلط مشوروں پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت دونوں کا نقصان اٹھانا وغیرہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطانی سازشوں کا شکار ہو کر دین کے دوسرے حصوں کو نظر انداز کر دے اور خود غرضی اختیار

کر کے اپنے بچوں کے حقوق نظر انداز کر بیٹھے۔ اپنے شوہر، اپنی مسلمان بہن (سوکن) اور اپنے جسم کے حقوق کی طرف سے بھی بے پروا ہو جائے اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینے والی مسلمان خاتون کو یہ نقصان پہنچ سکتا ہے کہ وہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے کہ اس دنیا میں اس کا قیام عارضی ہے اور اگلے جہان کی زندگی مستقل اور پائیدار ہوگی۔

ایک مسلمان کی دنیاوی زندگی میں صبر کا رویہ اور اللہ کو ہر حال میں یاد رکھنا بے حد اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ آخرت میں کامیابی کا انحصار نیک اعمال پر ہوگا۔ لہذا ایک مسلمان عورت کی حیثیت سے آپ کو صبر اور کامیابی کے مابین گہرے تعلق کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ اس کے بغیر آپ کی کوششیں صحیح رخ اختیار نہیں کر سکیں گی۔ آپ کو یہ بات بھی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ صبر سے نہ صرف آپ کی موجودہ صورتحال متاثر ہوگی بلکہ آپ مستقبل کی آزمائشوں اور مشکلوں پر قابو پانے کی بھی تربیت پا سکیں گی۔ صبر نہ کرنے سے آپ انتہائی اہم ہتھیار سے محروم ہو جائیں گی جو مشکلات سے کامیابی کے ساتھ گزرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بغیر عبادت و ریاضت میں بھی لطف نہیں آتا اور نہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی قرب حاصل ہوتا ہے۔

(iii) تعددِ ازواج، مرد کا حق:

اللہ تعالیٰ نے مرد کو دوسری شادی کی اجازت دی ہے۔ شریعت کی رو سے ایک مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایک سے زائد عورتوں سے شادی کر سکتا ہے اور ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ جب ایک عورت کی شادی ہوتی ہے تو وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے شوہر کو دوسری، تیسری اور چوتھی شادی کی اجازت دے رکھی ہے، اس لیے وہ جب چاہے اپنے حق کو استعمال کرتے ہوئے دوسری شادی کر سکتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان عورت ہونے کی حیثیت سے شوہر کے اس حق کو تسلیم کرنے کے لیے آپ کو ہر وقت تیار رہنا چاہیے اور یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس کے علاوہ بھی شریعت نے شوہر کے کئی حقوق مقرر کیے ہیں اور کسی بھی معاملے میں شوہر کی حق تلفی پر حدیث میں بہت سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! عورت اس وقت تک خدا کا حق ادا کرنے والی نہیں ہو سکتی جب

تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔“ (ابن ماجہ، الترغیب والترہیب 36/3)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عورت اس وقت تک ایمان کی حلاوت نہیں پاسکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔“

(الترغیب والترہیب 36/3)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے عورتوں کی جماعت! خدا سے خوف کرو اور اپنے شوہروں کی خوشیوں کو پیش نظر رکھو، اگر عورت جان لے کہ اس کے

شوہر کا کیا حق ہے تو صبح و شام کھانا لے کر کھڑی رہے۔ (کنز العمال 145/16)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر آدمی اپنی بیوی کو حکم دے کہ وہ جبلِ احمر کو جبلِ اسود کی طرف منتقل کر دے یا جبلِ اسود کو جبلِ احمر کی طرف منتقل کر دے تو

اس مرد کا حق ہے کہ وہ عورت ایسا کرے۔“ (مشکوٰۃ ص: 283، الترغیب والترہیب 56/3)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”شوہر کا بیوی پر یہ حق ہے کہ اسے کوئی زخم ہو اور وہ اسے چاٹ لے یا اس کی ناک سے پیپ یا خون بہے اور وہ اسے پی

جائے، تب بھی اس عورت نے اس مرد کا حق ادا نہ کیا۔“ (الترغیب والترہیب 35/3)

اس کے ساتھ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دوسری شادی کرنے کے لیے آپ کے شوہر کو نہ آپ کی اجازت کی ضرورت ہے اور نہ ہی آپ کی حمایت کی، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس چیز کا اعلان فرمادیا تو اعتراض کی گنجائش کہاں رہی! کیا قرآن کا اعلان کافی نہیں؟ کیا اس حکم کے آگے سر جھکانے کی آپ میں ہمت نہیں؟ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ بات ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی نکاح فرمائے تو پہلی بیوی سے اجازت لے کر فرمائے، کیونکہ جب قرآن کا حکم آگیا تو حکمِ ربانی کے آگے سر جھکانے میں ہی دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے نہ کہ عورتوں کو مردوں پر، اس لیے عورتوں کو مردوں کے ماتحت ہونا چاہیے۔ عورتوں کو ان کی نگہبانی میں ان کے دیگر امور میں ایسا ہونا چاہیے کہ جب مرد بات کرے تو اس کی بات حرفِ آخر ہو، جب وہ اپنی بیوی کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کر دے اور جب اس کو دوسری بیوی کی ضرورت اور خواہش ہو تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی ضرورت اور خواہش کا خیال رکھے اور اس کی رضا و خوشی میں راضی و خوش رہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مؤمن بندے کے لیے تقویٰ کے بعد نیک و صالح بیوی سے بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں، اگر شوہر کوئی بات کہے تو اسے پورا

کرے، اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے، اگر شوہر کسی کام کے بارے میں قسم دے دے تو اسے پوری کرے

اور اگر وہ کہیں باہر جائے تو اپنی جان اور اس کے مال کے بارے میں خیر کا معاملہ کرے۔“ (مشکوٰۃ ص: 268)

مفتی محمد ارشاد القاسمی حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”قسم پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر بیوی پر اعتبار کرتے ہوئے قسم کھالے، مثلاً یہ کہے کہ بقیہ تم ایسا ضرور کرو، تو شوہر

کی خوشی کے پیش نظر ضرور پورا کر دیتی ہے، خواہ مشقت اور مزاج کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“ (جنتی عورت ص: 20)

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اختیار ملنے کے بعد اگر آپ کا شوہر چاہے تو آپ کو خاطر میں لائے بغیر اور آپ کی رضامندی کی پروا کیے بغیر دوسری شادی کر سکتا ہے اور اس کے اس اقدام سے آپ کے دل کو ٹھیس بھی زیادہ پہنچ سکتی ہے، لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کرتا اور اپنی زندگی کے اہم فیصلے میں آپ کو شامل کرنا چاہتا ہے اور آپ کی مثبت رائے اور مشورے کی امید پر آپ کے سامنے اظہار کر بیٹھتا ہے، تاکہ زندگی کا امن و سکون، راحتوں اور مسرتوں کا تسلسل قائم رہ سکے اور آپ بھی اس میں برابر کی شریک رہیں، اس کا مقصد صرف اور صرف آپ کی قدر دانی اور عزت افزائی ہوتا ہے، یہ تو قدر و عزت کا وہ مرتبہ و مقام ہے جو آپ کا شوہر آپ کو دینا چاہتا ہے، لیکن آپ ناشکری کے جذبات سے مغلوب ہو کر نہ صرف یہ کہ اس کے حق کو قبول نہیں کرنا چاہتیں، بلکہ اس سے وہ حق بھی چھین لینا چاہتی ہیں جو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف نگاہِ کرم نہیں فرماتے جو اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہے، حالانکہ وہ اس سے بے نیاز نہیں رہ

اس معاملے میں تو آپ کی لاتعلقی بھی غیر مناسب ہے، کیونکہ خوشگوار گھریلو زندگی کو ممکن و آسان بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مرد و عورت ہر معاملے میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں اور عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ وہ گھر کو جنت بنا دے یا جہنم۔ اس لیے آپ کی مخالفت اور لاتعلقی خود آپ کی اپنی ازدواجی زندگی کو تلخ کرنے کا باعث بنے گی۔ اس سلسلے میں شریعت آپ سے یہ مطالبہ تو نہیں کرتی کہ آپ خود اپنے شوہر کو دوسری شادی کے لیے تیار کریں اور نہ یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اگر شوہر دوسری شادی کرے تو آپ کو کوئی رنج اور تکلیف ہی نہ ہو اور نہ ہی اس کا اظہار ہو، یہ سب باتیں عام طور پر عورت کی وسعت و طاقت سے بالاتر ہوتی ہیں، مگر شریعت آپ سے صرف یہ مطالبہ کرتی ہے کہ شوہر کی دوسری شادی کے ارادے کا سنتے ہی ایسے ہنگامے اور فتنے برپا کرنا کہ شوہر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے اور معاشرے میں ایسا عبرت کا نشان بن جائے کہ مزید کسی شریف آدمی کا اگر دوسری شادی کا ارادہ ہو تو وہ ایسے شخص کے حالات سن کر اور دیکھ کر اس اقدام کے نام سے بھی ہانپنا اور کانپنا شروع کر دے، ایسا عمل اللہ و رسول کی نافرمانی ہے کہ بہت بڑی نافرمانی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی نہ ہونے کے مترادف ہے۔

(iv) تعددِ ازواج، بے سہارا عورتوں کا سہارا:

تعددِ ازواج اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی حکم حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ تعددِ ازواج میں بھی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، جن سے انسان بے بہرہ ہے۔ اس میں جہاں ایک مرد کی فطری خواہش کا احترام ہے وہاں کئی عورتوں کی عزت و عفت کا تحفظ اور ان کی کفالت کا بھی انتظام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی جو نشانیاں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔ اب اگر قرآن پاک کی مصلحت کو مد نظر رکھا جائے تو اس سے باآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ متعدد شادیاں جائز ہونے میں عورتوں کے نکاح کا مسئلہ آسان ہو جائے گا، خاص طور پر ان عورتوں کے لیے جن کے بیوہ یا طلاق یافتہ ہونے کی وجہ سے کوئی ان سے شادی نہیں کرتا۔ پھر کچھ خواتین ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے نان نفقہ کا کوئی ذمہ دار نہیں ہوتا یعنی ضرورت مند اور بے سہارا خواتین، وہ دل سے گھرداری میں مصروف رہ کر عفت مآب زندگی گزارنا چاہتی ہیں، لیکن مجبوری کے باعث گھروں سے نکلنا پڑتا ہے۔ جب اسلام نے اس بات کی قید لگائی کہ عورت گھر میں رہنے کی چیز ہے، گلی بازاروں کی رونق نہیں، کیونکہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف نامحرموں کو متوجہ کرتا ہے اور پھر وہ بھی گناہ کی مرتکب ہوتی ہے اور مرد بھی گنہگار ہوتا ہے، تو اس بات سے آپ کو سبق لینا چاہیے کہ اگر آپ خود کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول کروالیں تو آپ بھی ان عورتوں کا سہارا بن سکتی ہیں، ان کو اور ان کی وجہ سے معاشرے کو گناہ سے بچا سکتی ہیں۔

عورت قربانی کا دوسرا نام ہے، اس لیے ہر مسلمان عورت کو ان بے سہارا عورتوں کا پورا پورا خیال ہونا چاہیے اور ان کے مسائل کا مؤثر حل تعددِ ازواج کے علاوہ کوئی نہیں، کیونکہ جو محبت اور تحفظ ایک شوہر اپنی بیوی کو دے سکتا ہے وہ کوئی اور رشتہ حتیٰ کہ سگا باپ بھی نہیں دے سکتا۔ اگر آپ یہ سوچتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان عورتوں کی ہمدردی و خیر خواہی کے لیے چُن لیا ہے، اپنے شوہر کی دوسری شادی کی مخالفت اس لیے نہ کریں کہ آپ کی قربانی و ایثار کی وجہ سے معاشرے کی ستائی ہوئی ان معصوم عورتوں کو تنہائیوں اور وحشتوں کی زندگی سے نجات مل جائے تو آپ کا یہ جذبہ یقیناً قابلِ قدر و تحسین ہوگا اور اس کا اجر و ثواب آپ اللہ تعالیٰ

سے آخرت میں پائیں گی۔

جب اللہ تعالیٰ نے رزق میں برکت دی ہے اور تمام اخراجات نکال کر بھی اتنا بچ جاتا ہے کہ اس سے دوسری بیوی کا معاملہ بھی آسان ہو سکے تو اس میں کیا برائی ہے؟ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میری دی ہوئی نعمت کا اظہار کرو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر مرد کی کمائی میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی ہے تو اس کے حقدار صرف بیوی بچے یا گھر کے دیگر افراد ہی ہیں، ان کے علاوہ وہ تمام حقوق کہاں جائیں گے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ سوال کرے گا؟ ان حقوق کی ادائیگی کے لیے تعددِ ازواج صرف مناسب ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاصی برکت رکھی ہے کہ ایک فرد کے اضافے سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ رزق میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکینہ ہے وہ عورت جس کا شوہر نہیں، اب اگر آپ کسی مسکینہ کو سوکن کی حیثیت سے قبول کرتی ہیں اور اس کے ارمانوں کی خاطر آپ اپنے ارمانوں کا گلا گھونٹ دیتی ہیں، جس کا آپ کو مکلف بھی بنایا گیا ہے تو یقیناً یہ بہت بڑے مجاہدے اور حوصلے کی بات ہے اور اس کا اجر عظیم اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے۔ اس کے برعکس اگر آپ سوکن کا تصور بھی پسند نہیں کرتیں تو یہ حکم خداوندی کی مخالفت کے ساتھ اپنی مسلمان بہنوں کی بھی حق تلفی اور ظلم کے مترادف ہے کہ جن کو دنیاوی ہنگاموں کے باعث ساری عمر ازدواجی تعلق سے محروم زندگی گزارنا پڑتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس لیے آپ کو سوچنا چاہیے کہ شوہر کا ساتھ، بال بچے اور گھربار، یہ وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو عطا فرمائیں اور یقیناً آپ ان کو پسند بھی کرتی ہیں، اگر آپ بھی ان غم زدہ و ستم زدہ عورتوں کی طرح نکاح سے محروم تنہا زندگی گزار رہی ہوتیں تو آپ کے جذبات و احساسات خود اپنے لیے کیا ہوتے؟ یا آپ کی سگی بہن یا بیٹی اس کرب ناک حالت سے گزر رہی ہوتی تو اس کے لیے آپ کے جذبات و احساسات کیا ہوتے؟ آپ اپنے لیے اور ان کے لیے کیا پسند کرتیں؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو سگی بہنوں کو ایک ہی وقت میں ایک ہی مرد کے نکاح میں رکھنا اگر جائز ہوتا تو کیا آپ اپنی سگی بہن کو بھی سوکن کے طور پر قبول نہ کرتیں اور اس کو بھی ان نعمتوں سے محروم رکھتیں؟ لہذا ان نعمتوں میں اگر آپ کسی مسلمان بہن کی شراکت کو پسند نہیں کرتیں تو یہ یقیناً آپ کے ایمان و اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے کا سبب ہوگا۔ ایک نو مسلمہ فرانسیسی خاتون لکھتی ہیں:

”اسلام قبول کرنے سے قبل میں ایک ایسے شخص کے نکاح میں تھی جس کی کئی عورتوں سے دوستیاں تھیں، مگر جب اللہ نے مجھ پر احسان کرتے ہوئے مجھے اسلام کی توفیق دی اور مجھے ایک صالح مسلمان مرد سے نکاح میسر ہوا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس ہوا، اب یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس بات کو قبول نہ کروں کہ میرے مسلمان شوہر کے نکاح میں (حلال اور پاکیزہ طریقے سے) میرے علاوہ بھی کوئی دوسری میری مسلمان بہن ہو۔۔۔؟ اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح کہا تھا کہ جو زمانہ جاہلیت کی برائیوں کو نہیں جانتا وہ اسلام کی خوبیوں کو بھی نہیں پہچان سکتا۔“ (رسالہ فضل تعددِ زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)

مولانا محمد حنیف عبدالمجید حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا تمام بیوہ عورتوں سے نکاح کیا، صحابہ کرام کے

زمانے میں تو اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جاتا یا طلاق دے دیتا تو عدت کے فوراً بعد وہ دوسرا نکاح کر لیتی اور وہاں کے مرد بھی بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ نہ ایدھی ہوم کی ضرورت پڑتی تھی، نہ اپنا ہوم کی اور نہ دارالایتام کی۔ نہ نائٹ کلبوں کے وجود کی صورت میں بے حیائی کو پروان چڑھنے کا موقع ملتا تھا، بلکہ دوسرا شوہر اگر پہلے شوہر کے عزیزوں میں سے ہوتا تھا تو ان بچوں کو اپنی ہی تربیت میں لے لیتا تھا، بصورت دیگر دیال و نضیال سنبھال لیتے تھے۔ اس کا دوسرا نتیجہ یہ تھا کہ مرد برائیوں سے بچ جاتے تھے، اگر جذبات نفسانی نے مجبور کیا اور ایک بیوی شرعاً معذور ہے یا کسی وجہ سے شوہر کے لیے مکمل مایہ تسکین نہیں ہے تو دوسری یا تیسری بیوی اس کی کو پورا کر سکتی تھی، جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مرد مکمل سکون و راحت حاصل کر لیتا تھا، جو اس کی فطری اور طبعی ضرورت ہے، پھر وہ کئی گھریلو جھگڑوں، جسمانی اور نفسانی کئی بیماریوں اور روحانی کئی گناہوں اور برائیوں سے بچ جاتا تھا اور سب کے علاوہ وعدہ خداوندی کے موافق رزق میں بھی وسعت اور برکت اور یتیم اور بیوہ کی کفالت پر رضائے خداوندی نصیب ہوتی تھی، جو دونوں جہاں میں انعامات اور رحمتوں کی مسلسل دھار بارش کا سبب بنتی تھی، وہ حاصل ہو جاتی تھی۔ خود بیویاں بھی اپنے شوہر کو دوسرا نکاح کرنے میں مانع نہ ہوتی تھیں، اگر حقوق کی رعایت سے ہو، خصوصاً جن کے پاس نان نفقہ و سکنی خرچہ دینے اور الگ رکھنے کی وسعت ہو اور ان کی نیت بھی بیواؤں، مطلقات کی ہمدردی اور غم خواری و دلداری ہو اور یتیموں کی تربیت و نگرانی مقصود ہو تو یہ نور علی نور ہے۔“ (تحفہ دہن ص: 105)

(v) دنیا میں ہر چاہت اور خواہش پوری ہونے کے لیے نہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں محدود اور تھوڑے وقت کے لیے بھیجا ہے، ہمارا اصل ٹھکانہ اور جائے قرار آخرت ہے، دنیا تو فقط مصیبتوں، بختیوں اور کوششوں سے عبارت ہے، جن سے ہر مسلمان کو دو چار ہونا پڑتا ہے اور ان سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ مکمل خوشی کا ملنا اس دنیا میں تو ممکن نہیں، اس کے لیے جنت ہے اور اس میں پہنچنے کے لیے نیک اعمال ضروری ہیں۔ اگر کوئی مسلمان یہ خیال کرتا ہے کہ سختیاں اور مصیبتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہیں اور ان پر صبر و برداشت کی روش اختیار کرتا ہے تو اسے کوئی دکھ اور رنج نہیں ہوتا، کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے اور اس دنیا کا رنج و غم بھی عارضی ہے۔ اصل زندگی آخرت کی ہے جہاں کی عزت و راحت دائمی ہے۔ اس دنیا میں اگر انسان نے نیک اعمال کیے ہوں گے اور تکلیف میں اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہوئے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا ہوگا تو اسے دنیا میں بھی رنج و تکلیف محسوس نہ ہوگی اور آخرت میں اس کے لیے جنت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ہے۔

اس دنیا میں تو انسان کے لیے قدم قدم پر آزمائش ہے اور ہر لمحہ نفس و شیطان کے ساتھ جنگ ہے۔ نفس کے خلاف مجاہدہ ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت فرض ہے اور جب تک وہ اس سرزمین پر مقیم ہے اسے نفسِ امارہ کے خلاف نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ ایک مسلمان کو اس امر کی اجازت نہیں کہ ایسی خواہشات کی پیروی کرے جن کی اسلام نے اجازت نہیں دی۔ اس لیے آپ کو جان لینا چاہیے کہ دوسری شادی کے خلاف آپ کا یہ رد عمل بھی نفس کی ایک چال ہے، جس کو توڑنا آپ کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ ایک مسلمان عورت ہونے کی حیثیت سے اگر آپ یہ سوچیں کہ آپ کے شوہر کی دوسری شادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے اور اس

آزمائش میں کامیاب ہونے کے لیے آپ کو وہی راستہ اختیار کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، یعنی تعددِ ازواج کو اللہ کا حکم اور نبی کا طریقہ مانتے ہوئے شوہر کی دوسری شادی کے فیصلے کو اور اس کی دوسری بیوی کو ایک مسلمان بہن کی حیثیت سے صدق دل کے ساتھ قبول کرنا ہے اور اس معاملے میں کسی قسم کی مخالفت اور لافلتی سے کام نہیں لینا تو آپ کا کردار مثالی بن جائے گا اور دنیا و آخرت کی عزت و راحت یقینی ہو جائے گی۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر آپ کے شوہر کے کسی عزیز دوست کی بیوی آپ کے گھر آتی ہے تو آپ اس کی خوب خاطر تواضع اور عزت و اکرام کرتی ہیں، صرف اس وجہ سے کہ وہ آپ کے شوہر کے دوست کی بیوی ہے، لیکن آپ کی سوکن تو آپ کے شوہر کی بیوی ہے، تو یہ عزت و اکرام کی مستحق کیوں نہ ہوگی؟ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ ظاہری طور پر آپ کے مد مقابل ہے اور دنیا والوں کی نظروں میں آپ کی دشمن ہے، اس لیے آپ کے دل میں اور آپ کے گھر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ کیا آپ کی یہ روش انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت کے منافی نہیں؟

یاد رکھیے! مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم اس دنیا میں آزاد نہیں کہ جو مرضی چاہے کہیں اور کریں، ہماری رہائش، ہماری سوچ، ہمارے احساسات و جذبات اور ہمارے کردار و اطوار پر لاتعداد بندشیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد ہیں۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔“ (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابواب الزہد)

اگر آپ یہ سوچیں کہ دنیا چاہتوں اور خواہشوں کی تکمیل کی جگہ نہیں کہ جس میں ہماری ہر چاہت اور خواہش پوری ہو جائے تو مسئلہ بہت ہی آسان ہو جائے گا، کیونکہ آپ کی چاہت و خواہش اس میں ہے کہ آپ کا شوہر دوسری شادی نہ کرے اور اسی چاہت و خواہش کو پورا کرنے کے لیے آپ شریعت کا لحاظ بھول جاتی ہیں اور تعددِ ازواج کی مخالفت پر اتر آتی ہیں، اس لیے اب ضروری نہیں کہ آپ کی یہ چاہت و خواہش بھی پوری ہو۔ ہر چاہت و خواہش کی تکمیل کے لیے آپ کو جنت کا انتظار کرنا پڑے گا اور حصولِ جنت کے لیے آپ کو وہی کرنا ہوگا جس کا اللہ و رسول نے حکم دیا اور اس چیز سے خود کو روکنا ہوگا جس سے اللہ و رسول نے روکا۔ لیکن عجیب بات! آپ کی یہ چاہت و خواہش کہ ”میرا شوہر صرف میرا ہو“ جنت میں بھی پوری نہ ہوگی، کیونکہ وہاں بھی ایک جنتی مرد کو کئی بیویاں ملیں گی، جبکہ عورت کو ایک ہی مرد کے ساتھ نباہ کرنا پڑے گا۔

(vi) آپ کو شوہر کا فیصلہ اچھے طریقے سے قبول کرنا چاہیے:

تعددِ ازواج اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت کسی بھی انسان کو کسی بھی ایسے حکم کا پابند نہیں بناتی جو اس کی وسعت و طاقت سے بالاتر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اگر آپ کے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت دی ہے تو ضرور اس کو برداشت کرنا بھی آپ کے بس میں رکھا ہوگا۔ پھر شریعت کے کچھ احکام ایسے ہیں جن کو پورا کرنے میں زیادہ محنت و مجاہدہ اور صبر و برداشت کی ضرورت نہیں پڑتی اور نہ ہی وہ انسان کی طبیعت پر ناگوار گزرتے ہیں اور کچھ احکام ایسے ہوتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے بلند ہمت و حوصلے اور قوتِ برداشت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ انسان کی طبیعت پر ناگوار بھی گزرتے ہیں۔ فرضیت ان تمام احکامات کی اپنی اپنی جگہ قائم ہوتی ہے، لیکن فضیلت کا دار و مدار انسان کی محنت، مشقت اور کوشش پر ہوتا ہے۔ اس لیے وہ احکام جو آج انسان کی طبیعت پر بھاری گزرتے ہیں کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی میزان میں سب سے زیادہ وزنی ہوں گے۔

اب یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو خوشدلی سے قبول کریں یا بددلی سے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے گمان کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔ شوہر کی دوسری شادی کا فیصلہ یقیناً آگ کا گولہ بن کر آپ کے دل کو جلا کر رکھ دے گا اور آپ کو وہ جھٹکا لگے گا کہ آپ کے لیے خود کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا، لیکن اس مشکل ترین صورتحال میں بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو مقدم رکھنا ہوگا اور شوہر کے اس حق کو تسلیم کرنا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دیا گیا ہے۔ اگر آپ نے بھی ویسا ہی برتاؤ کیا جیسا کہ غیر مسلم اور بے دین عورتیں کرتی ہیں تو خود آپ کی اپنی زندگی مشکلات سے دوچار ہو جائے گی، کیونکہ اس طرح آپ مرد کے دل سے رگر جائیں گی اور اس کے دل میں آپ کی محبت و چاہت بھی کم ہو جائے گی۔ پھر اس زندگی سے آپ کو سکون و اطمینان کیونکر مل سکے گا جس میں شوہر کی رضا و خوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی نہ ہو۔ آپ کا برادر اطرز عمل آپ کی اپنی شادی کو تباہی کے غار میں دھکیلنے میں معاون ثابت ہوگا۔

شوہر کی دوسری شادی کی صورت میں آپ کو یوں نہیں سوچنا چاہیے کہ جیسے آپ کی دنیا اندھیر ہوگئی ہو اور آپ کی زندگی سے روشنی مفقود ہو چکی ہو۔ ایسا ہو جانے کی صورت میں ذہنی و قلبی طور پر آپ کو تکلیف ضرور ہوگی اور آپ غمزدہ بھی ہوگی، مگر ایسے حالات کا مقابلہ سوچھ بوجھ، عقلمندی، ذہنی چٹنگی اور صبر و رضا سے کرنا ہوگا۔ آپ نے اپنی ان خواہشات کو دبانا ہوگا، جن کو نفس و شیطان ابھارتا ہے اور احساسات کو بے لگام ہونے سے روکنا ہوگا۔ ان حالات کا مقابلہ اگر آپ کینہ و حسد، بغض و عداوت اور غضب و نفرت سے کریں گی تو حالت مزید خراب ہو جائے گی۔ آپ شوہر کو دوسری بیوی سے بدظن اور علیحدہ تو نہیں کر سکیں گی، لیکن آپ کے ناروا سلوک سے آپ کا شوہر آپ سے برگشتہ ہو جائے گا اور آپ اسے کئی نظر آنے لگیں گی۔ آپ اپنے بُرے رویے سے کچھ اپنا ہی نقصان کریں گی، فائدہ کچھ حاصل نہیں ہوگا اور آپ بلا وجہ اپنے شوہر کی شکایت کرتی پھریں گی۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب عورت اپنے شوہر کے بارے میں یہ کہے کہ میں نے اس سے کوئی بھلائی نہیں پائی تو اس کے اعمال ضائع و برباد ہو جاتے ہیں۔“ (جامع الصغیر ص: 54، کنز العمال 46075/16)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مجھے اس عورت پر غصہ آتا ہے، جو اپنے گھر سے چادر کھینچتی ہوئی شوہر کی شکایت کرتے ہوئے نکلے۔“

(مجمع الزوائد 316/4)

آپ اللہ تعالیٰ کے قانون کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتیں۔ اس لیے آپ کو ایسی کوشش سے احتراز کرنا ہوگا، جس سے آپ اپنے خاوند کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے حق سے دستبردار ہونے کے لیے مجبور کر سکیں۔ اس لیے آپ کو اپنے شوہر کی دوسری شادی کے فیصلے کو باعزت اور پروقار طریقے سے قبول کرنا چاہیے۔ اس طرح آپ اپنے خاوند کی عزت اور محبت کو پالیں گی، اس کے علاوہ آپ کے لیے اجر عظیم اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مزید ہوگی، آپ یقیناً نقصان میں نہیں رہیں گی۔ اپنے نفس پر قابو پا کر نئے حالات سے سمجھوتہ کرنا ہی آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔

اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ عقدہ کھلے گا کہ آپ کے شوہر کی دوسری شادی اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہوئی ہے۔ لہذا ایک سچی مسلمان

عورت ہونے کے ناطے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جانا چاہیے اور صبر کرنا چاہیے۔ ایسا باعزت رویہ اپنا کر آپ یقیناً فائدے میں رہیں گی۔ جب آپ اپنے صبر اور دوسری شادی کی حقیقت کو حوصلہ مندی سے قبول کرنے کی بدولت بہت بڑا ثواب کمائیں گی اور اللہ کے ہاں بڑا رتبہ پائیں گی، تو پھر کیوں آپ غمزدہ ہوں اور مایوسی کا شکار ہوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایک عورت، جس کا شوہر دوسری عورت سے شادی کرتا ہے، اس پر صبر کرتی ہے، تو اس کے لیے ایک شہید کا ثواب ہے۔“

(المرأة الصالحة ص: 97، مطبوعہ جنوبی افریقہ)

اچھی اور سچی مسلمان عورت دوسری شادی کے معاملے میں جہاں اپنے شوہر کی معاون و مددگار ہوگی وہاں اپنے شوہر کی دوسری بیوی کی بھی عزت کرے گی، اس کو ایک مسلمان بہن کی حیثیت سے بخوشی قبول کرے گی، خلوص دل اور احترام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرے گی اور اپنے مجروح جذبات پر قابو پائے گی۔ اس کے لیے خواہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو پھر بھی اپنی سوکن کے ساتھ مہربانی اور شائستگی سے پیش آئے گی۔ اسلامی طور طریقے اپنانے سے اس کے شوہر کی دوسری بیوی کے ساتھ تعلقات صحت مندانہ ماحول میں ترقی کریں گے، ان دونوں میں آپس میں قربت و چاہت بھی بڑھے گی۔ اس طرح کرنے سے آپ کا شوہر دل سے آپ کا مشکور و ممنون ہوگا اور آپ پہلے سے کہیں زیادہ اونچا مرتبہ و مقام اس کے دل میں پالیں گی۔ وہ اپنی دونوں بیویوں کے درمیان یہ پیار، محبت اور ایک دیکھ کر روحانی و جسمانی اور ذہنی و قلبی طور پر سکون و اطمینان محسوس کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔ اس طرح آپ کی زندگی امن و سکون کا گہوارہ اور دوسروں کے لیے مثال بن جائے گی۔

اس کے برعکس اگر آپ اپنے شوہر کو دوسری بیوی سے متنفر اور برگشتہ کرنے کے لیے اس کے متعلق حقارت آمیز، طعن آمیز اور تمسخر آمیز گفتگو کریں گی تو آپ کا یہ طرز عمل شوہر اور دوسری بیوی کے تعلقات کو مزید استوار کرنے کا باعث ہوگا۔ وہ اپنی پہلی بیوی کی ناجائز غیبت پر نالاں ہو کر دوسری بیوی کی طرف زیادہ رجوع کرے گا۔ وہ سمجھے گا کہ دوسری بیوی کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، جس وجہ سے وہ اس کی توجہ اور ہمدردی کی زیادہ مستحق ہوگی۔ ظاہری بات ہے کہ آپ کی نظروں میں تو دوسری بیوی بحیثیت سوکن ایک دشمن ہے، لیکن اس کی نظروں میں تو دونوں بیویاں برابر ہیں۔ اس کے لیے وہ بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنی کہ آپ، تو وہ کس طرح یہ چاہے گا کہ اس کی کسی بھی عزیز ترین چیز کے ساتھ بُرا سلوک کیا جائے۔ کل کو اگر آپ کے ساتھ ظلم و زیادتی ہوگی تو ضرور اس پر بھی وہ خفا ہوگا۔ لیکن افسوس! آپ کے اندر ان جذبات کا فقدان ہے، جس کی وجہ سے آپ خود اپنے آپ کو اپنے شوہر کی نظروں میں گرانے کے درپے ہیں۔ ایک بیوی جو دوسری بیوی کی بدخوئی کرتی ہے وہ خود کو بے وقوف بناتی ہے۔ اپنے شوہر اور دوسروں کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے ناروا سلوک کی وجہ سے شوہر کی ناراضگی مول لیتی ہے، دوسروں کی تضحیک کا نشانہ بنتی ہے اور لوگ اس کے حاسدانہ احساسات کا مذاق اڑاتے ہیں۔

(vii) اگر آپ کا شوہر دین دار و ذمہ دار ہے:

تعدد ازواج اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم کے آگے جھکنے والوں کو دنیا و آخرت میں سر بلند رکھتا ہے اور ان کی قدر و منزلت کو بڑھاتا ہے، لیکن آج کی عورت یہ سمجھتی ہے کہ اگر دوسری عورت آگئی تو اس کی قدر و عزت گھٹ جائے گی یا دوسری بیوی اس کے شوہر اور اس کے گھر پر قابض ہو جائیگی۔ اس لیے وہ ایسا تاثر ڈالتی ہے کہ اپنی اولاد اور دیگر اہل خانہ کو دوسری بیوی سے متنفر کر

(ابن ماجہ 148، ابو داؤد 303، ترمذی 226)

اتنی بڑی قربانی کے باوجود بھی اگر اس کا شوہر راہِ راست سے بھٹک جائے اور عدل و انصاف کا دامن چھوڑ بیٹھے، خود کو بے حس اور اپنی پہلی بیوی کو بے بس بنا ڈالے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، کل قیامت کے دن اس کو جوابدہ ہونا پڑے گا اور اپنی ہر بدسلوکی کا حساب دینا پڑے گا، لیکن عورت کے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں کہ شوہر کے اُس حق کو مارنے کی کوشش کرے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو عورت اپنے شوہر کی اطاعت کرے اور اس کے حق کو ادا کرے، نیک باتوں کو یاد کرے، نفس اور مال کی خیانت سے پرہیز کرے تو جنت میں شہیدوں سے ایک درجہ کم اس کا ہوگا۔ اگر شوہر بھی مؤمن اور اچھے اخلاق والا ہے تو یہ عورت اسے ملے گی ورنہ ایسی عورت کی شادی اللہ تعالیٰ شہیدوں سے کر دے گا۔“ (الطبرانی، کنز العمال 144/16)

(viii) آپ اپنے شوہر کو گناہ سے بچائیں:

اللہ تعالیٰ نے میاں اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ (سورۃ البقرہ ۱۸۷) یعنی جس طرح لباس انسان کو موسمیاتی اثر اور ماحولیاتی گرد و غبار سے بچاتا ہے اسی طرح وہ دونوں ایک دوسرے کو گناہوں کی گندگی سے بچاتے ہیں۔ ایک مرد کی ضرورت یا خواہش ایک بیوی سے پوری نہیں ہوتی تو وہ ضرور دوسری کی تمنا کرے گا۔ اب اگر اس کو دوسری شادی کی اجازت نہ دی گئی تو یہ گناہ کی طرف راغب ہوگا اور کسی اور طرف اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے گا، اس کا وبال برابر اس کی بیوی کے سر پر ہوگا کہ جب قدرت کی طرف سے اجازت ہونے کے باوجود اس نے اپنے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت نہیں دی اور اس کا شوہر گناہ میں پڑ گیا تو اب اسے ہر حال میں دوسری عورت کو بھگتنا پڑے گا، جبکہ اسی عورت کو اگر باعزت طریقے سے اپنے شوہر کے نکاح میں لے آئی تو اس کا ثواب حاصل کرتی اور اپنے آپ کو اور اپنے شوہر کو جہنم کی آگ سے بچاتی کہ گناہوں کا وبال بہت ہی سخت ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”شوہر بیوی کے لیے جنت ہے یا جہنم۔“ (الترغیب والترہیب 34/3)

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے دوسری شادی کے فیصلے کے نتیجے میں انتقامی کارروائی کے طور پر کسی گناہ کے ارتکاب کا ارادہ کرتی ہے تو وہ خود کو نہایت سنگین صورتحال میں مبتلا کر لیتی ہے، بلکہ درحقیقت وہ اس قسم کی حرکت سے خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک نہایت سخت سزا کے لیے بے نقاب کر دیتی ہے۔ اگر ایک شادی شدہ عورت اپنے شوہر سے انتقامی جذبے کے تحت کسی گناہ کی مرتکب ہوتی ہے تو شوہر سے زیادہ خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتی ہے۔ وہ خود کو اللہ کی سزا کا حقدار ٹھہرا لیتی ہے اور یہ ثابت کرتی ہے کہ اس نے عدا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کی ہے، کیونکہ شوہر نے تو ایک ایسا کام کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے، جبکہ اس کے جواب میں عورت وہ کام کرنے جا رہی ہے جس کی نہ صرف یہ کہ اجازت نہیں ہے بلکہ وہ ایک سنگین گناہ بھی ہے۔

اس لیے آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ خود بھی بدی و برائی سے بچیں اور شوہر کو بھی بچائیں۔ حصولِ تقویٰ، اجتنابِ معصیبات اور شوہر کے دیگر دینی معاملات میں مانع و رکاوٹ بننے کے بجائے اس کی معاون و مددگار بن جائیں۔ لہذا پہلی شادی کے ذریعے اگر یہ مقصد پورا نہیں ہو رہا تو آپ کے شوہر کے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا جائز راستہ نہیں کہ وہ دوسری شادی کر لے اور آپ اس کو

دیتی ہے۔ وہ ناقص العقل ہونے کی بنا پر ایسا کرتی ہے۔ اگر وہ اتنا سمجھ جائے کہ اس کی اولاد اور دوسری بیوی سے ہونے والی اولاد اس کے شوہر کے نطفے ہی سے ہے تو پھر وہ سوتیلی کہاں ہوگی! اگر پہلی بیوی اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو یا بانجھ ہو یا مرنے لگی ہو تو ایسی صورت میں بھی تو مرد دوسری شادی کرتا ہے، اس وقت تو دوسری بیوی کی قدر ہوتی ہے، مگر جب تک پہلی بیوی موجود ہوتی ہے، دوسری کو پیر کی جوتی سمجھا جاتا ہے، اگر وہ بچے کو ڈانٹ دے تو برا بھلا کہا جاتا ہے اور اس کی کسی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ ایسا کرنے سے دوسری بیوی کا دل ٹوٹتا ہے اور اللہ ناراض ہوتا ہے، کیونکہ ہر دل خدا کا گھر ہوتا ہے۔

مگر آج کی عورت کا المیہ یہ ہے کہ وہ سمجھتی ہے اگر اس کی سوکن کسی طرح اس کے گھر آگئی تو وہ اپنے شوہر کو اپنے ہاتھ سے کھو دے گی۔ ایسا ہرگز نہیں، کیونکہ جہاں عورت کو شریعت نے صبر و برداشت اور ہمت و حوصلے کی تلقین کی وہاں مرد کو بھی تمام بیویوں میں برابری اور عدل و انصاف کا پابند بنایا۔ اس لیے اگر آپ کا شوہر اچھے اخلاق و اطوار اور سیرت و کردار کا حامل ہے، متقی و پرہیزگار ہے اور ہر معاملے میں خدا سے ڈرنے والا ہے، زندگی کے باقی معاملات میں بھی آپ کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اور آپ کو قدر و عزت دیتا تو ضرور اس معاملے میں بھی وہ دینداری و ذمہ داری کا مظاہرہ کرے گا اور شریعت کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ چنانچہ بعض خواتین اپنی جانب سے بڑی قربانی دے کر دوسری شادی کے معاملے میں اپنے شوہروں کی معاون و مددگار بنتی ہیں، بلکہ وہ اپنے شوہروں کو خود تجویز کرتی ہیں کہ وہ دوسری شادی کر لیں۔ اپنے شوہروں کے لیے دوسری بیوی کی تلاش اور پسند سے لیکر شادی کے تمام انتظامات اور دیگر معاملات میں بھرپور ساتھ دیتی ہیں اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دوسری عورتوں کے لیے مثال قائم کرتی ہیں۔ وہ اپنے شوہروں کی احسان مندی ان کی اطاعت گزاری کی صورت میں کرتی ہیں، جو ان کے لیے کسی جہاد سے کم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عورتوں سے کہہ دو کہ شوہر کی اطاعت اور ان کے احسان کا اعتراف جہاد کے برابر ہے، مگر ایسی عورتیں تم میں بہت کم

ہیں۔“ (مجمع الزوائد 308/4، الترغیب والترہیب 34/3)

اس کے باوجود اگر کسی عورت کو شوہر کی دوسری شادی پر اعتراض ہے تو وہ خلع لے سکتی ہے۔ اس کے لیے اسے صرف قاضی کی عدالت میں درخواست دینی ہوگی کہ شوہر کی دوسری شادی اس کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ ایک مسلمان قاضی اس درخواست کی بنیاد پر خلع کا فیصلہ دے گا اور اس صورت میں اسے مہر کی رقم معاف کرنی ہوگی، لیکن موجودہ معاشرے میں خلع لینے کے بعد عورت کی زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے، کیونکہ کوئی اس سے دوبارہ شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ وہ سمجھوتہ کرتے ہوئے اپنے شوہر کی دوسری شادی کو قبول کر لے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید رکھے کہ وہی اس کے حق میں بہتر کرے گا۔ ویسے بھی کسی شرعی عذر کے بغیر خلع یا طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت کے لیے حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”شوہر سے علیحدگی چاہنے والی اور خلع کا مطالبہ کرنے والی عورت منافق ہے۔“ (نسائی، مشکوٰۃ ص: 284)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو عورت اپنے شوہر سے بلا کسی ضرورت شدیدہ اور پریشانی کے طلاق مانگے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔“

مناسب طریقے سے قبول کر لیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ کون سا سامان نفع بخش ہے؟ تاکہ اسے اختیار کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سب سے نفع بخش چیز یہ ہے کہ آدمی کو ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور ایسی ایمان دار بیوی نصیب ہو جو اس کے دین کے معاملے میں معاون و مددگار ہو۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص: 198)

(ix) آپ کا شوہر پوشیدہ ناجائز تعلقات بھی قائم کر سکتا ہے:

اگر آپ کا شوہر دوسری شادی کا ارادہ یا فیصلہ کرتا ہے اور آپ اپنی مخالفت کے ذریعے اس کو دوسری شادی سے روکنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی قلبی خواہش بھی ختم ہو جائے گی، کیونکہ ایک سے زیادہ عورتوں کی خواہش ہر مرد کی فطرت میں شامل ہے اور اپنی فطری قلبی خواہش کو پورا کرنے کی تمنا ہر وقت اس کے دل میں ابھرتی رہتی ہے۔ اب اگر وہ سلیم الفطرت انسان ہے اور اس کے دل کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو وہ صبر کا مظاہرہ کرے گا اور اپنی خواہش کو دبانے کی کوشش کرے گا، لیکن اس طرح وہ ہر وقت ایک کشمکش کا شکار رہے گا اور ہر آنے والا وقت اس کی دہی ہوئی خواہش کو ابھارنے کی کوشش کرے گا۔ اس سے اس کے دل کو سخت ٹھیس پہنچے گی اور وہ آپ کی طرف سے بدل و بیزار رہے گا۔ ظاہری طور پر تو وہ اپنی ہر ذمہ داری پوری کرے گا، لیکن اس کا باطن ہر وقت بے چین و بے قرار رہے گا۔ وہ سوچے گا کہ جس چیز کا حق مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک سنت کے ذریعے دی ہے، اس میں میری پہلی بیوی آخر کیوں حائل ہے؟ جب میں اپنی بیوی کے تمام حقوق ادا کرتا ہوں تو وہ میرے اس حق کو ادا کیوں نہیں کرتی؟ جب میں اس کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ مجھے اس طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی؟ اس وقت میری تمام محبت و چاہت اس کے دل سے کیوں یک دم نکل جاتی ہے؟ یہاں تک کہ وہ مجھے چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہو جاتی ہے۔۔۔!!!

عام طور پر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر ایسے شادی شدہ مرد جو دوسری عورت کی خواہش تو رکھتے ہیں، لیکن دوسری شادی کے معاملے میں پہلی بیوی کے شدید رویے اور مرد و جدہ مخالفت کی وجہ سے اظہار نہیں کر پاتے یا پھر اظہار تو کر دیتے ہیں، لیکن جلد ہی ہتھیار پھینک کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ اس صورتحال میں بظاہر تو آپ ہی اپنے شوہر کے لیے نور نظر ہوتی ہیں، لیکن پوشیدہ طور پر آپ کے علاوہ دوسری عورتوں سے اس کے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں، آپ کا شوہر آپ کو بھی خوش رکھتا ہے اور آپ کے علاوہ کئی اور کو بھی خوش رکھتا ہے، لیکن اس طرح اپنے اللہ کو ناراض کر بیٹھتا ہے۔ بڑے افسوس کے ساتھ! یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ عورتیں اتنی نڈر ہوتی ہیں کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنے شوہروں کی اس حالت پر صرف اس لیے خاموش رہتی ہیں کہ وہ کسی طرح بس دوسری شادی نہ کریں اور بعض اوقات ان پوشیدہ حرکتوں کا علم ہونے کی وجہ سے وہ اپنے شوہروں پر حاوی ہو جاتی ہیں اور اپنے مطالبات پورے کرواتی رہتی ہیں۔ موجودہ حالات بھی اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں، کیونکہ اعداد و شمار کے مطابق امریکہ و یورپ میں اپنی بیویوں کو دھوکہ دے کر ان کے پیٹھ پیچھے غیر عورتوں سے تعلق قائم کرنے والے شوہروں کی تعداد 70 فیصد تک پہنچ چکی ہے، جبکہ اسلامی معاشرے میں ایک سے زائد شادی کرنے والے شوہروں کی تعداد صرف 2 فیصد ہے اور ناجائز تعلقات قائم کرنے

والوں کی شرح مسلسل بڑھتی جا رہی ہے۔

ایک مؤمنہ و مسلمہ کی حیثیت سے آپ خود فیصلہ کریں کہ اگر آپ کا شوہر شریعت کے حکم کے مطابق آپ جیسی ایک اور عورت سے نکاح کر لے اور خود کو اللہ و رسول کے سامنے سرخرو کر لے تو یہ بہتر ہے یا آپ کے پیچھے کئی ایسی ویسی عورتوں اور داشتاؤں کے ساتھ وقت گزاری کر کے خود کو اللہ و رسول کے سامنے شرمندہ و ذلیل کر بیٹھے؟ ہر صورت میں آپ بھی اس کے ساتھ برابر کی شریک ہوگی۔

(x) اگر اللہ آپ کے شوہر کو موت دیدے:

تعددِ ازواج کا حکم اور اس کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اگر آپ اپنے شوہر کی دوسری شادی کی مخالفت کرتی ہیں تو درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلوں پر کسی طرح بھی راضی ہونے کو تیار نہیں اور اپنے شوہر کے لیے دوسری شادی کے اقدام میں زبردستی رکاوٹ بنتی ہیں۔ آپ کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جس اللہ نے آپ کے شوہر کو دوسری شادی کا اختیار دیا ہے، وہ اس چیز پر بھی قادر ہے کہ آپ کے شوہر کو موت دے کر آپ کو شوہر کی نعمت سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دے اور پھر آپ بقیہ ساری عمر نکاح سے محروم اسی بیوگی کی حالت میں گزارنے پر مجبور ہو جائیں۔ دوسری شادی کی بنا پر جس شوہر کی جدائی آپ کو ایک رات کے لیے بھی گوارا نہیں، مرنے کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے آپ سے جدا ہو جائے اور ساری عمر آپ کو تنہائیوں کی ایسی وحشتوں میں ڈال کر چلا جائے، جن وحشتوں سے اس ہندو زدہ معاشرے میں کسی طلاق یافتہ یا بیوہ عورت کے لیے آسانی سے نکلنا ممکن نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کوئی عورت اپنے شوہر کو دنیا میں پریشان نہیں کرتی مگر یہ کہ اس کی حور عین بیوی اسے کہتی ہے کہ اسے مت پریشان کرو، خدا تمہارا بھلا نہ کرے وہ تمہارے پاس تھوڑے ہی دن رہنے والا ہے، غنقریب تم سے جدا ہو کر ہمارے پاس چلا آئے گا۔“

(مشکوٰۃ ص: 281)

ایک عالم دین کا واقعہ:

ایک عالم دین کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی اہلیہ کے سامنے دوسری شادی کا ارادہ ظاہر کیا تو ان کی اہلیہ نے وہ سب کچھ کیا جو اس موقع پر عورت فطری ردِ عمل کے طور پر کرتی ہے۔ صورتحال کو سنبھالتے ہوئے وہ عالم دین اپنے ارادے سے تو پیچھے ہٹ گئے، لیکن درسِ عبرت کے لیے قدرت نے بڑا ہی عجیب انتظام کیا۔ ان کی اہلیہ کے بیان کے مطابق: میں نے ان سے اس بات پر جھگڑنا شروع کیا، صبح گھر سے نکلنے سے قبل انہوں نے مجھے تسلی دی کہ ٹھیک ہے، پریشان نہ ہو، نہیں کروں گا دوسری شادی۔ یہ تسلی دے کر اور بچوں کو پیار کر کے صبح گھر سے روانہ ہوئے، تقریباً 12 بجے اطلاع آئی کہ ایک حادثے میں ان کا انتقال ہو گیا ہے، شام کو ان کے بجائے گھر پر ان کی میت پہنچی۔ انتقال کے بعد ان کی اہلیہ نے کہا:

”میں نے اپنے شوہر کو دوسری شادی سے منع کیا تو اس پر دنیا کی عورتوں سے تو انہوں نے کنارہ کشی اختیار کر لی، مگر مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر بڑے آرام سے جنت کی حوروں کے ساتھ نکاح کر لیا، وہ خواتین جن کے شوہر دوسری شادی کر لیتے ہیں

انہیں میرے اس واقعے سے تسلی ہو جانی چاہیے کہ انہیں پہنچنے والا غم میرے غم سے بہت ہلکا ہے، ان کے بچے نہ تو باپ سے محروم ہوئے اور نہ ہی یہ خواتین شوہر کی نعمت سے محروم ہوئیں، ان کی تو صرف دن و رات کی باری تقسیم ہوئی ہے، مگر میرے شوہر تو مجھے چھوڑ کر اور میرے بچوں کو باپ کی شفقت سے محروم کر کے ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے چلے گئے۔“

(ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت کیوں؟ ص: 287، ناشر: بیت السلام، کراچی)

ایک مسلمہ حقیقت

دو امر کی خواتین، ام عبدالرحمن اور ام یاسمین رحمٰن اپنی تصنیف میں لکھتی ہیں:

”یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ تعددِ ازواج کو اسلام میں ایک باوقار ادارے یا رسم کی حیثیت حاصل ہے، اس لیے مسلمان عورت کا اس بارے میں منفی رد عمل غیر مناسب اور غیر معقول ہے۔ اس لفظ سے چڑنے کی ضرورت ہے نہ اس کے جواز پر ناک بھوں چڑھانا چاہیے۔ جب اسے ایک معاشرتی، دینی اور خاندانی تقاضے کے طور پر اختیار کرنا ہی پڑتا ہے تو ہمیں اس کے تحت عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور لوازمات کو اپنا دینی فریضہ سمجھ کر پورا کرنا چاہیے۔“ (شادی سے شادیوں تک ص: 106،

ناشر: دار السلام، لاہور)

وہ مزید لکھتی ہیں:

”ہم مسلمان خواتین سے کہیں گی کہ انہیں شادی کے بارے میں اپنا نقطہ نظر تبدیل کرنا ہوگا اور خاوند کی اس خواہش کو بھی سمجھنے کی کوشش کرنی ہوگی کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے، اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کیا کہتی ہیں۔ ان تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ان سے بہت سے فوائد حاصل ہونگے، جنہیں عورت، اس کا خاوند، بچے، خاندان اور دوست سب سمجھ سکیں گے۔

عورت کو پہنچنے والے فوائد میں تو یہ ہے کہ اسے آزادی کا شعور حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اسلام کے ایک حصے پر منفی جذبات سے متاثر ہوئے بغیر عمل کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ شوہر کو پہنچنے والے فوائد اس سے زیادہ واضح ہیں، یعنی اسے ایک پرسکون اور پُر امن گھرانہ میسر آ جاتا ہے۔ بچوں کو پہنچنے والا فائدہ عمومی نوعیت کا ہے کہ وہ تعددِ ازواج کو ایک نارمل طریقہ سمجھنے لگیں گے۔ لڑکیوں کے لیے اس کا خصوصی فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی ماں کے طرزِ عمل کو اپنے لیے مشعلِ راہ سمجھیں گی، جس سے انہیں ان شاء اللہ اپنی آنے والی زندگی کے لیے رہنمائی حاصل ہوگی۔ اہل خاندان اور دوستوں کو یہ فائدہ پہنچے گا کہ وہ تعددِ ازواج کو مثبت روشنی میں دیکھیں گے اور وہ اس سے متاثر ہو کر اپنے غلط نظریے کو درست کر لیں گے۔ جبکہ اہم ترین بات یہ ہے کہ لوگوں کے قلوب اللہ کی طرف متوجہ ہونگے، وہ اس کی محبت اور مغفرت کے طلب گار بن کر دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں حاصل کر سکیں گے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ تعددِ ازواج کے بارے میں مسلمان خواتین کا نقطہ نظر کلیتاً ان کا اپنا وضع کردہ نہیں ہے۔ مسلمان والدین کی کئی نسلیں اپنے بچوں کو یہ محسوس کراتی رہی ہیں کہ تعددِ ازواج ایک قصہ پارینہ ہے جو آج کی مسلمان عورت کے لیے کوئی مثالی یا آبرومندانہ لائحہ عمل نہیں ہے اور جو مسلمان عورتیں جاہلیت سے اسلام کی طرف آئی ہیں، ان کی پرورش اور

پرداخت ایسی سوسائٹی اور ایسی تہذیب میں ہوئی ہے جو تعددِ ازواج کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس لیے مسلمان خواتین کو یہ عظیم کام اپنے ذمے لے لینا چاہیے کہ وہ اپنے اور اپنی سہیلیوں اور دیگر تعلق داروں کے دلوں کو ان غیر اسلامی افکار سے پاک کریں اور ایسی تصویر پیش کریں جس میں یہ نظر آئے کہ ٹھیک ہے تعددِ ازواج کے بارے میں منفی جذبات و احساسات پائے جاتے ہیں، لیکن نہیں، یہ جذبات و احساسات ناقابلِ تبدیل نہیں ہیں، انہیں یقیناً تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

آج تعددِ ازواج سے ایسی باتیں منسوب کر دی گئی ہیں جو بالکل نامناسب اور بے جا ہیں۔ مثلاً: اسے خاندانوں کے ٹوٹ جانے کا ایک اہم سبب قرار دیا جاتا ہے۔ کسی ایسے ضرورت مند مرد سے رشتہ نہیں کیا جاتا جو پہلے سے شادی شدہ ہو، خواہ وہ کتنا ہی منصف مزاج اور اچھے کردار کا حامل ہو۔ کسی شخص کی پریشانی کا سبب یہ سمجھنا کہ وہ ایک سے زائد بیویوں کا شوہر ہے، یا بیویوں کو قابلِ رحم قرار دے کر مذاق کا نشانہ بنانا، ایک شخص کی دویا اس سے زائد بیویاں ہوں تو ان بیویوں کے ساتھ اس خیال سے میل جول نہ رکھنا کہ ان کی وجہ سے میرے شوہر کو بھی مجھ پر سوکن لانے کی ترغیب ملے گی، وغیرہ۔ اس طرح کے ناپسندیدہ نتائج و اثرات کی ایک طویل فہرست بنائی گئی ہے، لہذا مومن خواتین کا فرض ہے کہ وہ تعددِ ازواج کے اس غلط تصور کو بدلنے کی کوشش کریں اور گمراہ کن پروپیگنڈے کا اثر قبول نہ کریں۔ اگر اس سلسلے میں شعور کے ساتھ قدم آگے بڑھایا جائے تو ان شاء اللہ صورتحال کی اصلاح ہو جائے گی۔

ہم نے بہت سی ایسی خواتین سے ملاقات کی جنہیں ذاتی طور پر کسی نہ کسی طرح تعددِ ازواج کا تجربہ ہوا تھا۔ ان کے حالات سے معلوم ہوا کہ وہ یقیناً ایسے مقام پر پہنچ گئی تھیں جہاں سے تعددِ ازواج کے بارے میں ان کی رائے بدلنے والی تھی، مگر کچھ صبر کے بعد انہوں نے خود کو پہلے سے زیادہ مطمئن اور خوش پایا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یہ بات سیکھ لی تھی کہ ”اللہ کی خاطر“ خاوند سے محبت کو پہلے نمبر پر رکھا جائے اور ”دنیا کی خاطر“ اس سے محبت کو دوسرے درجے پر رکھا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خاوند کے ساتھ ان کی محبت میں اتنی گہرائی اور ایسی برکت و معنویت پیدا ہو گئی، جس سے وہ پہلے بالکل نا آشنا تھیں۔ سو کنا پے سے انہیں پہلے جو خوف آیا کرتا تھا اور اس کے ذکر پر ہی جو اشتعال آ جاتا تھا، وہ ختم ہو گیا اور اب ان کے دل ایسی خوشیوں اور ایسی طمانیت سے معمور ہو گئے جو پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھیں۔ ان کی زندگیوں سے جھنجھلاہٹ بالکل رخصت ہو گئی۔ اللہ کے ساتھ ان کا تعلق مضبوط تر ہو گیا اور شوہر کے ساتھ تعلق کوئی متنازعہ مسئلہ نہ رہا، بلکہ باہمی تعلق میں وسعت و گہرائی اور ایک دوسرے کے لیے والہانہ پن بھی پیدا ہو گیا۔ ان کی گھریلو زندگی میں وہ عقیدت و پاکیزگی بھی آ گئی جس کا پہلے تصور تک نہ کیا گیا تھا۔ تعددِ ازواج کو ذاتی طور پر قبول کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زندگیاں اور ان کی شادیاں حقیقی معنوں میں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں، بہت سی مسلمان عورتوں کو شروع میں کچھ مشکلات اور آزمائشوں سے سابقہ پڑتا ہے، لیکن اسے اپنا نصب العین بنا لینے کے بعد مشکلات ایک ایک کر کے ختم ہو جاتی ہیں اور اس سے ملنے والا صلہ، ابتدائی قربانیوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے۔“ (شادی سے شادیوں تک ص: 120-118، ناشر: دار

السلام، لاہور)

علمائے عرب کے فتاویٰ

آخر میں ہم علمائے عرب کے چند فتاویٰ پیش کر رہے ہیں، جن میں ان عورتوں کے لیے واضح نصیحت اور دعوتِ فکر ہے جو اپنے شوہروں کی دوسری شادی پر کسی طرح بھی راضی نہیں ہوتیں اور حکمِ خداوندی کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتی ہیں اور معاشرے کو کئی قسم کی بھلائیوں سے محروم کر دینے کا باعث بنتی ہیں۔

شیخ خالد الجریسی حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اے میری مسلمان بہن! آپ پر لازم ہے کہ آپ تعدد ازواج کے حکم کی مخالفت نہ کریں، اس لیے کہ مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے اور وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے، اس کا ارشاد ہے: تو کیا یہ لوگ جاہلیت کے احکام کے متلاشی ہیں، تو یقین والوں کے لیے اللہ سے زیادہ کس کا حکم عمدہ ہوگا۔۔۔ لہذا اے مسلمان بہن! ہم آپ سے یہ مطالبہ تو نہیں کرتے کہ آپ اپنے شوہر کو از خود دوسری شادی کے لیے تیار کریں، کیونکہ یہ کام تو آپ کے لیے واقعی میں بہت مشکل ہے، مگر ہم آپ سے یہ کہتے ہیں کہ آپ کو اس بات کا اختیار نہیں کہ اس معاملے میں آپ شوہر سے جھگڑا کریں، جب تک کہ اس جھگڑے کا کوئی حقیقی اور واقعی سبب موجود نہ ہو اور جب تک ایسا نہ ہو آپ اپنے شوہر سے صرف عدل کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔

اے میری مسلمان بہن! آپ کو پہلے سے یہ علم کہاں سے ہو جاتا ہے کہ آپ کا شوہر بیویوں میں عدل نہیں کرے گا؟ جبکہ ابھی تک اس نے تعدد ازواج کا اقدام کیا ہی نہیں۔ کیا آپ کو غیب کا علم ہو جاتا ہے یا ایک ایسی مجہول بات کا خوف ہوتا ہے کہ جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں؟ اور اے مسلمان بہن! آپ ان احمقوں اور بے دینوں کے ان واقعات سے متاثر ہو کر جو احمق اور بے دین متعدد بیویوں میں عدل نہیں کرتے (اسلام کے حکم کو ناپسندیدہ نہ سمجھیں)، کیونکہ ایسے لوگوں کا عمل اسلامی احکام کی مخالفت کی دلیل نہیں۔ کیونکہ اسلام اس بے عدلی کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ پس آپ پر لازم ہے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے شوہر سے سوکن کی طلاق کا مطالبہ نہ کریں، کیونکہ طلاق حلال کاموں میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ نیز آپ (اپنے شوہر سے) اتنا ہی کچھ حاصل کر سکتی ہیں جتنا آپ کی تقدیر میں لکھا ہوا ہے، تقدیر سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اور جب آپ کو علم ہو کہ آپ کا شوہر مزید نکاح کی رغبت رکھتا ہے تو آپ اپنے آپ کو اس بات سے خوب خوب بچا کر رکھنے کی کوشش کریں کہ آپ شوہر کے اس اقدام میں زبردستی آڑ بن جائیں، ایسا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لاشعوری طور پر آپ اپنے شوہر کے لیے حلال کام میں رکاوٹ ڈال کر حرام راستے کو آسان کر رہی ہیں، چنانچہ اس صورت میں اگر آپ کے شوہر سے کوئی گناہ سرزد ہوا تو اس بات کا خوف ہے کہ اس گناہ میں آپ بھی اس کے ساتھ شریک ہوں، کیونکہ آپ نے گناہ کی طرف اپنے شوہر کی رہنمائی کی۔ پس کتنی ہی خبیث عورتیں ہیں جو اس بات کو تو پسند کر لیتی ہیں کہ ان کا شوہر زانی ہو، عورتوں سے دوستیاں لگا تا پھرے، مگر اس چیز کو برداشت نہیں کرتیں کہ ان کے شوہر کے پاس ایک اور بیوی ہو۔

آپ کے لیے انسانیت کے معلم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، صحابہ کرام کی جلیل القدر صحابیات اور امہات المؤمنین کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ ان حضرات نے متعدد بیویاں رکھیں اور ہمیں تو آج بھی مشاہدہ ہے کہ

بہت سے وہ حضرات جنہوں نے اپنی بیٹیوں کی شادی ایسے مردوں سے کی جن کے نکاح میں پہلے سے بیویاں تھیں، ان کی بیٹیاں زیادہ اچھی زندگی گزار رہی ہیں ان عورتوں سے جنہوں نے ایسے مردوں سے نکاح کیا جن کے نکاح میں ان کے ساتھ کوئی دوسری عورت شریک نہیں۔“ (رسالہ فضل تعدد زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر کوئی مرد متعدد شادیاں کر لے تو اس کی بیوی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ غضبناک ہو اور غمزدہ ہو کر صرف اس بنیاد پر شوہر سے برا سلوک شروع کر دے کہ اس نے دوسری شادی کیوں کی؟ اس لیے کہ دوسری شادی مرد کا حق ہے، لہذا عورت پر لازم ہے کہ اس معاملے میں وہ یہ سوچ کر صبر سے کام لے کہ اللہ تعالیٰ اس صبر پر اجر عطا فرمائے گا، اگر عورت صبر کرنے کی کوشش اور ارادہ کرے گی تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی بات برداشت کرنے کی طاقت و قوت عطا فرمادیں گے جسے وہ اپنے لیے سب سے بڑی مصیبت سمجھ رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جن علاقوں میں دوسری شادی کا رواج ہے وہاں پہلی بیوی نہ تو مرد کی دوسری شادی پر پریشان ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے۔ ہاں! جن علاقوں میں دوسری شادی کا رواج نہیں وہاں پہلی بیوی کے لیے یہ بات برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ مرد زیادہ شادیاں کریں اور رواج ہو جائے تو معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔ پس جس خاتون کا شوہر اس کے ہوتے ہوئے مزید شادیاں کرے تو اس خاتون سے ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ پر لازم ہے کہ آپ صبر سے کام لیں اور اس بات کو سوچیں کہ اللہ تعالیٰ اس صبر پر آپ کو اجر عطا فرمائیں گے، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ آپ کی مشکل کو بھی آسان بنا دیں گے اور آپ کے شوہر کو آپ کے حقوق ادا کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائیں گے۔

عورت کی طبعیت اور فطرت ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے زیادہ شادیوں کو پسند نہیں کرتی اور اس اقدام پر اس میں ایسی غیرت پیدا ہوتی ہے جو اسے تقریباً جنون کی حد تک پہنچا دیتی ہے، مگر ان تمام باتوں میں عورت ملامت کی مستحق نہیں، کیونکہ یہ سب کچھ عورت کی طبعیت اور فطرت کا حصہ ہے۔ ہاں! عقلمند عورت ایسی غیرت اور جوش کو شریعت کی حکمت پر غالب نہیں ہونے دیتی اور شریعت کی حکمتوں کو سوچ کر برداشت سے کام لیتی ہے، کیونکہ شریعت نے اس مرد کو، جسے بیویوں پر ظلم کا خوف نہ ہو، یعنی عدل کی قدرت رکھتا ہو، اسے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی ہے، ہاں! جسے خوف ہو کہ وہ عدل نہ کر سکے گا، اس پر واجب ہے کہ وہ ایک بیوی پر قناعت کرے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جب کسی عورت کو علم ہو جائے کہ اس کا شوہر ایک اور شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو اپنے شوہر کے خلاف اس کے تیور بدل جاتے ہیں، لیکن عورت کے لیے مناسب ہے کہ اس موقع پر وہ جوش سے کام لینے کے بجائے اپنے دل کو سکون اور اطمینان میں لانے کی کوشش کرے اور یہ یقین کر لے کہ اس پر یہ کیفیت ہمیشہ نہیں رہے گی، بلکہ جب شوہر نکاح کر لے گا تو کچھ عرصے بعد غیرت اور نفرت کی یہ کیفیات ختم ہو جائیں گی، جیسا کہ لوگوں کے حالات سے بھی تجربہ ہے۔

پس جب کسی خاتون کا شوہر مزید نکاح کرے تو اس خاتون کے لیے مناسب نہیں کہ وہ غیرت اور جوش سے اتنی مغلوب ہو جائے کہ بدبختی کی مستحق بن جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب کوئی مرد مالی، جسمانی اور عدل کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے

لیے زیادہ بیویاں رکھنا ایک ایسا کام ہے کہ اس کام کو کر لینا ہی مناسب ہے، کیونکہ زیادہ بیویاں رکھنے میں اولاد کی کثرت ہے اور اُمت کی تعداد میں اضافہ ہے، نیز اس اقدام سے بہت سی ایسی عورتوں کو پاکدامنی نصیب ہوتی ہے جو ازدواجی زندگی سے محروم ہو کر اپنے والدین کے گھروں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ پس ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ اگر اس حکم میں حکمت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نہ تو اسے مشروع فرماتے اور نہ ہی مرد کو اس کی اجازت دیتے۔“ (www.ibnothaimeen.com/all/noor/article_3567.shtml)

شیخ ناصر النخین حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”کوئی مرد جب ایک سے زائد بیویاں رکھے تو خود اس کی پہلی زوجہ کو بھی اس اقدام سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ اپنی دینی یا دنیوی تعلیم جاری رکھ سکتی ہے، کیونکہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ایک عورت پر مرد کے بہت سارے حقوق کی ادائیگی ایک بہت بڑا بوجھ ہوتی ہے اور وہ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مصروف رہ کر کوئی دوسرا کام سرانجام نہیں دے سکتی، چنانچہ اس کا شوہر جب دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کر لیتا ہے تو ہر ایک بیوی پر ذمہ داریاں تقسیم ہو کر ہر ایک بیوی کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور مثلاً جو بیویاں تعلیم حاصل کرنا یا جاری رکھنا چاہتی ہیں وہ ان ایام میں بخوبی اپنی تعلیم میں مشغول رہ سکتی ہیں جن میں شوہر کی باری ان کے پاس نہ ہو، پھر جب وہ اپنے مختلف قسم کے گھر اور تعلیم کے کاموں سے فارغ ہو چکی ہوتی ہیں اور شوہر کا ان کے ہاں قیام ہو تو کچھ وقت شوہر کی غیر حاضری اور اپنے تمام قسم کے کاموں سے فراغت کے باعث اپنی باری میں خوب رغبت و شوق کے ساتھ شوہر کا استقبال کرتی ہیں اور اگر شوہر بھی تعلیم سے متعلق ان شعبوں سے کچھ شغف رکھتا ہو تو یہ ازدواج اپنی تحقیقات کو افادہ و استفادہ کی غرض سے شوہر کے سامنے بھی پیش کر سکتی ہیں۔۔۔ لہذا تعددِ ازواج کے فوائد صرف مرد اور معاشرہ نہیں حاصل کرتا، بلکہ اس کی بیویاں بھی اس حکم سے فائدہ اٹھاتی ہیں اور یہ سب کچھ قرآن کے اس حکم کے عموم میں داخل ہے۔“ (www.do3aa.net/marriage.html)

شیخ عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اے اللہ کی بندی! اس بارے میں اللہ سے ڈر، اس لیے کہ نکاح شوہر کا حق ہے اور اس کی بیوی کو یہ حق نہیں کہ شوہر کو دوسری، تیسری یا چوتھی شادی سے روکے اور شادیوں کا یہ حق ایک ایسا حکم ہے، جو اللہ سبحانہ نے ساتویں آسمان پر سے نازل کیا ہے اور وہ اللہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے، جس میں مردوں اور عورتوں، دونوں کی مصلحت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی مصلحتوں کی خاطر اس نے مرد کو اس کی اجازت دی اور ان مصلحتوں میں سے بعض مصلحتیں تو ایسی ہیں جن سے خود اس بیوی کو بھی فائدہ ہوتا ہے، مثلاً: بعض مرتبہ شوہر بخیل ہوتا ہے، مگر دوسری شادی کے نتیجے میں عدل کے باعث خرچ کرنے کے معاملے میں اس کا ہاتھ کھل جاتا ہے اور بعض مرتبہ اللہ آپ کے شوہر کے ذریعے کسی بیوہ، مطلقہ یا نکاح کے انتظار میں کچی عمر کو پہنچ جانے والی کنواری کو فائدہ پہنچاتا ہے اور آپ کا شوہر ان سے نکاح کر کے ان پر احسان کرتا ہے تو اگر آپ شوہر کے اس اقدام پر راضی رہیں تو شوہر کے اجر میں آپ بھی برابر کی شریک ہوں گی۔ اسی طرح اللہ آپ کے شوہر کو جب دوسری بیوی سے اولاد دے تو، بلکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی اپنی اولاد اگر نافرمان ہو تو یہ دوسری اولاد آپ کی خدمت کرے، جن میں بیٹے

بھی ہوں اور بیٹیاں بھی، نیز ہو سکتا ہے کہ آپ کے شوہر کو آپ کی کچھ عادات ناپسند ہوں، اس صورت میں جب وہ دوسری شادی کرے گا اور کچھ ایسے عیوب اسے دوسری بیوی میں بھی نظر آئیں گے جو آپ میں نہیں تو وہ اس معاملے میں آپ کی فضیلت کا قائل ہو جائے گا۔ یوں شوہر کو تجربے کے بعد اندازہ ہو جائے گا اور شوہر کی طبیعت میں اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ ان باتوں سے بڑھ کر سب سے بڑی بات یہ کہ آپ کا اپنے شوہر کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ حکم کو اس طرح سے ناپسند کرنا (کہ کسی صورت میں اسے قبول ہی نہ کرنا)، اس طرز میں اس کا خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی کے تمام اعمال کو ضائع نہ کر دے، کیونکہ تعددِ ازواج کا حکم قرآن کریم میں بہت واضح طور پر بیان ہوا اور ان آیات کی تلاوت بھی کی جاتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: پس نکاح کرو پسندیدہ عورتوں میں سے دو دو اور تین تین اور چار چار سے۔۔۔ اور اللہ نے جو کلام نازل کیا اسے ناپسند کرنا اعمال کی بربادی کا سبب ہے، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان منافقین نے اللہ کی طرف سے نازل کردہ احکام کو ناپسند کیا، جس کے سبب اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔۔۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ اعمال کی بربادی کے لیے پورے قرآن کو ناپسند کرنا ضروری نہیں، بلکہ ایک آیت کو ناپسند کرنا بھی اعمال کی بربادی کے لیے کافی ہے۔“ (www.do3aa.net/marriage.html)

شیخ عبداللہ الفقیہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مرد کو دوسری شادی سے روکنے کا نہ تو بیوی کو حق ہے اور نہ ہی بیوی کے ولی کو حق ہے، لہذا عورت کو چاہیے کہ اس کا شوہر جب کسی دوسری عورت سے نکاح کا خواہش مند ہو تو اس کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے، کیونکہ اس کا یہ رکاوٹ ڈالنا بسا اوقات طلاق یا شوہر کے دل میں بیوی کی نفرت کا سبب بنتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کے احوال کو درست فرمائے۔“ (عبد اللہ الفقیہ، رقم الفتویٰ: 20033، www.islamweb.net)

خواتین کے لیے ایک بہترین کتاب:

”شادی سے شادیوں تک“ دو امریکی خواتین، اُم عبدالرحمن ہرش فیلڈ اور اُم یاسمین رحمن کے قلم سے اپنی نوعیت کی پہلی رہنما تصنیف ہے، جس میں انہوں نے ایک اہم معاشرتی بندھن کا علمی و عملی جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ ایسی دو صاحب ایمان خواتین کی کاوش ہے، جو دنیا کے سب سے ترقی یافتہ ملک میں پیدا ہوئیں، وہیں بڑھی پلئیں اور مروجہ تعلیمی نظام سے مستفید ہوئیں۔ انہوں نے اپنے گرد و پیش کے حالات پرچشم خود دیکھے، نہایت قریب سے انہیں محسوس کیا اور ان عورتوں کو بھی دیکھا جنہیں بظاہر بڑی ”آزادیاں“ حاصل ہیں، مگر یہ سب کچھ آزادیوں کے نام پر دیا گیا ایک دھوکہ ہے۔ مرد شادی تو ایک ہی کرتا ہے، مگر معاشرتی اسقام اور دانستہ کھلے چھوڑے گئے چور دروازوں سے اپنی ہوسنا کیوں کی تسکین کرتا رہتا ہے۔ اسلام اور مثالی اسلامی معاشرہ چونکہ کوئی چور دروازہ نہیں چھوڑتا، اور حدود کو پھلانگنے والوں کے لیے حد اور تعزیر کا اپنا ایک نظام رکھتا ہے، اس لیے اس نے مرد کے ذوق تنوع اور دیگر حقیقی ضرورتوں کو درونِ خانہ ہی پورا کرنے کا بندوبست کیا ہے، اسی کو تعددِ ازواج سے تعبیر کیا جاتا ہے، مگر ایک بیوی بالعموم دوسری بیوی کو برداشت نہیں کرتی، اسے سوکن قرار دے کر اپنی روایتی حریف سمجھتی ہے۔ مصنفات کتاب ہذا نے سوکن کے مروجہ مفہوم کے حوالے سے پھیلی ہوئی غلط فہمیاں دور کی ہیں اور اس تجربے میں سے بسلا مت گزر کر ثابت کر دکھایا ہے کہ اسلام نے جب تعددِ ازواج کی

اجازت دی ہے تو اس نے اس سے عہدہ برآ ہونے کی تدابیر بھی بتائی ہیں۔ وہ تدابیر کیا ہیں؟ اس سے آگہی کے لیے ان خواتین کی اس کاوش سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔ ہماری کتاب میں موجود مضمون ”محبت کی حقیقت“ بھی اسی کتاب سے لیا گیا ہے اور اب ہم اس کتاب کا آخری باب نقل کر رہے ہیں، جو خواتین کے لیے چند اہم نصیحتوں اور ضروری تدبیروں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ہم اپنی مسلم بہنوں اور بیٹیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ اس کتاب کا بغور و بضرور مطالعہ فرمائیں (جزاکم اللہ خیراً)۔

ضروری نصیحتیں اور تدابیر

پیاری بہن! میں شروع کرتی ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بے حد رحم کرنے والا ہے اور اس کے حضور میں بصد عجز و نیاز دعا کرتی ہوں کہ وہ ہمیں ان شرور سے بچائے جو ہم نے اپنے ہاتھوں خود پر مسلط کیے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اچھی مسلمان اور اچھی بیویاں بننے کی کوششوں میں کامیابی عطا فرما، ہمیں دینی فہم و بصیرت حاصل کرنے کی توفیق دے اور ہمارے اندر تقویٰ، ایمان اور صبر پیدا فرما۔

تعددِ ازواج کی زندگی میں پیدا شدہ مسائل اور جھیلے چند عوامل کا نتیجہ ہوتے ہیں (مثلاً: آیات کا غلط مطلب لینا، معاشرتی گمراہیاں اور دباؤ، منفی جذبات و احساسات، سوالوں کے غیر تسلی بخش جوابات، مسلمان مرد کی دوسری شادی کے محرکات کو نہ سمجھنا اور حسد پر قابو نہ پاسکنا وغیرہ)، جو ہمیں اس نظام پر سنجیدگی سے غور کرنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ تاہم خواتین کو یہ بات لازماً سمجھ لینی چاہیے کہ ہر مشکل کے بعد آسانیاں پیدا ہوتی ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہمیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ یہ دین ایک اجنبی مذہب کے طور پر آیا اور بالآخر اسی حالت پر چلا جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسلام ایک اجنبی مذہب کے طور پر شروع ہوا اور بالآخر اسی اجنبی حالت میں واپس جائے گا، جس پر اس کی ابتدا ہوئی، چنانچہ اجنبی لوگوں کے لیے خوشخبری ہے۔“ (مسلم ج: 145)

جہاں تک ہماری زندگی میں آنے والی مشکلات اور آزمائشوں کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کئی حل، کئی تدابیر اور علاج تجویز فرمائے ہیں، جن کے ذریعے سے اہل ایمان کو ایک دوسرے کا مددگار اور محافظ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں چند بہتر دوستوں سے نوازا ہے، جن کی ہمیں کبھی خواہش بھی ہو سکتی تھی۔ ان کے علم دین میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ ہم اللہ کی راہ میں ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد کرتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو شیطان مردود کی کارستانیوں سے بچاتی ہیں اور حتی الوسع بچانے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔ تاہم ہو سکتا ہے کہ آپ کی کوئی دوست ایسی نہ ہو، جو دین کا اچھا علم رکھنے کے ساتھ ساتھ تعددِ ازواج میں پیش آنے والے مسائل میں مدد و رہنمائی کرنے کی قابلیت بھی رکھتی ہو۔ اگر آپ سے ہماری جان پہچان ہوتی اور آپ ہم سے کوئی نصیحت یا مشورہ مانگتیں تو ہم آپ سے یہ کہتیں:

آپ کے انتہائی داخلی (Innermost) منفی احساسات پر قابو پانے کے لیے پہلا اور اہم ترین قدم یہ ہے کہ آپ اپنی عبادات، اپنے علم اور بعد ازاں اپنے ایمان میں اضافہ کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو

ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔“ (سورۃ الانفال: 2)

علاوہ ازیں حضرت جندب بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر راویوں کا فرمان ہے:

”ہم نے ایمان اور قرآن سیکھا تو ہمارے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔“ (شرح قصیدہ، ابن قیم 141/2)

علم ایک دریا کی مانند ہے جو یا تو زیادہ گہرا ہوتا ہے یا کم گہرا۔ اگر گہرا ہو تو وہ صاف بھی ہوتا ہے اور اس میں آپ تیزی سے سفر کر کے جلدی منزل مقصود پر پہنچ جاتی ہیں۔ اگر کم گہرا ہو تو وہ دھندلا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آپ صاف نہیں دیکھ پاتیں، رفتار بھی تیز نہیں رکھ سکتیں اور ہر دم خطرہ بھی محسوس کرتی رہتی ہیں۔ علم کے بغیر آپ ایمان کی اعلیٰ سطح پر نہیں پہنچ سکتیں۔ صحیح علم زندگی کی مشکلات اور آزمائشوں میں سے کامیابی سے گزرنے کے لیے بہت مددگار ہوتا ہے۔ تعددِ ازواج بھی انہی مسائل میں سے ہے۔ نمازیں پڑھنا، اسلامی کتب کا مطالعہ کرنا، قرآن مجید اور احادیث پڑھنا، انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ابتلاؤں اور آزمائشوں کے واقعات پڑھنا، منزل کو آسان بنادیتے ہیں۔ دنیا کی زندگی عارضی اور لحظاتی ہے، اس لیے آپ کو اگلے جہان کی طویل ترین اور پائیدار زندگی کی خوشیوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے سے میسر آ سکتی ہیں۔ علم حاصل کرنے سے آپ کو اللہ کی قربت ملے گی۔ یہ قربت نہ ہوئی تو آپ اپنے خیالات اور پریشانیوں میں گھری رہیں گی۔ آپ علم دین کو اپنا ہتھیار بنائیں، اگر یہ ہتھیار کمزور ہو تو آپ شیطان سے نہیں لڑ سکیں گی اور اپنی خواہشات اور جذبات سے مغلوب رہیں گی۔ اگر یہ مضبوط ہو تو نہ صرف شیطان پر کاری ضربیں لگا سکیں گی بلکہ جذبات کے فتنے سے بھی محفوظ رہیں گی۔ سر دست اگرچہ آپ اتنا گہرا مطالعہ نہیں کر سکیں گی، تاہم کوئی بھی دینی کتاب اٹھالیں، اس میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکامات ملیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ملیں گی۔ یہ چیزیں ان شاء اللہ آپ کی مدد کریں گی۔ دن میں جب بھی فرصت کے لمحات میسر آئیں قرآن مجید کی تلاوت سنا کریں۔ اگر اس کا ہر ہر لفظ نہ بھی سمجھ میں آئے تب بھی مقصد زندگی یاد آتا رہے گا۔ دیگر دینی موضوعات پر بھی ریکارڈنگ دستیاب ہیں، انہیں سننا اپنا مشغلہ بنا لیجیے تاکہ فاسد خیالات آپ کو پریشان نہ کر سکیں۔

تعددِ ازواج کے مسائل اور آزمائشوں سے نمٹنے کا آزمودہ نسخہ وہی ہے جس کا پیچھے ذکر آچکا ہے۔ اگر آپ کا ایمان مضبوط ہے تو آپ تکلیف دہ جذبات پر جلدی اور آسانی سے قابو پالیں گی، آپ کی عائلی زندگی اور آپ کی ذات کو کم سے کم نقصان پہنچے گا، لہذا ہم آپ کو دینی کتب پڑھنے، تلاوت کی ریکارڈنگ سننے، فرض اور مسنون نمازوں کے ساتھ ساتھ تہجد اور دیگر نوافل کی عادت ڈالنے کی بھی نصیحت کرتی ہیں، ان سے آپ کی دنیا اور عاقبت دونوں سنوریں گی۔ اللہ کے سامنے خشوع و خضوع سے دست دعا اٹھائیے۔ اس سے بھلائیوں مانگیے، تکالیف دور کرنے اور شیطان سے اپنے تحفظ کے لیے درخواست کیجیے۔ اللہ عزوجل کے سامنے اٹھایا ہوا ہاتھ کبھی خالی نہیں رہتا۔ اس نے آپ کو پیدا کیا ہے اور وہی آپ کی پریشانیوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ آپ کی پریشانیوں کو خوشیوں میں، آپ کے خوف کو امید میں، آپ کے غصے کو صبر میں، آپ کی افسردگی کو اطمینان میں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نادانیوں کو دانیوں میں بدل دے گا۔

خود کو شیطان کے وسوسوں سے بچانے کے لیے تعوذ (أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) کی طاقت استعمال میں لائیے۔ بد قسمتی سے خواتین اس حیرت انگیز ہتھیار کو مناسب طور پر استعمال نہیں کرتیں۔ ہم آپ کو پورے وثوق سے بتاتی ہیں کہ ہمارے پریشان کن خیالات کا پچاس فیصد سے زائد حصہ اس خبیث مخلوق شیطان کے وسوسوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب بھی منفی خیالات دماغ

میں آئیں، کسی چیز کی پریشانی یا خوف پیدا ہونے لگے حتیٰ کہ خوشی بھی ملے تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھیے۔ اسے بار بار بارود ہرائیے، اونچی آواز میں بھی کہیے، یقین کیجیے کہ یہ ہمارا مجرب اور مؤثر ترین نسخہ ہے۔ اسے آزما کر دیکھیے، ان شاء اللہ اس کے اثر سے کبھی مایوسی نہیں ہوگی۔

نسوانی جذبات:

اس کے بعد مسائل کا وہ مرکزی نکتہ رہ جاتا ہے جس سے نمٹنا اور کنٹرول کرنا ایک عورت کے لیے اہم ترین بات ہے۔ اس میں بھی آپ کو اللہ کی مدد درکار ہوگی۔ اس مدد کے واحد ذریعے سے اللہ کو بکثرت یاد کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، صلحائے اُمت اور علمائے کرام کی زندگیوں سے سبق لینا ہوگا۔ یہ ذکر اذکار اور ذوقِ مطالعہ آپ کو داخلی کشمکش پر قابو پانے میں بڑی مدد دے گا۔ اپنے آپ کو سمجھائیے اور اس حقیقت سے آگاہی پائیے کہ زندگی کے اور بھی کئی مسائل ہیں جو آپ کے داخلیت کے احساسات سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اپنی فطرت و نسوانیت اور اسلام میں اپنے مقام و حیثیت کا شعور حاصل کیجیے۔ نخوت اور گھمنڈ کو راہ میں حائل نہ ہونے دیجیے۔ اپنے اندر کی کیفیات کا سامنا کرتے ہوئے خوف اور غصے کے پیچھے پناہ نہ لیجیے۔ آپ کے ذہن یا جذبات کو کوئی دوسرا شخص کنٹرول نہیں کر رہا ہے۔ ممکن ہے آپ کو یہ تربیت ملی ہو اور آپ کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی ہو کہ عورت کے جذبات ”ناقابلِ کنٹرول“ ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو یقین دلایا گیا ہو کہ عورت کے غصے اور غضب کو اخراج کی راہ ضرور ملنی چاہیے، خواہ راستے میں حائل ہونے والی ہر چیز تباہ کیوں نہ ہو جائے، یہ بھی جھوٹ ہے۔ ایسی ذہنی اور نفسیاتی رکاوٹوں کی بنا پر آپ کو اللہ کی مدد کی اشد ضرورت ہے کہ وہ آپ کو اصل حقائق تک رسائی عطا فرمائے۔ مصلے پر بیٹھ جائیے، نوافل، سنتیں اور تہجد ادا کر کے دست دعا بلند کیجیے۔ جان لیجیے کہ اللہ جو سمیع و بصیر ہے، وہ آپ کے آنسوؤں کے ہر قطرے کو گرتے دیکھ رہا ہے۔ رجوع الی اللہ کی طاقت کے بارے میں کوئی شبہ نہ کیجیے۔ اس کا وعدہ ہے کہ ہر ہونے والی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا ہے۔ اس وعدے پر اعتبار کر کے اس سے مانگیے۔

اصل مسئلہ کیا ہے؟

جب آپ کو رجوع الی اللہ کی قوت حاصل ہونے لگے تو فوری طور پر اگلا قدم اٹھالیجیے۔ وہ یہ کہ آپ جو کچھ کرنا چاہتی تھیں اس کے بارے میں یہ تصور کیجیے کہ اس میں آپ کامیاب ہو چکی ہیں۔ یہ تصور ذہن میں لانا اگرچہ کچھ مشکل ہوتا ہے، لیکن جب یہ منزل آگئی تو آپ پر یک گونہ اطمینان کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ اب آپ یہ سوچنا شروع کر دیں کہ اصل مسئلہ یہ نہیں کہ آپ کا شوہر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ آپ شوہر کی ذات میں کوئی تقسیم نہیں چاہتیں، اس میں کسی کے ساتھ شرکت پسند نہیں کرتیں۔ اگر وہ روئے زمین پر چلنے پھرنے والوں میں سے بدترین شخص بھی ہوتا، آپ پھر بھی ایسا نہ کرتیں۔ اب آپ خود سے یہ پوچھیں کہ ایسا کیوں ہے؟ آپ کے پاس اس کی کئی وجوہ بھی ہوں پھر بھی آپ یہ سمجھیں کہ یہ محض آپ کے احساسات و جذبات ہیں، جن پر آپ کنٹرول کر چکی ہیں۔ اس نکتے پر پہنچنے کے بعد آپ اپنے جذبات کو بلیک کہہ کر جواب دے رہی ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ آپ کے جذبات آپ کو جواب دیتے اور آپ ان پر کنٹرول کرتیں؟ کیا آپ جانتی ہیں کہ اس کیفیت کو کیا کہا جاتا ہے؟ اسے

”ارادہ“ (Will) کہتے ہیں۔ زندہ رہنے اور لمبی عمر پانے کا ارادہ، سانس لینے کا ارادہ، محبت میں سرشار رہنے کا ارادہ، جدوجہد کرنے کا ارادہ، کچھ حاصل کرنے کا ارادہ اور تبدیلیاں لانے کا ارادہ۔ یہ آپ کا ارادہ ہے کہ حالات کا کنٹرول آپ کے ہاتھ میں ہو۔ یہ یقینی بات ہے کہ ان جذبات و احساسات کو ابھارنے میں آپ کا کچھ نہ کچھ دخل تھا، آپ اس الزام سے بچ تو نہیں سکتیں۔ احساسات عارضی اور ناپائیدار چیز ہوتے ہیں۔ جیسے ہم تبدیل ہوتے ہیں، ویسے وہ بھی تبدیل ہوتے ہیں۔ جیسے ہم جھکتے ہیں، ویسے وہ بھی جھکتے ہیں۔ جذبات و احساسات از خود فیصلہ نہیں کرتے کہ انہیں کیسا محسوس کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ آپ کرتی ہیں کہ آپ کیا محسوس کرتی ہیں؟ جیسا کہ ہم پیچھے کہہ آئی ہیں کہ عورت کے جذبات کو ناقابلِ کنٹرول قرار دینا محض تربیت اور حصولِ ٹریننگ کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ آپ کے لیے اس حقیقت کو سمجھنے کا وقت آچکا ہے کہ کسی مسئلے کے بارے میں اپنے جذبات و احساسات میں تبدیلی صرف آپ لاسکتی ہیں۔

جذبات کی اصلاح:

جذبات میں تبدیلی ایک تکلیف دہ عمل ہوتا ہے، کیونکہ اس کے دوران میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی کو جسمانی طور پر چیرا پھاڑا جا رہا ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت آپ اپنے دل و دماغ کو فرسودہ اور بے کار تصورات و افکار سے پاک کر کے صحت مند احساسات کے لیے جگہ بنانے کی کوشش کریں گی تو آپ بھی اس تکلیف دہ عمل سے گزریں گی۔ آپ قرآن و سنت کے مطابق زندگی اختیار کیجیے۔ یہ فیصلہ مت کیجیے کہ قرآن و سنت کا کون سا حصہ آپ کے لیے قابلِ قبول ہے اور کون سا نہیں۔ اور یہ سوچنے کی حماقت بھی نہ کیجیے کہ یہ منفی جذبات حقیقی اور فطری ہیں۔ اپنے من کی دنیا میں گہرا غوطہ لگائیے اور اپنے ارادے (Will) کو سمجھ کر باہر لائیے۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ آپ کا ارادہ کتنا طاقتور ہے؟ اپنی زندگیوں کو تباہ کرنے یا تعمیر کرنے کا فیصلہ صرف اور صرف آپ کے ارادے پر منحصر ہے۔ اپنے آپ کو ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے دور سے الگ نہ کیجیے، یہ مت کہیے کہ وہ زمانہ اور تھا اور یہ زمانہ اور ہے، اور تعددِ ازواج آپ کے لیے موزوں نہیں ہے۔ وہ آپ کی مائیں تھیں، آپ کی بہنیں، آپ کی دوست اور آپ کی رہنما تھیں۔ اپنے آپ کو اس روشنی سے محروم نہ کیجیے، جس میں انہوں نے اپنی زندگیاں گزاریں اور آپ کے لیے قابلِ عمل مثالیں قائم کیں۔ یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ آسان کاموں کو تو ہم اسلام کا حصہ تسلیم کریں اور جن کاموں میں کچھ مشکل پیش آئے، انہیں قصہ ماضی قرار دے کر ان سے پہلو تہی کرنے لگیں۔ جن ہستیوں نے ہمارے لیے عملی مثالیں چھوڑیں انہوں نے اس مذہب کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور اس کے لیے فاقے قبول کیے۔ اپنے بیٹے، بیٹیاں، خاوند، دوست اور والدین قربان کیے۔ انہوں نے اپنے کردار اور عمل سے جو ثابت کر دیا، اس کی توجہ نہ کرنا یا انکار مت کریں۔ اگر وہ خواتین اسلام کے لیے مسلسل اذیتیں برداشت کر سکتی تھیں تو آپ بھی اپنے اندر تبدیلیاں لانے پر قدرت رکھتی ہیں۔ اگر وہ اسلام سے محبت کی خاطر شہادت قبول کر سکتی تھیں تو آپ اپنے احساسات کو تبدیل کرنے پر بھی قادر ہیں۔ آپ کے لیے ”میں ایسا نہیں کر سکتی“ کے الفاظ کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

بلوغت کے تقاضے:

اس قسم کے خیالات پانی کی طرح کٹاؤ کرنے اور تباہ کن گڑھے پیدا کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں اور پگڈنڈیاں

میں آئیں، کسی چیز کی پریشانی یا خوف پیدا ہونے لگے حتیٰ کہ خوشی بھی ملے تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھیے۔ اسے بار بار دوہرائیے، اونچی آواز میں بھی کہیے، یقین کیجیے کہ یہ ہمارا مجرب اور مؤثر ترین نسخہ ہے۔ اسے آزما کر دیکھیے، ان شاء اللہ اس کے اثر سے کبھی مایوسی نہیں ہوگی۔

نسوانی جذبات:

اس کے بعد مسائل کا وہ مرکزی نکتہ رہ جاتا ہے جس سے نمٹنا اور کنٹرول کرنا ایک عورت کے لیے اہم ترین بات ہے۔ اس میں بھی آپ کو اللہ کی مدد درکار ہوگی۔ اس مدد کے واحد ذریعے سے اللہ کو بکثرت یاد کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، صلحاء اُمت اور علمائے کرام کی زندگیوں سے سبق لینا ہوگا۔ یہ ذکر اذکار اور ذوقِ مطالعہ آپ کو داخلی کشمکش پر قابو پانے میں بڑی مدد دے گا۔ اپنے آپ کو سمجھائیے اور اس حقیقت سے آگاہی پائیے کہ زندگی کے اور بھی کئی مسائل ہیں جو آپ کے داخلیت کے احساسات سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اپنی فطرت و نسوانیت اور اسلام میں اپنے مقام و حیثیت کا شعور حاصل کیجیے۔ نخوت اور گھمنڈ کو راہ میں حائل نہ ہونے دیجیے۔ اپنے اندر کی کیفیات کا سامنا کرتے ہوئے خوف اور غصے کے پیچھے پناہ نہ لیجیے۔ آپ کے ذہن یا جذبات کو کوئی دوسرا شخص کنٹرول نہیں کر رہا ہے۔ ممکن ہے آپ کو یہ تربیت ملی ہو اور آپ کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی ہو کہ عورت کے جذبات ”نا قابل کنٹرول“ ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو یقین دلایا گیا ہو کہ عورت کے غصے اور غضب کو اخراج کی راہ ضرور ملنی چاہیے، خواہ راستے میں حائل ہونے والی ہر چیز تباہ کیوں نہ ہو جائے، یہ بھی جھوٹ ہے۔ ایسی ذہنی اور نفسیاتی رکاوٹوں کی بنا پر آپ کو اللہ کی مدد کی اشد ضرورت ہے کہ وہ آپ کو اصل حقائق تک رسائی عطا فرمائے۔ مصلے پر بیٹھ جائیے، نوافل، سنتیں اور تہجد ادا کر کے دست دعا بلند کیجیے۔ جان لیجیے کہ اللہ جو سمیع و بصیر ہے، وہ آپ کے آنسوؤں کے ہر قطرے کو گرتے دیکھ رہا ہے۔ رجوع الی اللہ کی طاقت کے بارے میں کوئی شبہ نہ کیجیے۔ اس کا وعدہ ہے کہ ہر ہونے والی دعا کو شرف قبولیت بخشا ہے۔ اس وعدے پر اعتبار کر کے اس سے مانگیے۔

اصل مسئلہ کیا ہے؟

جب آپ کو رجوع الی اللہ کی قوت حاصل ہونے لگے تو فوری طور پر اگلا قدم اٹھالیجیے۔ وہ یہ کہ آپ جو کچھ کرنا چاہتی تھیں اس کے بارے میں یہ تصور کیجیے کہ اس میں آپ کامیاب ہو چکی ہیں۔ یہ تصور ذہن میں لانا اگرچہ کچھ مشکل ہوتا ہے، لیکن جب یہ منزل آگئی تو آپ پر یک گونہ اطمینان کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ اب آپ یہ سوچنا شروع کر دیں کہ اصل مسئلہ یہ نہیں کہ آپ کا شوہر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ آپ شوہر کی ذات میں کوئی تقسیم نہیں چاہتیں، اس میں کسی کے ساتھ شرکت پسند نہیں کرتیں۔ اگر وہ روئے زمین پر چلنے پھرنے والوں میں سے بدترین شخص بھی ہوتا، آپ پھر بھی ایسا نہ کرتیں۔ اب آپ خود سے یہ پوچھیں کہ ایسا کیوں ہے؟ آپ کے پاس اس کی کئی وجوہ بھی ہوں پھر بھی آپ یہ سمجھیں کہ یہ محض آپ کے احساسات و جذبات ہیں، جن پر آپ کنٹرول کر چکی ہیں۔ اس نکتے پر پہنچنے کے بعد آپ اپنے جذبات کو لبیک کہہ کر جواب دے رہی ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ آپ کے جذبات آپ کو جواب دیتے اور آپ ان پر کنٹرول کرتیں؟ کیا آپ جانتی ہیں کہ اس کیفیت کو کیا کہا جاتا ہے؟ اسے

”ارادہ“ (Will) کہتے ہیں۔ زندہ رہنے اور لمبی عمر پانے کا ارادہ، سانس لینے کا ارادہ، محبت میں سرشار رہنے کا ارادہ، جدوجہد کرنے کا ارادہ، کچھ حاصل کرنے کا ارادہ اور تبدیلیاں لانے کا ارادہ۔ یہ آپ کا ارادہ ہے کہ حالات کا کنٹرول آپ کے ہاتھ میں ہو۔ یہ یقینی بات ہے کہ ان جذبات و احساسات کو ابھارنے میں آپ کا کچھ نہ کچھ دخل تھا، آپ اس الزام سے بچ تو نہیں سکتیں۔ احساسات عارضی اور ناپائیدار چیز ہوتے ہیں۔ جیسے ہم تبدیل ہوتے ہیں، ویسے وہ بھی تبدیل ہوتے ہیں۔ جیسے ہم جھکتے ہیں، ویسے وہ بھی جھکتے ہیں۔ جذبات و احساسات از خود فیصلہ نہیں کرتے کہ انہیں کیسا محسوس کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ آپ کرتی ہیں کہ آپ کیا محسوس کرتی ہیں؟ جیسا کہ ہم پیچھے کہہ آئی ہیں کہ عورت کے جذبات کو نا قابل کنٹرول قرار دینا محض تربیت اور حصولِ ٹریننگ کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ آپ کے لیے اس حقیقت کو سمجھنے کا وقت آچکا ہے کہ کسی مسئلے کے بارے میں اپنے جذبات و احساسات میں تبدیلی صرف آپ لاسکتی ہیں۔

جذبات کی اصلاح:

جذبات میں تبدیلی ایک تکلیف دہ عمل ہوتا ہے، کیونکہ اس کے دوران میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی کو جسمانی طور پر چیرا پھاڑا جا رہا ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت آپ اپنے دل و دماغ کو فرسودہ اور بے کار تصورات و افکار سے پاک کر کے صحت مند احساسات کے لیے جگہ بنانے کی کوشش کریں گی تو آپ بھی اس تکلیف دہ عمل سے گزریں گی۔ آپ قرآن و سنت کے مطابق زندگی اختیار کیجیے۔ یہ فیصلہ مت کیجیے کہ قرآن و سنت کا کون سا حصہ آپ کے لیے قابل قبول ہے اور کون سا نہیں۔ اور یہ سوچنے کی حماقت بھی نہ کیجیے کہ یہ منفی جذبات حقیقی اور فطری ہیں۔ اپنے من کی دنیا میں گہرا غوطہ لگائیے اور اپنے ارادے (Will) کو کھینچ کر باہر لائیے۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ آپ کا ارادہ کتنا طاقتور ہے؟ اپنی زندگیوں کو تباہ کرنے یا تعمیر کرنے کا فیصلہ صرف اور صرف آپ کے ارادے پر منحصر ہے۔ اپنے آپ کو ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے دور سے الگ نہ کیجیے، یہ مت کہیے کہ وہ زمانہ اور تھا اور یہ زمانہ اور ہے، اور تعددِ ازواج آپ کے لیے موزوں نہیں ہے۔ وہ آپ کی مائیں تھیں، آپ کی بہنیں، آپ کی دوست اور آپ کی رہنما تھیں۔ اپنے آپ کو اس روشنی سے محروم نہ کیجیے، جس میں انہوں نے اپنی زندگیاں گزاریں اور آپ کے لیے قابل عمل مثالیں قائم کیں۔ یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ آسان کاموں کو تو ہم اسلام کا حصہ تسلیم کریں اور جن کاموں میں کچھ مشکل پیش آئے، انہیں قصہ ماضی قرار دے کر ان سے پہلو تہی کرنے لگیں۔ جن ہستیوں نے ہمارے لیے عملی مثالیں چھوڑیں انہوں نے اس مذہب کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور اس کے لیے فاقے قبول کیے۔ اپنے بیٹے، بیٹیاں، خاوند، دوست اور والدین قربان کیے۔ انہوں نے اپنے کردار اور عمل سے جو ثابت کر دیا، اس کی توہین یا انکار مت کریں۔ اگر وہ خواتین اسلام کے لیے مسلسل اذیتیں برداشت کر سکتی تھیں تو آپ بھی اپنے اندر تبدیلیاں لانے پر قدرت رکھتی ہیں۔ اگر وہ اسلام سے محبت کی خاطر شہادت قبول کر سکتی تھیں تو آپ اپنے احساسات کو تبدیل کرنے پر بھی قادر ہیں۔ آپ کے لیے ”میں ایسا نہیں کر سکتی“ کے الفاظ کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

بلوغت کے تقاضے:

اس قسم کے خیالات پانی کی طرح کٹاؤ کرنے اور تباہ کن گڑھے پیدا کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں اور پگڈنڈیاں

(Ruts) بھی بنا دیتے ہیں۔ ان گڑھوں اور پگھلاؤوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی طاقت اور مضبوطی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہے۔ اسی طرح خیالات بھی ذہن پر طویل عرصہ مسلط رہنے کی وجہ سے جامد اور سخت ہو جاتے ہیں، چنانچہ خواتین یوں سوچنے لگتی ہیں:

میں جانتی ہوں کہ اعتدال و توازن اسلام کا حصہ ہے، مگر یہ ہمارے لیے نہیں ہے۔۔۔ نہیں نہیں مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا۔۔۔!!!
تاہم اگر آپ خیال میں تبدیلی لائیں تو آپ کے احساس میں بھی تبدیلی کا آغاز ہو سکتا ہے۔ یہ بات بھی آپ کو معلوم ہونی چاہیے کہ اگر آپ میں نشوونما نہ ہو رہی ہو تو آپ جمود و تعطل کا شکار ہو جائیں گی۔ نشوونما کے عمل کے دوران میں تکلیف اور مشکل محسوس ہونا لازمی امر ہے۔ ترقی اور نشوونما محض آسانی ہی کا نام نہیں۔ جوں جوں آپ ترقی کی منازل طے کریں گی، اپنے اندر قوت بھی محسوس کرنے لگیں گی۔ آپ کی فکری اور نظریاتی قوت بڑھنے سے شیطان بھی خائف ہو جاتا ہے۔ اس کے چیلے چانٹے جو جنوں کی صورت میں بھی ہیں اور انسانوں کی شکل میں بھی، آپ کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا سب سے بڑا ہتھیار وسوسے ڈالنا ہوتا ہے۔ آپ بطور بندہ حق، شیطان اور اس کی ذریت کا مقابلہ کریں گی تو اللہ کی طرف سے آپ کی تائید و نصرت بڑھتی چلی جائے گی۔ خیالات و تصورات کی دنیا میں نشوونما کی مثال گاڑی کے گیس ٹینک کی طرح سمجھ لیں۔ آپ اپنے سفر کا آغاز بھرے ہوئے گیس ٹینک سے کرتی ہیں۔ جوں جوں فاصلہ طے ہوتا رہے گا، گیس کے ذخیرے میں کمی واقع ہوتی رہے گی، حتیٰ کہ ایک جگہ جا کر سارا ٹینک خالی ہو جائے گا۔ اگر ساتھ ساتھ ٹینک بھرانے (یعنی طاقت حاصل کرنے) کا سلسلہ بھی جاری رہے تو گاڑی کے اچانک رُک جانے کا کوئی خطرہ پیدا نہ ہوگا۔ ہمیں اپنی اخلاقی اور روحانی قوت کی ترقی کا اہتمام بھی کرتے رہنا چاہیے تاکہ باطل اور فرسودہ خیالات ہمارے وجود میں فساد پیدا نہ کر سکیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھیے کہ آپ کا اصل سفر جنت کی جانب ہے، اس منزل تک رسائی کے لیے اگر دنیا میں کچھ تکلیفیں برداشت کرنی پڑ جائیں تو یہ خسارے کا سودہ نہ ہوگا۔ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، ہماری زندگی کے ماہ و سال تیزی سے گزر رہے ہیں۔ ذرا سوچیں تو سہی کہ کیا یہ بات کل کی طرح نہیں لگتی کہ آپ پانچ سال کی ہوتی تھیں اور بغیر بچوں کے تھیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کتنی بڑی ہو گئیں؟ اب کیا پتہ کل آپ اللہ کے حضور میں دست بستہ کھڑی ہوں اور دل میں دعا کر رہی ہوں کہ میرے گناہ دھل جائیں۔

شیطانی وسوسے:

شیطان انسان کو بے وقوف بناتا ہے۔ وہی تو ہمیں بہکا تا ہے کہ تم اپنی خواہشات کے مطابق اللہ کے احکامات کے ایک حصے کا انکار کر سکتی ہو، اس انکار سے تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ قرآن اللہ کا کلام ہے، جس میں ہمارے لیے واضح احکامات اور ہدایات موجود ہیں۔ اسی اللہ نے آپ کو اور آپ کے شوہر کو تخلیق کیا۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ اس نے مرد اور عورت کو جس طرح پیدا کیا ہے، اس کی حکمت اور دانائی کا فرما تھی؟ آپ کا جواب یقیناً ہاں میں ہے۔ اس اقرار کے بعد آپ کو آگاہ رہنا چاہیے کہ جب اللہ اپنے اس بندے کے لیے کسی عمل کو جائز اور درست ٹھہراتا ہے تو آپ کے لیے بھی اس کے منافی طرز عمل اختیار کرنا درست نہیں۔

کیا اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا نہیں تھا کہ آپ نے اپنی بیویوں کے کہنے میں آکر اپنے لیے اللہ کی حلال کردہ چیز (یعنی شہد) کو حرام کیوں قرار دیا؟ اللہ ہماری فطرت کو بھی جانتا ہے اور مرد کی فطرت کو بھی۔ اپنے اسی علم اور حکمت کی بنا پر اس نے مرد کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دے رکھی ہے۔ اگر آپ اعتدال و توازن سے راہ فرار اختیار کرتی ہیں تو آپ اللہ کے فرمان سے گریز کر رہی ہیں۔ سوچئے کہ کیا آپ کا یہ طرز عمل درست ہے؟ کیا اس طرح آپ اللہ کو غصہ نہیں دلا رہی ہیں؟ اسلام نے مسلمان عورت پر بھی تو بڑے احسانات کیے ہیں، مثلاً: وہ مرد کی ملکیت (پر اپنی) ہوا کرتی تھی، جسے وہ فروخت کر دیا کرتا تھا۔ اسے بطور وراثت پالیتا اور اس کی کوئی شناخت بھی نہیں ہوا کرتی تھی۔ اگر اتنے حقوق مل جانے کے بعد آپ خاوند کو اللہ کے دیے ہوئے حق سے محروم رکھنا چاہتی ہیں یا ایک آیت کے انکار کا سبب بننا چاہتی ہیں تو آپ کوئی انصاف نہیں کر رہی ہیں۔ نہ تو خاوند آپ کے زیر قبضہ ہے اور نہ ہی آپ اس کی مقبوضہ جائیداد ہیں۔ خالق حقیقی نے آپ دونوں کو محبت اور رحم کے جذبات عطا کر کے یکجا کر دیا ہے تاکہ آپ اپنے خالق کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کر کے جنت کے حق دار بن سکیں۔ ہمیں یہ بات تو ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ ہمارے خاوندوں کو ہم سے محبت کرنی چاہیے، مگر ہم اس بات کو ہمیشہ بھول جاتی ہیں کہ خاوند ہماری سمت میں رہنمائی کر رہے ہیں۔ دنیا میں ہمارے اکٹھے کر دیے جانے کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ ہم ”نیکی و تقویٰ“ کے لیے ایک دوسرے کے معاون بنیں۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ کون کس سے زیادہ ہرجوش محبت کرتا (کرتی) ہے۔

آپ دونوں کے درمیان جو محبت رکھی گئی ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی محبت پر غالب نہیں آتی چاہیے۔ میاں بیوی کے درمیان محبت ”آقا اور غلام“ کے باہمی تعلق جیسا معاملہ نہیں کہ اگر چاہے تو آپ اس کے اشارہ ابرو پر گناہ پر گناہ کرتی چلی جائیں اور اس بات کو خاطر ہی میں نہ لائیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے لیے کیا حدود مقرر کر رکھی ہیں۔ یہ تو کوئی محبت نہ ہوئی، یہ تو غلامی ہوئی جو ہرگز پسندیدہ اور مطلوب زندگی نہیں ہے۔ اللہ نے مرد کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے، اسے اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حق ہے۔ اگر ہم اللہ کی محبت کو شوہر سے محبت پر مقدم رکھتی ہیں تو اعتدال و توازن سے متعلقہ قواعد پر عمل بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حصہ ہے۔

براہ راست جواب دہی:

اسلام نے آپ کو ایک مکمل شخصیت عطا کی ہے، آپ کا جنت میں داخلہ مرد کی طرف سے اجازت نامہ ملنے سے مشروط نہیں ہے، بلکہ آپ براہ راست اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ آپ اس کی مرضی سے مطابقت اختیار کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے طریقوں کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات ”مقی لوگوں“ کی زندگی کا حصہ ہیں۔ اگر آپ کو اس دنیا کی راحت و آرام ہی مطلوب ہے تو یہ مل سکتی ہے، مگر اس کی قیمت بہت زیادہ ادا کرنا پڑے گی، یعنی جنت کے حق سے محروم ہو جانا پڑے گا۔ کیا اتنی زیادہ قیمت ادا کرنا معقول بات ہے؟ شوہر کی محبت کو اللہ کی محبت پر مقدم رکھنا یا اس سے زیادہ اہم سمجھنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ اگر آپ ان خطوط پر سوچنا شروع کر دیں تو ان شاء اللہ قرآن و سنت کی تعلیمات آسانی سے آپ کی سمجھ میں آنے لگیں گی۔

آئیے ذرا آپ کی دوستوں کے بارے میں بھی بات کر لیں۔ بد قسمتی سے مسلمان، قرآن و سنت کے مقرر کردہ معیار کے مطابق اپنے دوستوں کا انتخاب نہیں کرتے۔ دوست فتنے کا بہت بڑا سبب بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ہر آدمی اپنے دوست کے مذہب کی پیروی کرتا ہے، چنانچہ اسے اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے۔“ (ابو داؤد ج: 4833، ترمذی ج: 2378، مسند احمد 303/2)

کردار اور رویے کے لحاظ سے دوستوں کی دو اقسام ہو سکتی ہیں۔ ایک قسم کے وہ دوست جو انسان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی طرف لے جاتے ہیں اور راہ حق میں اس کے معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کے دوست ”خواہش پرستوں“ میں سے ہوتے ہیں، جو صرف اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ معاملہ صرف نقد و اذواج کا نہیں ہے، بلکہ زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی دوستوں کا انتخاب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جو دوست دین کے معاملے میں مضبوط اور مستقل مزاج ہوتے ہیں، وہ ہمارے لیے اللہ کا بہت بڑا انعام ہوتے ہیں۔ کمزور کردار کے لوگ، جو گمراہیوں میں پڑے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی ادھر کی ترغیب دیتے ہیں، وہ محض فتنہ ہوتے ہیں، ان سے دور رہنے میں ہی عافیت ہوتی ہے۔ ان کی ایک واضح پہچان یہ ہوگی کہ جو نبی آپ ان کے سامنے خاوند کی دوسری شادی کے ارادے کا تذکرہ کریں گی، ان سے فوراً طلاق لینے کا مشورہ مل جائے گا۔ اگر ایسا ہو تو اس دوست سے کنارہ کشی کریں اور اس قسم کی دوستوں کو رہنما بنائیں جو دین کا فہم بھی رکھتی ہوں اور پُر خلوص بھی ہوں۔ ان سے اگر آپ مشورہ کریں گی تو آپ کو ان کی طرف سے خلع کے حق کے استعمال کا مشورہ آخری چارہ کار کے طور پر ملے گا اور وہ بھی معقولیت اور قابل قبول وجوہ سے مشروط ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو عورت معقول سبب کے بغیر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے گی اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔“

(مسند احمد 277/5)

اچھی اور سچی دوست ہمیشہ آپ کی بہتری اور آپ کے جنت کے راستے کو ملحوظ رکھے گی۔ وہ ہر قیمت پر سچ بولے گی، خواہ آپ کو کتنا بھی اس سے دکھ پہنچتا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس کی غیر جانبداری بھی، جانبداری محسوس ہوتی ہو، لیکن دلوں کا حال تو اللہ کو معلوم ہے، جو خیر و بصیر ہے۔ یہ بھی اچھی طرح جان لیجیے کہ ہر آدمی اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے اور کچھ دوست جہنم کی راہ بھی دکھاتے ہیں۔ شیطان آپ کی دوستوں ہی کو آپ کی گمراہی کا ذریعہ بنائے گا۔ اسے سرگوشیاں کرنا آتا ہے اور اسے یہ کام قیامت تک کرنا ہے۔ آپ اللہ کو دوست بنائیے۔ اگر آپ اس کو اپنا ولی اور دوست بنائیں گی تو آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی، اور اگر آپ نے اللہ کو دوست نہ بنایا تو آپ گوشت کا وہ ٹکڑا بن جائیں گی، جس پر بھیڑیے جھپٹ رہے ہوتے ہیں۔

جب آپ سیدھے راستے پر چل پڑیں تو اللہ سے مدد مانگتے ہوئے مستقل مزاجی سے سفر جاری رکھیں۔ اس راستے میں آپ کو چار قسم کی ضرور رساں چیزوں سے واسطہ پڑ سکتا ہے جو یہ ہیں: شکوک و شبہات، مفروضے، سرگوشیاں اور وسوسے۔ اگر آپ ان سے اپنا دامن بچاتی رہیں گی تو کرب کی راتوں، بے خوابیوں، غم و غصے اور اداسیوں سے محفوظ رہیں گی۔ ذیل میں ہم ان پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گی۔

شک و شبہات..... ”شک“ آپ کا دشمن ہے، کیونکہ یہ آپ کو بے وقوف بناتا ہے۔ یہ آپ کے جذبات کو اتھل پھل کر کے آپ پر دیوانگی طاری کر دیتا ہے۔ یہ زہر کے اس قطرے کی طرح ہے جو پانی کے گلاس میں شامل ہو کر آپ کے حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔ پھر آپ کے خون میں گردش کرنے لگتا ہے، اس کی وجہ سے آپ کی نظر، آپ کی سوچ اور آپ کے احساسات سمیت ہر چیز اور ہر ملاحظہ متاثر ہو جاتی ہے۔ نہ آپ صحیح دیکھنے اور صحیح سوچنے کے قابل رہتی ہیں اور نہ ہی اپنے احساسات کا صحیح اندازہ کر سکتی ہیں۔ شک میں پڑنا بہت آسان ہوتا ہے، کیونکہ شیطان اپنے وسوسوں کے ذریعے سے از خود آپ کو اس میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ اگر آپ اس پر غلبہ پالیں تو یہ آپ کی عظیم ترین فتح ہوگی۔ اپنے آپ کو مضبوط بنائیے اور شیطان کی مکاریوں سے بچنے کے لیے اللہ سے مدد مانگی رہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”برے گمان سے بچو، کیونکہ یقیناً برا گمان سب سے جھوٹی بات ہوتی ہے۔“ (بخاری ج: 6724)

مفروضے..... یہ بھی شکوک و شبہات جیسے ہوتے ہیں، کیونکہ یہ باہمی تعلقات کو دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔ ان کی راہ میں جو چیز بھی آئے اسے کھوکھلا کر ڈالتے ہیں۔ مفروضے خیالات کو بے قابو کر کے آپ کو بے وقعت کر دیتے ہیں۔ جو چیز روز روشن کی طرح دکھائی دے رہی ہو، اس پر دوراز کا قسم کے مفروضوں کے حوالے سے نظر نہ ڈالیں، یہ واضح کو غیر واضح اور مشکوک بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ کسی چیز کو اس وقت تک جاننے کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے جب تک وہ واضح اور براہ راست طریقے سے نہ بتائی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔“ (سورۃ الحجرات ایتہ: 12)

سرگوشیاں..... یہ انتہائی تباہ کن اثرات رکھتی ہیں، کیونکہ سرگوشیوں سے آپ کو جو کچھ سنائی دیتا ہے وہ درحقیقت سنا ہوا نہیں ہوتا۔ آپ کو دکھائی دیتا ہے، لیکن وہ درحقیقت دیکھا ہوا نہیں ہوتا۔ سرگوشیاں، شعبدہ بازی کی مانند ہوتی ہیں، جو آپ کو یہ تاثر دیتی ہیں کہ آپ دیکھ اور سن چکی ہیں، لیکن آپ نے صحیح چیز دیکھی ہے نہ سنی ہے، یا جس طرح آپ نے دیکھا اور سنا ہے، ایسا نہیں ہے۔ اپنے آپ کو اس کیفیت سے بچائیے اور کسی صورت بھی سرگوشیوں سے کام نہ لیجیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سرگوشیاں کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔“ (بخاری ج: 6056)

وسوسے..... چوتھا گناہ وسوسے ہیں، مثلاً: اس سوچ میں پڑ جانا کہ شوہر دوسری شادی کے سلسلے میں کیا کر رہا ہوگا؟ وسوسے دل پر خنجر کی طرح چر کے لگاتے رہتے ہیں۔ ان خنجروں سے بچنا آسان نہیں ہوتا۔ صرف اس چیز سے سروکار رکھیے جو براہ راست آپ پر اثر انداز ہوتی ہو، یا ہو سکتی ہو، مثال کے طور پر یہ جاننا کہ وہ ایک شامی عورت سے شادی کر چکا ہے۔ (یہ ایک 24 سالہ خاتون ہے جو اسلامک اسٹڈیز میں گریجویٹ ہے اور اب نقاب اوڑھنے کا ارادہ رکھتی ہے)، یہ بالکل غیر ضروری باتیں ہیں۔ آپ کو صحیح معلومات قدرتی طریقے سے مل جائیں گی، آپ کو ان کی ٹوہ میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ایسی سراغ رسانی تجسس آدمی کو فتنے میں ڈال دینے کا سبب بن جاتی ہے۔ خاوند اپنے روزمرہ کے کاموں کے لیے آج کہاں کہاں جائے گا، کب واپس آئے گا، اس کے ساتھ کون ہوگا (ہوگی)، وہ وہاں کیوں جا رہا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ آپ ان باتوں سے جتنی دور رہیں گی اتنی ہی مطمئن رہیں گی۔ وسوسوں میں مبتلا ہونا عورتوں کے مزاج کا خاصہ ہے، وہ شوہر کے مزاج میں ذرا سی تبدیلی پا کر شبہات اور مفروضوں میں پڑ جاتی

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے۔“ (سورۃ المائدہ: 35)

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اصل مالک و آقا کی خوشنودی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہیں اور اپنے دل و جان سے اور روح کی گہرائیوں سے اس کی عبادت کریں، کیونکہ دین و دنیا کی کامیابیاں حاصل کرنے کا یہ واحد راستہ ہے۔ اگر ہماری مساعی کا مدار اسی کی رضا طلبی ہو تو ہمارے لیے زندگی کی تمام آزمائشیں آسان ہو جاتی ہیں، جن میں تعددِ ازواج کا امتحان بھی شامل ہے، چنانچہ ہم نے اس کتاب کو مکمل کرنے سے پہلے اس میں یہ بات شامل کرنا ضروری خیال کیا ہے کہ عورتوں کو تعددِ ازواج کے مسائل سے کیسے عہدہ برآ ہونا ہے۔ اس کا بنیادی حل یہ ہے کہ ہم اللہ کی خوشنودی کے حصول کو سر فہرست رکھیں۔ جب ہم ایسا کر لیں گی تو ہمارے لیے کوئی مسئلہ، مسئلہ نہیں رہے گا اور کوئی مشکل، مشکل نہ رہے گی۔ اس سے ہمیں ایک کامل خوشی کا احساس ہوگا، کیونکہ ہماری مرضی اللہ کی مرضی کے تابع ہو جائے گی اور ہماری خواہشات بھی اس کی خوشنودی کے تابع ہو جائیں گی۔



ہیں اور ان کی بنا پر ٹوہ لگانا شروع کر دیتی ہیں اور ایسی ایسی جزئیات کے پیچھے پڑ جاتی ہیں جن کا ان سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ شیطان اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں وسوسوں کے چکر میں ڈال دیتا ہے۔

(یا اللہ! ہمیں، ہمارے نفس کے شرور سے بچا) آپ صرف اپنے کام سے کام رکھیں۔ ایک ایک بات سے ہزاروں چھوٹے چھوٹے سوال مت اٹھائیں، شک سے گریز کریں، مفروضوں سے بچیں، سرگوشیوں سے باز رہیں اور ٹوہ ہرگز نہ لگائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کسی شخص کے اسلام میں کامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر متعلقہ باتوں سے دور رہے۔“ (ترمذی ح: 2318)

دین مکمل ہو چکا ہے، آپ کو صرف اس کے علم اور طریق کار سے آگاہی حاصل کرنی ہے۔ خود کو دین کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لے اور ایمان میں ترقی کیجیے۔ ازواجِ مطہرات اور صحابیات کی زندگیوں کو اپنے لیے نمونہ عمل بنائیے۔ اگر دل پر غموں کا بوجھ ہو تو آنسو بہا کر جی ہلکا کر لیجیے اور پھر اپنے معمولاتِ زندگی میں جت جائیے۔ دین کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کیجیے۔ روحانی بالیدگی حاصل کیجیے اور شیطان لعین کو ناکام اور مایوس کر دیجیے۔ عبادت میں دلچسپی لیجیے تاکہ آپ کا ایمان ترقی پاتا رہے۔ حصولِ جنت کو اپنا حقیقی نصب العین بنائیے۔ اللہ سے دوستی اور قرب بڑھائیے، صراطِ مستقیم پر گامزن رہیے اور آخری نصیحت یہ ہے کہ اللہ کے کلام اور احکام کو حرفِ آخر سمجھیے۔ اگر ان باتوں کو پہلے باندھ لیں تو ان شاء اللہ خود کو بہت قوی اور نئی پائیں گی۔

ہماری مساعی

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مسلمان عورت کی بنیادیں بہت مضبوط ہونی چاہئیں تاکہ تعددِ ازواج کی صورت میں جذباتی مشکلات پر آسانی سے قابو پا سکے اور خاندانی زندگی کو بھی پرسکون اور قابلِ رشک بنا سکے۔ دین کی صحیح سمجھ کے بغیر کوئی مسلمان، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، نہ تو دنیا اور آخرت میں توازن قائم کر سکتا ہے اور نہ ہی خاندانی زندگی کے تقاضوں پر پورا اتر سکتا ہے۔ جب یہ بات ذہن نشین ہو جائے کہ ہماری زندگی کا بڑا مقصد اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنا ہے تو مسلمان عورت کے لیے تعددِ ازواج کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا آسان ہو جاتا ہے۔ زندگی کے اصل مقصد کو سمجھ لیا جائے تو پھر ہمارے جذبات و احساسات، ہمارے دل اور ہمارے اعمال تعددِ ازواج کے مسائل کے تابع نہیں بلکہ دین اسلام کے تقاضوں کے تابع ہو جائیں گے۔ ہم اگر صرف اللہ کی خوشنودی اور اخروی اجر و ثواب کے طلب گار ہو جائیں تو دنیا کی ہر مشکل ہمارے لیے آسان ہو جائے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”وہ (اہل ایمان) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، اللہ کے آگے رکوع اور

سجدے کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور (اے

نبی!) ان مومنوں کو خوشخبری دے دو۔“ (سورۃ التوبہ: 112)

یہ ہے ہماری مساعی و جدوجہد کا اصل مدار۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے ایسی زندگی اختیار کرنی چاہیے کہ ہم حقیقی طور پر ایمان لانے والے گروہ میں شمار کیے جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:



تعددِ ازواج

اور

دوسری بیوی کا کردار



بنایا، اس نے ایک ایسا قدم اٹھایا جو کوئی بھی عورت آج کے دور میں نہیں اٹھاتی۔ اس کی اس حوصلہ مندی و اعلیٰ ظرفی اور ہمدردی و خیر خواہی کی اس کو ضرور اچھی جزا ملنی چاہیے، نہ کہ تحقیر و تذلیل۔ جس طرح اس نے آپ کی زندگی کو خوشیوں اور راحتوں سے بھرنے کے لیے اتنی بڑی قربانی دی اسی طرح آپ کو بھی ہر وہ قربانی دینے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے کہ جس سے اس کو یہ احساس ہو کہ آپ کی وجہ سے اس کی خوشیاں ادھوری نہیں بلکہ دوہری ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مسلمان بہن ہونے کی حیثیت سے بھی وہ آپ پر حق رکھتی ہے اور رتبے کے اعتبار سے آپ کی بڑی بہن ہے اور ہر طرح سے عزت و اکرام کی مستحق ہے۔ اس لیے کسی بھی طرح سے اپنی سوکن کی دل شکنی کا ذریعہ بننے کے بجائے آپ کو چاہیے کہ اس کو اس کا جائز مقام دیں اور اس کے حقوق خوشدلی اور مخلصی کے ساتھ ادا کریں۔ اس طرح کرنے سے ایک خوشگوار اسلامی ازدواجی زندگی کو وجود اور فروغ ملے گا اور آپ کے شوہر کو بھی روحانی و جسمانی اور ذہنی قلبی سکون ملے گا، پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اجر عظیم آپ کو الگ ملے گا۔

سوکنوں کی مشترکہ ذمہ داری

تعددِ ازواج کی صورت میں تمام بیویوں کو ایک دوسرے کے حقوق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے، آپس میں پیار و محبت اور ہمدردی و ایثار کے ساتھ رہنا چاہیے اور ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہوئے غفودرگزر کا معاملہ کرنا چاہیے۔ اگر کبھی کوئی اونچ نیچ یا کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے یا طبعی اختلاف کی صورت پیش آجائے تو بالکل اسی طرح معاملے کو سلجھانا چاہیے جس طرح دو بہنیں یا گھر کے افراد مل بیٹھ کر باہمی مشورے اور حکمت و مصلحت کے ساتھ معاملے کو سلجھاتے ہیں اور اپنے دلوں کو ایک دوسرے کے لیے صاف رکھتے ہیں۔ یاد رکھیے! گھر کی عمارت اینٹوں کو جوڑنے سے بنتی ہے، مگر گھر کی زندگی دلوں کو جوڑنے سے بنتی ہے۔ لہذا کبھی بھی اپنی ذات سے کوئی ایسا ادنیٰ سا فعل بھی سرزد نہیں ہونے دینا چاہیے جو دلوں کو توڑنے یا خلش پیدا کرنے کا سبب بنے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”ایک عورت نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے، اگر میں اس کے سامنے (اس کو جلانے کے لیے) یہ ظاہر کروں کہ شوہر نے مجھے فلاں مال دیا ہے، حالانکہ اس نے مجھے وہ مال نہیں دیا تو کیا یہ گناہ ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چیز حاصل نہ ہو اس پر فخر کرنے والا اس شخص جیسا ہے جو جھوٹ کا دھرا لباس پہنے ہوئے ہو یعنی سر سے پاؤں تک جھوٹا ہو۔“ (بخاری 108/3)

سوکنوں کو حسد سے دور رہنا چاہیے:

ایک سے زائد بیویوں کے درمیان حسد کا پیدا ہونا ایک لازمی امر سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک انسان کے اندر دوسرے انسان کے لیے حسد انہ جذبات کسی نہ کسی درجے اور صورت میں کروٹیں لیتے رہتے ہیں اور بروقت ان پر قابو نہ پانے کی صورت میں بڑے بڑے اختلافات و خرافات کا باعث بن جاتے ہیں۔ دیگر رشتوں کی بہ نسبت سوکنوں کے درمیان اس چیز کا امکان مزید بڑھ جاتا ہے اور اس وجہ سے ان کے رشک و غیرت کے جذبات نفرت و عدوات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ شوہر کی تھوڑی سی بے توجہی و نظر اندازی، چاہے دانستہ طور پر ہو یا غیر دانستہ طور پر، بیویوں کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ وہ

تعددِ ازواج اور دوسری بیوی کا کردار

تعددِ ازواج کو کامیاب بنانے میں جہاں پہلی بیوی اہم کردار ادا کرتی ہے وہاں دوسری بیوی کا کردار بھی بہت اہم اور ضروری ہوتا ہے، کیونکہ دوسری شادی کی صورت میں اگر پہلی بیوی مخالفت نہیں کرتی اور اسے اللہ کی طرف سے عطا کردہ شوہر کا حق سمجھتی ہے، اپنے شوہر کی حمایت کرتی ہے اور اس کا ساتھ دیتی ہے یا صبر و تحمل اور برداشت کے ساتھ اپنے دل پر جبر کرتے ہوئے اس کو تسلیم کر لیتی ہے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیتی ہے، تو پھر دوسری بیوی حالات و معاملات کو بگاڑنے کے لیے مستعد ہو جاتی ہے۔ اس کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے مرد کے ساتھ منسلک ہونے جا رہی ہے، جس کے نکاح میں پہلے سے ایک عورت موجود ہے اور ایک ایسے گھر میں قدم رکھ رہی ہے، جس میں پہلے سے اس کی حریف سوکن موجود ہے۔ لہذا شروع دن ہی سے اس کی یہ نیت ہوتی کہ کسی طرح اپنے شوہر اور اس کے گھر پر اپنا تسلط قائم کر لے۔ اس کی خواہش اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ اس کا شوہر پورا کا پورا اس کا بن جائے اور زیادہ تر وقت اسی کے ساتھ گزارے، شوہر کی زیادہ تر ہمدردیاں اور کرم نوازیاں اسی کے لیے ہوں اور وہی اُس کی محبت اور توجہ کا مرکز بنی رہے۔

چنانچہ جو منفی کردار کبھی پہلی بیوی ادا کرتی ہے، اب اس کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے۔ اپنے شوہر کے سامنے وہ خود تو بڑی مخلص و خیر خواہ بنتی ہے، لیکن شوہر کو پہلی بیوی سے بدظن کرنے کے لیے ایک میدان تیار کرتی ہے اور اسی کوشش میں رہتی ہے کہ کسی طرح اپنی سوکن کو شوہر کی نظروں میں حقیر اور کم تر بنا دے۔ اس طرح شوہر اس کی طرف ہو جاتا ہے اور پہلی بیوی کو نظر انداز کرنے لگتا ہے اور بعض اوقات بدسلوکی پر اتر آتا ہے۔ ان حالات میں لوگ تو موقع کے انتظار میں ہوتے ہی ہیں، لہذا وہ باتیں بنانا شروع کر دیتے ہیں اور اُلٹا پہلی بیوی کو ہی کوٹنے لگتے ہیں کہ ہم نے تم کو پہلے ہی منع کیا تھا کہ اپنے شوہر کو دوسری شادی نہ کرنے دو۔۔۔ اب خود بھگتو۔۔۔! اس صورت میں پہلی بیوی کی بہت بری طرح سے دل شکنی ہوتی ہے، وہ سوچتی ہے کہ کیا اسی لیے میں نے اپنے جذبات و احساسات پر قابو پاتے ہوئے، اللہ و رسول کے حکم، کسی مسلمان بہن کی ضرورت یا شوہر کی خواہش کی خاطر اپنی رضامندی ظاہر کی تھی؟؟؟ اب یا تو صبر کرتے ہوئے وہ خاموشی کے ساتھ ہر ظلم کو سہتی رہتی ہے یا پھر جوابی کارروائی میں وہ بھی بہت کچھ کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں گھریلو زندگی کا سکون تباہ ہو جاتا ہے بلکہ پورا گھر اجڑ جاتا ہے اور بچوں کی زندگی الگ برباد ہو جاتی ہے۔

اس لیے دوسری بیوی کو یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر پر جتنا حق آپکا رکھا ہے اتنا ہی آپ کی سوکن کا بھی مقرر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی سوکن آپ کی بہت بڑی محسنہ بھی ہے کہ اس نے آپ کو خوشدلی کے ساتھ بحیثیت سوکن قبول کیا، اپنے شوہر اور گھر کے ذریعے آپ کو تحفظ دیا، اپنی خوشیوں میں شامل کیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے شوہر کی محبت میں آپ کو شریک

احساس کمتری میں مبتلا ہونے لگتی ہیں اور خود اپنی ہی نااہلی و ناتجہی کی وجہ سے ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بد ظن اور متغیر ہونے لگتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی بات پر ان کے درمیان سرد جنگ چھڑ جاتی ہے۔ گھر کا پُر امن اور پرسکون ماحول تباہ و برباد ہونے لگتا ہے، جس کا ذمہ دار وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو ٹھہراتی ہیں۔

اسلام میں دوسرے مسلمان کے بارے میں دل کے بالکل صاف ہونے اور ہر قسم کی نفرت و کدورت سے مبرا ہونے کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس طرح تعدد ازواج کی صورت میں سوکنوں کے لیے بھی لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس امر کا خیال رکھیں کہ ان کے حاسدانہ جذبات ایک دوسرے کے خلاف نفرت و عداوت میں نہ تبدیل ہو جائیں۔ اچھے باہمی تعلقات کے قیام اور ان کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ سوکنوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے حسد، کینہ، بغض، مقابلہ بازی اور دوسرے کو نیچا دکھانے کے جذبات نہ ہوں۔ ایک خاندان کے اندر یکجہتی اور باہمی خلوص، دوسرے کئی خاندانوں کو بھی قریب لانے اور بالآخر پورے معاشرے کے لیے خیر و برکت کا باعث بنتا ہے۔ مسلمانوں کا اتحاد نہ صرف یہاں ان کی سرخروئی اور اجتماعی قوت کی ضمانت ہے بلکہ جنت جانے کا راستہ بھی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”حسد سے بچو، یہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ ایندھن یا خشک گھاس کو جلا دیتی ہے۔“ (ابو داؤد ح: 4903)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایک دوسرے سے ناراضگی نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے رُخ نہ پھیرو اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی جائز نہیں۔“ (بخاری ح: 6065)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے اور دوسروں کے عیب تلاش نہ کرو، ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور ایک دوسرے سے نفرت و بغض نہ رکھو اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔“ (بخاری ح: 5143)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں بھی وہی بیماری آئی ہے جو تم سے پہلے گزری ہوئی قوموں میں آئی تھی، یعنی حسد اور بغض، یہ ایمان کو ختم کرنے والی چیز ہے۔ اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہو سکو گے جب تک کہ تم صاحب ایمان نہ بنو اور تم اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں بتا دوں کہ باہمی محبت کو کون سی چیز تقویت دے گی؟ اپنے مابین سلام کو پھیلاؤ۔“ (ترمذی ح: 2510)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو پیغمبر ہیں نہ شہید، مگر روزِ محشر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے مرتبے کی بنا پر پیغمبر اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے سے محض اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں، حالانکہ ان کے مابین نہ کوئی رشتہ داری ہے نہ مال و دولت وغیرہ کے دینے کی کوئی بات۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے ہونگے اور وہ روشن منبروں پر ہونگے۔ جب دوسرے لوگ خوف زدہ ہونگے تو وہ بالکل بے خوف ہوں گے اور جب

لوگ غمگین ہونگے تو انہیں اس وقت کوئی غم نہ ہوگا۔“ (ابو داؤد ح: 3527)

اس لیے ضروری ہے کہ ایک مؤمنہ و مسلمہ کی حیثیت سے ہر عورت اپنی سوکن بہن کے ساتھ عزت و احترام کا معاملہ کرے اور محض اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے ساتھ محبت و اکرام سے پیش آئے۔ اگر پھر بھی شیطان اس کے دل میں حسد کے جذبات داخل کر دے تو اس معاملے میں احتیاط کرے کہ اس کی زبان یا حرکات و سکنات سے اس کا اظہار نہ ہونے پائے۔ ہر مرد و عورت کو حسد میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ملتا ہے۔ کسی انسان کے دل کے اندر کیا ہے؟ اس پر اس کی کوئی پکڑ نہیں، لیکن وہ جو کچھ کہے گا یا کرے گا، اس کا اسے لازماً حساب دینا پڑے گا۔ شیخ السلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ”امراض القلوب“ میں فرماتے ہیں:

”کوئی انسان حسد سے گھلی طور پر پاک نہیں ہے، شرفاء اسے چھپا لیتے ہیں اور کم ظرف اس کا مظاہرہ کر دیتے ہیں۔“ مزید فرماتے ہیں:

”تم میں سے جو شخص اپنے دل میں دوسرے کے لیے حسد کے جذبات محسوس کرے تو انہیں تقویٰ اور صبر کی مدد سے زائل کرے۔۔۔ لیکن جو شخص زبان یا ہاتھ سے اپنے مسلمان بھائی کو نقصان پہنچائے گا تو اسے اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ جو شخص اللہ سے ڈرے اور صبر کا دامن پکڑے رکھے، اسے گنہگاروں میں شامل نہیں کیا جائے گا اور اللہ اسے تقویٰ کی بدولت فائدہ پہنچائے گا۔“ (www.islam-qa.com , Question Reference#12205)

سوکنوں کو ایک ہی گھر میں رہنا چاہیے:

باہمی پیار و محبت، لطف و عنایت اور اکرام و احترام کو بڑھانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بیویاں اگر سمجھدار ہیں تو ایک ہی گھر میں رہیں۔ پھر موجودہ دور میں ہر مرد کے بس کی بات ہوتی بھی نہیں کہ ہر بیوی کے لیے الگ گھر کا انتظام کر سکے، حالانکہ ایک ہی گھر میں الگ کمرے یا ایک ہی گھر کی متعدد منزلوں کی صورت میں اتنی جگہ ضرور ہوتی ہے کہ وہاں ایک سے زیادہ بیویوں کا انتظام ہو سکے۔ اس صورت میں بھی یہی مناسب ہے کہ دینی جذبے اور انسانی ہمدردی کے پیش نظر سوکنیں آپس میں قربانی و ایثار کا معاملہ برتنیں اور اپنے شوہر بلکہ معاشرے کے لیے آسانی پیدا کرنے کا باعث بنیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی فوائد ہیں جو ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے تمام بیویوں کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ شوہر ایک رات ایک کے ساتھ ہوگا اور دوسری رات دوسری کے ساتھ، لیکن ہوگا تو اُسی گھر میں۔۔۔! اس طرح شوہر کی جدائی کا احساس بھی نہ ہونے کے برابر رہے گا۔ پھر ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے جب ایک دوسرے کا احساس و لحاظ کیا جائے گا، تکلیف و پریشانی میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا جائے گا اور سب کا درد و غم ایک ہوگا تو یقیناً دل بھی ایک ہونگے۔ آپس کے فاصلے جتنے بڑھتے چلے جائیں گے، اتنی ہی دلوں کی دوریاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ ان کی اولادیں بھی ایک باپ کی ہونے کے باوجود ایک دوسرے کو اجنبی سمجھنے لگیں گی اور ان کے درمیان وہ اتحاد و اتفاق قائم نہ ہو سکے گا جو ایک باپ کی اولاد میں ہونا چاہیے۔ پہلی بیوی کے بچے دوسری ماں کی اور دوسری بیوی کے بچے پہلی ماں کی قدر و عزت نہیں جان سکیں گے۔ جناب علی حسن علی عبد المجید لکھتے ہیں:

”فاصلے دلوں میں بھی دوری پیدا کر دیتے ہیں اور میل ملاپ سے دلوں میں نرمی اور باہمی شفقت جنم لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو

سب عیبوں سے پاک ہے، اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے، ان کے میل جول کو پسند کرتا ہے اور ان کے دلوں کو بھی ایک دوسرے سے قریب تر کر دیتا ہے اور اس میں ان کی جامع بھلائی ہے۔“ (الہدایہ ص: 56، برہنہ 1995)

اس کے علاوہ ایک گھر ہونے کی وجہ سے ان کے شوہر کے لیے بھی ہر اعتبار سے سہولت و آسانی ہو جائے گی۔ اس کی جان، مال، وقت اور توجہ کی بچت ہوگی اور زیادہ فکر و پریشانی سے بھی چھٹکارہ ملے گا۔ یہی مال اور وقت وہ کسی دوسری دینی یا دنیاوی ضرورت میں کام لاسکے گا اور مزید بھاگ دوڑ کرنے کے بجائے اسے دین کے لیے زندگی گزارنے کا بھرپور موقع مل سکے گا۔

سوکنوں کو ازواجِ مطہرات سے سبق لینا چاہیے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی خوبصورت اور پاکیزہ زندگی میں ہر عورت کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ عظمتِ نبوت سے اُن کے دل نا آشنا نہیں تھے، لیکن بحیثیت شوہر جس طرح انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی و خوش کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ازواجِ مطہرات مسلمان خواتین کے لیے بہترین نمونہ عمل ہیں، نہ صرف تعددِ ازواج کے معاملے میں بلکہ دین کے تمام پہلوؤں کے بارے میں ان سے بہتر کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ ان میں سے ہر بیوی آٹھ سوکنیں رکھنے کے باوجود ایمان و عمل میں پختہ سے پختہ تر ہوتی رہی۔ یہ چیز بذاتِ خود ان کی عظمت کی گواہی ہے کہ انہوں نے اپنے دین اور اللہ و رسول سے محبت کو اپنی خواہشات و جذبات پر مقدم رکھا۔ اس لیے آپ خود کو ازواجِ مطہرات کی خادمہ سمجھ کر وہاں سے سبق لیں کہ اخوت اور عدل و مساوات میں کس طرح انہوں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا؟ اس طرح اللہ کو بھی راضی کیا اور اس کے رسول کو بھی۔

ازواجِ مطہرات کا تعلق مختلف طبقات و علاقاجات سے تھا۔ ان میں نوجوان بھی تھیں اور معمر خواتین بھی۔ بعض غلامی سے آزاد شدہ، جیسے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، بعض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین دوستوں کی صاحبزادیاں، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بعض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریبی رشتہ دار، جیسے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ اس لیے ان کی شخصیات میں کافی فرق تھا۔ ان کی دوستیوں اور واقفیتوں میں بھی بڑا تنوع تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہرات میں کس قسم کی رفاقت تھی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپس میں بہترین دوست تھیں یا ایک دوسرے کی دشمن تھیں؟ بلاشبہ وہ ایک دوسری کی بڑی عزت کرتی تھیں اور ایک دوسری کے ساتھ اللہ کی خاطر بطور مسلمان محبت کرتی تھیں۔ باہمی تعلق کے لحاظ سے خُسْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا (معاملات کی بھلائی میانہ روی میں ہے) کے اصول پر گامزن تھیں۔

بشری و فطری تقاضوں کی بنا پر رشک و غیرت کے جذبات ازواجِ مطہرات کے اندر بھی پیدا ہوئے، لیکن وہ اپنے جذبات پر قابو پانے میں بالعموم کامیاب رہیں۔ اگرچہ ہر کسی کے جذبات بے قابو ہو کر باہر بھی آگئے تو انہوں نے فوراً توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اس سے معافی مانگنا شروع کر دی اور دوسری باجی الوسخ اس غلطی سے اجتناب کرتی رہیں۔ ازواجِ مطہرات ایک دوسرے سے اپنے رشک و غیرت یا مسابقت کے جذبات سے بالاتر ہو کر سلوک کرتی تھیں اور اس میں انصاف و صداقت کے سوا

کوئی جذبہ کارفرمانہ تھا۔ ان کا باہمی طرزِ عمل راست بازی اور خیر خواہی پر مبنی تھا۔ آج کی مسلمان بیوی کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی سوکنوں سے، انہی کی مثال کو سامنے رکھ کر، سلوک کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی بیوی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام بیویوں سے محبت تھی، لیکن جو قلبی تعلق اور محبت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھا وہ کسی اور بیوی سے نہیں تھا، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بیویوں میں ہی نہیں، تمام لوگوں میں بھی سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ۔ (بخاری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا:

”عائشہ کی فضیلت عورتوں میں ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔“ (بخاری ج: 3769)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود فرماتی ہیں کہ مجھے ان چیزوں میں فضیلت حاصل ہے:

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نکاح سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام میری تصویر لے کر آئے۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں میرے علاوہ اور ایسی عورت نہیں آئی جس کے ماں باپ دونوں نے ہجرت کی ہو۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حالت میں بھی وحی آتی تھی جب میں آپ کے ساتھ لحاف میں لیٹی ہوتی تھی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں وفات پائی کہ آپ میری گردن اور گود کے درمیان میں تھے۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہی گھر میں دفن ہوئے۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی میں تھی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس وقت وفات ہوئی اس وقت میرے اور فرشتوں کے علاوہ وہاں کوئی موجود نہ تھا۔

☆ میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور میری برأت آسمان سے نازل ہوئی۔ (الاصابة)

اتنی بڑی فضیلت کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معاملہ اپنی سوکنوں کے ساتھ ہمیشہ محبت اور الفت آمیز رہا۔ ایک ہی وقت میں آپ کو آٹھ آٹھ سوکنوں کا سامنا رہا، لیکن کبھی بھی کوئی ایسا واقعہ سرزد نہ ہوا، جس سے معلوم ہو کہ آپ کا دل اپنی سوکنوں کے لیے صاف نہ تھا۔ شرفِ صحبت نے آپ کو ہر قسم کے زنگ و غبار سے پاک کر دیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفقت کے سائے تلے آپ نے اپنی تمام سوکنوں کے ساتھ ایک مثالی گھریلو زندگی گزاری، کئی مرتبہ اسفار بھی کیے اور ہنسی مزاق بھی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بھی آپ اپنی تمام سوکنوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتیں، ان کی تعریف فرماتیں اور ان کے حقوق کا پورا خیال رکھتیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ باقی تمام ازواجِ مطہرات کے لیے دس دس ہزار مقرر کیے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ازواج کے درمیان ہر چیز میں برابری فرماتے تھے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام ازواج مطہرات کا وظیفہ ایک جیسا مقرر فرمایا۔ (البیہقی 349/6)

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تھالی میں سچے موتی بھر کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجے، جن کی قیمت ایک لاکھ تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہدیہ قبول فرما کر اپنے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج میں تقسیم فرمادیا۔ (امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبد اللہ فارانی)

باقی ازواج مطہرات بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت فرماتیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ ہونے کی وجہ سے آپ کا بہت خیال رکھتیں۔ ازواج مطہرات کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کی خرابی کی خبر ہوئی تو سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئیں، انہوں نے محسوس کیا کہ اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں قیام کرنا چاہتے ہیں تو سب نے خوشی کے ساتھ اجازت دے دی اور اس دنیا میں آخری وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر وہیں رہے۔ (بخاری ج: 4450)

اس کے علاوہ بھی ازواج مطہرات میں جب کسی کی باری ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری زوجہ کے گھر میں قیام کا ارادہ فرماتے تو اجازت لیتے، ازواج مطہرات میں سے جن کی باری ہوتی، وہ نہایت خوش دلی سے اجازت دے دیتی تھیں، اس میں نہ ان کو بغض ہوتا تھا اور نہ حسد۔ ازواج مطہرات کا ایک بڑا عجیب اور پیارا معمول یہ بھی تھا، جس کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”امہات المؤمنین ہر رات اُس بیوی کے گھر اکٹھی ہو جاتیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام کے لیے آئے ہوتے تھے۔“ (مسلم ج: 1462)

اس اکٹھے ہونے کا اہتمام، ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہوا تھا۔ جس زوجہ محترمہ کا دن ہوتا دیگر ازواج مطہرات شام کو وہیں آ جاتیں۔ حدیث کے الفاظ بتاتے ہیں کہ ان خواتین کا آپس میں روزانہ ملاقات کی بنیاد پر میل جول رہتا تھا اور کوئی بھی خاتون اپنی سوکن کے وجود کی وجہ سے تعدد ازواج کے نظام سے گریز کا رویہ نہیں اپناتی تھیں۔

جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باحیات رہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا، یعنی ازواج مطہرات میں صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا بیوی تھیں۔ باقی ازواج مطہرات کے زمانے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود نہ تھیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ان کی یاد ہمیشہ زندہ رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری ازواج مطہرات کے سامنے اکثر ان کا ذکر خیر فرماتے اور ان کو یاد فرماتے، جس کی وجہ سے باقی ازواج مطہرات کو ان پر رشک آتا تھا، لیکن اس کے باوجود ان کی فضیلت و شرف سے کسی زوجہ محترمہ کو انکار نہ تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وہ تمام تر کارنامے جو آغاز اسلام سے متعلق ہیں، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا، مصائب میں مستقل رہنا اور مشکلات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل دہی کرنا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے ذریعے مروی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”جس قدر خدیجہ پر مجھ کو رشک آتا تھا کسی دوسری بیوی پر نہیں آتا تھا اور یہ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت یاد کیا

کرتے تھے اور سال میں ایک مرتبہ ان کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ان کی تمام سہیلیوں کو تحائف بھیجتے تھے، خدا نے اپنے رسول کی معرفت ان کو ایک بے غم ورنج جنت کی بشارت دی تھی۔“ (بخاری ج: 3816)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل قریب قریب دو نکاح فرمائے، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی نکاح کے 3 سال بعد ہوئی، لہذا وہ 3 سال بھی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا بیوی تھیں۔ کسی بھی دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تشریف آوری سے یہ بخوبی واقف تھیں اور پہلے سے ان کی موجودگی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علم میں تھی، ان حالات میں وہ ایک دوسرے کو اپنے حق میں خلل انداز تصور کر سکتی تھیں، لیکن نتائج اس قیاس طبعی کے بالکل خلاف تھے، تمام تر واقعات باہمی اتحاد اور محبت و انسیت کے ملتے ہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکثر گھریلو مشوروں میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رفیق تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”سودہ ایک مرتبہ میری زیارت کے لیے آئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں کے درمیان اس طرح بیٹھ گئے کہ ایک گھٹنہ میری گود میں اور دوسرا گھٹنہ سودہ کی گود میں، میں نے اٹھ کر سودہ کے لیے کچھ حریرہ پکایا پھر سامنے لا کر رکھا اور کہا حریرہ کھاؤ۔ سودہ نے کھانے سے انکار کیا تو میں نے سختی سے کہا کھاؤ ورنہ حریرہ چہرے پر مل دوں گی، پھر بھی اس نے انکار کیا تو میں نے پیالے میں سے تھوڑا حریرہ لے کر اس کے چہرے پر ملا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ کی گود سے اپنا گھٹنہ میری طرف بطور انتقام کے ہٹالیا، سودہ نے پیالے میں سے کچھ حریرہ لے کر میرے منہ پر مل دیا، یہ منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔“ (ابن ماجہ 142/1، البیہقی 216/4)

دو چار برس بعد جب حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بوڑھی ہو گئیں تو ان کو خیال ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دے دیں اور شرف صحبت سے محروم ہو جائیں، لہذا انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے شوہر والی خواہش تو نہیں ہے، آپ مجھے اپنے نکاح میں برقرار رکھیں اور میری باری کا دن عائشہ کو دے دیا کریں، میں یہ چاہتی ہوں کہ روزِ محشر آپ کی بیویوں میں میرا حشر ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرمالیا (مسلم ج: 1463)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”اپنی باری دوسرے کو بخشنے میں سودہ کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنا تھا۔“ (بخاری 352/1)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے حد متعرف تھیں، فرماتی ہیں:

”میں نے سودہ بنت زمعہ کے علاوہ کو عورت ایسی نہیں پائی، جس کے بارے میں مجھے یہ پسند ہو کہ میں اس کے روپ میں ہوتی، وہ بہت جوش و جذبے والی خاتون تھیں۔“ (بخاری، مسلم ج: 1463)

ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دوسرے کی اچھی دوست تھیں اور ہر ممکن طریقے سے دوستی نبھانے کے لیے کوشاں رہتی تھیں۔ ان کے درمیان نہایت لطف و محبت تھی، تمام امورِ خانگی میں دونوں کی ایک رائے ہوتی تھی اور برابر کی شریک رہتی تھیں، دیگر ازواج کے مقابلے میں یہ دونوں ایک دوسرے کی حامی تھیں۔

(بخاری، ترمذی، نسائی)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھیں۔ رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ کے قریب چلتے تھے اور ان سے باتیں بھی کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا: آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہو جاؤں پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: کیوں نہیں! اور دونوں نے اپنے اونٹ تبدیل کر لیے۔ رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والے اونٹ کی طرف بڑھے، مگر اس پر تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام کیا اور آخر تک ان کے ساتھ چلتے رہے۔ اس طرح حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ خواہش پوری ہو گئی۔ راستے میں حضرت عائشہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد بہت ستاتی رہی اور آخر کار انہوں نے اپنی ٹانگیں اذخر کی گھاس میں ڈال دیں اور کہا: یا اللہ ایک بچھو یا سانپ بھیج دے جو مجھے کاٹ لے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی ہوں! (ہو سکتا ہے کہ وہ اسی طرح میرے پاس آجائیں)۔ (بخاری ج: 5211)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ فقرت اور کرب و اذیت کی اس قدر شدید صورتحال کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے جذبات سے مغلوب نہ ہوئیں اور نہ ہی انہوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے کوئی سخت الفاظ منہ سے نکالے، بلکہ وہ صرف خود پر برہم ہوئیں کہ میں اس پر کیوں رضامند ہو گئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے سے محروم ہو گئی۔ مسلمان عورت کے کردار کا نمایاں پہلو اپنے وعدے کی پاسداری اور صداقت ہے۔ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نقصان کی صورت میں بھی طے شدہ معاہدے پر قائم رہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں نے نفلی روزہ رکھا، کسی نے ہدیے کے طور پر کھانا بھیجا تو انہوں نے اس کھانے کو کھا کر روزہ توڑ دیا۔ پھر کچھ دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جلدی سے بول پڑیں: اے اللہ کے رسول! میرا اور عائشہ کا نفلی روزہ تھا، ہمیں کچھ کھانا ہدیے کے طور پر آیا اور ہم نے اس پر روزہ افطار کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی جگہ پر ایک اور دن کا روزہ رکھ لو۔ اس لے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

”حفصہ مجھ پر کلام میں سبقت لے گئی اور یہ کیوں نہ ہوتا، آخر وہ اپنے باپ، عمر فاروق کی بیٹی تھی۔“ (ترمذی ج: 735)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے درمیان اچھے تعلقات تھے، جن کی بنا پر انہوں نے نفلی روزہ رکھ کر اکٹھے دن گزارنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ کبھی کبھی ان میں ٹکرا بھی ہو جایا کرتی تھی، اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری علالت میں فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کی امامت کرائیں۔ میں نے عرض

کیا: اگر ابوبکر آپ کی جگہ کھڑے ہو گئے تو وہ اپنے رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکیں گے، اس لیے براہ کرم

عمر کو امامت کرانے کا حکم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں:

میں نے حفصہ سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ ابوبکر اگر آپ کی جگہ کھڑے ہو گئے تو اپنے رونے کی وجہ

سے لوگوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکیں گے، اس لیے آپ عمر کو نماز پڑھانے کا حکم دیں، چنانچہ حفصہ نے اسی طرح کہہ دیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خاموش رہو! تم یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا: اس طرح کر کے مجھے تم سے کوئی اچھائی نہ مل سکی۔“ (بخاری ج: 679)

بلاشبہ یہ شدید رنج و غم کا وقت تھا، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے محبوب خاوند کا آخری وقت تھا، ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان آخری لمحات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہوں۔ اس حالت میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان سے ایسے الفاظ کا نکل جانا ایک قابل فہم بات ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونکہ بہت ہی کم عرصہ زندہ رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف 2 یا 3 ماہ گزرے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے حدیث کی کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مابین کوئی بھی واقعہ یا قول نہیں ملتا۔

عقل و فہم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام بیویوں میں ممتاز تھیں، صلح حدیبیہ میں قربانی کے موقع پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشورہ دیا وہ عورتوں کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ فقہی مسائل اور فتاویٰ میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد انہی کا درجہ ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قدر فرمایا کرتے تھے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمسرتھیں، لیکن ایک دوسرے کے نزدیک معزز و محترم تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے وقت حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

”آج اس ہستی کا انتقال ہوا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔“ (مسند رک الحاکم 13/4)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ دیکھ کر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

”عائشہ صدیقہ کے لیے جنت واجب ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں، اللہ ان پر رحمت

نازل فرمائے۔“ (مسند رک الحاکم 13/4)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت اعلیٰ اخلاق والی خاتون تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کا اکثر مقابلہ رہتا تھا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑے اونچے درجات و فضائل والی خاتون تھیں اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی یہ درجہ اور فضیلت حاصل تھی کہ ان کا نکاح آسمانوں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد ہونے کی بنا پر رشتے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب تھیں، لیکن اس کے باوجود ان کی باہمی زندگی ہمیشہ لطف و کرم سے پُر رہی۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کی طرف گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سلام کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی مبارک باد دی اور پوچھا: اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے، آپ نے اپنی نئی زوجہ کو کیسا پایا؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہر زوجہ محترمہ کے ہاں

تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے وہی فرمایا جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے اسی طرح پوچھا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا تھا۔ (بخاری، مسلم، نسائی، طبقات ابن سعد 104/8)

ازواج مطہرات کے باہمی تعلقات کے ضمن میں کئی مثالیں موجود ہیں، جن میں سے ایک واقعہ اقل ہے، جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر چھوٹے بہتان کی صورت میں سامنے آیا تھا۔ واقعہ اقل مختصر یہ ہے کہ سن 6 ہجری میں بنی مصطلق پر حملے سے واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتفاقاً ایک مقام پر پیچھے رہ گئیں جہاں قافلے نے پڑاؤ کیا تھا، کیونکہ قافلے کی روانگی کے موقع پر وہ اپنا ہار تلاش کرنے لگی ہوئی تھیں، جو قضاے حاجت کی جگہ پر کہیں گر گیا تھا۔ اہل قافلہ کا خیال تھا کہ وہ اونٹ کے ہودے میں بیٹھ چکی ہیں۔ ان دنوں وہ بہت ہلکی پھلکی تھیں۔ جب وہ ہار تلاش کر کے واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ ان کے بغیر ہی جا چکا ہے۔ وہ انتظار میں بیٹھ گئیں کہ جو نبی انہیں احساس ہوگا فوراً مجھے لینے آجائیں گے۔ اس طرح وہ تھک کر سو گئیں۔ حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو لشکر کے پیچھے تھے، صبح اس مقام پر آ پہنچے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پا کر انہیں بڑی عزت اور احتیاط کے ساتھ مدینہ لے آئے۔ اس کے بعد بعض لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان بازی کی ایک مہم چلا دی، جس میں ان کی پاک دامنی پر کچھڑا چھلانے کی کوشش کی گئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آیات برأت نازل فرما کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی کو ثابت کر دیا۔ (بخاری ج: 829)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعے پر بہت پریشان ہوئے اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کیا جانتی ہیں؟ جس پر وہ بولیں:

”اے اللہ کے رسول! میں یہ جھوٹا دعویٰ کرنے سے خود کو باز رکھتی ہوں کہ میں نے عائشہ کے بارے میں کچھ سنایا کچھ دیکھا ہے۔ میں ان کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتی کہ وہ بے حد نیک خاتون ہیں۔“ (بخاری ج: 4750)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی بنا پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ تعلق حریفانہ تھا، پھر بھی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کلمہ خیر کے سوا ایک لفظ تک نہ کہا، حالانکہ اس وجہ سے وہ آسانی کے ساتھ شیطان کے شر کا شکار ہو سکتی تھیں اور ایک ہی فقرے میں اپنے حریف کو شکست دے سکتی تھیں، لیکن وہ رقابت کے جذبات سے بالکل مغلوب نہ ہوئیں کہ وہ کذب بیانی میں ملوث ہو جائیں۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بطور مسلمان احترام کرتی تھیں اور ان سے وہی سلوک کرتی تھیں جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ کرنا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے اس احسان اور خوبی کو ہمیشہ شکرگزاری کے ساتھ یاد رکھتی تھیں اور فرماتی تھیں:

”ان کے زہد و تقویٰ نے ان کو میری برائی کرنے سے بچا لیا۔“ (بخاری، ازواج مطہرات حیات و خدمات ص: 160)

ایک مرتبہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہودیہ کہہ دیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہو گئے اور دو ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کلام نہیں فرمایا، آخر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئیں کہ تم بچ میں پڑ کر میرا قصور معاف کروادو۔ مد مقابل کو ڈھیر کرنے کا وہی موقع اب حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کو بھی حاصل تھا، لیکن انہوں نے خاص اس غرض سے اہتمام کے ساتھ بناؤ سنگھار کیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس سلیقے سے گفتگو کی کہ معاملہ صاف ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راضی ہو گئے۔ (مسند ابن حنبل 95/6)

مرنے کے بعد کسی کی خوبیوں کا اظہار مرنے والے کی اخلاقی زندگی کو حیات جاودانی بخشتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے حریف پر یہ آب حیات بھی برسایا۔ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

”افسوس! آج ایسی عورت گزر گئی جو بہت پسندیدہ اوصاف والی، عبادت گزار اور یتیموں اور یتیموں کی غم خوار تھی۔“

(مثالی مسلم خاتون ص: 294، ریاض النبیئل اسلامک پبلشنگ ہاؤس)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اعلیٰ صفات کو بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

”زینب مرتبے میں میرے مد مقابل تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں، میں نے ان سے زیادہ کوئی عورت دین دار، اللہ سے ڈرنے والی، سب سے زیادہ سچ بولنے والی، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی، سب سے زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والی نہیں دیکھی اور ان سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ کا قرب حاصل کرنے والی عورت نہیں دیکھی۔“ (مسلم، اسد الغابۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں:

”ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اپنی بیویوں کو خطاب کر کے فرمایا: تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ آکر ملے گی، جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہوگا۔ اس کے لیے ہم ازواج اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں، لیکن سب سے پہلے زینب بنت جحش کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود فیاضی اور سخاوت تھی۔ زینب اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور اس طریقے سے جو آمدن ہوتی تھی اسے خیرات کر دیتی تھیں۔“ (بخاری 1420)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مزید فرمایا:

”زینب سوت کا تا کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکروں کو دے دیا کرتیں، وہ لوگ اس سوت سے سیا کرتے اور اپنے سفر میں دوسرے کاموں میں لاتے۔“ (الہیثمی 289/8)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زینب سے بہت پیار تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ وقت گزارنا چاہتے تھے۔ وہ بے حد پارسا اور عبادت گزار تھیں، اکثر رات کو نوافل ادا کرتی رہتیں اور دن کو روزے سے ہوتی تھیں۔ فن کشیدہ کاری میں بڑی مہارت رکھتی تھیں، اس سے جو کچھ کماتیں، غریبوں میں بانٹ دیا کرتی تھیں۔“ (مثالی مسلم خاتون ص: 294)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت احادیث میں کچھ مذکور نہیں، صرف اتنا ملتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے بارے میں فرمایا:

”میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنے خاندان کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا، جن کی وجہ سے ایک دن میں اتنے گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔“ (امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبد اللہ فارانی)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی بھی موافق یا مخالف واقعہ احادیث میں مذکور نہیں، صرف اتنا ملتا ہے کہ مرض الموت میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلوایا، وہ آئیں تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے کہا:

”سوکنوں میں کچھ نہ کچھ کبھی ہو ہی جاتا ہے، اگر کچھ ہوا ہو تو خدا ہم سب کو معاف کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: خدا ہم سب کو معاف کرے اور تم کو اس سے بری کرے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: تم نے مجھے اس وقت خوش کیا، اللہ تم کو بھی خوش رکھے۔“ (طبقات ابن سعد)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت سلیقہ شعار تھیں اور کھانا پکانے میں خاص مہارت رکھتی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب دوسری ازواج کے ہاں باری ہوتی تو کھانا پکا کر ان کے گھر میں بھی بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک ہی ٹولی میں تھیں اور باہم ایک دوسرے کی حامی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”میں نے صفیہ سے بہتر کھانا پکانے والا کسی کو نہیں دیکھا۔“ (بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد 146/2)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات پر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ناراض ہو گئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئیں اور کہا: آپ جانتی ہیں کہ میں اپنی باری کسی چیز کے معاوضے میں نہیں دے سکتی ہوں، لیکن اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کرادیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کام کے لیے آمادہ ہو گئیں اور خوب بن سنور کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: عائشہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: یہ خدا کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ پھر تمام واقعہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راضی ہو گئے۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات ص: 191)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں صرف اتنا ملتا ہے کہ جب انہوں نے وفات پائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

”وہ ہم میں سب سے زیادہ پرہیزگار تھیں۔“ (تہذیب التہذیب، ابن حجر 453/12)

رشتک وغیرت کے فطری و بشری جذبات کی بنا پر ازواج مطہرات کے درمیان بعض اوقات سخت الفاظ کا تبادلہ بھی ہو جاتا تھا، مگر یہ ایسی صورت نہ تھی جس سے کشیدگی یا دشمنی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ان کے مابین مسابقت ہونا ایک قدرتی بات تھی، تاہم خیر سگالی کا جذبہ آخر کار غالب آ جاتا تھا۔ حقیقی مسلمانوں میں خواہ باہمی تعلقات کی نوعیت جو بھی ہو، اس میں عداوت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ازواج مطہرات تعلقات کی نزاکت کو جانتی تھیں اور اس بات سے آگاہ تھیں کہ ذرا سی بے احتیاطی بھی ان کے درمیان نفرت اور دشمنی کی دیوار کھڑی کر سکتی ہے، مگر انہوں نے ایسے جذبات کو سرے سے

اُبھرنے ہی نہ دیا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو ہر چیز پر مقدم رکھتی تھیں۔

ہم آج کی سوکنوں کے بارے میں بہترین دوستی یا بدترین دشمنی کی کہانیاں سنتے ہیں اور ان کے درمیان ہونے والے واقعات کے بارے میں ہم جو کچھ جانتے ہیں، ان کے مقابلے میں ازواج مطہرات کے مابین ہونے والے مکالمات بے حد چھوٹے تھے۔ وہ نہایت باوقار، معزز، متقی اور پرہیزگار خواتین تھیں۔ علم و ذہانت کے لحاظ سے بھی وہ بلند پایہ ہستیاں تھیں۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض کا موقع ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں علم کی دولت سے مالا مال کر دیا اور اس خزانے سے انہیں جو کچھ ملا وہ اس پر عمل بھی کرتی رہیں۔ وہ بطور بیوی اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ تھیں، دیگر مسلمانوں کی طرف سے خود پر عائد ہونے والے فرائض اور ذمہ داریوں سے بھی باخبر تھیں اور خاص طور پر اللہ کی طرف سے سونپی گئی ذمہ داریوں اور فرائض سے بھی عہدہ برآ ہوتی رہیں۔

بعض لوگ ازواج مطہرات سے ہونے والی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تعدد ازواج کتنی خوفناک رسم ہے؟ لیکن جب ان پر غور کیا جائے تو بہت مختلف صورت سامنے آتی ہے۔ احادیث میں جتنے واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں سے صرف چند ایک کو بخیرہ کہا جاسکتا ہے، زیادہ تر مثالیں اس امر کا تذکرہ ہیں کہ ازواج مطہرات میں رشتک وغیرت کے جذبات پائے جاتے تھے اور کبھی کبھار اپنے شوہر یا سوکن کے سامنے ان جذبات کا اظہار بھی کر دیتی تھیں، لیکن اس سے زیادہ کچھ بھی رونما نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے جذبات و احساسات کو آپس ہی میں گفتگو یا تبادلہ خیال کر کے نمٹا دیتی تھیں اور اپنے لیے یا اپنے شوہر کے لیے یا سوکن کے لیے فتنہ نہیں بننے دیتی تھیں۔

مثال کے طور پر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعوت ولیمہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دی گئی ضیافتوں میں سب سے بڑی ضیافت تھی، لیکن ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ اس ولیمہ کی وجہ سے کوئی حسد یا رشتک پیدا ہوا ہو یا دیگر ازواج نے کوئی ہنگامہ برپا کر دیا ہو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا جیسا ولیمہ کیا اتنا کسی بیوی کا نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا

ولیمہ کیا۔“ (بخاری ج: 5168)

ازواج مطہرات نے گھر میں امن کے لیے سینکڑوں مثالیں پیش کر دی ہیں۔ انہوں نے ہمیں سبق دیا ہے کہ ہم دوسروں کے لیے بھی وہی چیز پسند کریں جو ہمیں اپنے لیے پسند ہو اور خاوند ہمیں جو چیز دینے کے قابل ہو ہم اس پر قناعت کر لیں۔ وہ جو چیز مہیا نہ کر سکے اس پر اصرار کر کے اس کی دل آزاری نہ کی جائے۔ ازواج مطہرات صبر و قناعت کی وجہ سے اپنی تعدد ازواج کی زندگی سے بے حد مطمئن تھیں، بلکہ قابل رشتک زندگی گزار رہی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ اتنی خوش تھیں کہ وہ اپنی بہن کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں لانے کی متمنی تھیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:

”میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ابوسفیان کی بیٹی کو چاہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کیا کروں؟ میں نے کہا: اس سے شادی کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتی ہو؟ میں نے جواب دیا: اس وقت میں آپ کی کوئی ایک بیوی تو نہیں ہوں اور میں چاہتی ہوں کہ جو عورت آپ کے معاملے میں میرے ساتھ شریک ہو

وہ میری بہن ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مگر یہ میرے لیے جائز نہیں۔ میں نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ منگنی کا پیغام بھیج رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اُم سلمہ کی بیٹی کا تذکرہ کر رہی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ میری سوتیلی بیٹی نہ ہوتی تب بھی مجھ پر حرام ہوتی، کیونکہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔ میں نے اور ابو سلمہ نے ثوبیہ کا دودھ پیا ہے، لہذا تم مجھے اپنی بیٹیاں یا اپنی بہنیں شادی کے لیے پیش نہ کیا کرو۔“ (بخاری ج: 5106)

ڈاکٹر محمد علی ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

”ایک سچی مسلمان عورت، محبت اور نفرت کے سلسلے میں جذبات سے ہرگز مغلوب نہیں ہوتی۔ وہ جن عورتوں کو پسند نہیں کرتی ان کے بارے میں بھی معتدل، معروضی، منصفانہ اور حقیقت پسندانہ رویہ رکھتی ہے، ان کے بارے میں اس کی رائے معقولیت، مذہبی اصولوں اور خیر اندیشی پر مبنی ہوتی ہے۔ سوائے سچائی کے وہ ان سے متعلق کوئی گواہی نہیں دیتی۔ سوائے انصاف کے ان سے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیتی اور اُمہات المؤمنین کی مثال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی ہے، جو ایک دوسرے کے بارے میں حق و صداقت اور انصاف و تقویٰ پر مبنی رائے رکھتی تھیں۔“ (مثالی مسلم خاتون ص: 292)

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ:

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ شوہر کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ دوسری بیوی کا رویہ اچھا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے سوتیلے بچوں کے ساتھ نفرت و حقارت سے پیش آتی ہے اور کسی طرح بھی ان کے ساتھ محبت و شفقت کا معاملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی ہے۔ وہ بہت غیر معقول رویہ اختیار کرتی ہے اور سوتیلے بچوں اور ان کے باپ کے درمیان اختلافات کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ کسی طرح شوہر کے دل سے بچوں کی محبت کو کھرچ کر نکال دے۔ یہ بہت ظالمانہ فعل اور گناہ عظیم ہے۔ ایسے ناروا طرز عمل سے وہ خود اپنے آپ کو خوشیوں کی منزل سے دور کرتی ہے۔ پھر آج کے دور جہالت میں شروع شروع میں اکثر بچے اپنی نئی ماں سے خائف رہتے ہیں، اسے بن بلایا مہمان تصور کرتے ہیں اور بعض اوقات گستاخانہ رویہ بھی اپناتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے لاعلمی اور اسلامی تربیت میں کمی کے باعث وہ اپنی نئی ماں کے صحیح مقام و مرتبہ کو جاننے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ان حالات میں شوہر اور پہلی بیوی کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کو آنے والی نئی ماں کا ادب و احترام سکھائیں، لیکن اس سے زیادہ دوسری بیوی کے لیے ضروری ہے کہ اپنی محبت و شفقت اور حسن سلوک سے سوتیلی اولاد کے ذہنوں سے اس تصور کو دور کرے۔ لہذا ایک عورت جب ایسے مرد سے شادی کرتی ہے، جس کی پہلے سے اولاد ہو تو اس کو بہت سنبھل سنبھل کر چلنا چاہیے۔

یہ ایک دن کا کام نہیں، یقیناً اس کے لیے وقت اور صبر درکار ہوگا، لیکن ہر حال میں آپ کو اپنی سوتیلی اولاد کے دلوں کو جیتنا ہوگا اور ایسے راستے اختیار کرنے ہوں گے جن سے آپ ان کے دلوں کو جیت سکیں۔ اس کے لیے انتہائی درجے کی سوجھ بوجھ اور صبر و برداشت کی ضرورت ہوگی۔ آپ کو اس چیز کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ ان کے باپ کے پاس ان کی غلطی یا نافرمانی کی شکایت نہ کریں۔ اس سے ان کے دل مزید سخت ہو جائیں گے اور وہ آپ کے ساتھ دشمنی میں بہت آگے بڑھ جائیں گے۔ اگر کبھی کبھار اشد ضرورت پیش بھی آجائے اور بچوں کے ناروا سلوک اور غلطیوں پر سرزنش کے لیے ان کے باپ کو بتائے بغیر چارہ نہ ہو تو آپ ان کی

آپ کا شوہر جب اپنے بچوں کو سرزنش کر رہا ہو تو کبھی کبھار آپ خود بچوں کی طرف داری کریں اور شوہر کے آگے ڈھال بن کر کھڑی ہو جائیں۔ وہ آپ کے اس رویے سے ہرگز برا نہیں منائے گا، بلکہ ایک طرح کی فرحت محسوس کرے گا۔ وہ سمجھے گا کہ بچوں کی طرف داری کے اظہار سے بچے اپنی نئی ماں کے ساتھ جلد مانوس ہو جائیں گے اور اسے اپنا ہمدرد اور محافظ سمجھنے لگیں گے۔ اس قسم کے دوسرے طریقوں سے آپ کو ان بچوں کے دلوں کو جیتنا ہوگا۔ سوتیلی اولاد کے ساتھ سلوک کے لیے آپ کو تھوڑی سی سمجھداری اور صبر کی ضرورت ہوگی۔ غفلندی کے طریقے اپنا کر آپ بچوں کے دل جیت لیں گی اور یوں خود کو اور اپنے شوہر کو بہت سے مصائب سے بچالیں گی، جن کا سامنا ایسے بہت سے گھروں کو کرنا پڑتا ہے جہاں سوتیلی ماں اور بچے ہوتے ہیں۔

سوتیلے بچے آپ کے پاس امانت ہیں۔ آپ کو ان سے محبت کرنی چاہیے، ان کے مسائل کو سمجھنا چاہیے اور ان کے حل کرنے میں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ آپ کو چاہیے کہ سوتیلے بچوں کو ان کا صحیح مقام دیں اور ان کو تحفظ فراہم کریں۔ آپ ان کے ساتھ دشمنی مول نہ لیں اور نہ ہی ہمسری اور رقابت کریں۔ بعض اوقات سوتیلی ماں اپنی نوجوان سوتیلی بچیوں کی ہمسری کرنے لگتی ہے، ایسا رویہ ایک عورت کے لیے، جب کہ وہ ماں کی حیثیت رکھتی ہو، شایان شان نہیں۔ آپ کبھی بھی خاوند کو اس امتحان میں نہ ڈالیں جہاں اسے مجبور ہو کر بیوی یا بچے، دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے۔ بعض اوقات بیوی محسوس کرتی ہے کہ اس کا خاوند اپنے بچوں کی بے جا طور پر طرف داری کرتا ہے اور کسی وقت اس کے ساتھ سلوک بہتر نہیں کرتا، مگر آپ کو چاہیے کہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار شوہر کے سامنے نہ کریں۔ اگر آپ اپنے دل میں بھی ملال نہ لائیں تو بہتر ہے، کیونکہ ذہن کی پختگی اور صبر انسان کی شان اور مرتبے میں اضافہ کرتا ہے۔

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ کے سلسلے میں بھی ازواج مطہرات و اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی مثالی زندگی آپ کے سامنے ہے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لطن سے ان کی چار سوتیلی بیٹیاں (حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُم کلثوم، حضرت فاطمہ) موجود تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ سب اپنے سرال جا چکی تھیں۔ اس کے علاوہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال سن 6 ہجری میں ہوا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال سن 8 ہجری میں ہوا اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال سن 9 ہجری میں ہوا، صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک زندہ رہیں۔ سات آٹھ برس کے اس عرصے میں ان کے درمیان کسی قسم کا بھی کوئی ایسا واقعہ مذکور نہیں کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ سوتیلی ماؤں اور بیٹیوں کے دل باہم صاف نہ تھے۔ تمام واقعات ان کے باہمی میل ملاپ اور محبت و انسیت کو ثابت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کنواری تھیں، لیکن ان سے عمر میں پانچ چھ برس بڑی تھیں۔ جب وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں تو شادی کے لیے جن ماؤں نے سامان تیار کیا تھا، ان

وہ میری بہن ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مگر یہ میرے لیے جائز نہیں۔ میں نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ مگنی کا پیغام بھیج رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم ام سلمہ کی بیٹی کا تذکرہ کر رہی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ میری سوتیلی بیٹی نہ ہوتی تب بھی مجھ پر حرام ہوتی، کیونکہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔ میں نے اور ابوسلمہ نے ثوبیہ کا دودھ پیا ہے، لہذا تم مجھے اپنی بیٹیاں یا اپنی بہنیں شادی کے لیے پیش نہ کیا کرو۔“ (بخاری ج: 5106)

ڈاکٹر محمد علی ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

”ایک سچی مسلمان عورت، محبت اور نفرت کے سلسلے میں جذبات سے ہرگز مغلوب نہیں ہوتی۔ وہ جن عورتوں کو پسند نہیں کرتی ان کے بارے میں بھی معتدل، معروضی، منصفانہ اور حقیقت پسندانہ رویہ رکھتی ہے، ان کے بارے میں اس کی رائے معقولیت، مذہبی اصولوں اور خیر اندیشی پر مبنی ہوتی ہے۔ سوائے سچائی کے وہ ان سے متعلق کوئی گواہی نہیں دیتی۔ سوائے انصاف کے ان سے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیتی اور اہمات المؤمنین کی مثال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی ہے، جو ایک دوسرے کے بارے میں حق و صداقت اور انصاف و تقویٰ پر مبنی رائے رکھتی تھیں۔“ (مثالی مسلم خاتون ص: 292)

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ:

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ شوہر کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ دوسری بیوی کا رویہ اچھا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے سوتیلے بچوں کے ساتھ نفرت و حقارت سے پیش آتی ہے اور کسی طرح بھی ان کے ساتھ محبت و شفقت کا معاملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی ہے۔ وہ بہت غیر معقول رویہ اختیار کرتی ہے اور سوتیلے بچوں اور ان کے باپ کے درمیان اختلافات کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ کسی طرح شوہر کے دل سے بچوں کی محبت کو کھرچ کر نکال دے۔ یہ بہت ظالمانہ فعل اور گناہ عظیم ہے۔ ایسے ناروا طرز عمل سے وہ خود اپنے آپ کو خوشیوں کی منزل سے دور کرتی ہے۔ پھر آج کے دور جہالت میں شروع شروع میں اکثر بچے اپنی نئی ماں سے خائف رہتے ہیں، اسے بن بلایا مہمان تصور کرتے ہیں اور بعض اوقات گستاخانہ رویہ بھی اپناتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے لاعلمی اور اسلامی تربیت میں کمی کے باعث وہ اپنی نئی ماں کے صحیح مقام و مرتبہ کو جاننے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ان حالات میں شوہر اور پہلی بیوی کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کو آنے والی نئی ماں کا ادب و احترام سکھائیں، لیکن اس سے زیادہ دوسری بیوی کے لیے ضروری ہے کہ اپنی محبت و شفقت اور حسن سلوک سے سوتیلی اولاد کے ذہنوں سے اس تصور کو دور کرے۔ لہذا ایک عورت جب ایسے مرد سے شادی کرتی ہے، جس کی پہلے سے اولاد ہو تو اس کو بہت سنبھل سنبھل کر چلنا چاہیے۔

یہ ایک دن کا کام نہیں، یقیناً اس کے لیے وقت اور صبر درکار ہوگا، لیکن ہر حال میں آپ کو اپنی سوتیلی اولاد کے دلوں کو جیتنا ہوگا اور ایسے راستے اختیار کرنے ہوں گے جن سے آپ ان کے دلوں کو جیت سکیں۔ اس کے لیے انتہائی درجے کی سوجھ بوجھ اور صبر و برداشت کی ضرورت ہوگی۔ آپ کو اس چیز کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ ان کے باپ کے پاس ان کی غلطی یا نافرمانی کی شکایت نہ کریں۔ اس سے ان کے دل مزید سخت ہو جائیں گے اور وہ آپ کے ساتھ دشمنی میں بہت آگے بڑھ جائیں گے۔ اگر کبھی کبھار اشد ضرورت پیش بھی آجائے اور بچوں کے ناروا سلوک اور غلطیوں پر سرزنش کے لیے ان کے باپ کو بتائے بغیر چارہ نہ ہو تو آپ ان کی

شکایت تنہائی میں اس طرح کریں کہ بچے اس سے آگاہ نہ ہونے پائیں۔ نیز آپ اپنے شوہر سے وعدہ بھی لے لیں کہ وہ بچوں کو اس بارے میں نہیں بتائے گا کہ شکایت ان کی نئی ماں نے کی ہے۔ اب یہ باپ پر موقوف ہے کہ بیوی کو شریک کیے بغیر وہ خود ان سے کس طرح پنتا ہے۔

آپ کا شوہر جب اپنے بچوں کو سرزنش کر رہا ہو تو کبھی کبھار آپ خود بچوں کی طرف داری کریں اور شوہر کے آگے ڈھال بن کر کھڑی ہو جائیں۔ وہ آپ کے اس رویے سے ہرگز برا نہیں منائے گا، بلکہ ایک طرح کی فرحت محسوس کرے گا۔ وہ سمجھے گا کہ بچوں کی طرف داری کے اظہار سے بچے اپنی نئی ماں کے ساتھ جلد مانوس ہو جائیں گے اور اسے اپنا ہمدرد اور محافظ سمجھنے لگیں گے۔ اس قسم کے دوسرے طریقوں سے آپ کو ان بچوں کے دلوں کو جیتنا ہوگا۔ سوتیلی اولاد کے ساتھ سلوک کے لیے آپ کو تھوڑی سی سمجھداری اور صبر کی ضرورت ہوگی۔ عقلمندی کے طریقے اپنا کر آپ بچوں کے دل جیت لیں گی اور یوں خود کو اور اپنے شوہر کو بہت سے مصائب سے بچا لیں گی، جن کا سامنا ایسے بہت سے گھروں کو کرنا پڑتا ہے جہاں سوتیلی ماں اور بچے ہوتے ہیں۔

سوتیلے بچے آپ کے پاس امانت ہیں۔ آپ کو ان سے محبت کرنی چاہیے، ان کے مسائل کو سمجھنا چاہیے اور ان کے حل کرنے میں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ آپ کو چاہیے کہ سوتیلے بچوں کو ان کا صحیح مقام دیں اور ان کو تحفظ فراہم کریں۔ آپ ان کے ساتھ دشمنی مول نہ لیں اور نہ ہی ہمسری اور رقابت کریں۔ بعض اوقات سوتیلی ماں اپنی نوجوان سوتیلی بچیوں کی ہمسری کرنے لگتی ہے، ایسا رویہ ایک عورت کے لیے، جب کہ وہ ماں کی حیثیت رکھتی ہو، شایان شان نہیں۔ آپ کبھی بھی خاوند کو اس امتحان میں نہ ڈالیں جہاں اسے مجبور ہو کر بیوی یا بچے، دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے۔ بعض اوقات بیوی محسوس کرتی ہے کہ اس کا خاوند اپنے بچوں کی بے جا طور پر طرف داری کرتا ہے اور کسی وقت اس کے ساتھ سلوک بہتر نہیں کرتا، مگر آپ کو چاہیے کہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار شوہر کے سامنے نہ کریں۔ اگر آپ اپنے دل میں بھی ملال نہ لائیں تو بہتر ہے، کیونکہ ذہن کی پختگی اور صبر انسان کی شان اور مرتبے میں اضافہ کرتا ہے۔

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ کے سلسلے میں بھی ازواج مطہرات و اہمات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی مثالی زندگی آپ کے سامنے ہے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لطن سے ان کی چار سوتیلی بیٹیاں (حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ) موجود تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ سب اپنے سرال جا چکی تھیں۔ اس کے علاوہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال سن 6 ہجری میں ہوا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال سن 8 ہجری میں ہوا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال سن 9 ہجری میں ہوا، صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک زندہ رہیں۔ سات آٹھ برس کے اس عرصے میں ان کے درمیان کسی قسم کا بھی کوئی ایسا واقعہ مذکور نہیں کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ سوتیلی ماؤں اور بیٹیوں کے دل باہم صاف نہ تھے۔ تمام واقعات، ان کے باہمی میل ملاپ اور محبت و انسیت کو ثابت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کنواری تھیں، لیکن ان سے عمر میں پانچ چھ برس بڑی تھیں۔ جب وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں تو شادی کے لیے جن ماؤں نے سامان تیار کیا تھا، ان

میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آگے آگے تھیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان لپٹا، بستر لگایا، کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے، لکڑی کی الٹنی تیار کی تاکہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں اور دعوت میں منہ پیش کیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں: فاطمہ کے بیاہ سے اچھا میں نے کوئی بیاہ نہ دیکھا۔ شادی کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس حجرے میں رہتی تھیں، اس میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا۔ درمیان میں ایک دریچہ تھا، اس دریچے سے آپس میں بات چیت بھی ہو جاتی تھی۔ (بخاری، ابن ماجہ)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ہاتھ سے کام کرتے کرتے تھک گئی تھیں، ایک خادمہ کی درخواست کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت موجود نہ تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وکیل بنا کر واپس چلی گئیں کہ وہ ان کی طرف سے درخواست پیش کر دیں۔ (بخاری)

بہن کی تعریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”میں نے فاطمہ سے بہتر انسان ان کے باپ کے سوا کوئی اور نہیں دیکھا۔“ (الطبرانی)

ایک تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون محبوب تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: فاطمہ۔ پھر فرمایا: میں نے فاطمہ سے زیادہ اٹھنے بیٹھنے کے طور طریقوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ جب فاطمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں، باپ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (مسلم، ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”ایک دن ہم سب بیویاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھی تھیں کہ فاطمہ آگئیں۔ ان کی چال بالکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال تھی۔ ذرا بھی فرق نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت عزت سے ان کو اپنے پاس بٹھایا، پھر دبی آواز میں ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ وہ سن کر رونے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بے قراری دیکھ کر پھر کان میں کچھ فرمایا تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ان سے کہا: فاطمہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تم سے راز کی باتیں کرتے ہیں اور تم روتی ہو۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے گئے تو میں نے ان سے پوچھا: فاطمہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے تھے؟ اس پر فاطمہ بولیں: میں باپ کا راز نہیں کھولوں گی۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو میں نے دوبارہ کہا: فاطمہ! تم پر میرا جو حق ہے میں تمہیں اس کا واسطہ دیتی ہوں، اس دن کی بات مجھ سے کہہ دو۔ فاطمہ نے جواب دیا: ہاں! اب یہ ممکن ہے، میرے رونے کا سبب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جلد وفات کی اطلاع دی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم دنیا کی تمام عورتوں کی سردار بنو؟“ (بخاری)

کیا آج کی عورت ازواج مطہرات جیسی نہیں بن سکتی؟

بہت سی مسلمان خواتین یہ کہہ سکتی ہیں کہ ازواج مطہرات جیسی عظمت و بلندی ہم کہاں سے لائیں؟ ہمیں تو اپنی بات سوچنی ہے۔ اس ضمن میں ہمارا موقف یہ ہے کہ ٹھیک ہے، آج کی مسلمان عورت عائشہ صدیقہ نہیں بن سکتی، لیکن وہ ایک مومنہ تو بن سکتی ہے؟ اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ ہو کر دوسروں سے تو بہتر ہو سکتی ہے؟ اگر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اپنے لیے نمونہ نہ بنائیں تو کس کو بنائیں؟ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو تعدد ازواج کی عملی خرابیوں کے اس دور میں ایک اچھی مثال سے محروم ہو جائیں گے۔ اُم عبد الرحمن اور اُم یاسمین رحمٰن اپنی تصنیف میں لکھتی ہیں:

”آج کی مسلمان خواتین کو چاہیے کہ وہ تعدد ازواج کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ اس کا وہی طریقہ ہے جو ازواج مطہرات نے اختیار کیا۔ مسلمان عورتوں کا یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ وہ ازواج مطہرات کی طرح زندگی نہیں گزار سکتیں ہیں اور نہ ہی آج کی دنیا میں یہ سب کچھ قابل عمل ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ ازواج مطہرات سے جو غلطیاں بہ تقاضائے بشریت سرزد ہوئیں، انہیں تعدد ازواج سے پہلو تہی کے لیے جواز بنایا جائے۔ ہمیں اپنے لیے مثبت طور پر سوچنا چاہیے اور مخلص مومن کی سطح پر پہنچنے کے لیے اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مذہب سکھانے کے لیے مبعوث ہوئے اور آپ نے زندگی کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ اسلام نے ہمارے تمام جذبات و احساسات، خیالات و معاملات اور مسائل کا حل پیش کر دیا ہے۔ اُمہات المؤمنین کی زندگیاں ہمارے لیے ایک روشن مثال ہیں۔

ہمیں ازواج مطہرات کی زندگیوں کو اپنے لیے مشعل راہ بنانا چاہیے اور یہ جان لینا چاہیے کہ ان کے لیے دین ہمیشہ ہر چیز پر مقدم رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی خوشنودی ان کی اولین منزل تھی۔ اگر ان میں کوئی منفی جذبات پیدا ہو جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ خود بخود دب جاتے تھے۔ اس معاملے میں وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا: تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دو ہراجر دیں گے۔ (سورۃ الاحزاب: 31)

چنانچہ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، ان سے سیکھنا چاہیے، ان کے تجربات سے سبق لینا چاہیے، ان سے سرزد ہونے والی مبینہ غلطیوں سے اجتناب کرنا چاہیے، اپنے اندر عبادت و ریاضت کا ذوق و شوق پیدا کرنا چاہیے، علم حاصل کرنا چاہیے اور تقویٰ کی راہ اپنانی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ خوش ہو کر فرمائے: تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ، تمہیں خوش کر دیا جائے گا۔ ان کے آگے سونے کے تھال اور ساغر کرائے جائیں گے اور ہر من بھاتی اور نگاہوں کو لذت دینے والی چیز وہاں موجود ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔ یہی وہ جنت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو۔ تمہارے لیے یہاں بکثرت پھل موجود ہیں جنہیں تم کھاؤ گے (سورۃ الزخرف: 73-70)۔“

(شادی سے شادیوں تک ص 89، ناشر: دار السلام، لاہور)

بیت الحکمت، لاہور کے پروفیسر عبد الجبار شاہ صاحب لکھتے ہیں:

☆ تعدد ازواج کے موضوع پر سب سے بہترین طرز عمل اختیار کرنے کا نمونہ اُمہات المؤمنین یا ازواج مطہرات کی سیرتوں سے

ملتا ہے۔ لہذا ان باوقار خواتین کے طرزِ عمل کی ترتیب اور تشکیل کا سامان کرنا چاہیے۔ اس سے بہتر مثال کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

☆ اگر ایک خاتون اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے سچی مومنہ بن جائے تو پھر وہ زندگی کی شاہراہ پر اس نوعیت کے سوکنا پے کی صورت حال کو بہتر انداز میں سنبھال سکتی ہے۔

☆ خواتین کو اس نوعیت کی آزمائش سے دوچار ہونے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کو ایمانی قوت اور جذبہٴ استقامت کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے۔ اس سے خواتین میں ایمان، صبر اور تقویٰ کا شعور پیدا ہوگا۔

☆ تعددِ ازواج کی صورت میں جذبات کے بجائے عاقلانہ اور مفاہمت کے رویے کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ زندگی کی جذباتی فضا کو اپنانے کے بجائے پیش نظر واقعات کو تجزیہ و تحلیل کے ذریعے سے اپنی ذات کے لیے خوشگوار بنانے کی ضرورت ہے۔

☆ ایک شوہر کی بیک وقت ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں ایک مثبت تبدیلی یہ ہوتی ہے کہ گھریلو آرائش و زیبائش کا معیار بہتر ہو جاتا ہے۔ اگر دونوں بیویوں سے اولاد بھی ہو تو بیویوں کو منفی جذبات کی رو میں بہنے کے بجائے خاوند کی خدمت اور اس کی اولاد کی تربیت کے ذریعے دلجوئی کے ذرائع اور امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

☆ اس مرحلے پر خود مسلم شوہروں کا بھی یہ دینی، اخلاقی اور نفسیاتی تقاضا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان معاشی اور معاشرتی سطح پر برابری اور عادلانہ رویے کو برقرار رکھیں۔ گھر میں ایسا ماحول پیدا کریں کہ جس سے باہمی کشمکش کے بجائے حسن اعتماد پیدا ہو۔

(شادی سے شادیوں تک ص: 30، ناشر: دارالسلام، لاہور)

شوہر کی ذمہ داری

تعددِ ازواج کی صورت میں جتنی ذمہ داریاں دونوں بیویوں پر عائد ہوتی ہیں ان سے کہیں زیادہ ایک شوہر پر عائد ہوتی ہیں، کیونکہ مرد ایک حاکم کی حیثیت رکھتا ہے اور بیویاں اس کی رعیت میں شامل ہیں، لہذا ہر معاملے میں اپنی رعایا کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کرنا حاکم کی اولین ذمہ داری بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ انعام و اکرام کا معاملہ عادل حاکم کے ساتھ کیا جائے گا اور ظالم حاکم کو بدترین عذاب دیا جائے گا۔ اس لیے یہاں بھی ایک شوہر کو اپنی تمام بیویوں کے ساتھ بھلائی اور برابری کا معاملہ کرنا ہوگا اور اس معاملے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنا ہوگا۔ گھر کا ماحول پُر امن و پُر سکون بنانے میں اور کسی بھی بگڑی ہوئی صورتحال کو سنوارنے اور سنبھالنے میں شوہر کے فیصلے کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے، لہذا شوہر کو اس چیز کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ اس کے کسی بھی فیصلے کی وجہ سے کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے اور نہ ہی کسی کی زندگی بری طرح سے متاثر ہونے پائے۔ ازدواجی زندگی کے ہر مرحلے اور موڑ پر شوہر کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے، اس لیے ایک کامیاب شوہر کو ہمت و حوصلے اور حکمت و بصیرت سے متصف ہونا چاہیے۔

دوسری شادی سے پہلے:

دوسری شادی کرنے کے لیے پہلی بیوی کی اجازت اور اس کی رضامندی ضروری نہیں اور نہ ہی اس کو آگاہ کرنا ضروری ہے، لیکن زندگی کو آسان تر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی پہلی بیوی کو راضی کر کے اس کی نصرت و حمایت حاصل کریں، خصوصاً

اس وقت کہ جب دونوں بیویوں کو ایک ہی گھر میں رکھنے کا ارادہ ہو۔ جب آپ کی پہلی بیوی مخالف نہ ہوگی تو باقی اطراف سے ہونے والی مخالفت میں بھی حد درجہ کی واقع ہو جائے گی اور آپ کو اچھا رشتہ حاصل کرنے میں بھی سہولت ہوگی۔ اس کے لیے انتہائی مناسب ہوگا کہ دوسری شادی سے پہلے آپ اپنی پہلی بیوی کی ذہن سازی کریں اور اس کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کریں، کیونکہ آپ جس معاشرے میں یہ قدم اٹھانے جا رہے ہیں وہاں اس کا رواج نہیں اور عمومی طور پر کوئی بھی اس عمل کو قبول نہیں کرتا، الا ماشاء اللہ۔ پھر وہ ایک عورت ہونے کی حیثیت سے بھی اس اقدام کو فوری قبول کرنے سے فطری و طبعی طور پر قاصر ہے۔ اچانک دوسری شادی کا سن کر یقیناً اس کے دل کو جھکا سا لگے گا اور وہ کافی رنجیدہ بھی ہو جائے گی۔ ان حالات میں ضروری ہوگا کہ آپ اس کے فطری جذبات و کیفیات کا لحاظ کریں اور ان کو مجروح نہ ہونے دیں، حاکمانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے ایک دوستانہ ماحول میں پیار، محبت اور نرمی کے ساتھ اس کو سمجھائیں اور دھمکی آمیز لہجہ ہرگز نہ اپنائیں۔ ساتھ ہی اس کو یہ اعتماد دلانیں کہ آپ کی دوسری شادی کا مقصد اس کو پریشان کرنا اور اس کی تذلیل و تحقیر کرنا ہرگز نہیں اور نہ ہی محبت کی کمی آپ کو ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ عملی طور پر بھی اس معصوم کو بلاوجہ اذیت دینے اور خاندان والوں کے سامنے اس کی برائیاں اور خامیاں بیان کرنے سے بچنا چاہیے۔

حکمت و مصلحت کے ساتھ ایک مقررہ وقت تک آپ اپنی پہلی بیوی کی ذہن سازی کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ راضی ہو جائے گی، لیکن سب کچھ سمجھانے کے باوجود بھی اگر وہ نہ مانے اور اپنی ضد پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ شریعت کے کسی بھی حکم پر کسی کی پروا کیے بغیر عمل کر گزریں، کیونکہ اصل ذہن سازی ہوتی ہی عملی اقدام سے ہے اور اس کے بغیر ذہن کسی ایسے عمل سے مانوس نہیں ہوتا کہ جس کا رواج ہی ختم ہو گیا ہو۔ اس صورت میں ضروری ہوگا کہ آپ دونوں بیویوں کو الگ الگ گھر میں رکھیں اور ساتھ ہی ان دونوں کے درمیان صلح اور قربت قائم کرنے کے لیے ان کو ترغیب دیتے رہیں۔ شیخ عبد اللہ الفقیہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مرد جب پہلی زوجہ کو اعتماد میں لیے بغیر اور اسے راضی کیے بغیر دوسری شادی کرے تو مشکلات زیادہ ہوتی ہیں اور اسے راضی کر کے یہ اقدام کرے تو مشکلات کم ہو جاتی ہیں، لیکن اگر وہ بیوی کو راضی کرنے کی کوشش کرے اور پھر بھی وہ راضی نہ ہو تو مرد کے لیے یہ اقدام جائز ہے، کیونکہ مرد کو دوسری شادی سے روکنے کا نہ تو بیوی کو حق ہے اور نہ ہی بیوی کے ولی کو حق ہے۔“ (عبد اللہ الفقیہ، رقم الفتویٰ 20033، www.islamweb.net)

آپ کی پہلی بیوی رضامند ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں ضروری ہے کہ دوسری شادی کے لیے آپ کسی دین دار اور پرہیزگار عورت کا انتخاب کریں جو آپ کے مسائل کو سمجھنے والی ہو اور ان کو حل کرنے میں آپ کی معاون و مددگار رہو۔ اگر آپ کا جذبہ سچا ہے اور آپ کی نیت میں اخلاص ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت و حمایت کے لیے کافی ہے۔

دوسری شادی کے بعد:

دوسری شادی کرنے کے بعد سب سے بڑی ذمہ داری جو ایک شوہر پر عائد ہوتی ہے وہ عدل ہے اور یہی وہ شرط ہے جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس لیے ہر معاملے میں بیویوں کے درمیان برابری کرنا اور سب

پیش آئے کہ ایک بیوی کے بچوں کے سارے ناز و نخرے اٹھائے جا رہے ہیں اور دوسری بیوی اپنے بچوں کو پالنے کے لیے لوگوں کے گھروں کے برتن دھونے، ان کی صفائیاں کرنے پر مجبور ہو گئی ہے یا گھر میں لوگوں کے کپڑے سی سی کر اپنے بچوں کو پال رہی ہے۔ یہ خصوصاً اس لیے قابل ذکر ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں معاملہ بالکل اسی طرح ہے، عموماً دوسری بیوی اور اس کے بچے سونے کے نوالے کھاتے ہیں اور گھر میں ”من“ کی طرح رزق برستا ہے۔ مرد اسی کو اپنا گھر سمجھتا ہے اور پہلی بیوی کو اس طرح نظر انداز کر دیتا ہے کہ وہ بیچاری تنگی ترشی سے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔ وہ خود بھی بے آسرا اور اس کے بچے بھی بے سہارا ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ جہالت اور سخت ظلم و زیادتی ہے۔ اس سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام اسی لیے عدل کی شرط عائد کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اگر تم دو بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر سکتے تو پھر ایک بیوی پر ہی اکتفاء کرو۔

شوہر کو حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سبق لینا چاہیے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہر معاملے میں آپ کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر کی زندگی بھی دیکھ لیجیے اور مسجد کی زندگی بھی، تمام حقوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکمل و احسن طریقے سے ادا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج کو یکساں محبت و قربت، اعزاز و اکرام اور لطف و عنایت سے نوازا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اچھے خاوند ہونے کی بہترین مثال قائم کی اور اپنے مبارک طرز عمل سے امت کے ہر فرد کو تعلیم و ترغیب دی۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی اور بچوں کے لیے بہتر ہو اور خود میں اپنے بال بچوں کے لیے بہتر آدمی ہوں۔“ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس وقت گزارنے میں ہم میں سے کسی کو بھی کسی پر فوقیت نہیں دیتے تھے اور کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے پاس چکر نہ لگاتے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہر بیوی سے قریب ہوتے تھے بغیر چھوئے، جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس نہ پہنچ جائیں، جس کا وہ دن ہوتا تھا اور پھر اس کے ہاں رات گزارتے۔“ (ابو داؤد، مستدرک الحاکم)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن و رات کی ایک گھڑی میں اپنی سب بیویوں کے پاس چکر لگاتے تھے۔“ (بخاری)

رات گزارنے میں بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا ہر مرد پر واجب ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا تھا کہ آپ جس بیوی کے ہاں بھی رات رہنا چاہیں آپ کو اختیار ہے، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرعاً اس کی پابندی فرمائی تاکہ سب میں انصاف قائم رہے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام بھی تمام ازواج مطہرات سے اجازت لینے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں گزارے۔

کے ساتھ حسن سلوک کرنا آپ پر فرض ہے۔ بے عدلی اور حق تلفی کی صورت میں حدیث مبارکہ میں بہت سخت وعید سنائی گئی ہے۔ جس کی تفصیل بالکل شروع میں گزر چکی ہے۔

عام طور پر صورت حال یہ پیش آتی ہے کہ دوسری شادی کے بعد مرد کو دوسری بیوی سے زیادہ رغبت ہوتی ہے اور وہ پہلی بیوی کو نظر انداز کرنے لگ جاتا ہے۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ دوسری شادی کے بعد خصوصاً ابتدائی دنوں میں پہلی بیوی کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جائے کہ اس کو ادنیٰ سا بھی شائبہ ہو کہ آپ کے دل میں اس کی محبت میں کمی واقع ہو گئی ہے اور نہ ہی دوسری بیوی کو یہ احساس ہو کہ آپ پہلی بیوی کی بے جا حمایت اور طرف داری کرتے ہیں۔ اس طرح باقی معاملات اور آئندہ حالات میں بھی آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنی دونوں بیویوں کے درمیان عدل و انصاف قائم رکھیں اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”شوہر پر لازم ہے کہ وہ پہلی اور دوسری بیوی کے درمیان عدل کے مسئلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے، کیونکہ بعض مرد جب کسی عورت میں رغبت کی بنا پر دوسری شادی کرتے ہیں تو اپنی پہلی بیوی اور اس کے مابین اب تک جو عمدہ زندگی گزری، زندگی کے ان لمحات کو بھول جاتے ہیں اور یہ سب کچھ بھول کر دوسری بیوی کی طرف بہت زیادہ مائل ہو جاتے ہیں۔ پس جس مرد کی ایسی حالت ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس عذاب کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جائے، جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کیا ہے کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں میں سے ایک کی طرف مائل ہو گیا تو بروزی قیامت وہ اس طرح سے حاضر ہوگا کہ اس کے جسم کا ایک دھڑ ایک طرف گرا ہوا ہوگا۔ اللہ کی پناہ ہے اس عذاب سے، جس کا سارا عالم مشاہدہ کرے گا اور اس کا آدھا دھڑ اس لیے گرا ہوا ہوگا کہ یہ شخص عدل سے ہٹ گیا تھا، چنانچہ جس نوعیت کا گناہ تھا اسی نوعیت کی سزا ملے گی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عذاب سے محفوظ رکھے۔“

(www.ibnothaimeen.com/all/noor/article_3567.shtml)

شیخ خالد الجریسی حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اے میرے مسلمان بھائی! میں آپ کو نصیحت کروں گا کہ آپ اللہ سے ڈریں اور یہ بات نہ بھولیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور بیوی پر ظلم کو بھی حرام قرار دیا ہے اور جس کے نکاح میں ایک سے زائد عورتیں ہوں، اس کے لیے بیوی پر ظلم اور بھی زیادہ حرام ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑ کر دوسری کی طرف زیادہ مائل ہو جائے تو قیامت کے دن اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے جسم کا آدھا دھڑ گرا ہوا ہوگا۔“ (رسالہ فضل تعدد زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)

متعدد بیویوں کی اولاد کے ساتھ برتاؤ:

جس طرح دونوں بیویوں کو یکساں حقوق حاصل ہیں اسی طرح ان کے بچوں کا معاملہ ہے کہ ان کے حقوق بھی مساوی ہیں۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ ان کے حقوق پورے پورے ادا کریں اور ان کے ساتھ یکساں محبت و شفقت کا برتاؤ کریں۔ یہ صورت حال نہ

اگر کوئی سفر پر جائے اور اس کے نکاح میں ایک سے زائد عورتیں ہوں تو اس کے لیے بہتر ہے کہ بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کر لے اور جس کا نام نکل آئے اس کو اپنے ساتھ سفر پر لے جائے۔ اس طرح کی قرعہ اندازی صرف بہتر ہے، کوئی لازمی نہیں ہے۔ اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جانے سے پہلے ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، پس قرعہ اندازی میں جس کا نام نکلتا اس کو ساتھ لے جاتے اور ہر عورت کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر کرتے۔“ (بخاری 352/1)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رخصت ہو کر آئیں تو اس وقت ان کی عمر صرف 9 برس تھی اور ان کی طبیعت میں بچہ غالب تھا، اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا خاص خیال فرماتے اور انتہائی محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اکثر ناز اٹھاتے اور کئی معاملات میں درگزر کا معاملہ فرماتے۔

ایک مرتبہ کچھ حبشی لوگ کھیل تماشہ دکھا رہے تھے، بہت سے مرد اور بچے ان کا کھیل دیکھ رہے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم بھی یہ کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: جی ہاں! چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کندھے کی اوٹ سے ان کو وہ کھیل دکھایا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر لٹکایا ہوا تھا، کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عائشہ! تم نے دیکھ لیا؟ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں: اے اللہ کے رسول! جلدی نہ کریں، میں ابھی اور دیکھنا چاہتی ہوں۔ جب تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیر نہیں ہو گئیں، اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کھیل دکھاتے رہے۔ (مشکوٰۃ ص 272، ابن عساکر، المنتخب 393/4)

ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: آؤ عائشہ! دوڑ لگائیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوڑ پڑیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکل گئیں۔ کچھ مدت بعد ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوڑنے کی دعوت دی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوڑ پڑیں، لیکن اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! یہ اس دن کی دوڑ کا جواب ہے۔ (ابوداؤد ح: 2578، مشکوٰۃ ص: 273)

ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ بدک گیا اور وہ انہیں لے کر ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بے قرار ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکل گیا: ہائے میری لہن! (امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبداللہ فارانی)

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو دونوں حالتوں میں مجھے علم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کس طرح علم ہو جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو رب محمد کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو رب ابراہیم کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو، اس وقت تم میرا نام نہیں لیتی، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیتی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں، نام کے علاوہ

اور کچھ نہیں چھوڑتی ہوں۔ (بخاری، کتاب الادب)

ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے دروازے پر پہنچے اور ابھی اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے والے تھے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قدرے اونچی آواز میں بات کرتے ہوئے سنا، جب وہ اندر آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زور سے پکڑ کر کہا: اے اُم رومان کی بیٹی! تو رسول اللہ کے سامنے اونچی آواز میں بات کرتی ہے! یہ کہہ کر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دونوں کے درمیان میں آ گئے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو! میں نے تمہارے اور تمہارے باپ کے درمیان میں آ کر تمہیں کیسے بچایا؟ (نسائی، ابوداؤد، مسند احمد)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خیبر کے یہودی سردار کی بیٹی تھیں، خیبر کی لڑائی میں ان کے والد، بھائی اور شوہر سب ہی مارے گئے۔ اس لیے شروع میں وہ مسلمانوں سے بہت بدظن تھیں، لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق اور حسن سلوک کو دیکھا تو فوراً گرویدہ ہو گئیں۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا خوب اعزاز و اکرام فرماتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی فتح کے بعد صہبا میں دو تین دن قیام فرمایا، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ بھی وہیں ہوا، پھر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھنے کی جگہ بنائی، پردہ تان دیا اور اپنی چادر انہیں اوڑھادی۔ راستے میں جب حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ پر سوار ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی کے پاس بیٹھ جاتے اور اپنا گھٹنا زمین پر ٹکا دیتے، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے پر اپنا پیر رکھ کر اونٹنی پر سوار ہو جاتیں۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو تیزی سے دوڑایا، اتفاق سے اونٹنی کو ٹھوکر لگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹنی پر سے گر پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے کھڑے ہوئے اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر پردہ تان لیا اور اونٹنی پر دوبارہ سوار ہو کر مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ (ازواج مطہرات حیات و خدمات ص: 187، ناشر: دارالاشاعت کراچی)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حج کا سفر تھا اور ازواج مطہرات بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ راستے میں میرا اونٹ بیٹھ گیا اور میں سب سے پیچھے رہ گئی۔ میں رونے لگی، اتنی دیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روتا دیکھا تو اپنے ہاتھوں اور اپنی چادر مبارک سے میرے آنسو پونچھنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آنسو پونچھتے جاتے تھے اور میں بے اختیار روتی جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار مجھے رونے سے روکتے، لیکن جب میرا رونا بند نہ ہوا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا سختی سے منع کیا۔ (اسد الغابہ 170/7)

دوسو کنوں کا ایک واقعہ

آخر میں ہم ایک نہایت ہی سبق آموز واقعہ پیش کر رہے ہیں، جس میں ایک شوہر اور اس کی دونوں بیویوں کے لیے بہت ہی

عمدہ نصیحت موجود ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ بغداد میں ایک بڑا سوداگر رہتا تھا، یہ بڑا ہی دیا نندار اور ہوشیار تھا، خدا نے اس کا کاروبار خوب ہی چمکایا تھا، دور دور سے خریدار اس کے ہاں پہنچتے اور اپنی ضرورت کا سامان خریدتے۔ اسی کے ساتھ ساتھ خدا نے اس کو گھریلو سکھ بھی دے رکھا تھا، اس کی بیوی نہایت ہی خوبصورت، نیک، ہوشیار اور سلیقہ مند تھی۔ سوداگر بھی دل و جان سے اس کو چاہتا تھا اور بیوی بھی سوداگر پر جان چھڑکتی تھی اور نہایت عیش و سکون اور میل و محبت کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی تھی۔

سوداگر کا کاروبار ضرورت سے کبھی کبھی باہر بھی جاتا تھا اور کئی کئی دن گھر سے باہر سفر میں گزارتا۔ بیوی یہ سمجھ کر کہ یہ گھر سے غائب رہنا کاروبار کی ضرورت سے ہوتا ہے مطمئن رہتی، لیکن جب سوداگر جلدی جلدی سفر پر جانے لگا اور زیادہ دنوں تک گھر سے غائب رہنے لگا تو بیوی کو شبہ ہوا اور اس نے سوچا ضرور کوئی راز ہے۔ گھر میں ایک بوڑھی ملازمہ تھی، سوداگر کی بیوی کو اس پر بڑا بھروسہ تھا اور اکثر باتوں میں وہ اس ملازمہ کو اپنا راز دار بنا لیتی۔ ایک دن اس نے بڑھیا سے اپنے شبہ کا اظہار کیا اور بتایا مجھے بہت بے چینی ہے۔ بڑھیا بولی: اے بی بی! آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں؟ پریشان ہوں آپ کے دشمن، آپ نے اب کہا ہے، دیکھیے میں چٹکی بجانے میں سب راز معلوم کیے لیتی ہوں۔ اس طرح بڑھیا ٹوہ میں لگ گئی، اب جب سوداگر گھر سے چلا تو یہ بھی پیچھے لگ گئی اور آخر کار اس نے پتہ لگا لیا کہ سوداگر صاحب نے دوسری شادی کر لی ہے اور یہ گھر سے غائب ہو کر اس نئی بیوی کے پاس عیش کرتے ہیں۔

بڑھیا یہ راز معلوم کر کے آئی اور بی بی کو سارا قصہ سنایا۔ سنتے ہی بی بی کی حالت غیر ہو گئی۔ سوکن کی جلن مشہور ہی ہے، لیکن جلد ہی اس بی بی نے خود کو سنبھال لیا اور سوچا کہ جو کچھ ہونا تھا ہو ہی چکا ہے، اب میں پریشان ہو کر اپنی زندگی کیوں اجیرن بناؤں؟ اس نے میاں پر قطعاً ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اس راز سے واقف ہے، وہ ہمیشہ کی طرح سوداگر کی خدمت کرتی رہی اور اپنے برتاؤ اور خلوص و محبت میں ذرا فرق نہ آنے دیا۔ دوسری طرف شریف سوداگر نے بھی اپنی بیوی کے حقوق میں کوئی کمی نہ کی، اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آنے دی اور ہمیشہ کی طرح اسی خلوص و محبت سے بیوی کے ساتھ سلوک کرتا رہا۔ شوہر کے اس نیک برتاؤ نے بیوی کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور اس نے طے کر لیا کہ وہ شوہر کے اس جائز حق میں ہرگز روزانہ بنے گی۔ اس نے سوچا کہ آخر میاں مجھ سے ظاہر کر کے بھی تو دوسرا نکاح کر سکتا تھا، میاں نے اس طرح چھپا کر یہ نکاح کیا؟ اسی لیے کہ میرے دل کو تکلیف ہوگی اور میں سوکن کے جلاپے کو برداشت نہ کر سکوں گی۔ کتنا پیارا ہے میرا شوہر! اس نے میرے نازک جذبات کا کیسا خیال رکھا۔ پھر اس نے اس نئی دلہن کی محبت میں مست ہو کر میرا کوئی حق بھی تو نہیں مارا، اس کے سلوک اور محبت میں بھی تو کئی فرق نہیں آیا۔ آخر مجھے کیا حق ہے کہ میں اس کو اس حق سے روکوں جو خدا نے اس کو دے رکھا ہے، مجھ سے زیادہ نالائق اور ناشکرہ کون ہوگا، جو ایسے مہربان شوہر کے جائز جذبات کا لحاظ نہ کرے اور اس کے دل کو تکلیف پہنچائے۔۔۔ بیوی یہ سوچ کر بالکل ہی مطمئن ہو گئی۔

سوداگر بیوی کا خوشگوار سلوک اور محبت کا برتاؤ دیکھ کر یہی سمجھتا رہا کہ شاید خدا کی اس بندی کو یہ راز معلوم نہیں ہے اور پوری احتیاط کرتا رہا کہ کسی طرح معلوم نہ ہونے پائے۔ دونوں ہنسی خوشی پیار و محبت کی زندگی گزارتے رہے۔ آخر کچھ سالوں کے بعد سوداگر کی زندگی کے دن پورے ہو گئے اور اس کا انتقال ہو گیا۔ سوداگر نے چونکہ دوسری شادی شہر سے دور بہت خاموشی سے کی تھی، اس لیے اس کے رشتہ داروں میں سے کسی کو بھی یہ راز معلوم نہ تھا۔ سب یہی سمجھتے رہے کہ سوداگر کی بس یہی ایک بیوی تھی۔ چنانچہ جب ترکے کی تقسیم کا وقت آیا تو لوگوں نے یہی سمجھ کر ترکے تقسیم کیا اور اس نیک بیوی کو اس کا حصہ دے دیا۔ سوداگر کی بیوی نے بھی اپنا

حصہ لے لیا اور یہ پسند نہ کیا کہ اپنے مرے ہوئے شوہر کے اس راز کو فاش کرے جو زندگی بھر سوداگر نے لوگوں سے چھپ کر نیک بی بی نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ وہ سوداگر کی دوسری بیوی کا حق مار بیٹھے۔ بے شک کسی کو یہ خبر نہ تھی اور نہ اس کی طرف۔ دعویٰ کرنے والا تھا، لیکن اُس خدا کو تو سب کچھ معلوم تھا، جس کے حضور ہر انسان کو کھڑے ہو کر اپنے اچھے برے اعمال کا جواب دہ ہے۔ سوداگر کی بیوہ یہ سوچ کر کانپ گئی اور اس نے یہ طے کر لیا کہ جس طرح بھی ہو گا وہ اپنے حصے میں سے آدھی رقم ضرور اپنی سوکن بہن کو بھجوائے گی۔

اس نے ایک نہایت معتبر آدمی کو یہ ساری بات بتا کر اپنے حصے میں سے آدھی رقم اس کے حوالے کی اور اپنی سوکن کے پاس روانہ کیا اور اس کے ہاں کہلوایا بھیجا کہ افسوس آپ کے شوہر اس دنیا سے رخصت ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ مجھے ان کی جائیداد اور ترکے میں سے جو کچھ ملا ہے، اسلامی قانون کی رو سے آپ اس میں برابر کی شریک ہیں۔ میں اپنے حصے کی آدھی رقم آپ کو بھیج رہی ہوں، امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گی۔ یہ پیغام اور رقم بھیج کر نیک بی بی مطمئن تھی، اس کو ایک روحانی سکون تھا۔ کچھ ہی دنوں میں وہ شخص واپس آ گیا اور اس نے وہ ساری رقم واپس لا کر سوداگر کی بیوی کو دی، سوداگر کی بیوہ فکر مند ہوئی اور وجہ پوچھی۔ قاصد نے جیب سے ایک خط نکالا اور کہا اس کو پڑھ لیجیے، اس میں سب کچھ لکھا ہے، آپ فکر مند نہ ہوں۔

سوکن کا سبق آموز خط:

پیاری بہن! آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے بزار خج ہوا کہ آپ کے اچھے شوہر کا انتقال ہو گیا اور آپ ان کی سرپرستی سے محروم ہو گئیں۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کی بارش فرمائے۔ میں کس دل سے آپ کے خلوص و ایثار کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے ان کے ترکے میں سے اپنے حصے کی آدھی رقم مجھ کو بھیجی۔ میں آپ کی اس نیک روش سے بہت ہی متاثر ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ سوداگر کے اس راز سے کوئی واقف نہ تھا۔ میرا نکاح بہت ہی پوشیدہ طریقے پر ہوا تھا۔ مجھے تو یقین تھا کہ آپ کو بھی اس کی خبر نہیں ہے اور میں کیا خود سوداگر محروم بھی یہی سمجھتے رہے کہ آپ کو اس دوسری شادی کی اطلاع نہیں ہے۔ اب آپ کے اس خط سے یہ راز کھلا کہ آپ ہمارے راز سے واقف تھیں۔ سوکن کی جلن طبعی بات ہے۔ آپ کو ضرور اس واقعے سے تکلیف پہنچی ہوگی، لیکن اللہ اکبر! آپ کا صبر و ضبط! حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس صبر و ضبط سے کام لیا، اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ کبھی اشارے کنائے سے بھی تو آپ نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ آپ ہماری اس خفیہ شادی سے واقف ہیں۔ آپ کا یہ ایثار اور صبر و تحمل واقعی حیرت انگیز ہے، میں تو آپ کے اس کمال سے انتہائی متاثر ہوں۔ دولت کس کو کافتی ہے، دولت کے لیے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے، لیکن آفریں آپ کی ایمانداری کو! یہ جانتے ہوئے کہ میرا نکاح راز میں ہے اور وہاں کوئی ایک بھی ایسا نہیں، جس کو اس کی خبر ہو اور جو میری طرف سے وکالت کرے، مگر آپ نے محض خدا کے خوف سے میرے حق کا خیال رکھا اور اپنے حصے میں سے آدھی رقم مجھے بھیج دی۔ خدا کے حاضر ناظر ہونے کا یقین ہو تو ایسا ہو اور خدا کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کا جذبہ ہو تو ایسا ہو۔

اچھی بہن! میں آپ کی اس دیانت، خلوص اور حق شناسی سے بہت متاثر ہوں، خدا آپ کو خوش رکھے اور دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے، لیکن بہن! میں اب حصے کی مستحق نہیں رہی ہوں، خدا آپ کا یہ حصہ آپ ہی کو مبارک کرے۔ یہ صحیح ہے کہ سوداگر

عمدہ نصیحت موجود ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ بغداد میں ایک بڑا سوداگر رہتا تھا، یہ بڑا ہی دیندار اور ہوشیار تھا، خدا نے اس کا کاروبار خوب ہی چمکایا تھا، دور دور سے خریدار اس کے ہاں پہنچتے اور اپنی ضرورت کا سامان خریدتے۔ اسی کے ساتھ ساتھ خدا نے اس کو گھریلو سکھ بھی دے رکھا تھا، اس کی بیوی نہایت ہی خوبصورت، نیک، ہوشیار اور سلیقہ مند تھی۔ سوداگر بھی دل و جان سے اس کو چاہتا تھا اور بیوی بھی سوداگر پر جان چھڑکتی تھی اور نہایت عیش و سکون اور میل محبت کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی تھی۔

سوداگر کا رو باری ضرورت سے کبھی کبھی باہر بھی جاتا تھا اور کئی کئی دن گھر سے باہر سفر میں گزارتا۔ بیوی یہ سمجھ کر کہ یہ گھر سے غائب رہنا کاروباری ضرورت سے ہوتا ہے مطمئن رہتی، لیکن جب سوداگر جلدی جلدی سفر پر جانے لگا اور زیادہ دنوں تک گھر سے غائب رہنے لگا تو بیوی کو شبہ ہوا اور اس نے سوچا ضرور کوئی راز ہے۔ گھر میں ایک بوڑھی ملازمہ تھی، سوداگر کی بیوی کو اس پر بڑا بھروسہ تھا اور اکثر باتوں میں وہ اس ملازمہ کو اپنا راز دار بنا لیتی۔ ایک دن اس نے بڑھیا سے اپنے شبہ کا اظہار کیا اور بتایا مجھے بہت بے چینی ہے۔ بڑھیا بولی: اے بی بی! آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں؟ پریشان ہوں آپ کے دشمن، آپ نے اب کہا ہے، دیکھیے میں جنگی بجائے میں سب راز معلوم کیے لیتی ہوں۔ اس طرح بڑھیا ٹوہ میں لگ گئی، اب جب سوداگر گھر سے چلا تو یہ بھی پیچھے لگ گئی اور آخر کار اس نے پتہ لگا لیا کہ سوداگر صاحب نے دوسری شادی کر لی ہے اور یہ گھر سے غائب ہو کر اس نئی بیوی کے پاس عیش کرتے ہیں۔

بڑھیا یہ راز معلوم کر کے آئی اور بی بی کو سارا قصہ سنایا۔ سنتے ہی بی بی کی حالت غیر ہو گئی۔ سوکن کی جلن مشہور ہی ہے، لیکن جلد ہی اس بی بی نے خود کو سنبھال لیا اور سوچا کہ جو کچھ ہونا تھا ہو ہی چکا ہے، اب میں پریشان ہو کر اپنی زندگی کیوں اجیرن بناؤں؟ اس نے میاں پر قطعاً ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اس راز سے واقف ہے، وہ ہمیشہ کی طرح سوداگر کی خدمت کرتی رہی اور اپنے برتاؤ اور خلوص و محبت میں ذرا فرق نہ آنے دیا۔ دوسری طرف شریف سوداگر نے بھی اپنی بیوی کے حقوق میں کوئی کمی نہ کی، اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آنے دی اور ہمیشہ کی طرح اسی خلوص و محبت سے بیوی کے ساتھ سلوک کرتا رہا۔ شوہر کے اس نیک برتاؤ نے بیوی کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور اس نے طے کر لیا کہ وہ شوہر کے اس جائز حق میں ہرگز روڑا نہ بنے گی۔ اس نے سوچا کہ آخر میاں مجھ سے ظاہر کر کے بھی تو دوسرا نکاح کر سکتا تھا، میاں نے اس طرح چھپا کر یہ نکاح کیوں کیا؟ اسی لیے کہ میرے دل کو تکلیف ہوگی اور میں سوکن کے جلاپے کو برداشت نہ کر سکوں گی۔ کتنا پیارا ہے میرا شوہر! اس نے میرے نازک جذبات کا کیسا خیال رکھا۔ پھر اس نے اس نئی دلہن کی محبت میں مست ہو کر میرا کوئی حق بھی تو نہیں مارا، اس کے سلوک اور محبت میں بھی تو کئی فرق نہیں آیا۔ آخر مجھے کیا حق ہے کہ میں اس کو اس حق سے روکوں جو خدا نے اس کو دے رکھا ہے، مجھ سے زیادہ نالائق اور ناشکرہ کون ہوگا، جو ایسے مہربان شوہر کے جائز جذبات کا لحاظ نہ کرے اور اس کے دل کو تکلیف پہنچائے۔۔۔ بیوی یہ سوچ کر بالکل ہی مطمئن ہو گئی۔

سوداگر بیوی کا خوشگوار سلوک اور محبت کا برتاؤ دیکھ کر یہی سمجھتا رہا کہ شاید خدا کی اس بندی کو یہ راز معلوم نہیں ہے اور پوری احتیاط کرتا رہا کہ کسی طرح معلوم نہ ہونے پائے۔ دنوں ہنسی خوشی پیار و محبت کی زندگی گزارتے رہے۔ آخر کچھ سالوں کے بعد سوداگر کی زندگی کے دن پورے ہو گئے اور اس کا انتقال ہو گیا۔ سوداگر نے چونکہ دوسری شادی شہر سے دور بہت خاموشی سے کی تھی، اس لیے اس کے رشتہ داروں میں سے کسی کو بھی یہ راز معلوم نہ تھا۔ سب یہی سمجھتے رہے کہ سوداگر کی بس یہی ایک بیوی تھی۔ چنانچہ جب ترکے کی تقسیم کا وقت آیا تو لوگوں نے یہی سمجھ کر ترکے تقسیم کیا اور اس نیک بیوی کو اس کا حصہ دے دیا۔ سوداگر کی بیوی نے بھی اپنا

حصہ لے لیا اور یہ پسند نہ کیا کہ اپنے مرے ہوئے شوہر کے اس راز کو فاش کرے جو زندگی بھر سوداگر نے لوگوں سے چھپایا، لیکن اس نیک بی بی نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ وہ سوداگر کی دوسری بیوی کا حق مار بیٹھے۔ بے شک کسی کو یہ خبر نہ تھی اور نہ اس کی طرف سے کوئی دعویٰ کرنے والا تھا، لیکن اُس خدا کو تو سب کچھ معلوم تھا، جس کے حضور ہر انسان کو کھڑے ہو کر اپنے اچھے برے اعمال کا جواب دینا ہے۔ سوداگر کی بیوہ یہ سوچ کر کانپ گئی اور اس نے یہ طے کر لیا کہ جس طرح بھی ہوگا وہ اپنے حصے میں سے آدھی رقم ضرور اپنی سوکن بہن کو بھجوائے گی۔

اس نے ایک نہایت معتبر آدمی کو یہ ساری بات بتا کر اپنے حصے میں سے آدھی رقم اس کے حوالے کی اور اپنی سوکن کے پاس روانہ کیا اور اس کے ہاں کہلوا بھیجا کہ افسوس آپ کے شوہر اس دنیا سے رخصت ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ مجھے ان کی جائیداد اور ترکے میں سے جو کچھ ملا ہے، اسلامی قانون کی رو سے آپ اس میں برابر کی شریک ہیں۔ میں اپنے حصے کی آدھی رقم آپ کو بھیج رہی ہوں، امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گی۔ یہ پیغام اور رقم بھیج کر نیک بی بی مطمئن تھی، اس کو ایک روحانی سکون تھا۔ کچھ ہی دنوں میں وہ شخص واپس آ گیا اور اس نے وہ ساری رقم واپس لا کر سوداگر کی بیوی کو دی، سوداگر کی بیوہ فکر مند ہوئی اور وجہ پوچھی۔ قاصد نے جیب سے ایک خط نکالا اور کہا اس کو پڑھ لیجیے، اس میں سب کچھ لکھا ہے، آپ فکر مند نہ ہوں۔

سوکن کا سبق آموز خط:

پیاری بہن! آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے بڑا رنج ہوا کہ آپ کے اچھے شوہر کا انتقال ہو گیا اور آپ ان کی سرپرستی سے محروم ہو گئیں۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کی بارش فرمائے۔ میں کس دل سے آپ کے خلوص و ایثار کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے ان کے ترکے میں سے اپنے حصے کی آدھی رقم مجھ کو بھیجی۔ میں آپ کی اس نیک روش سے بہت ہی متاثر ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ سوداگر کے اس راز سے کوئی واقف نہ تھا۔ میرا نکاح بہت ہی پوشیدہ طریقے پر ہوا تھا۔ مجھے تو یقین تھا کہ آپ کو بھی اس کی خبر نہیں ہے اور میں کیا خود سوداگر مرحوم بھی یہی سمجھتے رہے کہ آپ کو اس دوسری شادی کی اطلاع نہیں ہے۔ اب آپ کے اس خط سے یہ راز کھلا کہ آپ ہمارے راز سے واقف تھیں۔ سوکن کی جلن طبعی بات ہے۔ آپ کو ضرور اس واقعے سے تکلیف پہنچی ہوگی، لیکن اللہ اکبر! آپ کا صبر و ضبط! حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس صبر و ضبط سے کام لیا، اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ کبھی اشارے کنائے سے بھی تو آپ نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ آپ ہماری اس خفیہ شادی سے واقف ہیں۔ آپ کا یہ ایثار اور صبر و تحمل واقعی حیرت انگیز ہے، میں تو آپ کے اس کمال سے انتہائی متاثر ہوں۔ دولت کس کو کاشی ہے، دولت کے لیے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے، لیکن آفریں آپ کی ایمانداری کو! یہ جانتے ہوئے کہ میرا نکاح راز میں ہے اور وہاں کوئی ایک بھی ایسا نہیں، جس کو اس کی خبر ہو اور جو میری طرف سے وکالت کرے، مگر آپ نے محض خدا کے خوف سے میرے حق کا خیال رکھا اور اپنے حصے میں سے آدھی رقم مجھے بھیج دی۔ خدا کے حاضر ناظر ہونے کا یقین ہو تو ایسا ہو اور خدا کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کا جذبہ ہو تو ایسا ہو۔

اچھی بہن! میں آپ کی اس دیانت، خلوص اور حق شناسی سے بہت متاثر ہوں، خدا آپ کو خوش رکھے اور دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے، لیکن بہن! میں اب حصے کی مستحق نہیں رہی ہوں، خدا آپ کا یہ حصہ آپ ہی کو مبارک کرے۔ یہ صحیح ہے کہ سوداگر

مرحوم نے مجھ سے نکاح کیا تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ میرے پاس آکر کئی کئی دن رہتے تھے۔ بے شک ہم نے بہت دنوں عیش و مسرت کی زندگی بسر کی، لیکن ادھر کچھ دنوں سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ سوداگر مرحوم نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ اس راز کی آپ کو بھی خبر نہیں ہے۔ میں اس خط کے ساتھ آپ کی بے مثال محبت، عنایت، ایثار، خلوص اور ہمدردی کا پھر شکریہ ادا کرتی ہوں۔
والسلام، آپ کی بہن۔

سوداگر کی بیوہ نے اس خاتون کا یہ خط پڑھا تو بہت متاثر ہوئی اور اس کی سچائی، دیانت اور نیکی نے اس کے دل میں گھر کر لیا اور پھر دونوں میں مستقل طور پر خلوص و محبت اور رفاقت کا رشتہ قائم ہو گیا۔ (صفۃ الصفوة، اسلامی معاشرہ ص: 152)

(2) پہلی بیوی پر ظلم و زیادتی اور اس کی حق تلفی ہے:

مرد کی دوسری شادی پر اس کی پہلی بیوی رضامند ہو یا نہ ہو، خاندان اور معاشرہ ہمیشہ اس کی مخالفت کرتا ہے اور شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بنتے ہوئے لوگ اس کو پہلی بیوی پر ظلم و زیادتی اور اس کی حق تلفی قرار دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دوسری شادی سے پہلی بیوی کا گھرا جڑتا ہے، وہ ناراض ہو کر بچوں سمیت میکے جا بیٹھتی ہے اور نہ صرف یہ کہ طلاق کے مطالبے شروع کر دیتی ہے بلکہ بعض مرتبہ تو واقعی طلاق تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ بھلا ایسی شادی کا کیا فائدہ جس سے پہلی بیوی کا گھرا جڑتا ہو؟

یہ بات تو درست ہے کہ رواج نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کے نتیجے میں ایسا سب کچھ ہوتا ہے، لیکن سوچا جائے کہ اس میں قصور کس کا ہوتا ہے؟ کیا اُس مرد کا جو اپنا حق استعمال کرتے ہوئے اپنی یا کسی اور کی جائز ضرورت کی خاطر دوسری شادی کا ارتکاب کرتا ہے یا اُس مسلمان بیوی کا، جس کو اللہ تعالیٰ نے گھرا دیا، شوہر دیا، جان و عزت کا تحفظ دیا اور نکاح سے وابستہ تمام نعمتیں عطا فرمائیں، لیکن وہ قطعاً اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ کوئی دوسری مسلمان عورت بھی ان نعمتوں میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے اور کسی صورت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور تقدیر پر راضی رہنے کو تیار نہیں ہوتی۔۔۔؟

کیا یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ اجتماعی سطح پر رونما ہونے والے بڑے نقصانات سے بچنے کے لیے انفرادی چھوٹے نقصانات کو برداشت کرنا ضروری ہوتا ہے، ایک بیوی کا گھر بچانے کے لیے نوجوانوں کو دوسری شادی سے اجتناب کا مشورہ دیا جانے لگے تو کیا جو تباہی و بربادی ابھی تک ہو چکی ہے، اس میں مزید تیزی نہ آئے گی؟ نیز اس پہلو کو بھی دیکھا جائے کہ متعدد شادیاں کر کے لوگوں کی نظروں میں ایک بیوی کا گھرا جڑنے والا مزید دو یا تین عورتوں کا گھر بستا بھی تو ہے، جبکہ اجڑتا ایسی عورت کا گھر ہے، جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہ ہونے کے باعث اپنا گھر بسانے پر خود ہی راضی نہیں اور دوسری طرف بستا ایسی عورت کا گھر ہے جو اپنا گھر بسانا چاہتی ہے، مگر تعدد ازواج سے دوری کی وجہ سے بغیر کسی جرم و قصور کے ساری عمر اس نعمت سے محروم رہتی ہے، بلکہ کئی عورتیں معاشرے میں ملازمتوں اور بے حیائی کے کاموں میں ملوث ہو کر قوم میں نکاح کے رجحان میں مزید کمی کا سبب بن رہی ہوتی ہیں۔ لہذا ایک بیوی کا گھر بسانے کی خاطر کئی عورتوں کا گھر نہ بنے دینا اور ان کو نکاح سے وابستہ حکمتوں اور مصلحتوں سے محروم رکھنا زیادہ بڑا ظلم ہے، کیونکہ تمدنی و سماجی اور معاشرے میں بعض خصوصی حالات کے تحت اس امر کی شدید ضرورت پڑتی ہے تاکہ معاشرے کو اخلاقی بگاڑ و فساد اور افراط و تفریط سے بچایا جاسکے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت بھی دی اور مختلف عنوانات سے ترغیب بھی دی تاکہ ایک اچھے مرد پر

ایک ہی عورت قبضہ کر کے نہ بیٹھ جائے، بلکہ اس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ عورتوں کی نکاح والی ضرورت پوری ہو اور ان کی فطری خواہش کی تکمیل کا انتظام ہو اور انہیں حاکم کی صورت میں ایک ایسا ذمہ دار مرد میسر ہو جو محبت کرنے والا، انکی عفت و عصمت کی حفاظت کرنے والا اور ان کی کفالت کرنے والا ہو۔ سعودی عرب کے مشہور عالم شیخ مصطفیٰ ابن عدوی حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دوسری شادی پہلی بیوی پر ظلم کے مترادف ہے، اس طرح کی دلائل دے کر مردوں کو اس عمل سے باز رکھنا درست نہیں، کیونکہ جس اللہ نے متعدد شادیوں کی اجازت دی وہ سب سے بہترین عادل اور حاکم ہے، اس کے تمام فیصلے اور احکام عدل اور حق پر مبنی ہیں، لہذا وہ سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ایک اور جگہ ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں کسی کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو ایک عورت کو ظلم سے بچانے کے لیے کسی بھی مرد کے لیے دوسری شادی کو معیوب سمجھتے ہیں تو ایسے لوگ چونکہ بے شمار عورتوں کو نکاح کی نعمت سے محروم کرنے کا سبب بن رہے ہیں، نیز قوم کے مردوں اور عورتوں میں بڑے پیمانے پر بے حیائی اور فحاشی کے پھیلانے کا سبب بن رہے ہیں، لہذا حقیقت میں ایسے لوگ مخلوق میں سب سے بڑے ظالم اور گمراہ ہیں۔“ (فقہ تعدد الزوجات ص: 131)

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال کیا

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

”اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟ کیا آپ اپنی بیویوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے قسم کا کفارہ مقرر کر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ آپ کا کارساز ہے اور وہی علم و حکمت والا ہے۔“ (سورۃ التحریم ایت: 1)

محمد شین کرام نے دو واقعات کو اس آیت مبارکہ کا سبب نزول بتایا ہے۔ ایک واقعہ جو مشہور ہے، صحیح بخاری میں اس طرح سے بیان ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے تمام ازواج مطہرات کے پاس بیٹھتے تھے۔ اس معمول میں قدرے فرق اس طرح آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں کچھ زیادہ وقت کے لیے بیٹھنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی تو پتہ چلا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں کہیں سے شہد آ گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ شہد بہت پسند تھا، اس لیے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پیش کرتی ہیں۔ اس وجہ سے قدرے زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس بات کا ذکر کیا اور مشورہ کیا کہ اس سلسلے میں کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت نفاست پسند تھے، ذرا سی بدبو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرتی تھی۔ شہد کی مکھیاں جس قسم کے پھولوں سے رس چوستی ہیں شہد کی مکھیاں میں اس قسم کے پھولوں کی لذت اور بو ہوتی ہے، عرب میں ایک پھول کا نام مغافیر ہے، یہ قدرے تیز بو والا پھول ہے، شہد کی مکھیاں وہاں عام طور پر اس پھول پر بیٹھتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کو سمجھا دیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں میں سے کسی کے پاس بھی تشریف لائیں تو پوچھنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے یہ بیکسی آرہی ہے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتائیں کہ شہد کھایا ہے تو کہنا چاہیے کہ اس میں مغفیر کی بو ہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے منہ سے تو مغفیر کی بو آتی ہے، اس کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تو زینب کے پاس شہد کھایا تھا اور اب میں قسم کھاتا ہوں کہ کبھی شہد نہ کھاؤں گا، لیکن یہ بات تم کسی کو مت بتانا۔ (بخاری 729/2)

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

”اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟ کیا آپ اپنی بیویوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔۔۔؟“

دوسرا واقعہ سنن نسائی اور دوسری کتابوں میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ وہ ایک لونڈی تھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، اس کی تفصیل دوسری کتابوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم تولد ہوئے تھے۔ یہ ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آگئی تھیں جبکہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود نہیں تھیں۔ اتفاق سے انہی کی موجودگی میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگئیں اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گھر میں خلوت میں دیکھنا ناگوار گزرا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی محسوس فرمایا، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خوش کرنے کے لیے قسم کھا کر حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تائید فرمائی کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتلائیں۔ (نسائی 83/3)

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

”اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟ کیا آپ اپنی بیویوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔۔۔؟“

امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ ایک تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مختلف طریق سے نقل ہوا ہے، جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں اور دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے بیک وقت دونوں ہی واقعات اس آیت کے نزول کا سبب بنے ہوں۔

(فتح الباری، تفسیر سورة التحريم)

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ تائید فرمائی کہ وہ اس بارے میں کسی کو نہ بتلائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کو یا حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خود پر حرام فرمایا ہے تو اس کے باوجود حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ بات جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتلا دی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں بتلا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا ہے، تاہم اپنی مکرمیت و عظمت کے پیش نظر ساری بات بتانے سے اعراض فرمایا، تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیران

ہو گئیں، کیونکہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ کسی کو یہ بات نہیں بتلائی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیں گی، کیونکہ وہ شریک معاملہ تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ بات مجھے میرے اللہ نے بتلائی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

”اور یاد کرو اس وقت کو جب نبی نے اپنی بعض بیویوں میں کسی سے ایک پوشیدہ بات کہی، پس جب اس نے وہ بات کسی کو بتلا دی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتلا دی اور تھوڑی سی مال گئے۔ پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی کہ اس بات کی خبر آپ کو کس نے دی؟ نبی نے کہا کہ اللہ نے مجھے بتلائی، جو سب کچھ جاننے والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔“ (سورة التحريم اية: 2)

دوسری طرف ان دونوں ازواج مطہرات کو تنبیہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، یقیناً تمہارے دل جھک پڑے ہیں اور اگر تم اسی طرح نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو پھر یاد رکھو کہ نبی کا مددگار اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک اہل ایمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔“ (سورة التحريم اية: 3)

اس آیت مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کا اختیار کسی کے پاس نہیں ہے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ اختیار نہیں رکھتے۔ تعددِ ازواج بھی اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں میں سے ایک ہے اور محض پہلی بیوی کو خوش کرنے کی خاطر اس کو حرام نہیں کیا جاسکتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ پسند نہیں فرمایا کہ محض بیویوں کو خوش کرنے کی خاطر شہد کو یا حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خود پر حرام کر لیں اور ان کو ترک فرما دیں تو پھر ہمارے لیے کیسے جائز ہوگا کہ محض پہلی بیوی کی خوشی اور دلدادگی کی خاطر تعددِ ازواج کو ترک کر دیں۔ مندرجہ بالا واقعات میں ایک طرف تو شہد یا حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور دوسری طرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، ایک طرف ادنیٰ ہیں تو دوسری طرف اعلیٰ ہیں، لیکن شریعت کو مقدم رکھنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ کے مقابلے میں اعلیٰ کا کوئی لحاظ نہ فرمایا۔ اسی طرح تعددِ ازواج کے معاملے میں ایک طرف پہلی بیوی ہے تو دوسری طرف بے شمار کنواری، بیوہ اور مطلقہ عورتیں ہیں جو بے نکاحی گھروں میں بیٹھی اس تحفظ اور سہارے کا انتظار کر رہی ہیں، جس کی فراہمی ازدواجی تعلق کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اب ہم خود ہی فیصلہ کر لیں کہ ہمیں کس چیز کو مقدم رکھنا چاہیے؟ اللہ کی رضا و خوشی کو یا پہلی بیوی کی رضا و خوشی کو؟ شریعت کے اصول و قانون کو یا معاشرے کے اصول و قانون کو؟ ایک بیوی کی ضرورت کو، جو پوری ہو چکی یا بے شمار عورتوں کی ضرورت کو، ابھی تک پوری نہیں ہوئی؟ اور تعددِ ازواج کے علاوہ دوسرے طریقوں سے پوری ہو بھی نہیں سکتی، کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو ہر طرح سے حکمت و مصلحت سے بھرپور ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

”اگر ایک شخص دوسری شادی کا ارادہ کرے اور اس پر اس کی بیوی نے اسے دھمکی دی کہ اگر تم نے ایسا کیا تو میں خودکشی کر لوں گی، تو (بیوی کی دھمکی کے باوجود) مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ دوسری شادی کرے، کیونکہ دوسری شادی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) حلال کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال کردہ اشیاء کو خود پر

کیوں حرام کرتے ہیں؟ کیا اپنی بیویوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں؟ اور اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو خوش کرنے کے لیے جس حلال (شہد) کو (قسم کھا کر) حرام کیا تھا تو ایک افضل کام کو ترک کیا تھا اور دو شادیوں میں عیسائیوں کے دین کی مخالفت بھی ہے۔“ (فتاویٰ قاضیان 155/4)

اگر کوئی مرد دوسری شادی کے بعد پہلی بیوی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ساتھ بدسلوکی کرے تو یقیناً یہ ظلم ہوگا، لیکن دوسری شادی کے اقدام سے پہلے ہی اس کو ظلم زیادتی قرار دیتے ہوئے اس کی شدید مخالفت کرنا اور اس کو معیوب سمجھتے ہوئے اس طرح ترک کر دینا جس طرح کسی حرام کو ترک کیا جاتا ہے، شریعت کی عین مخالفت ہے، کیونکہ شریعت کا کوئی بھی حکم ظلم و زیادتی اور حق تلفی کا باعث نہیں اور جس عمل کو شریعت نے جائز و حلال قرار دیا اس کو محض بناوٹی تاویلات کے ذریعے ناجائز و حرام قرار نہیں دیا جاسکتا، جبکہ تعدد ازواج تو قرآن و سنت سے ثابت اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔ عرب میں ایک شخص نے مسئلہ دریافت کیا:

”میں اپنے بہنوئی کے بارے میں سوال پوچھنا چاہتا ہوں، جس میں فلاں فلاں خرابیاں ہیں اور اس نے میری بہن کی رخصتی سے قبل ہی دوسری شادی بھی رچالی۔ میرا سوال یہ ہے کہ قرآن و سنت سے ثابت شدہ کوئی دلیل یا چاروں ائمہ میں سے کسی کا کوئی قول اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مرد پہلی بیوی کی رخصتی سے قبل ہی دوسری شادی کر لے اور اس اقدام کو کیا پہلی بیوی پر ظلم نہیں سمجھا جائے گا اور کیا شریعت اس قسم کی نازیبا حرکتوں کی اجازت دیتی ہے؟“

اس سوال کے جواب میں یہ فتویٰ جاری ہوا:

”اے معزز سائل! آپ کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی ابتدائی آیات میں مسلمان مردوں کو متعدد بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے اور اس اقدام کے جائز ہونے کے لیے صرف بیویوں میں عدل کی قید ذکر فرمائی، اس کے سوا کوئی شرط نہیں، لہذا کسی بھی شخص کا دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرنا شرعاً حلال ہے اور اس اقدام کے ناجائز ہونے کی ہماری صاف اور واضح شریعت میں کوئی دلیل نہیں، لہذا جو اس اقدام کو جائز کہتا ہے اس سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ دلیل اس سے طلب کی جائے گی جو اس اقدام کو ناجائز سمجھے، بلکہ میں آپ سے کہوں گا کہ جو شخص قدرت مالہ، جسمانیہ اور عدل کی طاقت رکھتا ہو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی دن میں چار شادیاں کر لے اور ایک ہی رات میں چاروں سے ملاقات کر لے اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اقدام بشرط عدل جائز رہے گا اس اقدام کو ممنوع نہیں کہا جاسکتا۔ رہا آپ کا اپنے بہنوئی کے بارے میں یہ اشکال کہ اس میں فلاں فلاں خرابی ہے تو اس کے لیے شرعی عدالت سے رجوع کریں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ اپنے بہنوئی اور بہن کے معاملے میں درست فیصلہ کروا سکیں گے۔“

(عبد اللہ الفقیہ، رقم الفتویٰ: 3002، 16 صفر 1420ھ)

دواہم واقعات

آخر میں ہم ایسے دو واقعات نقل کر رہے ہیں، جس میں پہلی بیوی کا لحاظ کرتے ہوئے دوسری شادی کو ترک کیا گیا اور حکم

خداوندی سے روگردانی کے نتیجے میں انتہائی ضرورت مند عورتوں کو خیر و بھلائی سے محروم کیا گیا۔

(1) ایک انگریز نو مسلم خاتون کا واقعہ..... ایک 80 سالہ بزرگ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: کئی سال قبل میں امریکہ میں بر سر روزگار تھا اور ایک اچھے عہدے پر فائز تھا۔ امریکہ میں رواج ہے کہ آفیسر حضرات کو دفتر میں اسٹنٹ کی صورت میں ایک عدد لڑکی ضرور مہیا ہوتی ہے۔ میری بھی ایک ایسی ہی اسٹنٹ تھی اور دوسری لڑکیوں کی طرح اس کا لباس بھی ادھورا ہی ہوتا تھا۔ اس لڑکی کو میرے ساتھ ملازمت میں 6 ماہ گزر گئے، مگر میں نے کبھی اس لڑکی کو دیکھنا تک گوارا نہ کیا۔ اتنا عرصہ گزرنے پر میری یہ اسٹنٹ مجھ سے تعجب بھرے انداز میں کہنے لگی: کہیں تم نامرد تو نہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگی: تو پھر شاید میں خوبصورت نہیں؟ میں نے کہا: نہیں، بلکہ تم تو ایک خوبصورت لڑکی ہو۔ کہنے لگی: تو پھر کیا بات ہے کہ تم نے مجھ سے اتنا قریب رہتے ہوئے بھی کبھی چھیڑ چھاڑ کی کوشش نہ کی؟ یقیناً تم نامرد ہی ہو! میں نے کہا: میں ایک شادی شدہ مرد ہوں اور میرے 5 بچے بھی ہیں۔ کہنے لگی: وہ بچے کسی اور کے ہونگے! میں نے کہا: ہم پٹھان ہیں اور ہماری بیوی کی طرف کوئی نگاہ اٹھا کر بھی دیکھ لے تو ہم اس کی آنکھیں نکال دیتے ہیں، بچے تو دور کی بات ہے۔ اس پر وہ کہنے لگی: تو جب میں بد صورت بھی نہیں اور تم نامرد بھی نہیں تو پھر 6 ماہ کے اس طویل عرصے میں...؟ میں نے کہا: بات یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان اپنی بیوی کے سوا کسی کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ اس پر اس نے فوراً کہا: رہنے دو! ہم نے مسلمان بہت دیکھے ہیں۔ میں نے کہا: بات یہ ہے کہ تمہیں جن مسلمان مردوں سے واسطہ پڑا ہے وہ صرف نام کے مسلمان تھے، کردار کے نہیں اور میں صرف نام کا نہیں، کردار کا بھی مسلمان ہوں۔ میرا یہ جواب سن کر لڑکی مجھ سے بہت متاثر ہوئی اور کہنے لگی: جس مذہب اسلام کے تم ماننے والے ہو، کیا اس کے بارے میں مجھے مزید معلومات دے سکتے ہو کہ تمہارا مذہب تمہیں مزید کن پاکیزہ باتوں کی تعلیم دیتا ہے؟ میں نے اس کی رغبت کو دیکھتے ہوئے انگریزی ترجمے پر مشتمل قرآن مجید کا ایک نسخہ اس کے حوالے کر دیا۔

قرآن مجید کا مطالعہ کر کے کافی دنوں کے بعد وہ امریکن لڑکی میرے پاس آئی اور کہنے لگی: تم نے اب تک ایسی عظیم کتاب کو مجھ سے کیوں چھپا کر رکھا تھا؟ اس کی طرف سے مزید کتابیں طلب کرنے پر میں نے پاکستان اپنی بیوی کو خط لکھ کر ڈاک کے ذریعے مزید کتابیں منگوا لیں اور اس کو دے دیں۔ ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک دن وہ لڑکی میرے پاس آئی اور مجھ سے کہنے لگی: میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں، مجھے مسلمان بننے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟ میں نے اسے کلمہ توحید و رسالت پڑھوا کر مسلمان کر دیا۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ لڑکی پوچھنے لگی: اب بتاؤ کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے وہ کون سے احکام ہیں جن پر مجھے عمل کرنا پڑے گا؟ میں نے کہا: سب سے پہلے شراب سے توبہ کرو۔ وہ کہنے لگی: تم نے اللہ تعالیٰ کی جو کتاب مجھے دی اور میں نے جس وقت اس میں پڑھا کہ شراب حرام ہے تو اسی وقت شراب سے توبہ کر لی تھی۔ میں نے کہا: یہ جو تم نے نیم برہنہ لباس پہنا ہوا ہے تو گھر سے باہر نکلتے ہوئے ایک مسلمان عورت کا لباس سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک ہوتا ہے، لہذا آئندہ سے تمہارا لباس ایک مسلمان عورت کی طرح ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہ گئی اور اگلے دن ایسا لباس پہن کر آئی جو واقعی سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک تھا اور جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ تھا۔

اس کے بعد یہ نو مسلمہ خاتون مجھ سے کہنے لگی کہ آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ اس پر میں نے اسے کہا: آپ کو معلوم نہیں کہ میں

مسجد میں درس قرآن دیتا ہوں، ایک مرتبہ درس کے بعد ایک ہندو لڑکی مسجد میں داخل ہوئی اور کہنے لگی: میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ اس کی باتوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ اچھی خاصی پڑھی لکھی اور مالدار گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ میرے ساتھ مسجد میں اور بھی دوسرے علماء موجود تھے۔ ہم نے اس سے کہا: اچھی طرح سوچ لو! اگر ابھی تم اسلام قبول نہ کرو تو ہم تمہیں کچھ نہ کہیں گے، لیکن ایک مرتبہ اسلام قبول کر لینے کے بعد اگر تم نے کبھی دوبارہ ہندو مذہب اختیار کرنے کی کوشش کی تو ہم تمہاری جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ وہ کہنے لگی: یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔ ہم نے اس سے اس کے حالات اور اسلام قبول کرنے کا سبب دریافت کرنا چاہا تو اپنے بارے میں ہمیں بتاتے ہوئے کہنے لگی: میں ایک مالدار ہندو باپ کی ایک تعلیم یافتہ لڑکی ہوں، ہندو گھرانے میں آنکھ کھولی، مگر بچپن ہی سے مجھے مسلمانوں کے طور طریقے اور رسم و رواج خصوصاً مسلمانوں کے ماہ مقدس یعنی رمضان المبارک اور ان کے تہوار یعنی عید اور بقر عید کے دنوں میں نورانیت، پاکیزگی اور دلکشی ہندوؤں کے طور و طریقوں اور تہواروں سے بہت زیادہ عمدہ محسوس ہوتی تھی، جس کے باعث بچپن ہی سے اسلام کے بارے میں تحقیق اور تجسس کا شوق بڑھتا چلا گیا، مگر میرا باپ اسلام کے معاملے میں بہت سخت تھا۔ میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا، جس کے باعث میں اسلام کے اتنا قریب ہو گئی کہ باپ کے خوف کے سوا مجھے اسلام قبول کرنے سے اور کوئی چیز نہیں روک رہی تھی، مجھے خیال ہوا کہ اگر کوئی مسلمان مرد مجھ سے نکاح کے لیے آمادہ ہو جائے تو وہ شوہر بن کر مجھے تحفظ دے سکتا ہے ورنہ باپ سے دشمنی مول لے کر میں اکیلی کہاں جاؤں گی؟ الغرض مجھے کسی مسلمان مرد کا سہارا چاہیے تھا۔ صرف اسلام قبول کرنے کی غرض سے میں نے یونیورسٹی میں ایک مسلمان لڑکے سے کچھ گپ شپ شروع کر دی تاکہ اسے اپنی طرف مائل کر سکوں۔ مقصد صرف کسی مسلمان مرد سے نکاح تھا تاکہ میں نکاح سے قبل مسلمان ہو کر کسی مسلمان شوہر کا تحفظ حاصل کر سکوں۔ اس مسلمان لڑکے کی طرف میری رغبت کا علم میرے باپ کو ہو گیا اور باپ نے اس خوف سے کہ کہیں میں اس سے شادی کے چکر میں مسلمان نہ ہو جاؤں، مجھے اس یونیورسٹی سے نکال کر کسی دوسرے شہر بھیج دیا اور تعلیم مکمل ہونے سے قبل باپ نے مجھے واپس نہ آنے دیا، چنانچہ 4 سال کے بعد جب میں واپس آئی تو وہ نوجوان ملک چھوڑ کر باہر جا چکا تھا۔ سخت مایوسی کے عالم میں واپس دہلی پہنچی اور کچھ وقت گزرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میں خدا پر اعتماد کرتے ہوئے ہر حال میں اسلام قبول کروں گی۔

ہم نے اسے کلمہ پڑھوا کر مسلمان کیا اور اس وقت مجلس میں اور بھی جو دوسرے علماء موجود تھے، ان کے مشورے سے اس کی دینی تعلیم کا انتظام کیا، نیز اس پر بھی مشورہ ہوا کہ اس خاتون کے نکاح کا کوئی ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ بعد میں یہ خاتون کسی آزمائش کا شکار نہ ہو۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر مجھ سے نکاح پر راضی ہو تو میں تم سے نکاح کرنے کو تیار ہوں، مگر میں چونکہ پہلے سے شادی شدہ ہوں اور ہمارے ہاں دوسری شادی کا رواج نہیں، لہذا کچھ وقت مجھے گھر میں خاندان اور بیوی کی ذہن سازی کرنی پڑے گی، نیز میرے ہاں ولادت بھی ہونے والی ہے، لہذا ولادت سے فراغت کا بھی انتظار ہے، اس وقت تک میں یہ اقدام نہیں کر سکتا، مگر تم میرے خاندان اور بیوی اور کسی بھی فرد کے سامنے پہلے سے اس بات کا تذکرہ نہ کرنا ورنہ بہت ہنگامہ ہوگا۔

یہ لڑکی اس پر بخوشی راضی ہو گئی اور اس نے مجھ سے اور بعض دوسرے علماء سے پردے میں قرآن مجید، احادیث اور بہشتی زیور وغیرہ کی تعلیم شروع کر دی۔ اس خاتون کے اخلاص کا پوری طرح اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب یہ ایک مالدار گھرانے سے تعلق اور اچھی خاصی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بہت شوق اور رغبت سے میرے گھر جاتی اور خادموں کی طرح میری بیوی کا گھر کے مختلف

تو پہلے سے شادی شدہ ہوں؟ یہ جواب سن کر وہ لڑکی تعجب بھرے لہجے میں کہنے لگی: آپ نے مجھے اللہ تعالیٰ کی جو کتاب دی تھی، اس میں تو میں نے پڑھا ہے کہ ایک مسلمان مرد چار شادیاں کر سکتا ہے! اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت دے رکھی ہے؟ اس نو مسلم لڑکی کا یہ جواب سن کر میں بہت شگفتا، دوسری شادی کے تذکرے سے اپنی پاکستانی بیوی اور خاندان کے رد عمل کے مختلف بھیاں تک تصورات دماغ میں تیزی کے ساتھ گردش کرنے لگے، اگر میں دوسری شادی کر لیتا ہوں تو۔۔۔؟ جب بیوی اور خاندان کو علم ہوگا تو۔۔۔؟ اسے اپنے ساتھ پاکستان لے کر اپنی بیوی کا سامنا کیسے کروں گا۔۔۔؟ ایک طرف اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کرنے والی وہ نو مسلم لڑکی، اسے بے یار و مددگار کیسے چھوڑ دیا جائے؟ مگر دوسری طرف پاکستانی بیوی۔۔۔ میں نے بہت سوچا، مگر کیسے۔۔۔؟ اُف! کس آزمائش اور مصیبت میں پھنس گیا۔۔۔؟

میری ہمت نہ ہوئی اور میں نے اس لڑکی سے معذرت کرتے ہوئے کہا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے، مگر مجھ میں اس کی ہمت نہیں اور میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس پر وہ کہنے لگی: آپ نے تو کہا تھا۔۔۔ میں محض نام کا مسلمان نہیں بلکہ کردار کا مسلمان ہوں۔۔۔! میں سوچ میں پڑ گیا کہ یا اللہ۔۔۔! کیا کروں ایک طرف یہ نو مسلمہ اور مخلص لڑکی اور دوسری طرف تیز طرار اور تیز زبان بیوی۔۔۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد مجھے ایک جواب سمجھ میں آ گیا اور میں نے اس لڑکی سے کہا: ہمارے مذہب میں چار شادیوں کی اجازت اس وقت ہے جب کہ ان میں عدل بھی ممکن ہو اور بات یہ ہے کہ میں عدل نہیں کر سکتا۔ میرا یہ جواب سن کر وہ لڑکی کہنے لگی: آپ نے اپنی جان بہت خوبصورت طریقے سے چھڑائی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور اس کے بعد دوبارہ کبھی نہیں آئی۔

ان بزرگ کی بیوی بد زبانی اور بد اخلاقی کی وجہ سے خاندان میں مشہور تھی، جس وجہ سے انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی، طلاق کے بعد یہ عورت اپنے چھوٹے بچوں کو لے کر علیحدہ ہو گئی اور بچوں کو باپ کے خلاف اس قدر ورغلائی رہی کہ بڑے ہونے کے بعد بھی ان کے بیٹوں نے اپنے باپ کے ساتھ تعلق نہ رکھا، بلکہ کسی کے منہ سے اپنے باپ کا نام تک سننا بھی گوارا نہ کیا۔ اس بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے کے بعد ان کی ایک اکلوتی بیٹی کو ان پر ترس آ گیا اور وہ اپنے باپ کو اپنے شوہر کے گھر لے گئی۔ اس طرح یہ بزرگ جنہوں نے اپنی بیوی سے ”وفا“ کرتے ہوئے ایک مخلص انگریز نو مسلمہ لڑکی کے رشتے کو ٹھکرایا تھا، بیوی اور بیٹوں سے محروم ہو کر اس بڑھاپے میں اپنی اکلوتی بیٹی اور داماد کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

یہ بزرگ واقعہ سنا کر اپنی بھیگی ہوئی تر آنکھوں کے ساتھ کہتے ہیں: چند ماہ قبل مجھے دل کا شدید دورہ پڑا، گھر میں پڑا ترپ رہا تھا، مگر گھر میں کوئی بھی ایسا فرد موجود نہیں تھا جو مجھے اٹھا کر ہسپتال پہنچا دیتا۔ پھر کہتے ہیں: میرے والد صاحب کی بھی تین شادیاں تھیں اور میں والد صاحب کی تیسری بیوی کی اولاد میں سے ہوں، ان تینوں سونوں میں ایسا تعلق تھا کہ میری والدہ کی طبیعت میں کم عمری کے باعث چونکہ زیادہ سمجھداری نہیں تھی اور بچپن کے باعث لاپرواہی بھی ان میں بہت تھی، اس لیے مجھے تو پالا ہی میری سوتیلی والدہ نے ہے اور میری سگی والدہ اور دونوں سوتیلی والدہ ایک دوسرے کے اور بھی دوسرے کاموں میں ہاتھ بٹایا کرتی تھیں، لیکن معلوم نہیں کہ کچھ ہی وقت میں ماحول ایسا بدل گیا ہے کہ دوسری شادی کا نام لینا گویا جرم بن گیا ہے۔

(ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت کیوں؟ ص 264، ناشر: بیت السلام، کراچی)

(ii) ایک ہندو نو مسلم لڑکی کا واقعہ..... ہندوستان کے ایک نوجوان عالم دین اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں دہلی کی ایک

کاموں میں نہ صرف یہ کہ ہاتھ بٹاتی بلکہ بیوی کی خدمت بھی کرتی، مگر جس دن میرے ہاں ولادت ہوئی اس کی زبان سے میری بیوی کے سامنے اشارۃً کوئی ایسا لفظ نکل گیا، جس سے میری بیوی کو شک ہو گیا کہ میرا اس لڑکی سے نکاح کا ارادہ ہے۔ بس پھر کیا تھا۔! بیوی نے میرے ہاں اور اپنے والدین کے ہاں جا کر ایک ایسا ہنگامہ کھڑا کیا کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا اور سارا خاندان دشمن ہو گیا۔

الغرض بیوی اور خاندان بھر کی طرف سے ایسا شدید ردِ عمل ہوا کہ میں ان کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا، حوصلہ ہار گیا اور اس نو مسلم لڑکی سے جو کئی ماہ سے میرے گھر کی صفائی ستھرائی اور میری بیوی کی خدمت اس امید پر کر رہی تھی کہ شاید بعد میں میری بیوی بطور سوکن اسے قبول کر لے، میں نے معذرت کر لی اور کہا: خاندان اور بیوی کے سامنے عاجز آ گیا ہوں۔ میری اس بات سے اس کا ایسا دل ٹوٹا کہ وہ تعلیم وغیرہ کا سلسلہ چھوڑ کر چلی گئی اور بعد میں مجھے علم ہوا کہ وہ ارض ہند کو ہمیشہ کے لیے ترک کر کے یورپ چلی گئی ہے۔

یہ واقعہ سنا کر عالمِ دین کہتے ہیں: اسلام کے متعدد شادیوں والے نظام کی خوبیوں کو اور ساری قوم کے ایک بیوی پر اکتفاء والے نظام کی خرابیوں کو میں نے پہلے کبھی اتنی زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ اس واقعے کو بھی ایک جزوی واقعہ سمجھ کر خود سے بہت زیادہ متاثر نہ ہوا اور اس طرف توجہ نہیں گئی کہ ایسے واقعات تو ہندوستان میں روز و شب پیش آتے رہتے ہیں، مگر آج جب میں اس کی حقیقت سے آگاہ ہو گیا ہوں تو میرا ذہن لاشعوری طور پر چند سال پہلے اپنے ساتھ پیش آنے والے اس واقعے کی طرف مسلسل گردش کر رہا ہے اور سوچ رہا ہوں کہ یہ تو ایک نو مسلم لڑکی تھی جو میری دوسری بیوی بننے پر صرف اس لیے آمادہ ہو گئی تھی کہ میں اس کے خیال میں عالمِ دین ہونے کے باعث اسلام قبول کرنے کے بعد اسے ہر لحاظ سے تحفظ دے کر اس کی دینی تعلیم و تربیت کا بھی اچھا انتظام کر سکوں گا، مگر یہ صرف ایک ہندو نو مسلم کا مسئلہ نہیں بلکہ ہندوستان میں میرے علم میں اور بھی بہت سی ہندو لڑکیاں ہیں جو مسلمان ہونا چاہتی ہیں، مگر انہیں کوئی مسلمان مرد خاوند بن کر تحفظ دینے کو تیار نہیں ہوتا، کیونکہ جب بہت سی مسلمان لڑکیاں رشتوں کو ترس ترس کر گھروں میں بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں اور ان کے لیے رشتوں کا انتظام نہیں ہو پاتا تو نو مسلم ہندو لڑکیوں کے تحفظ کا انتظام بھلا کیسے ہو؟ باصلاحیت اور صاحبِ علم حضرات ایک بیوی کی موجودگی میں کسی بھی وجہ سے دوسری لانا پسند ہی نہیں فرماتے۔

مزید کہتے ہیں: تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت کا احساس اگر مجھے پہلے ہی ہو جاتا تو ہرگز اُس نو مسلم لڑکی کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچاتا اور خاندان اور معاشرے کی پروا کیے بغیر ہر حال میں نکاح کرتا، خواہ اس اقدام کے لیے مجھے کیسی ہی قربانیاں دینی پڑتیں۔ (ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت کیوں؟ ص: 268، ناشر: بیت السلام، کراچی)

شیخ محمد صالح المنجد فرماتے ہیں:

”جب پہلی بیوی پر سوکن آتی ہے تو اس کی پریشانی بالکل ایک متوقع امر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے احساسات تکلیف کو کم کرنے یا بالکل ختم کر دینے کے لیے قواعد و ضوابط بنا دیے ہیں۔ اس نے شوہر کو انصاف برتنے کی تلقین کی ہے اور صبر و تحمل پر بھی زور دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تعددِ ازواج کے نتیجے میں موہوم پریشانیاں اس کے رد کا صحیح جواز پیش نہیں کرتیں۔ اسلام انسانوں کے بہترین مفادات میں اضافے اور مضمرات میں کمی کے لیے آیا ہے اور جن چیزوں سے نقصان پہنچ سکتا ہے، وہ بالآخر ان کا قلع قمع

کر دیتا ہے۔ اس بارے میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اگر تعددِ ازواج سے متعلقہ تمام لوازمات کو ملحوظ رکھا جائے اور اسلامی احکامات کی پوری طرح پابندی کی جائے تو اس کے ذریعے سے عوام کی بھلائی اور ان کے بہترین مفادات کا کما حقہ تحفظ ہو سکتا ہے (مثلاً: جو مرد ایک بیوی سے تسکین نہیں پاتا، اس کی شرم و حیاء برقرار رہنے کا اہتمام ہو سکتا ہے، بے شوہر عورت باعصمت رہ کر مسلمانوں کی اولاد بڑھا سکتی ہے اور اس سے معاشرے میں بیواؤں اور بے نکاحی رہ جانے والی عورتوں کی تعداد کم کرنے میں بھی مدد ملتی ہے)۔ جہاں تک تعددِ ازواج سے ناپسندیدہ حالات پیدا ہونے کا تعلق ہے تو وہ یا تو اس کے فوائد کے مقابلے میں بہت ہی کم اور ہلکے ہوتے ہیں یا وہ تعددِ ازواج سے متعلقہ ذمہ داریاں پوری نہ کرنے کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔“

(www.islam-qa.com , Question Reference# 2040)

(3) پہلی بیوی میں کیا خرابی ہے؟

پہلی بیوی کی حمایت میں خاندان اور معاشرے والوں کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی پیش کیا جاتا ہے: پہلی بیوی میں کیا خرابی ہے؟ وہ ہر طرح سے صحیح سلامت ہے، تمہارے بچوں کو پالتی ہے، تمہارا خیال رکھتی ہے۔۔۔ پھر کیا ضرورت ہے دوسری شادی کرنے کی؟ پھر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ شاید پہلی بیوی کی محبت مرد کے دل سے نکل گئی ہے اور وہ اس سے بے زار ہو گیا ہے یا اس کا دل بھر گیا ہے، اس لیے دوسری شادی کر رہا ہے۔

ہمارے معاشرے میں اکثر لوگوں کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ جب کسی کی بیوی میں کوئی جسمانی یا روحانی خرابی یا عیب ہو تو پھر وہ دوسری شادی کا قدم اٹھا سکتا ہے۔ اس لیے دوسری شادی کرنے سے پہلے بیوی میں کوئی خرابی ہو یا نہ ہو، مرد کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی بیوی کے نقائص کو لوگوں کے سامنے بیان کر کے کسی طرح اس کو خراب ثابت کر دے۔ اس صورت میں عام طور پر بیوی بے عیب ہوتی ہے، لیکن اپنے شوہر کے دل سے صرف اس لیے گر جاتی ہے کہ اس کی دلچسپی کا مرکز کوئی دوسری عورت بن چکی ہوتی ہے اور وہ کسی طرح اس کو بدنام کر کے دوسری عورت کو اپنا نا چاہتا ہے۔ اس طرح لوگ بھی اس کی باتوں میں آ جاتے ہیں اور اس کی طرف ذرا کرنے لگتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی خلوص نیت کے ساتھ اپنی پہلی بیوی کی محبت و چاہت کو دل میں قائم رکھتے ہوئے دوسری شادی کا ارادہ کرے تو اس کے سامنے مخالفت کے پہاڑ کھڑے کر دیے جاتے ہیں اور کوئی بھی اس کی حمایت کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔

آیت مبارکہ میں ”مطاب لکم من النساء“ (ان عورتوں میں سے، جو تمہیں پسند ہوں) کے الفاظ میں اس اعتراض کا جواب ہے کہ مزید شادیاں کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ پہلی بیوی تمہیں ناپسند ہو، بلکہ پہلی بیوی کے پسند ہوتے ہوئے بھی تم مزید تین پسندیدہ عورتوں سے شادی کر سکتے ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب اور چہیتی بیوی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ دلی لگاؤ بھی انہی سے تھا، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد 9 شادیاں کیں، تو کیا (نعوذ باللہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی؟ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی محبت میں کمی واقع ہو گئی تھی؟ ہرگز نہیں! یہ تو ایک حکم خداوندی تھا، جس کو پورا کرنے

کے لیے اور اپنی اُمت کے سامنے نمونہ پیش کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہوتے ہوئے بھی مزید شادیاں فرمائیں۔ لہذا اس چیز کو سمجھ لینا چاہیے کہ دوسری شادی کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ پہلی بیوی میں کوئی نقص، عیب یا خرابی ہو، بلکہ ہر لحاظ سے پہلی بیوی کے کامل ہوتے ہوئے بھی مرد دوسری شادی کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی جاہلانہ اور فضول اعتراضات پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر پہلی بیوی سے اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا کی ہو اور وہ جوان ہو تو اعتراض اس طرح کیا جاتا ہے: بچے اتنے بڑے بڑے ہو گئے، داڑھی میں سفید بال آ گئے، پھر بھی دوسری شادی کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ اگر بچے چھوٹے ہوں تو اس طرح اعتراض کیا جاتا ہے: ہائے! کتنے پیارے پیارے اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، کم از کم ان ہی کا خیال کر لیا ہوتا۔ اگر پہلی بیوی سے اولاد نہ ہو تو اس طرح اعتراض کیا جاتا ہے: ایک تو بیوی کو اولاد نہ ہونے کا غم، ایسی عورت تو پہلے ہی قابل ترس تھی اور اس پر ایک سوکن لا کر اسے مزید پریشان کر دیا، اولاد تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتی ہے، مقدر ہوئی تو اسی پہلی بیوی سے ہو جائے گی، لگتا ہے اللہ تعالیٰ پر یقین نہیں؟ اگر بیوی بد اخلاق و بد زبان ہو تو اعتراض اس طرح کیا جاتا ہے: ایک تو سنہل نہیں رہی اور دوسری کا شوق پیدا ہو رہا ہے۔ اگر بیوی نیک کردار اور خوش اخلاق ہو تو اعتراض اس طرح کیا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیوی شریف دے دی تو بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اسی پر قناعت کی جاتی، اس کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ایک اور شادی رچائی جا رہی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس لیے غور کرنا چاہیے کہ یہ تمام صورتیں کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو درپیش نہ تھیں؟ پہلی بیوی سے وابستہ حکمتیں اور مصلحتیں کیا صحابہ کرام کو حاصل نہ تھیں؟ تو پھر انہوں نے کیوں ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مزید شادیاں کیں؟ ان کی پہلی بیویاں بھی تو آخر صحابیات تھیں، خوش اخلاق اور اعلیٰ کردار تھیں، نیکی اور شرافت میں بلند مقام تھیں اور ہر لحاظ سے اپنے شوہروں کو خوش رکھتی تھیں، ہماری بیویاں تو کسی طرح بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، لیکن ان تمام اعلیٰ صفات کے باوجود صحابہ کرام نے چار چار شادیاں کیں اور اُس وقت کسی نے بھی اس طرح کے اعتراضات نہیں اٹھائے۔

(4) متعدد بیویاں آپس میں لڑتی جھگڑتی ہیں:

بعض لوگ اس اعتراض کو بنیاد بنا کر دوسری شادی کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں کہ سوکنوں کی آپس میں بغض و عداوت اور ان کے درمیان ہونے والے جھگڑے مرد کا سکون برباد کر دیتے ہیں اور مزید فکر و پریشانی کا باعث بنتے ہیں، لہذا خیر و عافیت اسی میں ہے کہ دوسری شادی نہ کی جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ لڑائی جھگڑے سے ہر شریف انسان دور بھاگتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اس کی زندگی ہر اعتبار سے امن و سکون کے ساتھ گزرے، لیکن ایسا ممکن نہیں کہ انسان مکمل طور پر لڑائی جھگڑوں سے محفوظ رہ سکے، خصوصاً آج کے دور میں، جہاں ہر آنے والے وقت میں مختلف قسم اور مختلف مزاج کے لوگوں سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ روزمرہ زندگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو کوئی رشتہ ایسا نہیں ملے گا جو لڑائی جھگڑوں سے پاک ہو۔ جہاں دو یا دو سے زیادہ افراد کسی مخصوص وقت کے لیے جمع ہوتے ہوں یا گھر میں ایک ساتھ رہتے ہیں تو کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی بات پر ان کے درمیان اختلاف رائے ہو جاتا ہے اور بعض اوقات یہ اختلاف لڑائی

جھگڑے کا باعث بنتا ہے۔ آپس کا تعلق چاہے کتنا ہی مضبوط ہو اور رشتہ چاہے کتنا ہی پرانا کیوں نہ ہو، جب کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو وہ لڑائی جھگڑے کا رخ اختیار کرتا ہے۔ شیطان کا تو کام ہی انسانوں کے درمیان پھوٹ ڈال کر انہیں لڑوانا ہوتا ہے۔ اولاد کو نافرمان کر دے تو وہ اولاد کبھی اپنے باپ کے ساتھ لڑ پڑتی ہے تو کبھی ماں کے ساتھ جھگڑنے لگتی ہے، بھائیوں کو ایک دوسرے سے متنفر کر دے تو بھائی بھائی کا گریبان پکڑ لیتا ہے، بہنوں کے اندر حسد کی آگ بھڑکا دے تو بہنیں ایک دوسرے کا گھر اجاڑنے پر تل جاتی ہیں، دوستوں کو آپس میں بدگمان کر دے تو دوستی دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ زوجین کے باہمی اعتماد کو اگر توڑ دے تو میاں بیوی ایک دوسرے سے اتنا قریب ہو کر بھی ہمیشہ کے لیے دور ہو جاتے ہیں۔ جب اتنے مقرب و مقدس انسانی رشتے بھی لڑائی جھگڑوں کی گرد سے نہیں بچ پاتے تو سوکن کا رشتہ بھی تو آخر دو انسانوں کے درمیان ہی ہوتا ہے، نہ کہ دو فرشتوں کے درمیان، یہاں تو شیطان کی محنت اور زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ اس لیے لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے جس طرح ہم دنیا کے باقی رشتے قائم کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتے اور ہر حالت میں ان کو نبھانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر کبھی اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے معمولی زندگی سمجھتے ہوئے لڑائی جھگڑے کی نوبت آنے سے پہلے ہی حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں، اسی طرح دوسری شادی کے نتیجے میں قائم ہونے والے رشتوں کے ساتھ بھی ہمارا یہی معاملہ ہونا چاہیے۔

ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ آج زیادہ تر لوگ ایک شادی کے باوجود بھی گھریلو لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے پریشان نظر آتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو جہاں ساس، بہو اور نندیں ایک ساتھ رہتی ہوں اور وہاں کبھی لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئی ہو۔ اس لیے ایک مرد ایک شادی کی صورت میں بھی ہر وقت فکر و غم میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک طرف ماں ہے تو دوسری طرف بیوی، دونوں قریب ترین اور عزیز ترین رشتے، اب یہ کس کا ساتھ دے اور کس کو قصور وار ٹھہرائے؟ ماں کو راضی کرے تو بیوی ناراض اور بیوی کو راضی کرے تو ماں ناراض۔ یہ صورتحال ایک مرد کے لیے کسی کڑی آزمائش سے کم نہیں، لیکن پھر بھی کوئی مرد ساس، بہو اور نندوں کے باہمی اختلافات کے خوف سے پہلی شادی سے نہیں رکتا اور نہ ہی لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ اس کی ہمت بڑھاتے ہیں اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں، ساتھ ہی اس کے مخلص و محسن لوگ مفید مشورے دیتے ہیں کہ کس طرح وہ اپنے گھر کو ان لڑائی جھگڑوں سے بچا سکتا ہے۔ دوسری شادی کی صورت میں بھی ہمارا یہی معاملہ ہونا چاہیے۔

مختصر یہ کہ لڑائی جھگڑے کا باعث کوئی بھی خاص رشتہ و تعلق نہیں ہوتا بلکہ آپس کے معاملات ہوتے ہیں، جو انسانوں کے درمیان جوڑ اور توڑ کا سبب بنتے ہیں۔ اس لیے اختلافات و فسادات سے بچنے کے لیے کسی بھی تعلق اور رشتے کو نشانہ بنانے کے بجائے آپس کے معاملات کو درست رکھنا چاہیے اور شریعت کی روشنی میں ان کو بنانا اور سنوارنا چاہیے۔ اگر کبھی باہمی اختلاف رونما ہو جائے تو اسے فطرتِ انسانی کا حصہ سمجھتے ہوئے حسن ظن سے کام لینا چاہیے اور ایک دوسرے کے لیے اپنے دلوں کو صاف رکھنا چاہیے۔ کسی بھی بڑی حکمت و مصلحت کی خاطر درگزر اور برداشت سے کام لینا چاہیے اور تعدد ازواج کی انفرادی و اجتماعی حکمتیں اور مصلحتیں اتنی زیادہ ہیں کہ صرف اختلافات و فسادات کے بلا وجہ خوف و ڈر سے اس کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ سعودی عرب کے ایک مشہور عالم محمد الامین الشنقٹلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”بعض ملحد اور دشمنانِ دین کا دعویٰ ہے کہ ایک سے زائد بیویاں رکھنے کے نتیجے میں بیویوں میں جو کچھ جھگڑا فساد ہوتا

ہے اس سے زندگی کا مزہ کر رہا ہو جاتا ہے، کیونکہ جب مرد کسی بیوی کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے، دوسری کو خوش کرنا چاہتا ہے تو پہلی ناراض ہو جاتی ہے۔ یوں وہ ہمیشہ دو ناراضگیوں میں سے ایک کا شکار بہر حال رہتا ہے اور خود کو ایسی پریشانی میں مبتلا کرنا حکمت و مصلحت کا کام نہیں۔ چنانچہ جو لوگ اس بنیاد پر تعدد ازواج کی مخالفت کرتے ہیں ان کا کلام ایسا ساقط اور کمزور ہے کہ جس کا بے کار ہونا کسی عقلمند پر مخفی نہیں، کیونکہ ایک گھر میں آپس میں نوک جھونک اور جھگڑے ایک ایسا کام ہے، جس سے فرار کا کوئی راستہ ہی نہیں، بعض مرتبہ (نکاح کے بعد) مرد کے اپنی والدہ سے اختلافات شروع ہو جاتے ہیں (مثلاً والدہ کو شکایت ہونے لگتی ہے کہ بیوی کو زیادہ وقت کیوں دے رہا ہے یا بیوی ساس کی خدمت کیوں نہیں کرتی) بعض مرتبہ والد اور بیٹے میں نوک جھونک شروع ہو جاتی ہے، بعض مرتبہ مرد کے اپنی اکلوتی بیوی سے اختلافات اور لڑائی جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں، الغرض گھر کے مختلف افراد کی آپس میں نوک جھونک اور جھگڑوں کو معاشرے میں ایک معمول کی بات سمجھا جاتا ہے اور ان اختلافات کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی، چنانچہ ایک سے زائد بیویاں رکھنے میں جو کچھ فسادات و اختلافات ہوتے ہیں، ان فسادات و اختلافات کی ان مصلحتوں کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں ہے جو مصلحتیں اس سنت پر عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہیں، مثلاً: متعدد عورتوں کو عفت و پاک دامنی کی زندگی میسر ہونا، قوم کی تمام عورتوں میں سے ہر ایک عورت کے لیے ایک ایسے مرد سے نکاح کا حصول با آسانی ممکن ہو جانا، بچوں کی شرح پیدائش میں اضافہ تاکہ امت اپنی کثرت کے باعث (مختلف شعبوں میں) دشمنان اسلام کے سامنے ٹھہر سکے۔ الغرض (یہ اور اس جیسی اور بھی) بڑی بڑی مصلحتوں اور فوائد کے مقابلے میں سوکنوں کے آپس کے جھگڑوں جیسے فسادات کچھ معنی نہیں رکھتے۔ لہذا ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ سوکنوں کے جھگڑے فساد کا سبب ہیں یا دوسری شادی کے نتیجے میں پہلی بیوی کو جو کچھ تکلیف ہوتی ہے تو بیوی کو ایسی تکلیف پہنچانا بھی فساد کا سبب ہے تو شریعت کی نظر میں ترجیح اس بات کو ہے کہ بڑی بڑی مصلحتوں کی خاطر ان چھوٹے فسادات کو برداشت کیا جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انگور سے شراب نچوڑی جاتی ہے، جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، مگر انگور سے جو بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کے پیش نظر انگور کے وجود کو برقرار رکھنا ہی مناسب سمجھا جاتا ہے اور شراب کے نقصانات کو دیکھ کر انگور کے وجود ہی کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ پس قرآن نے مرد کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کو حلال قرار دیا، عورتوں کی مصلحت کی خاطر، تاکہ کوئی بھی عورت کسی مرد سے نکاح سے محروم نہ رہ سکے اور مرد کی مصلحتوں کی خاطر، تاکہ کوئی مرد ایک بیوی پر اکتفاء کر کے نکاح سے وابستہ بہت سی مصلحتوں سے محروم نہ رہ سکے اور اجتماعی سطح پر امت کی مصلحت کی خاطر، تاکہ شرح پیدائش میں اضافے کے باعث امت کی تعداد میں اضافہ ہو اور امت کے لیے اللہ کے کلمے کو پوری دنیا میں بلند کرنا ممکن ہو۔

پس تعدد ازواج ایک ایسے باخبر کی طرف سے نازل کردہ حکم ہے جو حکمت والا ہے، اس حکم پر اعتراض وہی کر سکتا ہے جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے کفر کی گمراہیوں سے اندھا کر دیا ہو، اور بیویوں کی تعداد کو چار کے عدد میں مختصر کر دینا بھی ایک حکمت والے اور باخبر کی طرف سے مقرر کردہ حد ہے، کیونکہ اس سے کم بیویاں رکھنے میں مرد نکاح سے وابستہ بعض فوائد سے محروم ہو سکتا ہے اور اس سے زیادہ بیویاں رکھنے میں اس کا زیادہ امکان ہے کہ بیویوں کے حقوق ادا نہ ہو سکیں گے۔“

ازواج مطہرات اور فطری اختلافات

فطری و وقتی کیفیات و جذبات کی بنا پر ازواج مطہرات کے درمیان بھی اختلافات پیدا ہو جاتے تھے اور بعض اوقات ان کا اظہار ذرا سختی و تلخی کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ کبھی وہ ایک دوسرے پر فخر کرتیں تو کبھی غیرت کا اظہار کرتیں، کبھی تجسس کی اور کبھی مقابلے کی صورت حال بھی پیش آ جاتی، لیکن ان اختلافات کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی تعدد ازواج کی حوصلہ شکنی نہیں فرمائی اور نہ ہی اپنی امت کو اس کے ترک کرنے کی تعلیم فرمائی۔ شیخ عبد اللہ الفقیہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان عورتوں کے خلاف بہت غیرت آتی تھی جو خود کو نکاح کے لیے از خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیتی تھیں، نیز صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج دو جماعتوں میں تقسیم تھیں۔۔۔ مگر یہ مشکلات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد بیویاں رکھنے سے باز نہ رکھ سکیں۔“

(عبد اللہ الفقیہ، رقم الفتویٰ: 20033، www.islamweb.net)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ خدیجہ کی بہن ہالہ ہمارے ہاں آئیں، انہوں نے اجازت طلب کرنے کے لیے آواز دی، ان کی آواز خدیجہ سے بہت ملتی تھی، یہ آواز سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدیجہ یاد آ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیرت اور مسرت کے عالم میں پکار اٹھے: یا اللہ! یہ تو ہالہ لگتی ہیں۔ اس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ قریش کی ایک بوڑھی عورت کو کیا ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں! انہیں تو فوت ہوئے بھی عرصہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عطا فرمائی ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلال میں آ گئے، یہاں تک کہ میں نے نادم ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھ سے غلطی ہو گئی، آئندہ میں ان کا ذکر ایسے الفاظ میں کروں گی۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی رقابت محسوس نہیں کرتی تھی جتنی خدیجہ کے ساتھ مجھے محسوس ہوتی تھی، حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری شادی سے پہلے وفات پا چکی تھیں، کیونکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر ان کا ذکر سنتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیا تھا کہ وہ انہیں جنت میں محل عطا کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بکری فصیح کرتے تو اس کا اتنا گوشت ان کی سہیلیوں کو بطور تحفہ بھیجا کرتے تھے جو ان کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔ (بخاری ج: 3816)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کا تذکرہ فرمایا تو میں نے عرض کا: اے اللہ کے رسول! آپ فاطمہ کا ذکر تو فرما رہے ہیں اور میرے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو دنیا و آخرت میں میری بیوی ہے۔ (مسند رک الحاکم 10/4)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی رزینہ فرماتی ہیں: ایک مرتبہ حضرت سودہ حضرت عائشہ سے ملنے ان کے پاس آئیں، اُس وقت حضرت عائشہ کے پاس حضرت حفصہ بھی موجود تھیں۔ حضرت سودہ بڑی اچھی بیعت اور حالت کے ساتھ آئیں، ان پر یمنی قبص

تھی اور اسی طرح کی چادر تھی اور ان پر آنکھ کے گوشے کے قریب دو ٹیکے ایلوے اور زعفران کے لگے ہوئے تھے، جو عورتیں زینت کے لیے لگایا کرتی تھیں۔ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہا: اے ام المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ہمارے پاس تشریف لائیں گے، ہم دونوں تو میلے سے ہونگے اور یہ ہمارے درمیان چمک رہی ہوگی۔ حضرت عائشہ نے کہا: اے حفصہ! اللہ سے ڈر۔ حضرت حفصہ نے کہا: میں اس کی زینت کو ضرور خراب کر کے رہوں گی۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: تم کیا کہو گی؟ حضرت حفصہ نے کہا: اے سودہ کا نادجال نکل آیا ہے۔ حضرت سودہ نے کہا: ہاں! اور بہت زیادہ گھبرائیں اور کانپنے لگیں اور کہنے لگیں: بتاؤ میں کہاں چھپ جاؤں؟ حضرت حفصہ نے کہا: خیمے میں بھاگ جاؤ، جو کھجور کی ٹہنیوں کا لوگ بناتے تھے اور اس میں اوٹ پکڑتے تھے۔ یہ گئیں اور اس میں چھپ گئیں، اس میں دھول مٹی بھی تھی اور کڑی کے جالے بھی، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور یہ دونوں ہنس رہی تھیں اور مارے ہنسی کے بات تک نہ کر سکتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: یہ کیسی ہنسی ہے؟ ان دونوں نے اپنے ہاتھوں سے خیمے کی طرف اشارہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سودہ کانپ رہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اے سودہ! تمہیں کیا ہوا؟ حضرت سودہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ کا نا نکل آیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نکلا نہیں اور البتہ ضرور نکلے گا، وہ نکلا نہیں اور البتہ ضرور نکلے گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ کو باہر لائے اور ان سے غبار جھاڑا اور کڑی کے جالے صاف کیے۔ (الطبرانی، الہیثمی 316/4)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ سے شادی کی تو مجھے بہت پریشانی ہوئی، کیونکہ لوگوں نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ خوبصورت ہیں، میں نے کسی بہانے سے چھپ کر انہیں دیکھا تو واقعی اللہ کی قسم! ان کا جتنا حسن و جمال مجھے بتایا گیا تھا، اس سے کئی گنا مجھے ان میں نظر آیا، پھر میں نے اس کا ذکر حفصہ سے کیا، انہوں نے کہا کہ غیرت کی وجہ سے وہ آپ کو زیادہ خوبصورت نظر آئیں ورنہ وہ اتنی خوبصورت نہیں ہیں جتنا لوگ کہتے ہیں، چنانچہ حفصہ نے انہیں چھپ کر کسی بہانے سے دیکھا اور مجھے آکر کہا: میں انہیں دیکھ آئی ہوں، اللہ کی قسم! تم ان کو جتنا خوبصورت بتا رہی ہو وہ اتنی خوبصورت نہیں، بلکہ اس کے قریب بھی نہیں ہیں، ہاں! خوبصورت ضرور ہیں۔ چنانچہ میں نے ام سلمہ کو پھر جا کر دیکھا تو وہ اب مجھے ویسی ہی نظر آئیں جیسا کہ حفصہ نے بتایا تھا، میری زندگی کی قسم! میں چونکہ غیرت والی تھی اس لیے پہلے وہ مجھے زیادہ حسین نظر آئیں۔

(طبقات ابن سعد 94/8)

جب حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی مکاتبت کی ادائیگی کے لیے مدد مانگنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہیں موجود تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے حد خوبصورت تھیں، جو بھی انہیں دیکھتا مسحور ہو جاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گمان تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا حسن دیکھ کر اس سے شادی کے خواہشمند ہو جائیں گے۔ یہ بات ان کی غیرت کا باعث بنی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جو نبی میں نے اسے اپنے حجرے کے دروازے پر دیکھا تو میرے دل میں ناپسندیدگی کے جذبات پیدا ہو گئے، کیونکہ میرا خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے اسی نظر سے دیکھیں گے، جس نظر سے وہ مجھے دکھائی دیتی تھی۔

(طبقات ابن سعد، دی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص: 493، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس)

ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنا سفیر بنا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شکایت کی غرض سے بھیجا، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رکھتے تھے، اس لیے لوگ انہی کی باری میں ہدیہ بھیجتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول! عائشہ کی طرح ہم سب بھی مال کی خواہش رکھتی ہیں، اس لیے لوگوں کو ہدایت کی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: ام سلمہ! عائشہ کے معاملے میں مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: میں آپ کو اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔ (مسلم، مسند احمد 293/6)

بعض ازواج نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خاموشی کے بعد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بڑی دلیری سے آکر تقریر کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چپ چاپ سنتیں اور کنکھیوں سے آپ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب خاموش ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پا کر یہ کھڑی ہوئیں اور ایسی مدلل گفتگو کی کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا لا جواب ہو کر رہ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: کیوں نہ ہو! آخر ابو بکر کی بیٹی ہے۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام ازواج پر فخر کیا کرتی تھیں، وہ کہتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے اوپر ان کا نکاح کیا، نیز پردے کی آیت بھی انہی کے متعلق نازل ہوئی۔ (بخاری 104/2)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: تمام بیویوں میں یہی میرا مقابلہ کرتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انہی کو میری برابری کا دعویٰ تھا، میں نے کسی عورت کو زینب سے زیادہ دین دار، پرہیزگار، راست گفتار، فیاض، سخی، مخیر اور اللہ تعالیٰ کی تقرب جوئی میں سرگرم نہیں دیکھا، فقط مزاج میں ذرا تیز تھیں، جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔ (مسلم، نسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میری بے خبری میں زینب میرے حجرے میں بلا اجازت داخل ہوئیں، وہ سخت غصے میں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! آپ کو تو یہی کافی ہے کہ ابو بکر کی بیٹی اپنی چھوٹی بائیں ہاتھ دے (یعنی آپ تو بس اسی کی محبت میں سرشار ہیں اور دوسری بیویوں کی پروا نہیں کرتے)، پھر زینب نے میری طرف رخ کیا (اور مجھے کوئے لگی)، لیکن میں نے اس سے رخ پھیر کر دوسری طرف کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی بدلہ لے لو۔ پھر جو میں ان پر برس پڑی تو دیکھا کہ منہ کا تھوک بھی خشک ہو گیا اور اس کے بعد وہ کچھ نہ بولیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمکنے دکھنے لگا۔ (ابن ماجہ 142/1)

ایک دفعہ رات کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آئیں، اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، اسی اثناء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سیدھے ایک طرف کو بڑھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: وہ زینب ہیں۔ حضرت زینب کو اس پر غصہ آیا اور کچھ بول گئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی برابر کا جواب دیا۔ باہر مسجد نبوی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے، انہوں نے یہ آوازیں سنیں تو آپ صلی

ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنا سفیر بنا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شکایت کی غرض سے بھیجا، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زیادہ محبوب رکھتے تھے، اس لیے لوگ انہی کی باری میں ہدیہ بھیجتے تھے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! عائشہ کی طرح ہم سب بھی مال کی خواہش رکھتی ہیں، اس لیے لوگوں کو ہدایت کی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اُم سلمہ! عائشہ کے معاملے میں مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ، چنانچہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: میں آپ کو اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔ (مسلم، مسند احمد 293/6)

بعض ازواج نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خاموشی کے بعد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بڑی دلیری سے آکر تقریر کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چپ چاپ سنتیں اور کنکھوں سے آپ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب خاموش ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پا کر یہ کھڑی ہوئیں اور ایسی مدلل گفتگو کی کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا لا جواب ہو کر رہ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: کیوں نہ ہو! آخر ابو بکر کی بیٹی ہے۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام ازواج پر فخر کیا کرتی تھیں، وہ کہتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے اوپر ان کا نکاح کیا، نیز پردے کی آیت بھی انہی کے متعلق نازل ہوئی۔ (بخاری 104/2)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: تمام بیویوں میں یہی میرا مقابلہ کرتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انہی کو میری برابری کا دعویٰ تھا، میں نے کسی عورت کو زینب سے زیادہ دین دار، پرہیزگار، راست گفتار، فیاض، سخی، مخیر اور اللہ تعالیٰ کی تقرب جوئی میں سرگرم نہیں دیکھا، فقط مزاج میں ذرا تیز تھیں، جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔ (مسلم، نسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میری بے خبری میں زینب میرے حجرے میں بلا اجازت داخل ہوئیں، وہ سخت غصے میں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! آپ کو تو یہی کافی ہے کہ ابو بکر کی بیٹی اپنی چھوٹی بائیں الٹ دے (یعنی آپ تو بس اسی کی محبت میں سرشار ہیں اور دوسری بیویوں کی پروا نہیں کرتے)، پھر زینب نے میری طرف رخ کیا (اور مجھے کوئے لگی)، لیکن میں نے اس سے رخ پھیر کر دوسری طرف کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی بدلہ لے لو۔ پھر جو میں اُن پر برس پڑی تو دیکھا کہ منہ کا تھوک بھی خشک ہو گیا اور اس کے بعد وہ کچھ نہ بولیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمکنے دکنے لگا۔ (ابن ماجہ 142/1)

ایک دفعہ رات کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آئیں، اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، اسی اثناء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سیدھے ایک طرف کو بڑھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: وہ زینب ہیں۔ حضرت زینب کو اس پر غصہ آیا اور کچھ بول گئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی برابر کا جواب دیا۔ باہر مسجد نبوی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے، انہوں نے یہ آوازیں سنیں تو آپ صلی

تھی اور اسی طرح کی چادر تھی اور ان پر آنکھ کے گوشے کے قریب دو ٹیکے ایلوے اور زعفران کے لگے ہوئے تھے، جو عورتیں زینت کے لیے لگایا کرتی تھیں۔ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہا: اے اُم المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ہمارے پاس تشریف لائیں گے، ہم دونوں تو میلے سے ہونگے اور یہ ہمارے درمیان چمک رہی ہوگی۔ حضرت عائشہ نے کہا: اے حفصہ! اللہ سے ڈر۔ حضرت حفصہ نے کہا: میں اس کی زینت کو ضرور خراب کر کے رہوں گی۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: تم کیا کہو گی؟ حضرت حفصہ نے کہا: اے سودہ کا نادجال نکل آیا ہے۔ حضرت سودہ نے کہا: ہاں! اور بہت زیادہ گھبرائیں اور کانپنے لگیں اور کہنے لگیں: بتاؤ! میں کہاں چھپ جاؤں؟ حضرت حفصہ نے کہا: خیمے میں بھاگ جاؤ، جو کھجور کی ٹہنیوں کا لوگ بناتے تھے اور اس میں اوٹ پکڑتے تھے۔ یہ گئیں اور اس میں چھپ گئیں، اس میں دھول مٹی بھی تھی اور کڑی کے جالے بھی، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور یہ دونوں ہنس رہی تھیں اور مارے ہنسی کے بات تک نہ کر سکتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: یہ کیسی ہنسی ہے؟ ان دونوں نے اپنے ہاتھوں سے خیمے کی طرف اشارہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سودہ کانپ رہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اے سودہ! تمہیں کیا ہوا؟ حضرت سودہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ کا نا نکل آیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نکلا نہیں اور البتہ ضرور نکلے گا، وہ نکلا نہیں اور البتہ ضرور نکلے گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ کو باہر لائے اور ان سے غبار جھاڑ اور کڑی کے جالے صاف کیے۔ (الطبرانی، المعجم 316/4)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم سلمہ سے شادی کی تو مجھے بہت پریشانی ہوئی، کیونکہ لوگوں نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ خوبصورت ہیں، میں نے کسی بہانے سے چھپ کر انہیں دیکھا تو واقعی اللہ کی قسم! ان کا جتنا حسن و جمال مجھے بتایا گیا تھا، اس سے کئی گنا مجھے ان میں نظر آیا، پھر میں نے اس کا ذکر حفصہ سے کیا، انہوں نے کہا کہ غیرت کی وجہ سے وہ آپ کو زیادہ خوبصورت نظر آئیں ورنہ وہ اتنی خوبصورت نہیں ہیں جتنا لوگ کہتے ہیں، چنانچہ حفصہ نے انہیں چھپ کر کسی بہانے سے دیکھا اور مجھے آکر کہا: میں انہیں دیکھ آئی ہوں، اللہ کی قسم! تم ان کو جتنا خوبصورت بتا رہی ہو وہ اتنی خوبصورت نہیں، بلکہ اس کے قریب بھی نہیں ہیں، ہاں! خوبصورت ضرور ہیں۔ چنانچہ میں نے اُم سلمہ کو پھر جا کر دیکھا تو وہ اب مجھے ویسی ہی نظر آئیں جیسا کہ حفصہ نے بتایا تھا، میری زندگی کی قسم! میں چونکہ غیرت والی تھی اس لیے پہلے وہ مجھے زیادہ حسین نظر آئیں۔

(طبقات ابن سعد 94/8)

جب حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی مکاتبت کی ادائیگی کے لیے مدد مانگنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہیں موجود تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے حد خوبصورت تھیں، جو بھی انہیں دیکھتا مسحور ہو جاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گمان تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا حسن دیکھ کر اس سے شادی کے خواہشمند ہو جائیں گے۔ یہ بات ان کی غیرت کا باعث بنی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جو نبی میں نے اسے اپنے حجرے کے دروازے پر دیکھا تو میرے دل میں ناپسندیدگی کے جذبات پیدا ہو گئے، کیونکہ میرا خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے اسی نظر سے دیکھیں گے، جس نظر سے وہ مجھے دکھائی دیتی تھی۔

(طبقات ابن سعد، دی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص: 493، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس)

اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ باہر تشریف لے آئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باپ کی ناراضگی دیکھ کر سہم گئیں، حالانکہ ابتدائی قصوران کا نہ تھا۔ نماز کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر آئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت کچھ سمجھایا اور تنبیہ کی۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب کے ہاں (عصر کے بعد کچھ دیر تک) ٹھہرتے تھے اور وہاں شہد کا شربت پیتے تھے۔ ایک روز میں نے اور حفصہ نے اس بات پر اتفاق رائے کر لیا کہ ہم دونوں میں سے جس کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو وہ کہہ دے کہ آپ نے مغفیر کھایا ہے، مغفیر کی بو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے آرہی ہے، چنانچہ ہم دونوں میں سے ایک کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس نے یہی بات کہہ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! میں نے تو زینب کے پاس شہد کا شربت پیا ہے، اب میں آئندہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا، اس پر آیت کریمہ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ** میرے اور حفصہ کے متعلق نازل ہوئی۔ (بخاری 729/2)

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی مسجد کے صحن میں خیمہ کھڑا کر کے اتنے دن اعتکاف میں بسر کرتیں، ہر روز صبح کو بضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں آجایا کرتے۔ ایک سال جب یہ موقع آیا اور انہوں نے حسب دستور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر خیمہ کھڑا کیا تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اجازت چاہی، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو انہوں نے بھی اپنا خیمہ برابر میں لگایا۔ صبح اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسجد کے صحن میں متعدد خیمے کھڑے ہیں، دریافت سے معلوم ہوا تو فرمایا: کیا انہوں نے یہ خلوص اور نیک نیتی سے کیا ہے! یہ کہہ کر تمام خیمے اکھڑا دیے اور اس سال اعتکاف کا مہینہ بدل دیا۔ (بخاری)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خیبر کی رہنے والی اور نسلاً یہودیہ تھیں۔ جب خیبر سے مدینہ منورہ آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر اتارا۔ مختلف اسباب سے ان کی آمد اہم ہو گئی تھی۔ جب انصار کی عورتوں نے یہ بات سنی تو سب ان کے حسن و جمال کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی چھپکے سے آئیں اور نقاب پوش بھیڑ میں کھڑی ہو گئیں، لیکن اس کے باوجود وہ چھپ نہ سکیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا۔ وہ شرمناک واپس چلیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ اٹھے اور قریب پہنچ کر پوچھا: عائشہ! کہو تم نے کیسا پایا؟ وہ بولیں: ہاں! ایک یہودیہ کو دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کہو، وہ اسلام لے آئی اور اس کا اسلام لانا نہایت اچھا ہوا۔ (طبقات ابن سعد 116/2)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذرا پست قد تھیں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ کہا: اے اللہ کے رسول! بس کیجیے، صفیہ تو اتنی سی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! تم نے ایسی بات کہی کہ اگر اس کو سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی خراب کر دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے تو ایک شخص کی صورتحال بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھ کو اتنا اور اتنا بھی دیا جائے تو بھی میں کسی کی نسبت کوئی بات نہ کہوں۔ (بخاری)

ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ”یہودی کی بیٹی“ کہہ دیا، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ رو پڑیں، اسی دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور پوچھا: صفیہ! کس نے تجھ کو رلایا ہے؟ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: مجھے حفصہ نے یہ کہا کہ میں یہودی کی بیٹی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹوہنی کی بیٹی ہے اور چچا بھی تیرا نبی ہے اور نبی ہی کے نکاح میں بھی ہے، سو وہ کس بات سے تجھ پر فخر کرتی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اے حفصہ! اللہ سے خوف کر۔ (ترمذی 227/2، مسند احمد 135/3)

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رو رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا: عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ترین ہیں، کیونکہ بیوی ہونے کے علاوہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت دار بھی ہیں، لیکن تم تو یہودن ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل جوئی فرمائی اور ارشاد فرمایا: اگر عائشہ اور زینب کا تعلق خاندان نبوت سے ہے تو تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام اور میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (ترمذی 259/2)

ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا پکایا، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کھانا جلد تیار ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تھے، انہوں نے وہیں لونڈی کے ہاتھ کھانا بھجوا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی محبت کی بربادی کو دیکھ جھنجھلا اٹھیں اور ایک ایسا ہاتھ مارا کہ لونڈی کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ پیالے کے ٹکڑوں کو چھنے لگے اور خادمہ سے فرمایا: تمہاری ماں کو غصہ آ گیا۔ چند لمحوں بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس جرم کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا ہی پیالہ اور ایسا ہی کھانا۔ (بخاری ح: 5225، ابوداؤد 146/2)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں سے باہر تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد میں نے اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا، چنانچہ میں دروازہ کھولنے کے لیے آئی۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! آپ اس رات کسی اور زوجہ کے ہاں تشریف لے گئے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! بلکہ مجھے پیشاب میں کچھ تکلیف واقع ہو گئی تھی۔ (طبقات ابن سعد 138/8)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بستر پر) نہ پایا تو سمجھی کہ آپ کسی دوسری بیوی کے پاس گئے ہونگے، پھر مجھے محسوس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع یا سجدے میں ہیں اور یہ دعا پڑھ رہے ہیں: **سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ**۔ میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کسی اور شغل میں ہیں اور میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔ (مسلم 193/1)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بستر پر) تلاش کیا تو میرا ہاتھ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفوں میں پڑ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے پاس شیطان آ گیا ہے۔ میں نے کہا: کیا آپ کے پاس نہیں آتا؟ یعنی کیا آپ کے ساتھ نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی تو میں اس کے شر سے محفوظ ہو گیا۔ (مسلم ج: 2815، نسائی 97/2)

دیگر صحابیات اور اختلافات

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی کے پہلو میں لیٹے ہوئے تھے، ان کی باندی گھر کے کونے میں سو رہی تھی، یہ اٹھ کر اس کے پاس چلے گئے اور اس میں مشغول ہو گئے، ان کی بیوی گھبرا کر اٹھ گئیں اور ان کو بستر پر نہ پایا تو اٹھ کر باہر چلی گئیں، جب ان کو باندی میں مشغول دیکھا تو اندر واپس چلی آئیں اور چھری لے کر باہر نکلیں، اتنے میں یہ فارغ ہو کر کھڑے ہو چکے تھے اور اپنی بیوی کو راستے میں ملے، بیوی نے چھری اٹھائی ہوئی تھی، انہوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ بیوی نے کہا: ہاں! کیا بات ہے؟ اگر میں تمہیں وہاں پالیتی جہاں میں نے تمہیں دیکھا تھا تو میں تمہارے کندھوں کے درمیان یہ چھری گھونپ دیتی۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا؟ بیوی نے کہا: میں نے تمہیں باندی کے پاس دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا: تم نے مجھے وہاں نہیں دیکھا تھا (میں باندی کے پاس نہیں گیا اور نہ میں نے اس کے ساتھ کچھ کیا، اگر میں نے اس کے ساتھ کچھ کیا ہوتا تو میں جہنمی ہوتا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ بیوی نے کہا: اچھا قرآن پڑھو۔ انہوں نے چند اشعار پڑھنا شروع کر دیے تو ان کی بیوی نے کہا: میں اللہ پر ایمان لاتی ہوں اور اپنی نگاہ کو غلط قرار دیتی ہوں۔ پھر صبح کو حضرت ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ (بخاری موطی 99/2)

یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اسلام، جو جھوٹ کو بدترین گناہ کہتا ہے اور ایک لمحے کے لیے بھی جھوٹ کو برداشت نہیں کرتا، مگر بیویوں کی رضامندی کے لیے بوقت ضرورت جھوٹ بولنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کے علاوہ کسی میں جھوٹ کی رخصت نہیں دی، لڑائی، صلح صفائی اور شوہر کا بیوی کو راضی کرنا، بیوی کا شوہر کو راضی کرنا۔“ (موطا مصنفی 224/2)

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور کہنے لگی: اے امیر المؤمنین! میرے شوہر کی شرارت بہت ہے اور اس میں خیر بہت کم ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: تیرا شوہر کون ہے؟ اس نے کہا: ابوسلمہ ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور بھلے آدمی ہیں، پھر اپنے ساتھ بیٹھے ایک شخص سے فرمانے لگے: ابوسلمہ جیسے میں کہہ رہا ہوں ایسے نہیں ہیں؟ اس شخص نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! جو بات آپ نے کہی اس کے علاوہ میں بھی ان میں اور کچھ نہیں پاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور شخص سے فرمایا: جاؤ اور انہیں میرے پاس بلا لاؤ۔ وہ عورت اپنی جگہ سے اٹھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آدمی کے ساتھ آئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ میرے پیچھے بیٹھنے والی کیا کہہ رہی ہے؟ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! یہ کون ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ تمہاری بیوی ہے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یہ کیا کہہ رہی ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ دعویٰ کرتی ہے کہ تیری بھلائی ختم ہو گئی ہے اور تیری شرارت بڑھ گئی ہے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! اس نے تو بہت نازیبا بات کہہ دی ہے، یہ اپنے خاندان کی عورتوں میں سب سے زیادہ خوشحال ہے، لباس میں بھی یہ سب سے زیادہ ہے اور ان سب سے زیادہ عیش کی زندگی اپنے گھر میں بسر کر رہی ہے، لیکن اس کا رُخ بوڑھا ہو گیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی بیوی سے پوچھا: تو اس بارے میں کیا کہتی ہے؟ اس نے کہا: ابوسلمہ نے سچ کہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف دُڑے لے کر کھڑے ہوئے اور اسے دُڑے سے ایک جھٹکا دے کر فرمایا: اے اپنے نفس کی دشمن! تو اس کا مال کھا گئی اور اس کی جوانی تُو نے فنا کر دی، پھر تُو نے اس چیز کی خبر دینی شروع کر دی جو اس میں نہیں ہے۔ اس عورت نے کہا: اے امیر المؤمنین! جلدی نہ کیجیے، اب میں ان کی شکایت کبھی نہ کروں گی۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین کپڑوں کا حکم دیا اور فرمایا: یہ اس کے عوض میں لے جو میں نے تجھے دُڑے سے جھٹکا دیا ہے اور خبردار! آئندہ اس بوڑھے کی شکایت نہ کرنا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے شوہر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جو میں نے تیری عورت کے ساتھ کیا، اس کو دیکھ کر کہیں تم بھی اس پر سختی نہ کرنا! حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں ایسا کرنے والا نہیں۔ اس کے بعد وہ دونوں چلے گئے۔

(بخاری، مستدرک الحاکم، کنز العمال 303/8، الاصابہ 93/4)

ایک مرتبہ ایک عورت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: میں آپ سے ایک شخص کی شکایت کرتی ہوں، جو دنیا میں سب سے بھلا ہے، مگر اس آدمی سے نہیں جو عمل میں اس سے زیادہ یا اس کے برابر ہو۔ وہ ساری رات صبح تک عبادت کرتا ہے اور سارے دن شام تک روزہ رکھتا ہے۔۔۔ اتنا کہنے کے بعد اس عورت پر حیا غالب آ گئی اور اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے معافی دیجیے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تجھے جزائے خیر دے، تُو نے اچھی تعریف کی، میں تجھے معافی دیتا ہوں۔ جب وہ عورت پیٹھ پھیر کر واپس چلی تو حضرت کعب بن سور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! وہ تو آپ کے پاس شکایت کرنے میں انتہا کو پہنچ گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس نے کس کی شکایت کی؟ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اپنے شوہر کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس عورت کو میرے پاس بلا لاؤ۔ جب وہ عورت آ گئی تو اس نے پھر وہی کچھ کہا جو پہلے کہا تھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو کیا تُو مجھے حکم دیتی ہے کہ میں اسے رات کی عبادت اور دن کے روزے سے منع کر دوں؟ وہ عورت چلی گئی اور اس کے بعد پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تُو جو کہنا چاہتی ہے مجھے سچ سچ بتا دے اور حق کہنے میں کوئی ڈر نہیں۔ اس عورت نے کہا: اے امیر المؤمنین! بے شک میں عورت ذات ہوں، کیا مجھے اس چیز کی خواہش نہیں جس کی عورتیں خواہش کرتی ہیں؟ اس پر حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اے امیر

المؤمنین! اس عورت کا ایک حق ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: اس کا کیا حق ہے؟ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کے شوہر کے لیے چار بیویاں حلال کی ہیں، ان چاروں میں سے ایک اس کے لیے کر دیجیے، یعنی چار راتوں میں سے ایک رات اور چار دنوں میں سے ایک دن۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم ان کے درمیان میں فیصلہ دو۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: آپ کی موجودگی میں اور میں فیصلہ دوں؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں! تم اس بات کو سمجھ گئے جو میں نہ سمجھ سکا۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پس نکاح کرو تم ان عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے۔۔۔ اس کے بعد اس عورت کے شوہر سے کہا: تین دن روزہ رکھ اور ایک دن بغیر روزے کے اس کے پاس گزار، تین رات عبادت کر اور ایک رات اس کے پاس گزار۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ بات مجھے پہلے سے زیادہ پسند ہے اور اس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل بصرہ کے پاس قاضی بنا کر بھیج دیا۔ (مصنف عبد الرزاق، طبقات ابن سعد، حیاۃ الصحابہ 822/2)

ایک ضروری وضاحت

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے اختلافی واقعات کو بیان کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہ واضح کرنا ہے کہ سوکنوں کے درمیان ہونے والے فطری و طبعی اختلافات کی بنیاد پر تعدد ازواج کی مخالفت کسی بھی صورت جائز نہیں، لیکن ان واقعات سے کوئی بھی غلط نتیجہ اخذ کرنا ایمان کو برباد کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ ازواج مطہرات کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کسی بغض و عداوت اور کینہ و حسد کی بنا پر نہ تھے بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کے جوش و شوق کی بنا پر تھے۔ شرف صحبت نے ان پاکیزہ روحوں کو تمام رزائل سے پاک کر دیا تھا۔ مثال کے طور پر ایک باپ کے اگر چار بیٹے ہوں اور چاروں اپنے باپ سے محبت و عقیدت اور ادب و احترام کا معاملہ کرتے ہوں تو ہر بیٹے کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے باپ کی نظروں میں سب سے زیادہ محبوب و مقرب اور قابل توجہ بن جائے۔ اس کے لیے ہر بیٹا آگے بڑھ کر خود کو نمایاں کرنے کی اور باقی تین کو پیچھے کرنے کی کوشش کرتا ہے، اکثر اوقات ان چار بیٹوں کے درمیان مقابلے اور بعض اوقات اختلاف کی صورت حال بھی پیدا ہو جاتی ہے، جو کہ فطری و بشری تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ یہی معاملہ اگر چار سوکنوں کے درمیان ہو تو صورتحال مزید کشیدہ ہو جاتی ہے، پھر شوہر بھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو محبوب خدا کی محبت و قربت تمام ازواج مطہرات کو کس قدر محبوب و مرغوب ہوگی؟ یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات ہمیشہ عارضی ثابت ہوتے اور کوئی بھی منفی پہلو اختیار نہ کرتے۔ پل بھر میں ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا اور ایک دوسرے کے لیے ان کے دل صاف ہو جاتے۔ چند اختلافی واقعات کے علاوہ کئی واقعات ایسے ہیں، جو ازواج مطہرات کی باہمی محبت و انسیت کو ثابت کرتے ہیں، جن کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

(5) غربت اور مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے:

اکثر لوگوں کے نزدیک تعدد ازواج کو ترک کرنے کا ایک بڑا سبب غربت اور بڑھتی ہوئی مہنگائی ہے، کیونکہ موجودہ حالات میں جب ایک بیوی اور اس کے بچوں کے اخراجات پورے کرنا ہی مشکل ہوں تو دوسری بیوی اور اس کے بچوں کے اخراجات کیسے

پورے ہو پائیں گے؟ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ ایک بیوی پر اکتفاء کرتے ہوئے خود کو مزید مشکلوں اور فکروں سے بچایا جائے۔ پھر یہ خود ساختہ اصول صرف دوسری شادی تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ پہلی شادی پر بھی چلتا ہے۔ اگر کوئی شخص سنجیدگی کے ساتھ شادی کا ارادہ یا خواہش کا اظہار کرتا ہے اور اس کے بعد عائد ہونے والی تمام تر ذمہ داریاں نبھانے کے لیے پُر عزم ہوتا ہے، لیکن مالی طور پر غیر مستحکم ہوتا ہے تو سب ہی اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں اور اس کو پہلی شادی سے بھی روکنے لگتے ہیں کہ اس مشکل دور میں بیوی بچوں کو کیسے پالے گا اور ان کے اخراجات کیسے پورے کرے گا؟ یعنی لوگوں کے نزدیک شادی کے لیے مال و اسباب ہی وہ بنیادی شرط ہے جس کو پورا کرنے کے بعد کوئی بھی شخص ایک یا ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے۔ اس معاملے میں سیرت و کردار، اخلاق و اطوار اور ایمان و اعمال سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو غیر ضروری اور ثانوی درجے میں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں شادی کو اتنا مشکل بنا دیا گیا کہ اب یہ کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں رہی، اس کے لیے ہر ذہن میں ایک بلند ترین معیار قائم ہے جس کو حاصل کرنے میں یا تو شادی کی عمر گزر جاتی ہے یا پھر خود انسان ہی اس دنیا سے گزر جاتا ہے۔

قرآن حکیم اور غربت

نکاح سے متعلق ایک طرف تو عوامی نظریہ ہے، جس کو اوپر بیان کیا جا چکا اور دوسری طرف اسلامی نظریہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان فرمایا۔ اسلام نکاح کے معاملے میں دوسرے مذاہب کی نسبت غیر معمولی طور پر حساس ہے اور کسی بھی مرد یا عورت کے لیے بغیر نکاح کے زندگی گزارنے کو ہرگز پسند نہیں کرتا، اس لیے اسلام نے محض غربت اور تنگ دستی کو نکاح سے مانع قرار نہیں دیا بلکہ نکاح کو مال و رزق میں وسعت و برکت کا وسیلہ قرار دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

”تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں جو نیک ہوں ان کا بھی، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔“ (سورۃ النور: ۳۲)

اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کے نظریے کو رد کیا جا رہا ہے، جو محض غربت اور مفلسی کی بنا پر نکاح کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں اور نکاح سے دور بھاگتے ہیں۔ لہذا پہلے حکم دیا گیا پھر وعدہ کیا گیا اور آخر میں حوصلہ دیا گیا، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

حکم..... ابتدائی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نکاح کا حکم فرمایا جو نکاح کی قدرت و استطاعت رکھتے ہیں، لیکن اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے نکاح کر دینے کا حکم فرمایا جو غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے نکاح نہیں کر پاتے اور ان کے سرپرست اور خیر خواہ بھی اس معاملے میں ان کی کوئی مدد و نصرت نہیں کرتے، لہذا حکم بھی ان کے سرپرستوں اور خیر خواہوں کو ہی دیا گیا کہ تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اس کے بعد غلاموں اور لونڈیوں پر بھی نظر کرم فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جو سیرت و کردار کے نیک ہوں اور نکاح کے قابل ہوں تو ان کا نکاح بھی کر دیا کرو۔ اُس وقت کے غلاموں اور لونڈیوں سے بڑھ کر غریب اور مفلس کون ہوگا؟ لیکن ان کے لیے بھی یہ پسند نہیں کیا گیا کہ نکاح

کے بغیر زندگی گزاریں اور ان کے آقاؤں کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کا نکاح کر دیا کریں۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غریبوں کے نکاح کروانے کی ترغیب دی ہے۔۔۔ یعنی غریب کو اس کی غربت کے باوجود

نکاح کی طرف دعوت دی گئی ہے۔“ (التفسیر القرطبی 155/3)

وعدہ..... غریبوں، غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کا حکم دینے کے بعد وعدہ کیا جا رہا ہے کہ ان کی غربت اور تنگ دستی ہمیشہ قائم نہ رہے گی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور نکاح کی برکت سے ان کو غنی کر دیگا اور مالی وسعت عطا فرمائے گا، پھر یہ مالی وسعت خواہ مال میں ظاہری اور حسی اضافے کے ساتھ ہو یا اللہ تعالیٰ کم پر قناعت اور صبر کی توفیق عطا فرمادے اور کم مال میں ہی برکت دے کر گزارا آسان بنادے، دونوں صورتیں ”لفظ غنی“ میں شامل ہیں۔ لہذا نکاح سے پہلے کسی کو ان کی حالت مفلسی پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے، اگر یہ ارادہ و نیت کے سچے اور ایمان و یقین کے پکے ہیں تو ان کے لیے ان کا اللہ ہی کافی ہے، وہی ان کی حالت کو سنوارے گا اور ان کو اسباب رزق پہنچائے گا۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یہاں پر غنی سے مراد وسعت رزق یا قناعت و کفایت ہے۔“ (التفسیر البغوی 342/3)

حوصلہ..... آخر میں حوصلہ دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رزق بہت وسیع اور خزانے لامحدود ہیں، اسی کے قبضہ و قدرت میں ہر انسان کا رزق ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کہاں سے رزق پہنچانا ہے۔ لہذا کسی کو ان غریب و مفلس لوگوں کے رزق کے بارے میں مزید فکر مند ہونے کی اور ان کے نکاح کی راہ میں روڑے اٹکانے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمانِ عالیشان پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے اور ہمت و حوصلہ بلند رکھتے ہوئے اقدام نکاح کر لینا چاہیے، کیونکہ رزق کا وعدہ نکاح کے بعد ہے، نہ کہ نکاح سے پہلے۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں یوں اضافہ فرماتے ہیں کہ بیوی کے مقدر کی روزی بھی شوہر کو ملنا شروع ہو جاتی ہے۔“

(التفسیر البغوی 342/3)

آیت مبارکہ کے اختتامی الفاظ کی تشریح میں علامہ طبری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ وہ وسعت والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی عطاؤں کو اپنے بندوں پر بہت زیادہ خرچ کرنے والا ہے، چنانچہ تم باندیوں کا نکاح کر دیا کرو تو چونکہ اللہ وسعت و کشادگی والا ہے اس لیے اگر یہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے کشادگی و وسعت پیدا کر دے گا، نیز جو فرمایا کہ علیم ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ از خود فقیروں اور مالداروں کے حالات کو جانتا ہے اور اس پر اپنی مخلوق کے حالات مخفی نہیں۔“

(التفسیر الطبری 126/18)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”لوگوں کے ذہن میں جو فطری طور پر یہ بات ہوتی ہے کہ نکاح کرنے سے بیوی اور پھر ولادت کے بعد بچوں کے خرچے وغیرہ بڑھنے سے مال کی تنگی کا شکار ہونا پڑتا ہے اور نکاح سے قبل جو آزادی اور تھوڑی بہت مالی وسعت تھی تو ان خرچوں سے اس مال میں اور بھی کمی آ جاتی ہے یا اگر سرے سے مالی وسعت ہو ہی نہیں تو نکاح کے بعد اس غربت اور فقر و فاقہ میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے، چنانچہ عموماً یہی وہ بنیادی بات ہے کہ جس کے خوف سے غریب لوگ نکاح سے دور بھاگتے ہیں اور اسباب کی دنیا میں کسی غریب و مسکین کا اس خوف سے نکاح سے دور بھاگنا بظاہر درست بھی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ

نے اس آیت مبارکہ میں اس نظریے پر رد فرماتے ہوئے غربت کے اس خوف سے نکاح سے دور بھاگنے والوں پر یوں رد فرمایا ہے کہ رزق میں تنگی و اضافہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مرضی پر موقوف ہے، لہذا تمہارا جو یہ خیال ہے کہ نکاح نہ کرنے سے مال بڑھتا ہے اور نکاح کرنے سے انسان کو مالی تنگی کا شکار ہونا پڑتا ہے تو ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو، اللہ تعالیٰ چاہے تو جس بات کو تم مال میں اضافے کا باعث سمجھ رہے ہو، اسے تمہاری غربت میں اضافے کا باعث بنادے اور اگر چاہے تو جس نکاح سے تم غربت کے مزید بڑھ جانے کے خوف سے دور بھاگ رہے ہو، نکاح کے بعد اس غربت کو تم سے دور فرمادے۔ لہذا مالی وسعت اور غربت کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت پر ہے، محض اسباب ظاہرہ پر نہیں، چنانچہ اگر نکاح کے بعد بھی کسی کے مال میں بالفرض وسعت و کشادگی نہ ہو اور اس کی غربت بدستور قائم رہے تو اس غربت و فقر کی نسبت نکاح کی طرف نہ کرے بلکہ یوں سوچے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت میرے ساتھ یہی ہے اور اسی میں میری بہتری ہے، لہذا میں اگر نکاح نہ کرتا تو ضروری نہیں کہ یہ غربت ختم ہو جاتی، بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ جو تھوڑا بہت مال مل رہا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ مجھے ان بیوی بچوں کی مالی کفالت کی برکت سے دے رہے ہوں کہ جن کی مالی کفالت کا اللہ تعالیٰ نے مجھے ذمہ دار بنایا ہے۔ لہذا اگر نکاح نہ کرتا تو عین ممکن ہے کہ اس سے بھی جاتا۔“

مزید فرماتے ہیں:

”جو لوگ غربت کو نکاح سے اجتناب کا بہانا سمجھتے ہیں اور اسے نکاح میں رکاوٹ سمجھتے ہیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں (اس بہانے کا) دروازہ بند فرمادیا ہے۔“

مزید فرماتے ہیں:

”آپ پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ وہ روایتیں جن میں نکاح پر مال داری و تو نگری کا وعدہ کیا گیا ہے بہت کثرت سے ہیں۔“ (روح المعانی 149/18)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”رزق نکاح میں تلاش کرو۔“ (روح المعانی 149/18)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عورتوں سے نکاح کرو، اس لیے کہ یہ عورتیں تمہارے مال میں وسعت و برکت کا سبب ہیں۔“ (مجمع الزوائد 255/4)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تین آدمی وہ ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ نے خود پر واجب کر لی ہے، پہلا وہ نکاح کرنے والا جس کا مقصد نکاح سے خود کو بے حیائی سے بچانا ہو، دوسرا وہ غلام جو غلامی کے طوق سے آزادی کی خاطر مکاتبت کر کے آزاد ہونا چاہتا ہو، تیسرا وہ مجاہد جو

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر رہا ہو۔“ (ترمذی، مشکوٰۃ، روح المعانی 149/18)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر کے شادی کرے اور دل میں اُس کی خوشنودی کا جذبہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس شخص

کی مدد کرے اور اس کو برکت دے۔“ (جمع الفوائد 216/1)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا جو اپنی غربت اور فقر و فاقہ کی شکایت کر رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ نکاح کر لے۔“ (روح المعانی 149/18)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”لوگو! اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے تو اس کی تکمیل کی خاطر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس پر اللہ تعالیٰ نے تم سے جو غنی کا وعدہ کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ تم سے لیے گئے اس وعدے کو پورا کرے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر فقیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ غنی کر دے گا۔“ (روح المعانی 149/18، ابن کثیر 286/3)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”لوگو! رزق کو نکاح میں تلاش کرو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر یہ فقیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں غنی کر دے گا۔“

(مصنف عبد الرزاق ج: 10393)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”اے لوگو! نکاح میں مال تلاش کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر یہ فقیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نکاح کے باعث غنی کر دے گا۔“ (الدر المنثور 188/6، ابن کثیر 286/3)

ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ابو قلابہ مجھے کاروبار، جائیداد اور مال بڑھانے کے دوسرے طریقوں سے اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی روزی تلاش کرنے پر ابھارا کرتے تھے اور محمد (ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ) مجھے نکاح کی ترغیب دیا کرتے تھے۔“ (کتاب السنن 168/1)

غربت اور تنگ دستی نکاح سے مانع نہیں:

آیت مبارکہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ غربت اور تنگ دستی نکاح سے مانع نہیں بلکہ مالی حالات کی درستی اور رزق کی فراخی کا سب سے اہم اور مؤثر ترین ذریعہ و سبب ہے۔ پھر وہ چاہے ایک نکاح کا معاملہ ہو یا ایک سے زیادہ کا، دونوں صورتوں میں وسعت و برکت کا وعدہ ہے، بلکہ جتنے نکاح زیادہ ہو گئے اللہ تعالیٰ برکت کے دروازے بھی اسی قدر زیادہ کھولیں گے۔ چنانچہ جس طرح لوگوں کے نزدیک ایک یا ایک سے زیادہ شادیوں کے لیے شرط صرف ”مالداری“ ہے اور یہ شرط وہی پوری کر سکتا ہے جو ظاہری اسباب اور دنیاوی شان و شوکت کا مالک ہو، پھر چاہے بے دین ہو یا بد اخلاق ہو، بد کردار ہو یا غیر ذمہ دار ہو، وہ جب چاہے اور جس سے چاہے ایک یا ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے، اُسی طرح شریعت اسلامی کے نزدیک ایک یا ایک سے زیادہ شادیوں کے لیے شرط صرف ”عدل“ ہے، یعنی ہر بیوی کے ساتھ اچھا اور یکساں سلوک کرنا اور یہ شرط وہی پوری کر سکتا ہے جو باقی معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہو، دین دار ہو، خوش اخلاق ہو، با کردار ہو اور ذمہ دار ہو، پھر چاہے امیر ہو یا غریب ہو، وہ جب چاہے اور جس سے چاہے ایک یا

ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے۔ علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”رزق کی تنگی و وسعت کا مدار اہل و عیال پر ہوتا ہے اور جس پر جتنی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اسی حساب سے اس پر نازل ہوتی ہے، لہذا جو شخص اخروی مقاصد کی غرض سے نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسی جگہوں سے رزق کا انتظام فرمائیں گے کہ جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔“ (فیض القدیر 269/3)

اس کے بعد بھی اگر کوئی ضعیف ایمانی و بے یقینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غربت کو نکاح میں حائل جانے اور اس وجہ سے کسی بھی درجے میں ایک یا ایک سے زائد شادیوں کی حوصلہ شکنی کرے، اس سے کنارہ کشی اختیار کرے یا کسی بھی قسم کی کوئی تاخیر کرے تو اس کا یہ عمل قرآن کی واضح تصریحات کے سراسر منافی اور قرآن کی حقانیت کو جھٹلانے کے مترادف ہوگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”میں نے اس جیسا عجیب شخص نہیں دیکھا جو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی نکاح نہ کرے۔“ (کتاب الام 147/5)

حضرت مولانا ظفر الدین پورہ نوڈیہاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس آیت میں غنا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کیا گیا ہے، لیکن ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ موہوم فقر سے ڈر کر ضروری کام چھوڑنا نہیں چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فقر کے بعد بھی غنا پیدا کر دیتا ہے، بہر حال ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ رب العزت نے انسان کو شادی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فقر کو حیلہ بنا کر نکاح سے کترانا بیہودہ خیال قرار دیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کھل کر وعدہ کیا ہے کہ اگر اس میں استعداد و صلاحیت ہے اور اس نے فوری محتاجی اور تنگ دستی کے خطرات کو دل سے نکال ڈالا ہے تو ایسی حالت میں وہ کوئی نہ کوئی سامان ضرور کر دیگا۔ ہاں! انسان کا فریضہ ہے کہ وہ حصول رزق کے لیے تدابیر اختیار کرے اور اس کے لیے جدوجہد کرے۔“ (اسلام کا نظام عفت و عصمت ص 63)

دورِ حاضر اور مصنوعی غربت:

یہ ہمت و حوصلہ، تسلی و تشفی اور وعدہ خداوندی تو ان لوگوں کے لیے ہے جو حقیقت میں غریب ہوں، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوں اور نکاح کے ذریعے غنی ہونا چاہتے ہوں، لیکن حرص و ہوس کے مارے، صبر و شکر سے عاری وہ لوگ، جو دن و رات ناز و نعم میں رہتے ہوئے بھی مصنوعی غربت کا لبادہ اوڑھے رہتے ہیں اور ہر وقت مہنگائی کا رونا روتے رہتے ہیں، ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ حدیث کے مطابق ایسے لوگوں کے مرض کا علاج صرف قبر کی مٹی ہے (مسلم)، یہ لوگ غربت اور مہنگائی کو دنیا کے باقی کسی کام میں رکاوٹ نہیں سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ جو چار چار عورتوں کی اچھی کفالت کر سکتے ہیں وہ اپنی اکلوتی بیویوں کو تو سونے کے نوالے کھلاتے رہیں گے، ان کے ساتھ ان کے چاہنے والوں کا بھی دم بھرتے رہیں گے، ایک ایک تقریب میں لاکھوں روپے ہوا میں اُڑا دیں گے، فضول رسومات اور گناہ کے کاموں میں ہر طرح سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے، لیکن کئی بے سہارا اور ضرورت مند خواتین کی کفالت و حفاظت کی خاطر ان کو دوسری شادی کا مشورہ دیا جائے یا محض ذکر ہی چھیڑ دیا جائے تو غربت اور مہنگائی کا زخم فوراً تازہ ہو جائے گا اور پھر اپنے علاوہ کسی کا زخم ان کو نظر نہیں آئے گا۔

وہ لوگ جن کا دسترخوان گوشت کے بغیر ویران معلوم ہوتا ہے، جن سے دال سبزی ہضم نہیں ہوتی، پانی کی جگہ وہ (Pepsi) پیتے ہیں تو وہ بھی خود کو غریب خیال کرتے ہیں۔ عید اور شادی کے موقع پر بیوی بچوں کی خریداری میں خوب دل کھول کر خرچ کریں گے، واپسی میں کھانا (KFC) اور (Pizza Hut) پر ہی کھائیں گے، ایئر کنڈیشن کے بغیر ان کے بچوں کو نیند تک نہیں آئے گی، اسکول کی فیس الگ اور ٹیوٹر کی فیس الگ بھریں گے، لیکن پھر بھی ناشکری کریں گے۔ جب ان کا حال دریافت کیا جائے تو ہمیشہ یہی کہیں گے کہ بس! گزرا ہورہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی محبت و رغبت اور حرص و ہوس نے غربت کا معیار ہی بدل ڈالا ہے۔ آج وہ شخص بھی خود کو غریب تصور کرتا ہے جو فلیٹ میں رہتا ہے اور موٹر سائیکل پر گھومتا ہے، کیونکہ اس کا پڑوسی اب بنگلے میں رہنے لگا ہے اور گاڑی پر گھومتا ہے اور جو بنگلے میں رہتا ہے تو اس کی بھی یہی کوشش ہے کہ کسی طرح (Defence) منتقل ہو جائے۔

دنیا کی دوڑ میں ان کی نظر ہمیشہ آگے والوں پر رہتی ہے اور وہ خود کو ہمیشہ پیچھے خیال کرتے ہیں۔ پھر ایسے لوگ ہمیشہ پیچھے ہی رہتے ہیں، کیونکہ ان کے آگے بھی کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو پیچھے آنا گوارا نہیں کرتے۔ لہذا پیچھے والوں کا خیال کسی کو کبھی دامن گیر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں ایسے لوگوں کو سمجھانا پہاڑ کو ہلانے سے بھی زیادہ دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو غربت اور مہنگائی صرف اپنے لیے نظر آتی ہے۔ ان کی نظر میں ہر سامنے والا امیر ہوتا ہے اور یہ دنیا کے مفلس ترین لوگ ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ روز بروز مہنگائی میں اضافہ ہو رہا ہے، لیکن اس سے بڑھ کر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس مہنگائی کے باوجود لوگوں کی قوت خرید پر کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔ گوشت کتنا ہی مہنگا ہو جائے شادیوں میں پر تکلف دعوتیں اسی طرح چل رہی ہیں بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت کی جانب سے جب شادی کے کھانوں پر پابندی عائد کی گئی تو اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے اس وقت بھی لوگ چھپ چھپا کر اور دے دلا کر دعوتوں کا اہتمام کرتے رہے۔ آج عمومی طور پر جتنے بھی امراض پھیلے ہوئے ہیں ان میں اکثر بیماریاں زیادہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں، ہسپتالوں میں شاید ہی کوئی مریض ایسا ہو جو بے چارہ خوراک کی کمی کے باعث بیمار ہوا ہو۔ خریداری کا بھی یہی حال ہے، فخر و نمود کی خاطر صرف کپڑوں ہی پر بے جا و بے تحاشا مال اڑایا جاتا ہے، ہر جوڑے کے ساتھ جوتا بھی میچنگ کا ہونا چاہیے اور ایک تقریب میں پہنا ہوا جوڑا اب دوسری تقریب میں پہنتے ہوئے کمتری محسوس ہوتی ہے، لہذا بیگمات کو ہر تقریب پر نیا جوڑا اور نئے جوتے خرید کر دیے جاتے ہیں، پھر ان سب کو حقوق واجبہ میں داخل سمجھا جانے لگا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی دوسری شادی کا ارادہ کرے یا کسی کو دوسری شادی کا مشورہ دے تو وہ یہی دُکھڑا سنانے بیٹھ جائے گا کہ بھائی! ایک تو اخراجات اتنے اور اوپر سے مہنگائی نے کم توڑ رکھی ہے، دوسری شادی کرو گے تو خرچے کیسے پورے کرو گے؟ ایک تنخواہ میں دو بیویوں کو کیسے پالو گے؟ حالانکہ اسی ایک تنخواہ میں وہ گھر کے کئی افراد کو پال رہا ہوتا ہے، بیوی بچوں کے علاوہ ماں باپ اور بھائی بہن سب ہی پل جاتے ہیں، لیکن لوگوں کی نظروں میں دوسری بیوی کوئی عجیب مخلوق ہے، جس کو پالنے کے لیے ایک وسیع خزانہ درکار ہوتا ہے۔

غربت اور مہنگائی ہر ایک کے حق میں بڑھ رہی ہے:

سوچنے کی بات ہے کہ اگر مہنگائی بڑھ رہی ہے تو ہر ایک کے حق میں بڑھ رہی ہے، اُس کے حق میں بھی بڑھ رہی ہے جس کی

ایک بیوی اور دو بچے ہیں، وہ ان پر بے دریغ خرچ کرتا ہے اور اس کی مالی حیثیت اس قدر مضبوط ہے کہ

انداز نہیں ہوتے اور اُس کے حق میں بھی بڑھ رہی ہے جس کی ایک بیمار بیوی اور چار چار، پانچ پانچ جوان بیٹیاں۔

میں بیٹھی ہیں، اس بوڑھے سفید پوش کی جسمانی حالت کے ساتھ مالی حالت بھی اس قدر کمزور ہے کہ وہ ان کے کھانے پیے اورڑھنے اور ان کی شادیوں کا انتظام کرنے سے بھی قاصر ہے، وہ اپنی زندگی کے آخری دن گزار رہا ہے، لیکن بیٹیوں کا غم اس کو مرنے سے پہلے ہی کھائے جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ مہنگائی اُس کے حق میں بھی بڑھ رہی ہے جو کنواری بیٹیوں کی اکیلی ماں ہے اور اس کا شوہر اس دنیا سے چل بسا ہے اور اُن مظلوم عورتوں کے حق میں بھی بڑھ رہی ہے جو بیوہ یا طلاق یافتہ ہونے کی وجہ سے والدین اور بھائیوں کے اوپر بوجھ بنی بیٹھی ہیں اور معاشرہ ان کو کسی طرح بھی قبول کرنے کے حق میں نہیں۔۔۔ یہ کیسی بے بسی ہے کہ لوگوں کو اپنے لیے تو مہنگائی نظر آتی ہے، مگر ان ضرورت مند اور بے سہارا عورتوں کی خبر گیری کے وقت ان کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔

اگر ان بے بس و بے کس عورتوں کی تعداد بڑھتی رہی اور وہ اسی طرح مایوس ہو کر گھروں میں بے نکاحی بیٹھی رہیں یا کمانے کے لیے مجبوراً گھروں سے نکلتی رہیں تو اس بے حس و بے رحم اور بے حیاء و بے شرم معاشرے کی تند و تیز ہوائیں ان کو اپنی پلیٹ میں لے لیں گی اور وہ غلط راہ پر نکل پڑیں گی۔ آخر کار بدی و برائی کی ایسی وبا پھوٹ پڑے گی کہ اس کو روکنا کسی کے بس کی بات نہ ہوگی۔ اس لیے معاشرے کو فتنہ و فساد سے بچانے کے لیے اور اس کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان عورتوں کے نکاح کا انتظام کیا جائے، ناکافی عطیات و خیرات ان کے بنیادی مسائل کا حقیقی حل نہیں۔ پھر باپ، بھائی یا سرپرست کی نسبت شوہران کی کفالت و حفاظت کی ذمہ داری زیادہ اچھے طریقے سے نبھا سکتا ہے، کیونکہ جو فوائد و مقاصد بحیثیت شوہر ایک مرد کو عورت سے وابستہ ہوتے ہیں مثلاً والد و تناسل، جنسی تسکین اور محبت و انسیت وغیرہ، وہ باپ، بھائی یا کسی سرپرست کو حاصل نہیں ہوتے۔ باپ کی ہمت تو ویسے ہی جواب دے چکی ہوتی ہے، اور بھائیوں کو کچھ اپنی زندگی بنانے کی فکر لاحق ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں گھروں میں بیٹھی بے نکاحی بہنیں اور بیٹیاں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں اور بعض اوقات ظلم و زیادتی کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ لہذا کسی بھی جوان مرد کو دوسری شادی سے منع کرنے والے حضرات کو کم از کم اتنا ضرور سوچنا چاہیے کہ غربت و تنگ دستی کی اس کڑی آزمائش میں ان غریب اور ضرورتمند لڑکیوں کے والد کی جگہ اگر آپ خود والد ہوتے اور آپ کو اپنی بچیوں کے لیے کہیں سے بھی مناسب رشتوں کی امید نہ ہوتی، اتنے میں آپ کی کسی بچی کے لیے کسی ایسے جوان مرد کا رشتہ میسر آ جاتا جس کی ایمانداری و ذمہ داری کی وجہ سے آپ اپنی بچی کو اس کی دوسری بیوی بنانے پر راضی ہو جاتے، لیکن معاشرے اور خاندان کی شدید مخالفت کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ جاتا اور آپ سے معذرت کر لیتا تو آپ کے دل پر کیا گزرتی۔۔۔؟ اس لیے غربت اور مہنگائی کے اس دور میں ایک بوڑھے باپ کے ناتواں کندھوں پر کئی بچیوں کی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالنے سے بہتر ہے کہ ہر ذمہ دار جوان مرد نکاح کے ذریعے اپنے توانہ کندھوں پر دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں کا بوجھ اٹھائے اور معاشرے کو انتشار سے بچائے۔

غریب لوگ اپنا معیار کم کر لیں:

مندرجہ بالا معروضات ان لوگوں کے لیے ہیں جو مصنوعی غربت کو بنیاد بنا کر متعدد شادیوں کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن جو

وہ لوگ جن کا دسترخوان گوشت کے بغیر دیران معلوم ہوتا ہے، جن سے دال بھری ہضم نہیں ہوتی، پانی کی جگہ وہ (Pepsi) پیتے ہیں تو وہ بھی خود کو غریب خیال کرتے ہیں۔ عید اور شادی کے موقع پر بیوی بچوں کی خریداری میں خوب دل کھول کر خرچ کریں گے، واپسی میں کھانا (KFC) اور (Pizza Hut) پر ہی کھائیں گے، ایئر کنڈیشن کے بغیر ان کے بچوں کو نیند تک نہیں آئے گی، اسکول کی فیس الگ اور ٹیوٹر کی فیس الگ بھریں گے، لیکن پھر بھی ناشکری کریں گے۔ جب ان کا حال دریافت کیا جائے تو ہمیشہ یہی کہیں گے کہ بس! گزارا ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی محبت و رغبت اور حرص و ہوس نے غربت کا معیار ہی بدل ڈالا ہے۔ آج وہ شخص بھی خود کو غریب تصور کرتا ہے جو فلیٹ میں رہتا ہے اور موٹر سائیکل پر گھومتا ہے، کیونکہ اس کا پڑوسی اب بنگلے میں رہنے لگا ہے اور گاڑی پر گھومتا ہے اور جو بنگلے میں رہتا ہے تو اس کی بھی یہی کوشش ہے کہ کسی طرح (Defence) منتقل ہو جائے۔

دنیا کی دوڑ میں ان کی نظر ہمیشہ آگے والوں پر رہتی ہے اور وہ خود کو ہمیشہ پیچھے خیال کرتے ہیں۔ پھر ایسے لوگ ہمیشہ پیچھے ہی رہتے ہیں، کیونکہ ان کے آگے بھی کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو پیچھے آنا گوارا نہیں کرتے۔ لہذا پیچھے والوں کا خیال کسی کو کبھی دامن گیر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں ایسے لوگوں کو سمجھانا پہاڑ کو ہلانے سے بھی زیادہ دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو غربت اور مہنگائی صرف اپنے لیے نظر آتی ہے۔ ان کی نظر میں ہر سامنے والا امیر ہوتا ہے اور یہ دنیا کے مفلس ترین لوگ ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ روز بروز مہنگائی میں اضافہ ہو رہا ہے، لیکن اس سے بڑھ کر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس مہنگائی کے باوجود لوگوں کی قوت خرید پر کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔ گوشت کتنا ہی مہنگا ہو جائے شادیوں میں پر تکلف دعوتیں اسی طرح چل رہی ہیں بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت کی جانب سے جب شادی کے کھانوں پر پابندی عائد کی گئی تو اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے اس وقت بھی لوگ چھپ چھپا کر اور دے دلا کر دعوتوں کا اہتمام کرتے رہے۔ آج عمومی طور پر جتنے بھی امراض پھیلے ہوئے ہیں ان میں اکثر بیماریاں زیادہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں، ہسپتالوں میں شاید ہی کوئی مریض ایسا ہو جو بے چارہ خوراک کی کمی کے باعث بیمار ہوا ہو۔ خریداری کا بھی یہی حال ہے، فخر و نمود کی خاطر صرف کپڑوں ہی پر بے جا بے تحاشا مال اڑایا جاتا ہے، ہر جوڑے کے ساتھ جوتا بھی میچنگ کا ہونا چاہیے اور ایک تقریب میں پہنا ہوا جوڑا اب دوسری تقریب میں پہنتے ہوئے کمتری محسوس ہوتی ہے، لہذا بیگمات کو ہر تقریب پر نیا جوڑا اور نئے جوتے خرید کر دیے جاتے ہیں، پھر ان سب کو حقوق واجبہ میں داخل سمجھا جانے لگا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی دوسری شادی کا ارادہ کرے یا کسی کو دوسری شادی کا مشورہ دے تو وہ یہی ڈکھڑاسانے بیٹھ جائے گا کہ بھائی! ایک تو اخراجات اتنے اور اوپر سے مہنگائی نے کمر توڑ رکھی ہے، دوسری شادی کرو گے تو خرچے کیسے پورے کرو گے؟ ایک تنخواہ میں دو بیویوں کو کیسے پالو گے؟ حالانکہ اسی ایک تنخواہ میں وہ گھر کے کئی افراد کو پال رہا ہوتا ہے، بیوی بچوں کے علاوہ ماں باپ اور بھائی بہن سب ہی پل جاتے ہیں، لیکن لوگوں کی نظروں میں دوسری بیوی کوئی عجیب مخلوق ہے، جس کو پالنے کے لیے ایک وسیع خزانہ درکار ہوتا ہے۔

غربت اور مہنگائی ہر ایک کے حق میں بڑھ رہی ہے:

سوچنے کی بات ہے کہ اگر مہنگائی بڑھ رہی ہے تو ہر ایک کے حق میں بڑھ رہی ہے، اُس کے حق میں بھی بڑھ رہی ہے جس کی

ایک بیوی اور دو بچے ہیں، وہ ان پر بے دریغ خرچ کرتا ہے اور اس کی مالی حیثیت اس قدر مضبوط ہے کہ مہنگائی کے جھٹکے اس پر اثر انداز نہیں ہوتے اور اُس کے حق میں بھی بڑھ رہی ہے جس کی ایک بیمار بیوی اور چار چار، پانچ پانچ جوان بیٹیاں ہیں جو بے نکاحی گھر میں بیٹھی ہیں، اس بوڑھے سفید پوش کی جسمانی حالت کے ساتھ مالی حالت بھی اس قدر کمزور ہے کہ وہ ان کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور ان کی شادیوں کا انتظام کرنے سے بھی قاصر ہے، وہ اپنی زندگی کے آخری دن گزار رہا ہے، لیکن بیٹیوں کا غم اس کو مرنے سے پہلے ہی کھائے جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ مہنگائی اُس کے حق میں بھی بڑھ رہی ہے جو کنواری بیٹیوں کی اکیلی ماں ہے اور اس کا شوہر اس دنیا سے چل بسا ہے اور اُن مظلوم عورتوں کے حق میں بھی بڑھ رہی ہے جو بیوہ یا طلاق یافتہ ہونے کی وجہ سے والدین اور بھائیوں کے اوپر بوجھ بنی بیٹھی ہیں اور معاشرہ ان کو کسی طرح بھی قبول کرنے کے حق میں نہیں۔۔۔ یہ کیسی بے بسی ہے کہ لوگوں کو اپنے لیے تو مہنگائی نظر آتی ہے، مگر ان ضرورت مند اور بے سہارا عورتوں کی خبر گیری کے وقت ان کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔

اگر ان بے بس و بے کس عورتوں کی تعداد بڑھتی رہی اور وہ اسی طرح مایوس ہو کر گھروں میں بے نکاحی بیٹھی رہیں یا کمانے کے لیے مجبوراً گھروں سے نکلتی رہیں تو اس بے حس و بے رحم اور بے حیاء و بے شرم معاشرے کی تند و تیز ہوائیں ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی اور وہ غلط راہ پر نکل پڑیں گی۔ آخر کار بدی و برائی کی ایسی وبا پھوٹ پڑے گی کہ اس کو روکنا کسی کے بس کی بات نہ ہوگی۔ اس لیے معاشرے کو فتنہ و فساد سے بچانے کے لیے اور اس کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان عورتوں کے نکاح کا انتظام کیا جائے، ناکافی عطیات و خیرات ان کے بنیادی مسائل کا حقیقی حل نہیں۔ پھر باپ، بھائی یا سرپرست کی نسبت شوہران کی کفالت و حفاظت کی ذمہ داری زیادہ اچھے طریقے سے نبھا سکتا ہے، کیونکہ جو فوائد و مقاصد بحیثیت شوہر ایک مرد کو عورت سے وابستہ ہوتے ہیں مثلاً توالد و تناسل، جنسی تسکین اور محبت و انسیت وغیرہ، وہ باپ، بھائی یا کسی سرپرست کو حاصل نہیں ہوتے۔ باپ کی ہمت تو ویسے ہی جواب دے چکی ہوتی ہے، اور بھائیوں کو کچھ اپنی زندگی بنانے کی فکر لاحق ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں گھروں میں بیٹھی بے نکاحی بہنیں اور بیٹیاں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں اور بعض اوقات ظلم و زیادتی کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ لہذا کسی بھی جوان مرد کو دوسری شادی سے منع کرنے والے حضرات کو کم از کم اتنا ضرور سوچنا چاہیے کہ غربت و تنگ دستی کی اس کڑی آزمائش میں ان غریب اور ضرورتمند لڑکیوں کے والد کی جگہ اگر آپ خود والد ہوتے اور آپ کو اپنی بچیوں کے لیے کہیں سے بھی مناسب رشتوں کی امید نہ ہوتی، اتنے میں آپ کی کسی بچی کے لیے کسی ایسے جوان مرد کا رشتہ میسر آ جاتا جس کی ایمانداری و ذمہ داری کی وجہ سے آپ اپنی بچی کو اس کی دوسری بیوی بنانے پر راضی ہو جاتے، لیکن معاشرے اور خاندان کی شدید مخالفت کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ جاتا اور آپ سے معذرت کر لیتا تو آپ کے دل پر کیا گزرتی۔۔۔؟ اس لیے غربت اور مہنگائی کے اس دور میں ایک بوڑھے باپ کے ناتواں کندھوں پر کئی بچیوں کی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالنے سے بہتر ہے کہ ہر ذمہ دار جوان مرد نکاح کے ذریعے اپنے توانہ کندھوں پر دودھ، تین تین اور چار چار عورتوں کا بوجھ اٹھائے اور معاشرے کو انتشار سے بچائے۔

غریب لوگ اپنا معیار کم کر لیں:

مندرجہ بالا معروضات ان لوگوں کے لیے ہیں جو مصنوعی غربت کو بنیاد بنا کر متعدد شادیوں کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن جو

لوگ واقعی میں غریب یا متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے لیے بھی یہ پسندیدہ نہیں کہ وہ محض غربت اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کے خوف سے ایک یا ایک سے زائد شادیوں سے اجتناب کریں یا اس کی مخالفت کریں، تو ایسے لوگوں کو چاہیے کہ شادی سے متعلق اپنے معیار کو کم کر دیں، اونچے معیار کی عورتیں نہ ملنے کی وجہ سے نکاح کے بغیر زندگی گزارنے سے یا ایک ہی نکاح پر اکتفاء کرنے سے بہتر ہے کہ اپنے معیار کو کم کرتے ہوئے ایسی عورتوں کو تلاش کریں جو ان سے بھی زیادہ غریب ہوں یا ان کی غربت کے باوجود کسی بھی دینی یا دنیوی وصف کی بنا پر ان سے نکاح کرنے کے لیے راضی ہوں۔ لیکن جو لوگ اتنے غریب ہیں کہ نکاح کے بعد اپنی بیویوں کو بنیادی ضروریات (روٹی، کپڑا اور مکان) دینے سے بھی قاصر ہیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وہ لوگ عفت سے رہیں جو نکاح کی طاقت نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔“

(سورۃ النور: ۳۳)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ایسی عورتوں کے ذریعے غنی کر دے گا جو مالی اعتبار سے کافی بہتر ہوگی، لیکن نکاح کے لیے ایسے مردوں کی متلاشی ہوگی جو باکردار و قابل اعتبار ہوں اور ان کی عزت اور مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں، وہ ایسے لوگوں سے نکاح کرنے کے لیے راضی ہو جائیں گی اور ان کے حالات کو بدلنے کا ذریعہ بنیں گی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک عورت مالی لحاظ سے بہت اونچے طبقے سے تعلق رکھتی ہے، مگر اسے نکاح کے لیے ایک ایسا مرد میسر آ جاتا ہے جو علم دین یا خاندانی شرافت والے وصف میں ممتاز ہوتا ہے یا مرد میں کچھ دنیوی اوصاف: مثلاً اضافی خوبصورتی یا کسی خاص ہنر یا فن میں اضافی مہارت کی وجہ سے عورت اپنی امیری اور اس کی غربی کے باوجود اس سے نکاح کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود تو بہت مالدار تھیں، مگر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت و شرافت کی غیر معمولی شہرت کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام بھجوایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرمایا۔ علامہ زاہد الکوثری فرماتے ہیں:

”وہ غریب و مسکین جس سے کوئی عورت اس کی غربت کے باوجود اس سے نکاح پر آمادہ ہو جائے تو یہ غریب ان لوگوں میں

داخل نہیں کہ جنہیں نکاح کی استطاعت نہیں، بلکہ اس نے تو عملاً نکاح کو موجود پالیا ہے۔“ (مقالات کوثری ص: ۲۲۶)

لہذا کوئی نوجوان چاہے کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو، اگر اس کو کسی ایسی لڑکی کے لیے پیغام نکاح آجائے، جس کے والدین کسی بھی وجہ سے اسے اپنی بیٹی دینے کے لیے تیار ہوں تو ایسے نوجوان کو یہ مشورہ دینا کہ مہنگائی کا دور ہے، خرچے کہاں سے پورے کرو گے؟ ایک عجیب جارحانہ منطق ہے۔ پھر اس بنا پر اس کو نکاح سے اجتناب کا مشورہ دینا، لڑکی اور اس کے باپ پر ظلم کے ساتھ ساتھ قوم کے ساتھ انتہائی احمقانہ قسم کی خیر خواہی کے مترادف ہے۔ حالانکہ اس چیز کی فکر کرنا کہ لڑکا شادی کے بعد لڑکی کا مناسب نان نفقہ ادا کر سکے گا یا نہیں، لڑکی کے باپ کی ذمہ داری ہے، اُس کی رضا کے بعد کسی دوسرے کو دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں کہ لڑکے کو غربت اور مہنگائی کا خوف دلا کر نکاح سے ڈرایا جائے، بلکہ کوئی لڑکا اگر اچھے کردار و اخلاق کا مالک ہے تو شریعت نے تو لڑکی کے باپ کو بھی متوقع داماد کی غربت کے باعث نکاح میں غیر معمولی تاخیر کرنے سے منع کیا ہے اور اس بارے میں زیادہ خبروں سے روکا ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تمہاری طرف کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین و اخلاق سے تم راضی ہو تو اس سے (اپنی لڑکی کا) نکاح

کر دیا کرو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد پھیلے گا۔“ (ترمذی)

غربت اور تنگ دستی تعددِ ازواج سے مانع نہیں:

جس طرح غربت شرعاً و عرفاً پہلی شادی میں رکاوٹ نہیں بالکل اسی طرح ایک سے زیادہ شادیوں میں بھی غربت رکاوٹ نہیں اور جس طرح ایک شادی امیر و غریب دونوں قسم کے لوگ کرتے ہیں اسی طرح ایک سے زیادہ شادیاں بھی امیر و غریب دونوں قسم کے لوگ کر سکتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ امیر لوگ اپنی حیثیت کے مطابق امیروں میں شادیاں کرتے ہیں اور غریب لوگ اپنی مالی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے غریبوں میں شادیاں کرتے ہیں تاکہ اپنی حیثیت کے مطابق رہائش، خوراک اور لباس وغیرہ سے متعلق حقوق واجبہ ادا کر سکیں۔ چنانچہ وہ شخص جو مالدار تو نہیں، لیکن ذمہ دار ہے اور بیوی کے حق واجب ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے، خواہ یہ قدرت بالفعل (برسر روزگار) ہو یا قدرت بالقوة (کمانے کی صلاحیت) ہو، یعنی ہاتھ پاؤں سلامت ہوں اور فی الحال عملی طور پر کماتو نہیں رہا، لیکن نکاح کے بعد کم کر بیوی کو کھلانے پلانے وغیرہ کی طاقت رکھتا ہے تو شریعت کی نگاہ میں ایسا شخص ایک یا ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے، البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ بیوی کے انتخاب میں اپنا معیار بدل ڈالے اور ایسی عورتیں تلاش کرے جو اُس سے بھی زیادہ غریب ہوں یا مالدار ہونے کے باوجود اُس کے کسی اضافی دینی یا دنیوی وصف کے باعث اس سے نکاح کرنے پر آمادہ ہوں۔ بیوی شوہر سے زیادہ غریب ہو یا شوہر بیوی سے زیادہ غریب ہو، دونوں صورتوں میں عورت کا حق واجب وہی ہوگا جس پر وہ نکاح سے پہلے راضی ہوئی تھی اور اس کا ادا کرنا ہر مرد کے لیے لازمی ہے، اگر عورت اس سے زیادہ کا مطالبہ کرے تو اس کو حق واجب نہیں سمجھا جائے گا۔ علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”غربت نکاح سے مانع نہیں، نہ تو ایک شادی سے اور نہ ہی چار شادیوں سے بلکہ غربت تو نکاح پر اور زیادہ برا بیخندہ کرنے کا

سبب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو، اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ تعالیٰ

انہیں غنی کر دے گا۔“ (مقالات کوثری ص: ۲۲۶)

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور غربت

آئیے! اب ہم دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چلتے ہیں، جہاں حقیقی و مصنوعی غربت سے ہٹ کر انتہائی درجے کی غربت کا ہر گھر میں سیرا ہے۔ ایک طرف اللہ کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، دونوں جہانوں کے سردار و سرکار ہیں تو دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم گسار و جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آقا ہیں تو صحابہ غلام، لیکن غلاموں کی حالت جس قدر تنگ ہے، آقا کی حالت اس سے بھی کہیں زیادہ تنگ، بھوک کی وجہ سے غلاموں نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھا ہے تو آقا نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہیں، کوئی گھر ایسا نہیں کہ جہاں روز چولہا جلتا ہو اور آقائے دو جہاں کے گھر میں تو چالیس چالیس دن گزر جانے کے باوجود بھی چولہا جلنے کی نوبت تک نہیں آتی۔ ان عظیم المرتبت ہستیوں کی غربت و تنگ دستی کے عجیب و غریب واقعات و حالات کثرت کے ساتھ احادیث و روایات میں ملتے ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غربت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر و فاقہ کوئی تقدیر کا فیصلہ نہ تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے کبھی آپ کو اس طرح کی زندگی گزارنے کا حکم دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دے دیا کہ فقیری و بادشاہی میں سے جو چاہے آپ اپنے لیے پسند فرمائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود اپنے لیے غربت اور قناعت پسندی کو اپنایا اور اپنے محبوبین و مقربین کے لیے بھی اسی چیز کو پسند فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اگر کوئی اظہار محبت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فقر و فاقہ کے لیے تیار رہنے کا فرماتے اور اگر کوئی دنیاوی آرام و سکون اور عیش و عشرت کی طرف ذرا بھی مائل ہوتا تو اسے فکر آخرت دلاتے اور دنیا کی بے ثباتی سمجھاتے۔ یہاں تک کہ جب ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے نان نفقے کا مطالبہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو ٹوک الفاظ میں فرمادیا کہ اگر تم اس حالت میں میرے ساتھ رہنے کو تیار نہیں تو تمہیں اختیار ہے کہ مجھے چھوڑ دو، لیکن فقر و فاقہ مجھے محبوب ہے، اس لیے میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ایک صحابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ سے محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھ! کیا کہتا ہے۔ انہوں نے پھر یہی عرض کیا: مجھے آپ سے محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ جب تین مرتبہ یہ سوال جواب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر کے اوڑھنے بچھونے کے لیے تیار ہو جاؤ، اس لیے کہ مجھ سے محبت رکھنے والوں کی طرف

فقر ایسے زور سے دوڑتا ہے جیسے پانی نچان کی طرف دوڑتا ہے۔“ (فضائل اعمال ص: 54)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتوں میں سے ایک فرشتہ بھیجا اور اس کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی بھیجا۔ اس فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں باتوں میں اختیار دیا ہے، یا تو آپ بندہ اور نبی ہوں اور اگر آپ کا جی چاہے تو بادشاہ اور نبی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف اس طرح رخ فرمایا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں ان کی رائے چاہتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا کہ آپ تواضع اختیار کیجیے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو بندہ اور نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی ٹیک لگا کر نہیں کھایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔ (بخاری، نسائی، البدایہ والنہایہ 48/6)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل علیہ السلام صفا پہاڑی پر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل! اس ذات کی قسم جس نے تم کو حق دے کر بھیجا ہے، آج شام کو محمد کے گھرانے میں اتنا آنا بھی نہیں جسے پھانک لے اور نہ کوئی مٹھی بھری ہوگی ہے۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات ختم ہونے نہ پائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان سے ایک دھماکے کی آواز سنی، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قائم ہونے کا حکم دے دیا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: نہیں! لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی وہ بات سنی تو اسرافیل کو حکم دیا ہے، وہ آپ کی طرف آرہے ہیں، اتنے میں حضرت اسرافیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا: جو کچھ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور مجھے آپ کی خدمت میں زمین کے خزانوں کی چابیاں دے کر بھیجا ہے اور

مجھے حکم فرمایا ہے کہ آپ پر یہ بات پیش کروں کہ آپ کے لیے ان پہاڑوں کو زمرہ اور یاقوت اور سونے اور چاندی سے بدل دوں، اگر آپ چاہیں تو ایسا کر دوں؟ اب آپ کو اختیار ہے، آپ نبی اور بادشاہ ہونا چاہتے ہیں یا آپ یہ چاہتے ہیں کہ نبی اور بندے رہیں؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا کہ آپ تواضع اختیار کریں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو نبی اور بندہ بن کر رہنا چاہتا ہوں اور یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ (الطبرانی، المعجم ص: 315/10، الترغیب والترہیب 157/5)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے کسی باغ میں تشریف لے گئے اور گرمی ہوئی کھجوروں کو چننا اور کھانا شروع کر دیا اور مجھ سے فرمایا: اے ابن عمر! تمہیں کیا ہوا کہ تم نہیں کھاتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن مجھے تو بھوک ہے اور یہ چوتھی صبح ہے کہ میں نے کھانا نہیں چکھا ہے اور اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ مجھے کسریٰ و قیصر جیسا ملک دے دیں۔ اے ابن عمر! تیرا اُس وقت کیا حال ہوگا جب تم ایسی قوم میں باقی رہو گے جو اپنے سال بھر کا رزق ڈھانپ کر رکھیں گے اور یقین کمزور پڑ جائے گا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: پس خدا کی قسم! ابھی ہم وہاں سے نہیں نکلے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

”اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا بچا کر نہیں رکھتے، اللہ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی، اور وہ سب کچھ سنتا

اور جانتا ہے۔“ (سورۃ العنکبوت ایتہ: 60)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا جمع کرنے اور خواہشات کی اتباع کرنے کا حکم نہیں دیا، جس آدمی نے دنیا کو باقی زندگی کے لیے جوڑا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، سن لو کہ میں ایک دینار اور ایک درہم کو بھی جمع نہیں کرتا اور کل کے لیے رزق چھپا کر نہیں رکھتا۔“ (الترغیب والترہیب 149/5)

جیسا کہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

”اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجیے اور خود بھی اس پر قائم رہیے، ہم آپ سے روزی کو مانا نہیں چاہتے، روزی تو ہم آپ کو دیں گے،

آخر میں بول بالا پر ہیز گاری ہی کا ہے۔“ (سورۃ طہ ایتہ: 132)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فاقہ کشی:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں اس حال کو یاد کرتی ہوں جس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو چھوڑ کر تشریف لے گئے ہیں۔ اللہ کی قسم! کسی رات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت اور روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا: ہم اگر چاہتے تو پیٹ بھر کر کھا لیتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔ (ترمذی)

ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے میرے بھانجے! کچ جانو

ہم تین چاند دیکھ لیتے تھے اور گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: خالہ جان! پھر آپ لوگ زندہ کیسے رہتے تھے؟ آپ نے فرمایا: کھجور اور پانی پر گزارا کر لیتے تھے، اس کے سوا یہ بھی ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والے انصار اپنے دودھ اور جانوروں کا ہدیہ بھیج دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دودھ ہمیں پلاتے۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر بغیر چراغ روشن کیے اور بغیر چولہا جلانے کئی کئی ماہ گزر جاتے تھے۔ اگر زیتون کا تیل مل جاتا تو تھوڑا سا ہونے کی وجہ سے چراغ میں ڈالنے کے بجائے اسے بدن پر مل لیتے تھے اور چربی مل جاتی تو اسے کھانے میں استعمال کر لیتے تھے۔ (بخاری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو حالت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں اجازت پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے بالا خانے پر پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا کچھ حصہ مٹی پر تھا، آپ کے سر مبارک کے نیچے ایک تکیہ تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر صرف ایک تہہ بند تھا، اس کے علاوہ اور کوئی لباس نہ تھا اور چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو پر نمایاں تھے۔ میں نے دیکھا کہ جو ایک چھوٹی سی ڈھیری ہے، جو تقریباً ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کی ہوگی، کچھ بیر کے پتے بالا خانے کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے ہیں اور ایک بلا دباغت دی ہوئی کھال لٹکی ہوئی ہے، یہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کیا ہوا کہ میں نہ روؤں، اس چٹائی کا اثر آپ کے پہلو میں ہے اور یہ آپ کا خزانہ ہے! وہ کسریٰ و قیصر پھلوں اور نہروں میں موج کر رہے ہیں اور سونے کے تخت اور ریشم کے بستر پر ہیں اور آپ اللہ کے نبی اور برگزیدہ ہیں اور یہ آپ کا خزانہ ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ ہمارے لیے آخرت ہوگی اور ان کے لیے دنیا ہے؟ (مسلم، مسند احمد، الترغیب والترہیب 161/5، الہیسی 326/10)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میرے پاس ایک انصاری عورت آئی، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو دیکھا کہ پرانی پیوند لگی ہوئی یا دوہری پرانی چادر ہے، اس نے میرے پاس ایک بستر بھیجا جس میں اون بھرا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فلاں انصاری عورت آئی تھی، اس نے آپ کے بستر کو دیکھا تو وہ گئی اور اس نے میرے پاس یہ بھیج دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے واپس کر دو، لیکن میں نے اسے واپس نہیں کیا اور میرے دل نے چاہا کہ وہ بستر میرے گھر میں رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ واپسی کے لیے فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اسے واپس کر دو، خدا کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دے۔ (طبقات ابن سعد 465/1)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھر میں کپڑے بھی زیادہ نہیں تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دھویا تو آپ اسی کو پہن کر مسجد میں نماز کے لیے تشریف لے گئے، یعنی ابھی وہ کپڑا گیلیا ہوتا تھا۔

(امہات المؤمنین قدم بہ قدم، عبد اللہ فارانی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک صاحب نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا۔ یہ خدمت میرے سپرد تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا اور کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑے پہنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا: مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے، تو کسی سے قرض نہ لیا کر، جب کبھی ضرورت ہوا کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر، میں نے کہا: اس سے بہتر اور کیا ہوگا۔ چنانچہ اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب بھی ارشاد عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشاد والا کی تعمیل کر دیتا۔ ایک مرتبہ وضو کر کے اذان کے لیے کھڑا ہی ہوا تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا: اونٹنی! میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشہ گالیاں دینے لگا اور بُرا بھلا جو منہ میں آیا کہا اور کہنے لگا: مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا: قریب ختم کے ہے۔ کہنے لگا: چار دن باقی ہیں، اگر مہینے کے ختم تک میرا سب قرض ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضے میں غلام بناؤں گا اور پھر اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا جیسا پہلے تھا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ مجھ پر دن بھر جو گزرنا چاہیے تھا وہی گزرا، تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا، سارا قصہ سنایا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں۔ وہ ذلیل کرے گا، اس لیے اجازت ہو تو جب تک اتنے قرض اترنے کا انتظام ہو میں کہیں روپوش ہو جاؤں۔ جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آجائے گا میں حاضر ہو جاؤں گا، یہ عرض کر کے میں گھر آیا۔ تلوار، ڈھال اٹھائی، جوتا اٹھایا، یہ سامان سفر تھا اور صبح کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے وقت کہیں چلا جاؤں گا۔ صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جلدی چلو۔ میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا بیٹھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوشی کی بات سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرض کی بے باقی کا انتظام فرما دیا۔ یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی۔ فذک کے رئیس نے یہ نذرانہ مجھے بھیجا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر مسجد میں انتظار فرماتے رہے، میں نے واپس آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے سارے قرضے سے ہمیں سبکدوش کر دیا اور اب کوئی چیز بھی قرضے کی باقی نہیں رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: سامان میں سے ابھی بھی کچھ باقی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں کچھ باقی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے، میں اس وقت تک گھر نہیں جاؤں گا جب تک کہ یہ تقسیم نہ ہو جائے۔ تمام دن گزر جانے کے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا: کچھ موجود ہے، کیونکہ ضرورت مند ملے ہی نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ہی

ہم تین چاند دیکھ لیتے تھے اور گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: خالہ جان! پھر آپ لوگ زندہ کیسے رہتے تھے؟ آپ نے فرمایا: کھجور اور پانی پر گزارا کر لیتے تھے، اس کے سوا یہ بھی ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والے انصار اپنے دودھ اور جانوروں کا ہدیہ بھیج دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دودھ ہمیں پلاتے۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر بغیر چراغ روشن کیے اور بغیر چولہا جلانے کئی کئی ماہ گزار جاتے تھے۔ اگر زیتون کا تیل مل جاتا تو تھوڑا سا ہونے کی وجہ سے چراغ میں ڈالنے کے بجائے اسے بدن پر مل لیتے تھے اور چربی مل جاتی تو اسے کھانے میں استعمال کر لیتے تھے۔ (بخاری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو حالت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں اجازت پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے بالا خانے پر پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا کچھ حصہ مٹی پر تھا، آپ کے سر مبارک کے نیچے ایک تکیہ تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر صرف ایک تہہ بند تھا، اس کے علاوہ اور کوئی لباس نہ تھا اور چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو پر نمایاں تھے۔ میں نے دیکھا کہ جو کی ایک چھوٹی سی ڈھیری ہے، جو تقریباً ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کی ہوگی، کچھ پیر کے پتے بالا خانے کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے ہیں اور ایک بلا دباغت دی ہوئی کھال لٹکی ہوئی ہے، یہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کیا ہوا کہ میں نہ روؤں، اس چٹائی کا اثر آپ کے پہلو میں ہے اور یہ آپ کا خزانہ ہے! وہ کسریٰ و قیصر پھلوں اور نہروں میں موج کر رہے ہیں اور سونے کے تخت اور ریشم کے بستر پر ہیں اور آپ اللہ کے نبی اور برگزیدہ ہیں اور یہ آپ کا خزانہ ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ ہمارے لیے آخرت ہوگی اور ان کے لیے دنیا ہے؟ (مسلم، مسند احمد، الترغیب والترہیب 161/5، البیہقی 326/10)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میرے پاس ایک انصاری عورت آئی، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو دیکھا کہ پرانی پیوند لگی ہوئی یا دوہری پرانی چادر ہے، اس نے میرے پاس ایک بستر بھیجا جس میں اون بھرا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فلاں انصاری عورت آئی تھی، اس نے آپ کے بستر کو دیکھا تو وہ گئی اور اس نے میرے پاس یہ بھیج دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے واپس کر دو، لیکن میں نے اسے واپس نہیں کیا اور میرے دل نے چاہا کہ وہ بستر میرے گھر میں رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ واپسی کے لیے فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اسے واپس کر دو، خدا کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دے۔ (طبقات ابن سعد 465/1)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھر میں کپڑے بھی زیادہ نہیں تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دھویا تو آپ اسی کو پہن کر مسجد میں نماز کے لیے تشریف لے گئے، یعنی وہ کپڑا اگلا ہوتا تھا۔

(اہمبات المؤمنین قدم بہ قدم، عبد اللہ فارانی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک صاحب نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا۔ یہ خدمت میرے سپرد تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا اور کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑے پہنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا: مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے، تو کسی سے قرض نہ لیا کر، جب کبھی ضرورت ہوا کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر، میں نے کہا: اس سے بہتر اور کیا ہوگا۔ چنانچہ اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب بھی ارشاد عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشاد والا کی تعمیل کر دیتا۔ ایک مرتبہ وضو کر کے اذان کے لیے کھڑا ہی ہوا تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا: او ہشی! میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشہ گالیاں دینے لگا اور بُرا بھلا جو منہ میں آیا کہا اور کہنے لگا: مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا: قریب ختم کے ہے۔ کہنے لگا: چار دن باقی ہیں، اگر مہینے کے ختم تک میرا سب قرض ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضے میں غلام بناؤں گا اور پھر اسی طرح بکریاں پڑاتا پھرے گا جیسا پہلے تھا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ مجھ پر دن بھر جو گزرنا چاہیے تھا وہی گزرا، تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا، سارا قصہ سنایا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں۔ وہ ذلیل کرے گا، اس لیے اجازت ہو تو جب تک اتنے قرض اترنے کا انتظام ہو میں کہیں روپوش ہو جاؤں۔ جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آجائے گا میں حاضر ہو جاؤں گا، یہ عرض کر کے میں گھر آیا۔ تلوار، ڈھال اٹھائی، جوتا اٹھایا، یہ سامان سفر تھا اور صبح کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے وقت کہیں چلا جاؤں گا۔ صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جلدی چلو۔ میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا بیٹھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوشی کی بات سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرض کی بے باقی کا انتظام فرما دیا۔ یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی۔ فذک کے رئیس نے یہ نذرانہ مجھے بھیجا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر مسجد میں انتظار فرماتے رہے، میں نے واپس آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے سارے قرضے سے ہمیں سبکدوش کر دیا اور اب کوئی چیز بھی قرضے کی باقی نہیں رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: سامان میں سے ابھی بھی کچھ باقی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں کچھ باقی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے، میں اس وقت تک گھر نہیں جاؤں گا جب تک کہ یہ تقسیم نہ ہو جائے۔ تمام دن گزر جانے کے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا: کچھ موجود ہے، کیونکہ ضرورت مند ملے ہی نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ہی

ہم تین چاند دیکھ لیتے تھے اور گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: خالہ جان! پھر آپ لوگ زندہ کیسے رہتے تھے؟ آپ نے فرمایا: کھجور اور پانی پر گزارا کر لیتے تھے، اس کے سوا یہ بھی ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والے انصار اپنے دودھ اور جانوروں کا ہدیہ بھیج دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دودھ ہمیں پلاتے۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر بغیر چراغ روشن کیے اور بغیر چولہا جلانے کئی کئی ماہ گزار جاتے تھے۔ اگر زیتون کا تیل مل جاتا تو تھوڑا سا ہونے کی وجہ سے چراغ میں ڈالنے کے بجائے اسے بدن پر مل لیتے تھے اور چربی مل جاتی تو اسے کھانے میں استعمال کر لیتے تھے۔ (بخاری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو حالت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں اجازت پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے بالا خانے پر پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا کچھ حصہ مٹی پر تھا، آپ کے سر مبارک کے نیچے ایک تکیہ تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر صرف ایک تہہ بند تھا، اس کے علاوہ اور کوئی لباس نہ تھا اور چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو پر نمایاں تھے۔ میں نے دیکھا کہ جو کی ایک چھوٹی سی ڈھیری ہے، جو تقریباً ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کی ہوگی، کچھ پیر کے پتے بالا خانے کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے ہیں اور ایک بلا دباغت دی ہوئی کھال لٹکی ہوئی ہے، یہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کیا ہوا کہ میں نہ روؤں، اس چٹائی کا اثر آپ کے پہلو میں ہے اور یہ آپ کا خزانہ ہے! وہ کسریٰ و قیصر پھلوں اور نہروں میں موج کر رہے ہیں اور سونے کے تخت اور ریشم کے بستر پر ہیں اور آپ اللہ کے نبی اور برگزیدہ ہیں اور یہ آپ کا خزانہ ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ ہمارے لیے آخرت ہوگی اور ان کے لیے دنیا ہے؟ (مسلم، مسند احمد، الترغیب والترہیب 161/5، الہیثمی 326/10)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میرے پاس ایک انصاری عورت آئی، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو دیکھا کہ پرانی پیوند لگی ہوئی یادو ہری پرانی چادر ہے، اس نے میرے پاس ایک بستر بھیجا جس میں اون بھرا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فلاں انصاری عورت آئی تھی، اس نے آپ کے بستر کو دیکھا تو وہ گئی اور اس نے میرے پاس یہ بھیج دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے واپس کر دو، لیکن میں نے اسے واپس نہیں کیا اور میرے دل نے چاہا کہ وہ بستر میرے گھر میں رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ واپسی کے لیے فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اسے واپس کر دو، خدا کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دے۔ (طبقات ابن سعد 465/1)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھر میں کپڑے بھی زیادہ نہیں تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دھویا تو آپ اسی کو پہن کر مسجد میں نماز کے لیے تشریف لے گئے، یعنی وہ کپڑا اگلا ہوتا تھا۔

(اہمبات المؤمنین قدم بہ قدم، عبد اللہ فارانی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک صاحب نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا۔ یہ خدمت میرے سپرد تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا اور کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑے پہنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا: مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے، تو کسی سے قرض نہ لیا کر، جب کبھی ضرورت ہوا کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر، میں نے کہا: اس سے بہتر اور کیا ہوگا۔ چنانچہ اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب بھی ارشاد عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشاد والا کی تعمیل کر دیتا۔ ایک مرتبہ وضو کر کے اذان کے لیے کھڑا ہی ہوا تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا: او ہشی! میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشہ گالیاں دینے لگا اور بُرا بھلا جو منہ میں آیا کہا اور کہنے لگا: مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا: قریب ختم کے ہے۔ کہنے لگا: چار دن باقی ہیں، اگر مہینے کے ختم تک میرا سب قرض ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضے میں غلام بناؤں گا اور پھر اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا جیسا پہلے تھا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ مجھ پر دن بھر جو گزرنا چاہیے تھا وہی گزرا، تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا، سارا قصہ سنایا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں۔ وہ ذلیل کرے گا، اس لیے اجازت ہو تو جب تک اتنے قرض اترنے کا انتظام ہو میں کہیں روپوش ہو جاؤں۔ جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آجائے گا میں حاضر ہو جاؤں گا، یہ عرض کر کے میں گھر آیا۔ تلوار، ڈھال اٹھائی، جوتا اٹھایا، یہ سامان سفر تھا اور صبح کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے وقت کہیں چلا جاؤں گا۔ صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جلدی چلو۔ میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا بیٹھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوشی کی بات سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرض کی بے باقی کا انتظام فرما دیا۔ یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی۔ فذک کے رئیس نے یہ نذرانہ مجھے بھیجا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر مسجد میں انتظار فرماتے رہے، میں نے واپس آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے سارے قرضے سے ہمیں سبکدوش کر دیا اور اب کوئی چیز بھی قرضے کی باقی نہیں رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: سامان میں سے ابھی بھی کچھ باقی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں کچھ باقی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے، میں اس وقت تک گھر نہیں جاؤں گا جب تک کہ یہ تقسیم نہ ہو جائے۔ تمام دن گزر جانے کے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا: کچھ موجود ہے، کیونکہ ضرورت مند ملے ہی نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ہی

میں آرام فرمایا۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کی حمد و ثناء فرمائی، اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور اپنی ازواج سے ملے۔ (البداية والنهاية 55/6، الطبرانی، المعجم 239/10)

نان نفقہ کے لیے ازواج مطہرات کا مطالبہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی

فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے کی نسبت کچھ بہتر ہوگئی تو انصار و مہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے بھی نان نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نہایت سادگی اور قناعت پسند تھے اور فقر و فاقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا، اس لیے ازواج مطہرات کے اس مطالبے پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی، جو ایک مہینے تک جاری رہی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی آیت نازل فرمادی جس کو ”آیت تحجیر“ کہتے ہیں۔ اس واقعے کی تفصیل احادیث میں اس طرح ملتی ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میرا ایک انصاری پڑوسی تھا اور ہم دونوں یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن وہ جاتا اور ایک دن میں، وہ میرے پاس وحی وغیرہ کی خبریں لاتا اور اس کے پاس میں ان چیزوں کی خبریں لاتا۔ ہم اکثر یہ بات کیا کرتے تھے کہ قبیلہ غسان نے اپنے گھوڑوں کے نعل جڑوا لیے ہیں تاکہ ہم سے جنگ کرے۔ ایک دن میرا یہ ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پھر عشاء کے وقت میرے پاس آیا اور میرا دروازہ کھٹکھٹانے لگا، اس کے بعد مجھے آواز دی، میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا: ایک بہت بڑی بات پیش آئی ہے۔ میں نے پوچھا: کہیں غسان کے لوگ تو نہیں آگئے؟ اس نے کہا: نہیں، اس سے بھی زیادہ بڑی اور لمبی بات ہے، وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو چھوڑ دیا ہے۔ تو میں نے کہا: حفصہ رسوا ہو جائے اور خسارے میں پڑے، مجھے پتہ تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ جب میں نے صبح کی نماز پڑھی، اپنے کپڑے پہنے اور مدینہ گیا اور حفصہ کے پاس داخل ہوا، وہ رورہی تھی۔ میں نے پوچھا: کیا تم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی ہے؟ حفصہ نے کہا: مجھے کچھ علم نہیں، وہ دیکھیے بالا خانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ تشریف فرما ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبشی غلام کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو۔ وہ غلام اندر گیا اور پھر باہر میرے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے تمہارا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ لگا گئے۔ میں وہاں سے چلا اور منبر کے پاس آیا، منبر کے پاس ایک چھوٹی سی جماعت بیٹھی ہوئی تھی جس میں سے بعض رورہے تھے، میں تھوڑی سی دیر بیٹھا، پھر مجھ پر میرا غم غالب آگیا۔ میں پھر اس غلام کے پاس آیا اور کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو۔ وہ غلام اندر گیا اور پھر باہر میرے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے تمہارا تذکرہ کر دیا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ لگا گئے۔ میں انکو وہاں سے واپس ہوا تو اتنے میں اس غلام نے مجھے آواز دی اور کہا: اندر چلے جاؤ، تمہارے لیے اجازت مل

گئی ہے۔ میں اندر گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ننگے بورے پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر اس کے نشانات تھے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف سر مبارک بلند کیا اور فرمایا: نہیں! تب میں نے کہا: اللہ اکبر! اے اللہ کے رسول! ہم قریش کی وہ جماعت ہیں کہ ہم عورتوں پر غالب رہتے تھے، جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے ایسی قوم پائی جن میں ان کی عورتیں غالب رہتی ہیں، ہماری عورتوں نے ان کی عورتوں سے سیکھنا شروع کیا ہے، چنانچہ میں اپنی بیوی پر ایک دن بگڑا تو وہ مجھے جواب دینے لگی، مجھے اس کا جواب دینا بہت اوپر اس معلوم ہوا تو اس نے کہا: آپ کو کیوں برا لگتا ہے کہ میں جواب دیتی ہوں؟ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک سارے دن رات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑے رکھتی ہے، یہ سن کر میں وہاں سے چلا اور حفصہ کے پاس گیا اور میں نے کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارے دن رات تک بات نہیں کرتی؟ اس نے کہا: ہاں! تو میں نے کہا: جس عورت نے بھی ایسا کیا وہ رسوا ہوئی اور خسارے میں پڑی، کیا تم میں سے ہر ایک اس بات سے مامون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب کی وجہ سے اللہ اس سے غضبناک ہو؟ وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گی، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب نہ دینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کرنا اور جو تمہارا جی کرے مجھ سے مانگنا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے حفصہ سے یہ بھی کہا: تجھے یہ بات دھوکے میں نہ ڈال دے کہ تمہاری سوکن (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم سے زیادہ خوبصورت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری مرتبہ مسکرائے، تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ذرا اور جی بہلاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! سو میں بیٹھ گیا اور میں نے اپنا سر اُس بالا خانے میں اٹھایا، پس خدا کی قسم! میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جس پر دوبارہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہو (چونکہ کچھ تھا ہی نہیں) ہاں تین چیزیں تھیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت پر وسعت نازل فرمائے، اُس نے توروم و فارس پر بڑی وسعت نازل کی ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تو ابھی تک شک میں ہے؟ یہ وہ قوم ہے کہ ان کے لیے ان کی طیبات دنیا کی زندگی میں پہلے دے دی گئی ہیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے مغفرت طلب کیجیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدتِ غصہ کی وجہ سے اس بات کی قسم کھائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے پاس ایک ماہ تک نہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بارے میں تنبیہ اتار دی۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، حیاة الصحابة 804/2)

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب پردے کی آیات نہیں اتری تھیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے اور ان کو سمجھایا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بھی فرمایا: اے اللہ کے رسول! آپ پر عورتوں کے بارے میں کچھ دشواری نہیں، اگر آپ نے انہیں طلاق دے دی ہے تو اللہ آپ کے ساتھ ہے اور اس کے ملائکہ اور جبریل اور میکائیل اور میں اور ابوبکر اور تمام

میں آرام فرمایا۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کی حمد و ثناء فرمائی، اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور اپنی ازواج سے ملے۔ (البدایہ والنہایہ 55/6، الطبرانی، المعجم 239/10)

نان نفقہ کے لیے ازواج مطہرات کا مطالبہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی

فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے کی نسبت کچھ بہتر ہو گئی تو انصار و مہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے بھی نان نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نہایت سادگی اور قناعت پسند تھے اور فقر و فاقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا، اس لیے ازواج مطہرات کے اس مطالبے پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی، جو ایک مہینے تک جاری رہی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی آیت نازل فرمادی جس کو ”آیت تحجیر“ کہتے ہیں۔ اس واقعے کی تفصیل احادیث میں اس طرح ملتی ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میرا ایک انصاری پڑوسی تھا اور ہم دونوں یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن وہ جاتا اور ایک دن میں، وہ میرے پاس وحی وغیرہ کی خبریں لاتا اور اس کے پاس میں ان چیزوں کی خبریں لاتا۔ ہم اکثر یہ بات کیا کرتے تھے کہ قبیلہ غسان نے اپنے گھوڑوں کے نعل جڑوا لیے ہیں تاکہ ہم سے جنگ کرے۔ ایک دن میرا یہ ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پھر عشاء کے وقت میرے پاس آیا اور میرا دروازہ کھٹکھٹانے لگا، اس کے بعد مجھے آواز دی، میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا: ایک بہت بڑی بات پیش آئی ہے۔ میں نے پوچھا: کہیں غسان کے لوگ تو نہیں آگئے؟ اس نے کہا: نہیں، اس سے بھی زیادہ بڑی اور لمبی بات ہے، وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو چھوڑ دیا ہے۔ تو میں نے کہا: حفصہ رسوا ہو جائے اور خسارے میں پڑے، مجھے پتہ تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ جب میں نے صبح کی نماز پڑھی، اپنے کپڑے پہنے اور مدینہ گیا اور حفصہ کے پاس داخل ہوا، وہ رورہی تھی۔ میں نے پوچھا: کیا تم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی ہے؟ حفصہ نے کہا: مجھے کچھ علم نہیں، وہ دیکھیے بالا خانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ تشریف فرما ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبشی غلام کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو۔ وہ غلام اندر گیا اور پھر باہر میرے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے تمہارا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ لگا گئے۔ میں وہاں سے چلا اور منبر کے پاس آیا، منبر کے پاس ایک چھوٹی سی جماعت بیٹھی ہوئی تھی جس میں سے بعض رورہے تھے، میں تھوڑی سی دیر بیٹھا، پھر مجھ پر میرا غم غالب آ گیا۔ میں پھر اس غلام کے پاس آیا اور کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو۔ وہ غلام اندر گیا اور پھر باہر میرے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے تمہارا تذکرہ کر دیا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ لگا گئے۔ پھر میں نکلا اور منبر کے پاس جا کر بیٹھا اور پھر مجھ پر میرا غم غالب آ گیا اور پھر میں غلام کے پاس آیا اور اس سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو۔ وہ اندر گیا اور پھر باہر میرے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے تمہارا تذکرہ کر دیا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ لگا گئے۔ میں اُلٹا وہاں سے واپس ہوا تو اتنے میں اس غلام نے مجھے آواز دی اور کہا: اندر چلے جاؤ، تمہارے لیے اجازت مل

گئی ہے۔ میں اندر گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ننگے پورے پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر اس کے نشانات تھے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف سر مبارک بلند کیا اور فرمایا: نہیں! تب میں نے کہا: اللہ اکبر! اے اللہ کے رسول! ہم قریش کی وہ جماعت ہیں کہ ہم عورتوں پر غالب رہتے تھے، جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے ایسی قوم پائی جن میں ان کی عورتیں غالب رہتی ہیں، ہماری عورتوں نے ان کی عورتوں سے سیکھنا شروع کیا ہے، چنانچہ میں اپنی بیوی پر ایک دن بگڑا تو وہ مجھے جواب دینے لگی، مجھے اس کا جواب دینا بہت اوپر اس معلوم ہوا تو اس نے کہا: آپ کو کیوں برا لگتا ہے کہ میں جواب دیتی ہوں؟ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک سارے دن رات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑے رکھتی ہے، یہ سن کر میں وہاں سے چلا اور حفصہ کے پاس گیا اور میں نے کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارے دن رات تک بات نہیں کرتی؟ اس نے کہا: ہاں! تو میں نے کہا: جس عورت نے بھی ایسا کیا وہ رسوا ہوئی اور خسارے میں پڑی، کیا تم میں سے ہر ایک اس بات سے مامون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب کی وجہ سے اللہ اس سے غضبناک ہو؟ وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گی، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب نہ دینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کرنا اور جو تمہارا جی کرے مجھ سے مانگنا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے حفصہ سے یہ بھی کہا: تجھے یہ بات دھوکے میں نہ ڈال دے کہ تمہاری سوکن (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم سے زیادہ خوبصورت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری مرتبہ مسکرائے، تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ذرا اور جی بہلاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! سو میں بیٹھ گیا اور میں نے اپنا سر اُس بالا خانے میں اٹھایا، پس خدا کی قسم! میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جس پر دوبارہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہو (چونکہ کچھ تھا ہی نہیں) ہاں تین چیزیں تھیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت پر وسعت نازل فرمائے، اُس نے توروم و فارس پر بڑی وسعت نازل کی ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تو ابھی تک شک میں ہے؟ یہ وہ قوم ہے کہ ان کے لیے ان کی طیبات دنیا کی زندگی میں پہلے دے دی گئی ہیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے مغفرت طلب کیجیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدتِ غصہ کی وجہ سے اس بات کی قسم کھائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے پاس ایک ماہ تک نہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بارے میں تنبیہ اتار دی۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، حیاة الصحابہ 804/2)

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب پردے کی آیات نہیں اتری تھیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے اور ان کو سمجھایا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بھی فرمایا: اے اللہ کے رسول! آپ پر عورتوں کے بارے میں کچھ دشواری نہیں، اگر آپ نے انہیں طلاق دے دی ہے تو اللہ آپ کے ساتھ ہے اور اس کے ملائکہ اور جبریل اور میکائیل اور ابوبکر اور تمام

مؤمنین آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت عمر فرماتے ہیں: بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں نے کوئی بات کی ہو اور میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ مجھے یہ امید نہ ہوئی ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے قول کی تصدیق کرے گا، چنانچہ یہ آیت اتری:

”اور اگر اسی طرح پیغمبر کے مقابلے میں تم کاروائیاں کرتی رہیں تو یاد رکھو کہ پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔“ (سورۃ التحريم اية: 4)

”اگر نبی تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو آپ کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیویاں دے دیگا، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں گی، کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔“ (سورۃ التحريم اية: 5)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں (میں نے طلاق نہیں دی) تو میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکار کر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی ہے، اس پر یہ آیت اتری:

”اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے، خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جوان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں، ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔“ (سورۃ النساء اية: 83)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”سو وہ میں ہی تھا جس نے اس امر کو معلوم کیا۔“ (ابن کثیر 389/4، کنز العمال 269/18)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: پہلے حضرت ابو بکر تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی اجازت طلب کی، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکر کو اجازت نہ ملی، اتنے میں حضرت عمر آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی، انہیں بھی اجازت نہ دی گئی، اس کے بعد ان دونوں حضرات کو اجازت مل گئی اور یہ اندر تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے، حضرت عمر نے سوچا کوئی ایسی بات کروں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑیں۔ تو حضرت عمر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اگر زید کی بیٹی، عمر کی بیوی کو دیکھتے کہ ابھی ابھی مجھ سے نفقے کا سوال کیا اور میں نے پکڑا اور اس کا گلا دبایا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ارد گرد جمع ہیں اور مجھ سے نفقے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر حضرت عائشہ کی طرف لپکے اور حضرت عمر حضرت حفصہ کی طرف لپکے تاکہ ان کو ماریں، یہ دونوں حضرات کہہ رہے تھے: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کا مطالبہ کرتی ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو روکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے کہا: خدا کی قسم! آج کے بعد ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہ کریں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی جس میں ازواج کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق لینے کا اختیار دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہ کے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھ سے ایک بات کا تذکرہ کرتا ہوں اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تو اس معاملے میں جلد بازی سے کام لے اس سے قبل کہ اپنے ماں باپ سے مشورہ کرے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: وہ کیا بات ہے؟ تب اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

”اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو تم میں نیک کرداروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔“ (سورۃ الاحزاب اية: 28-29)

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: کیا میں آپ کے بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں؟ بلکہ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے اس بات کا سوال کرتی ہوں کہ آپ اپنی ازواج میں سے کسی سے اس بات کا تذکرہ فرمائیں کہ میں نے کیا اختیار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سخت طبیعت بنا کر نہیں بھیجا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، ان میں سے اگر کوئی عورت مجھ سے پوچھے گی جو تو نے اختیار کیا ہے، تو میں ضرور اسے اس بات کی اطلاع دوں گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے اور سب کو اختیار دیا اور سب نے حضرت عائشہ کی طرح پر جواب دیا۔ (بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد، حیا الصحابہ 808/2)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب آیت تخییر اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو اختیار دیا اور ہم سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ (ابن کثیر 481/3)

ازواج مطہرات کے گھر:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا بے تاج بادشاہ ہوتے ہوئے بھی اپنے کا شانہ اقدس کو فقر کا گہوارہ بنا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو بیگمات اور رانیوں کی طرح ناز و نخر سے نہیں رکھا تھا اور ازواج مطہرات نے بھی کا شانہ نبوت کی شان فقر و استغناء پر دنیا کی ہر دولت کو قربان کر دیا تھا۔

حضرت معاذ بن محمد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مجلس میں حضرت عطاء خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمران بن ابی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے اور یہ مجلس منبر اور قبر مبارک کے درمیان تھی۔ حضرت عطاء خراسانی فرما رہے تھے: میں نے ازواج مطہرات کے گھر کھجور کی ٹہنیوں کے پائے ہیں، جن کے دروازوں پر ناٹ کے پردے ہوتے تھے جو کالے اُون سے تیار کیے جاتے تھے۔ میں اس وقت موجود تھا جب ولید بن عبد الملک کی طرف سے آئے گئے خط کو پڑھا جا رہا تھا، جس میں اس نے حکم دیا تھا کہ ازواج مطہرات کے حجروں کو مسجد نبوی میں شامل کر دیا جائے۔ میں نے کوئی دن ایسا نہیں دیکھا کہ اس میں رونے والے اتنے زیادہ ہوں، اس خط کو سن کر ہر کوئی روتا تھا۔ میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس دن فرماتے ہوئے سنا، وہ فرما رہے تھے: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ لوگ ان حجروں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں، تاکہ اہل مدینہ سے کوئی اٹھنے والا اٹھے یا

مؤمنین آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت عمر فرماتے ہیں: بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں نے کوئی بات کی ہو اور میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ مجھے یہ امید نہ ہوئی ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے قول کی تصدیق کرے گا، چنانچہ یہ آیت اتری:

”اور اگر اسی طرح پیغمبر کے مقابلے میں تم کاروائیاں کرتی رہیں تو یاد رکھو کہ پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔“ (سورۃ التحريم اية: 4)

”اگر نبی تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو آپ کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیویاں دے دیگا، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں گی، کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔“ (سورۃ التحريم اية: 5)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں (میں نے طلاق نہیں دی) تو میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکار کر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی ہے، اس پر یہ آیت اتری:

”اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے، خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جوان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں، ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔“ (سورۃ النساء اية: 83)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”سو وہ میں ہی تھا جس نے اس امر کو معلوم کیا۔“ (ابن کثیر 389/4، کنز العمال 269/18)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: پہلے حضرت ابو بکر تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی اجازت طلب کی، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکر کو اجازت نہ ملی، اتنے میں حضرت عمر آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی، انہیں بھی اجازت نہ دی گئی، اس کے بعد ان دونوں حضرات کو اجازت مل گئی اور یہ اندر تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے، حضرت عمر نے سوچا کوئی ایسی بات کروں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑیں۔ تو حضرت عمر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اگر زید کی بیٹی، عمر کی بیوی کو دیکھتے کہ ابھی ابھی مجھ سے نفقے کا سوال کیا اور میں نے پکڑا اور اس کا گلا دبا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ارد گرد جمع ہیں اور مجھ سے نفقے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر حضرت عائشہ کی طرف لپکے، اور حضرت عمر حضرت حفصہ کی طرف لپکے تاکہ ان کو ماریں، یہ دونوں حضرات کہہ رہے تھے: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کا مطالبہ کرتی ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو روکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے کہا: خدا کی قسم! آج کے بعد ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہ کریں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی جس میں ازواج کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

رہنے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق لینے کا اختیار دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہ کے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھ سے ایک بات کا تذکرہ کرتا ہوں اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تو اس معاملے میں جلد بازی سے کام لے اس سے قبل کہ اپنے ماں باپ سے مشورہ کرے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: وہ کیا بات ہے؟ تب اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

”اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو تم میں نیک کرداروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔“ (سورۃ الاحزاب اية: 28-29)

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: کیا میں آپ کے بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں؟ بلکہ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے اس بات کا سوال کرتی ہوں کہ آپ اپنی ازواج میں سے کسی سے اس بات کا تذکرہ فرمائیں کہ میں نے کیا اختیار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سخت طبیعت بنا کر نہیں بھیجا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، ان میں سے اگر کوئی عورت مجھ سے پوچھے گی جو تو نے اختیار کیا ہے، تو میں ضرور اسے اس بات کی اطلاع دوں گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے اور سب کو اختیار دیا اور سب نے حضرت عائشہ کی طرح پر جواب دیا۔ (بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد، حیا الصحابہ 808/2)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب آیت تنخیر اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو اختیار دیا اور ہم سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ (ابن کثیر 481/3)

ازواج مطہرات کے گھر:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا بے تاج بادشاہ ہوتے ہوئے بھی اپنے کاشانہ اقدس کو فقر کا گہوارہ بنا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو بیگمات اور رانیوں کی طرح ناز و نخرے سے نہیں رکھا تھا اور ازواج مطہرات نے بھی کاشانہ نبوت کی شان فقر و استغناء پر دنیا کی ہر دولت کو قربان کر دیا تھا۔

حضرت معاذ بن محمد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مجلس میں حضرت عطاء خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمران بن ابی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے اور یہ مجلس منبر اور قبر مبارک کے درمیان تھی۔ حضرت عطاء خراسانی فرما رہے تھے: میں نے ازواج مطہرات کے گھر کھجور کی ٹہنیوں کے پائے ہیں، جن کے دروازوں پر ناٹ کے پردے ہوتے تھے جو کالے اُون سے تیار کیے جاتے تھے۔ میں اس وقت موجود تھا جب ولید بن عبد الملک کی طرف سے آئے گئے خط کو پڑھا جا رہا تھا، جس میں اس نے حکم دیا تھا کہ ازواج مطہرات کے حجروں کو مسجد نبوی میں شامل کر دیا جائے۔ میں نے کوئی دن ایسا نہیں دیکھا کہ اس میں رونے والے اتنے زیادہ ہوں، اس خط کو سن کر ہر کوئی روتا تھا۔ میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس دن فرماتے ہوئے سنا، وہ فرما رہے تھے: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ لوگ ان حجروں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں، تاکہ اہل مدینہ سے کوئی اٹھنے والا اٹھے یا

مؤمنین آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت عمر فرماتے ہیں: بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں نے کوئی بات کی ہو اور میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ مجھے یہ امید نہ ہوئی ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے قول کی تصدیق کرے گا، چنانچہ یہ آیت اتری:

”اور اگر اسی طرح پیغمبر کے مقابلے میں تم کاروائیاں کرتی رہیں تو یاد رکھو کہ پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔“ (سورۃ التحريم اية: 4)

”اگر نبی تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو آپ کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیویاں دے دیگا، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں گی، کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔“ (سورۃ التحريم اية: 5)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں (میں نے طلاق نہیں دی)! تو میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکار کر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی ہے، اس پر یہ آیت اتری:

”اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے، خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو شہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جوان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں، ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔“ (سورۃ النساء اية: 83)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”سو وہ میں ہی تھا جس نے اس امر کو معلوم کیا۔“ (ابن کثیر 389/4، کنز العمال 269/18)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: پہلے حضرت ابو بکر تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی اجازت طلب کی، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکر کو اجازت نہ ملی، اتنے میں حضرت عمر آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی، انہیں بھی اجازت نہ دی گئی، اس کے بعد ان دونوں حضرات کو اجازت مل گئی اور یہ اندر تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے، حضرت عمر نے سوچا کوئی ایسی بات کروں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑیں۔ تو حضرت عمر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اگر زید کی بیٹی، عمر کی بیوی کو دیکھتے کہ ابھی ابھی مجھ سے نفقے کا سوال کیا اور میں نے پکڑا اور اس کا گلا دبایا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ارد گرد جمع ہیں اور مجھ سے نفقے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر حضرت عائشہ کی طرف لپکے، اور حضرت عمر حضرت حفصہ کی طرف لپکے تاکہ ان کو ماریں، یہ دونوں حضرات کہہ رہے تھے: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کا مطالبہ کرتی ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو روکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے کہا: خدا کی قسم! آج کے بعد ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہ کریں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی جس میں ازواج کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

رہنے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق لینے کا اختیار دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہ کے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھ سے ایک بات کا تذکرہ کرتا ہوں اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تو اس معاملے میں جلد بازی سے کام لے اس سے قبل کہ اپنے ماں باپ سے مشورہ کرے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: وہ کیا بات ہے؟ تب اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

”اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو تم میں نیک

کرداروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔“ (سورۃ الاحزاب اية: 28-29)

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: کیا میں آپ کے بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں؟ بلکہ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے اس بات کا سوال کرتی ہوں کہ آپ اپنی ازواج میں سے کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ فرمائیں کہ میں نے کیا اختیار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سخت طبیعت بنا کر نہیں بھیجا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، ان میں سے اگر کوئی عورت مجھ سے پوچھے گی جو تو نے اختیار کیا ہے، تو میں ضرور اسے اس بات کی اطلاع دوں گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے اور سب کو اختیار دیا اور سب نے حضرت عائشہ کی طرح پر جواب دیا۔ (بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد، حیا الصحابہ 808/2)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب آیت تخییر اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو اختیار دیا اور ہم سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ (ابن کثیر 481/3)

ازواج مطہرات کے گھر:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا بے تاج بادشاہ ہوتے ہوئے بھی اپنے کاشانہ اقدس کو فقر کا گہوارہ بنا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو بیگمات اور رانیوں کی طرح ناز و نخرے سے نہیں رکھا تھا اور ازواج مطہرات نے بھی کاشانہ نبوت کی شان فقر و استغناء پر دنیا کی ہر دولت کو قربان کر دیا تھا۔

حضرت معاذ بن محمد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مجلس میں حضرت عطاء خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمران بن ابی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے اور یہ مجلس منبر اور قبر مبارک کے درمیان تھی۔ حضرت عطاء خراسانی فرما رہے تھے: میں نے ازواج مطہرات کے گھر کھجور کی ٹہنیوں کے پائے ہیں، جن کے دروازوں پر ناٹ کے پردے ہوتے تھے جو کالے اون سے تیار کیے جاتے تھے۔ میں اس وقت موجود تھا جب ولید بن عبد الملک کی طرف سے آئے گئے خط کو پڑھا جا رہا تھا، جس میں اس نے حکم دیا تھا کہ ازواج مطہرات کے حجروں کو مسجد نبوی میں شامل کر دیا جائے۔ میں نے کوئی دن ایسا نہیں دیکھا کہ اس میں رونے والے اتنے زیادہ ہوں، اس خط کو سن کر ہر کوئی روتا تھا۔ میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس دن فرماتے ہوئے سنا، وہ فرما رہے تھے: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ لوگ ان حجروں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں، تاکہ اہل مدینہ سے کوئی اٹھنے والا اٹھے یا

مؤمنین آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت عمر فرماتے ہیں: بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں نے کوئی بات کی ہو اور میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ مجھے یہ امید نہ ہوئی ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے قول کی تصدیق کرے گا، چنانچہ یہ آیت اتری:

”اور اگر اسی طرح پیغمبر کے مقابلے میں تم کاروائیاں کرتی رہیں تو یاد رکھو کہ پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔“ (سورۃ التحريم ایت: 4)

”اگر نبی تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو آپ کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیویاں دے دیگا، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں گی، کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔“ (سورۃ التحريم ایت: 5)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں (میں نے طلاق نہیں دی) تو میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکار کر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی ہے، اس پر یہ آیت اتری:

”اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے، خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو شہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جوان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں، ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔“ (سورۃ النساء ایت: 83)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”سو وہ میں ہی تھا جس نے اس امر کو معلوم کیا۔“ (ابن کثیر 389/4، کنز العمال 269/18)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: پہلے حضرت ابو بکر تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی اجازت طلب کی، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکر کو اجازت نہ ملی، اتنے میں حضرت عمر آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی، انہیں بھی اجازت نہ دی گئی، اس کے بعد ان دونوں حضرات کو اجازت مل گئی اور یہ اندر تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے، حضرت عمر نے سوچا کوئی ایسی بات کروں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑیں۔ تو حضرت عمر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اگر زید کی بیٹی، عمر کی بیوی کو دیکھتے کہ ابھی ابھی مجھ سے نفقے کا سوال کیا اور میں نے پکڑا اور اس کا گلا دبایا، یہ سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ارد گرد جمع ہیں اور مجھ سے نفقے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ یہ سُن کر حضرت ابو بکر حضرت عائشہ کی طرف لپکے، اور حضرت عمر حضرت حفصہ کی طرف لپکے تاکہ ان کو ماریں، یہ دونوں حضرات کہہ رہے تھے: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کا مطالبہ کرتی ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو روکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے کہا: خدا کی قسم! آج کے بعد ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہ کریں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی جس میں ازواج کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

رہنے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق لینے کا اختیار دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہ کے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھ سے ایک بات کا تذکرہ کرتا ہوں اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تو اس معاملے میں جلد بازی سے کام لے اس سے قبل کہ اپنے ماں باپ سے مشورہ کرے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: وہ کیا بات ہے؟ تب اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

”اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو تم میں نیک

کرداروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔“ (سورۃ الاحزاب ایت: 28-29)

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: کیا میں آپ کے بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں؟ بلکہ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے اس بات کا سوال کرتی ہوں کہ آپ اپنی ازواج میں سے کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ فرمائیں کہ میں نے کیا اختیار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سخت طبیعت بنا کر نہیں بھیجا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، ان میں سے اگر کوئی عورت مجھ سے پوچھے گی جو تو نے اختیار کیا ہے، تو میں ضرور اسے اس بات کی اطلاع دوں گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے اور سب کو اختیار دیا اور سب نے حضرت عائشہ کی طرح پر جواب دیا۔ (بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد، حیا الصحابہ 808/2)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب آیتِ تنزیل اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو اختیار دیا اور ہم سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ (ابن کثیر 481/3)

ازواجِ مطہرات کے گھر:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا بے تاج بادشاہ ہوتے ہوئے بھی اپنے کا شانہ اقدس کو فقر کا گہوارہ بنا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو بیگمات اور رانیوں کی طرح ناز و نخرے سے نہیں رکھا تھا اور ازواجِ مطہرات نے بھی کا شانہ نبوت کی شانِ فقر و استغناء پر دنیا کی ہر دولت کو قربان کر دیا تھا۔

حضرت معاذ بن محمد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مجلس میں حضرت عطاء خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمران بن ابی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے اور یہ مجلس منبر اور قبر مبارک کے درمیان تھی۔ حضرت عطاء خراسانی فرما رہے تھے: میں نے ازواجِ مطہرات کے گھر کھجور کی ٹہنیوں کے پائے ہیں، جن کے دروازوں پر ناٹ کے پردے ہوتے تھے جو کالے اُون سے تیار کیے جاتے تھے۔ میں اس وقت موجود تھا جب ولید بن عبد الملک کی طرف سے آئے گئے خط کو پڑھا جا رہا تھا، جس میں اس نے حکم دیا تھا کہ ازواجِ مطہرات کے حجروں کو مسجد نبوی میں شامل کر دیا جائے۔ میں نے کوئی دن ایسا نہیں دیکھا کہ اس میں رونے والے اتنے زیادہ ہوں، اس خط کو سن کر ہر کوئی روتا تھا۔ میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس دن فرماتے ہوئے سنا، وہ فرما رہے تھے: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ لوگ ان حجروں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں، تاکہ اہل مدینہ سے کوئی اٹھنے والا اٹھے یا

اطراف عالم سے کوئی آنے والا آئے تو دیکھ لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کس چیز پر اکتفاء کیا ہے، تاکہ یہ بات کثرت مال اور کثرت دنیا سے لوگوں میں بے رغبتی پیدا کر دے اور دنیا کے بارے میں لوگ فخر نہ کریں۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت عطاء خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی حدیث سے فارغ ہو گئے تو حضرت عمران بن ابی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان گھروں میں سے چار گھر کچی اینٹوں کے تھے اور پانچ گھر کھجور کی ٹہنیوں کے تھے جن پر گارا لگا ہوا تھا اور ان کے لیے صحن وغیرہ کچھ بھی نہ تھا۔ ان کے دروازوں پر بال سے بٹے ہوئے پردے تھے، میں نے ان کو اپنے ہاتھ سے ناپا ہے تو بڑے ہاتھ سے تین تین ہاتھ کے تھے یا اس کے قریب تھے، جو تم نے کثرت سے رونے کا تذکرہ کیا تو مجھے یاد ہے کہ میں بھی اس مجلس میں صحابہ کرام کے بیٹوں کے ساتھ تھا اور وہ اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ اس دن حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کاش! کہ یہ حجرے اسی طرح پر رہنے دیے جاتے اور گرائے نہ جاتے تاکہ لوگ اونچے گھر بنانے سے رُک جاتے اور دیکھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کس چیز پر راضی ہوا ہے، حالانکہ دنیا کے خزانوں کی چابیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ (طبقات ابن سعد 167/8)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور غربت

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں غربت و مفلسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور وسیع ترفوتات اور خزانوں کے ابواب کھل جانے کے باوجود بھی اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے ایک قدم بھی اس شان فقیرانہ سے پیچھے ہٹا گوارا نہیں فرمایا۔ صحابہ کرام کی تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ دسترخوان پر کوئی عمدہ اور مرغوب غذا پیش کی گئی تو پیکرانِ محبت و وفا یہ کہہ کر دسترخوان سے اٹھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ چیزیں ہمیں میسر نہ تھیں اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جس فقر میں چھوڑ کر گئے ہم بھی اسی فقر میں رہنا چاہتے ہیں۔ انہی کی خیر خواہی کی خاطر انہیں کوئی حالات کی درستگی کا مشورہ بھی دینا چاہتا تو یہ حضرات اس سے برہم ہو جاتے اور اس کی اصلاح کی فکر فرماتے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غربت:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور اسی سے گزراوقات تھا۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو حسب معمول صبح کو چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار میں فروخت کرنے کے لیے تشریف لے چلے۔ راستے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے تو انہوں نے پوچھا: کہاں چلے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بازار جا رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اگر آپ تجارت میں مشغول ہو گئے تو خلافت کے کام کا کیا ہوگا؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: پھر اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ابو عبیدہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امین ہونے کا لقب دیا ہے، ان کے پاس چلیں، وہ آپ کے لیے بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر کر دیں گے۔ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اتنا وظیفہ مقرر فرمایا جتنا کہ ایک عام مہاجر کو ملتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

میرے پاس تو اتنے پیسے نہیں کہ خرید سکوں! اہلیہ نے عرض کیا: ہم اپنے روز کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں، کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہو جائے گی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ اہلیہ نے کئی روز میں کچھ تھوڑے پیسے جمع کیے۔ آپ نے فرمایا: تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ اتنی مقدار ہمیں بیت المال سے زیادہ ملتی ہے، اس لیے جو اہلیہ نے جمع کیا تھا وہ بھی بیت المال میں جمع کروادیا اور آئندہ کے لیے اتنی مقدار جتنا انہوں نے روزانہ جمع کیا تھا اپنی تنخواہ میں سے کم کروادیا۔ (البیہقی 353/6)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصیت فرمائی: میری ضرورتوں میں جو چیزیں بیت المال کی ہیں وہ میرے بعد آنے والے خلیفہ کے حوالے کر دی جائیں۔ (طبقات ابن سعد 139/3)

ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیت المال سے کچھ لوں، مگر عمر نہ مانا اور کہا کہ دقت ہوگی اور تمہاری تجارت کی مشغولیت سے مسلمانوں کا حرج ہوگا۔ اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا۔ اس لیے اب میرا فلاں باغ اس کے بدلے میں دے دیا جائے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور والد کی وصیت کے موافق وہ باغ دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کے باپ پر رحم فرمائیں، انہوں نے یہ چاہا کہ کسی کو لب کشائی کا موقع ہی نہ دیں۔ (فضائل اعمال ص: 58)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: آپ کے پاس کوئی دینار یا درہم نہیں تھا، ایک اونٹنی دودھ کی، ایک پیالہ، ایک خادم تھا، بعض روایات میں ایک اوڑھنا ایک بچھونا بھی آیا ہے۔ یہ اشیاء جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نیابت میں پہنچیں تو وہ اتنا روئے کہ آنسو زمین پر بہنے لگے اور انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو بکر پر رحم فرمائیں کہ اپنے سے بعد والے کو مشقت میں ڈال گئے۔ (فتح الباری، طبقات ابن سعد 139/3)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غربت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا اور صرف اتنا ہی مقرر ہوا کہ جس سے ان کا اور ان کے گھر والوں کا گزارا ہو سکے۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شریک تھے، ذکر ہوا کہ حضرت عمر کے وظیفے میں اضافہ کرنا چاہیے کہ گزر میں تنگی ہوتی ہے۔ مگر ان سے عرض کرنے کی ہمت کسی سے نہ ہوئی، اس لیے یہ حضرات ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور عرض کیا: آپ اپنے والد کی اجازت اور رائے معلوم کرنے کی کوشش کریں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگوں کے نام معلوم نہ ہوں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نام دریافت کیے تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو ان کے چہرے بدل دیتا، یعنی ایسی سزائیں دیتا کہ منہ پر نشان پڑ جاتے، تو ہی بتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمدہ سے عمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا؟ انہوں

اطراف عالم سے کوئی آنے والا آئے تو دیکھ لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کس چیز پر اکتفاء کیا ہے، تاکہ یہ بات کثرت مال اور کثرت دنیا سے لوگوں میں بے رغبتی پیدا کر دے اور دنیا کے بارے میں لوگ فخر نہ کریں۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت عطاء خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی حدیث سے فارغ ہو گئے تو حضرت عمران بن ابی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان گھروں میں سے چار گھر کچی اینٹوں کے تھے اور پانچ گھر کھجور کی ٹہنیوں کے تھے جن پر گارا لگا ہوا تھا اور ان کے لیے صحن وغیرہ کچھ بھی نہ تھا۔ ان کے دروازوں پر بال سے بنے ہوئے پردے تھے، میں نے ان کو اپنے ہاتھ سے ناپا ہے تو بڑے ہاتھ سے تین تین ہاتھ کے تھے یا اس کے قریب تھے، جو تم نے کثرت سے رونے کا تذکرہ کیا تو مجھے یاد ہے کہ میں بھی اس مجلس میں صحابہ کرام کے بیٹوں کے ساتھ تھا اور وہ اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ اس دن حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کاش! کہ یہ حجرے اسی طرح پر رہنے دیے جاتے اور گرائے نہ جاتے تاکہ لوگ اونچے گھر بنانے سے رُک جاتے اور دیکھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کس چیز پر راضی ہوا ہے، حالانکہ دنیا کے خزانوں کی چابیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ (طبقات ابن سعد 167/8)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور غربت

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں غربت و مفلسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور وسیع تر فتوحات اور خزانوں کے ابواب کھل جانے کے باوجود بھی اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے ایک قدم بھی اس شان فقیرانہ سے پیچھے ہٹنا گوارا نہیں فرمایا۔ صحابہ کرام کی تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ دسترخوان پر کوئی عمدہ اور مرغوب غذا پیش کی گئی تو پیکرانِ محبت و وفا یہ کہہ کر دسترخوان سے اٹھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ چیزیں ہمیں میسر نہ تھیں اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جس فقر میں چھوڑ کر گئے، ہم بھی اسی فقر میں رہنا چاہتے ہیں۔ انہی کی خیر خواہی کی خاطر انہیں کوئی حالات کی درستگی کا مشورہ بھی دینا چاہتا تو یہ حضرات اس سے برہم ہو جاتے اور اس کی اصلاح کی فکر فرماتے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غربت:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور اسی سے گزراوقات تھا۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو حسب معمول صبح کو چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار میں فروخت کرنے کے لیے تشریف لے چلے۔ راستے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے تو انہوں نے پوچھا: کہاں چلے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بازار جا رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اگر آپ تجارت میں مشغول ہو گئے تو خلافت کے کام کا کیا ہوگا؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: پھر اہل و عیال کو کہاں رکھاؤں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ابو عبیدہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امین ہونے کا لقب دیا ہے، ان کے پاس چلیں، وہ آپ کے لیے بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر کر دیں گے۔ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اتنا وظیفہ مقرر فرمایا جتنا کہ ایک عام مہاجر کو ملتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

میرے پاس تو اتنے پیسے نہیں کہ خرید سکوں! اہلیہ نے عرض کیا: ہم اپنے روز کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں، کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہو جائے گی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ اہلیہ نے کئی روز میں کچھ تھوڑے پیسے جمع کیے۔ آپ نے فرمایا: تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ اتنی مقدار ہمیں بیت المال سے زیادہ ملتی ہے، اس لیے جو اہلیہ نے جمع کیا تھا وہ بھی بیت المال میں جمع کروادیا اور آئندہ کے لیے اتنی مقدار جتنا انہوں نے روزانہ جمع کیا تھا اپنی تنخواہ میں سے کم کروادیا۔ (البیہقی 353/6)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصیت فرمائی: میری ضرورتوں میں جو چیزیں بیت المال کی ہیں وہ میرے بعد آنے والے خلیفہ کے حوالے کر دی جائیں۔ (طبقات ابن سعد 139/3)

ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیت المال سے کچھ لوں، مگر عمر نہ مانا اور کہا کہ دقت ہوگی اور تمہاری تجارت کی مشغولیت سے مسلمانوں کا حرج ہوگا۔ اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا۔ اس لیے اب میرا فلاں باغ اس کے بدلے میں دے دیا جائے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور والد کی وصیت کے موافق وہ باغ دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کے باپ پر رحم فرمائیں، انہوں نے یہ چاہا کہ کسی کو لب کشائی کا موقع ہی نہ دیں۔ (فضائل اعمال ص: 58)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: آپ کے پاس کوئی دینار یا درہم نہیں تھا، ایک اونٹنی دودھ کی، ایک پیالہ، ایک خادم تھا، بعض روایات میں ایک اوڑھنا ایک بچھونا بھی آیا ہے۔ یہ اشیاء جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نیابت میں پہنچیں تو وہ اتنا روئے کہ آنسو زمین پر بہنے لگے اور انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو بکر پر رحم فرمائیں کہ اپنے سے بعد والے کو مشقت میں ڈال گئے۔ (فتح الباری، طبقات ابن سعد 139/3)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غربت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا اور صرف اتنا ہی مقرر ہوا کہ جس سے ان کا اور ان کے گھر والوں کا گزارا ہو سکے۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شریک تھے، ذکر ہوا کہ حضرت عمر کے وظیفے میں اضافہ کرنا چاہیے کہ گزر میں تنگی ہوتی ہے۔ مگر ان سے عرض کرنے کی ہمت کسی سے نہ ہوئی، اس لیے یہ حضرات اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور عرض کیا: آپ اپنے والد کی اجازت اور رائے معلوم کرنے کی کوشش کریں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگوں کے نام معلوم نہ ہوں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نام دریافت کیے تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو ان کے چہرے بدل دیتا، یعنی ایسی سزائیں دیتا کہ منہ پر نشان پڑ جاتے، تو ہی بتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمدہ سے عمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا؟ انہوں

نے عرض کیا: دو کپڑے گیسوی رنگ کے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن یا کسی وفد کی وجہ سے پہنتے تھے۔ پھر فرمایا: کون سا کھانا تیرے ہاں عمدہ سے عمدہ کھایا جاتا؟ عرض کیا: ہمارا کھانا جو کی روٹی تھی، ہم نے گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبے کی تلچھٹ اُلٹ کر اس کو ایک مرتبہ چھڑ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کو مزے لے کر نوش فرما رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے۔ پھر فرمایا: کون سا بستر عمدہ ہوتا تھا جو تیرے ہاں بچھایا جاتا تھا؟ عرض کیا: ایک موٹا سا کپڑا تھا، گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھاتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھاتے لیتے تھے اور آدھے کو اوڑھ لیتے۔ فرمایا: حفصہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے ایک اندازہ مقرر فرمادیا اور اُمید آخرت پر کفایت فرمائی، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کروں گا۔ میری مثال اور میرے دوستا ہیوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مثال ان تین شخصوں کی سی ہے جو ایک راستے پر چلے، پہلا شخص ایک توشہ لے کر چلا اور مقصد کو پہنچ گیا، دوسرے نے بھی پہلے کی اتباع کی اور اسی کے طریقے پر چلا، وہ بھی پہلے کے پاس پہنچ گیا، پھر تیسرے شخص نے چلنا شروع کیا، اگر وہ ان دونوں کے طریقے پر چلے گا تو ان کے ساتھ مل جائے گا اور اگر ان کے طریقے کے خلاف چلے گا تو کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں مل سکے گا۔ (کنز العمال 408/4)

یہ اس شخص کا حال ہے جس سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے اور کانپتے تھے اور خود کیسی زاہدانہ زندگی گزار کر چلے گئے۔ ایک مرتبہ آپ خطبہ دے رہے تھے اور آپ کی لنگی میں بارہ پیوند تھے، جن میں سے ایک چڑے کا بھی تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لانے میں دیر ہو گئی تو تشریف لا کر معذرت فرمائی کہ مجھے اپنے کپڑے دھونے میں دیر ہوئی اور ان کپڑوں کے علاوہ اور تھے بھی نہیں۔ (کنز العمال 405/4)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غربت:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک سردی کی صبح میں اپنے گھر سے نکلا، میں بہت بھوکا تھا اور مجھے کھانے کی تمنا تھی اور سردی سے میرے پیر نہیں جم رہے تھے۔ میں نے ایک کٹی ہوئی کھال لی اور اس کو بیچ میں سے پھاڑا اور پھر میں نے اسے اپنی گردن میں ڈالا اور اپنے سینے پر پیٹ لیا کہ اس سے گرمائی حاصل کروں، خدا کی قسم! میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ جس کو میں کھا لیتا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوتی تو مجھے ضرور پہنچتی۔ میں مدینے میں ادھر ادھر چلا، میں نے ایک یہودی کو دیکھا جو اپنے باغ میں تھا۔ اس نے کہا: اے اعرابی! کیا ہے؟ کیا تو اس اجرت پر کام کر سکتا ہے کہ ایک ڈول پر ایک کھجور لے؟ میں نے کہا: ہاں۔ میں نے باغ کا دروازہ کھلوا دیا اور اس نے میرے لیے کھول دیا۔ چنانچہ میں ڈول کھینچتا رہا اور وہ مجھے کھجور دیتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اپنی مٹھی بھری تو میں نے کہا: اب میرے لیے تیری جانب سے یہ کافی ہے۔ چنانچہ میں نے ان کو کھایا، پھر منہ لگا کر پانی پیا اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے پاس مسجد میں بیٹھ گیا۔ (الہیسمی 314/10، کنز العمال 321/3، الترغیب والترہیب 395/3، الاصابہ 421/3)

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تلوار لے کر بازار گئے اور فرمایا: کون مجھ سے میری یہ تلوار خریدتا ہے؟ اگر میرے پاس چار درہم ہوتے جس سے میں لنگی خرید لیتا تو اسے نہ بیچتا۔ (البداية والنهاية 3/8)

دیگر صحابہ کرام اور غربت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے صابر اور قانع لوگوں میں تھے، کئی کئی وقت فاقے میں گزر جاتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتوحات فرمائیں تو ان پر تو نگری آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ گتھان کے کپڑے میں ناک صاف کر کے فرمانے لگے: کیا کہنے ابو ہریرہ کے! آج گتھان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے، حالانکہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حجرے کے درمیان بے ہوش پڑا ہوا تھا اور لوگ مجھ کو سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے، حالانکہ جنون نہیں تھا بلکہ بھوک تھی۔ (فضائل اعمال ص: 47)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: تم لوگ اس وقت ہماری حالتیں دیکھتے کہ ہم میں سے بعضوں کو کئی کئی وقت تک اتنا کھانا نہیں ملتا تھا جس سے کمر سیدھی ہو سکے۔ میں بھوک کی وجہ سے جگر زمین سے چٹا دیتا تھا اور کبھی پیٹ کے بل پڑا رہتا تھا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ (فضائل اعمال ص: 53)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اپنے اصحاب کے چھوٹے سے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ہم لوگوں کے پاس مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوند لگی چادر میں آگئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وہ دولت اور نعمتیں یاد آ گئیں جن میں وہ پہلے تھے۔ ان کی موجودہ حالت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوب روئے اور فرمایا: اس شخص کی طرف دیکھو، یہ وہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے روشن کر دیا ہے، میں نے اس کو اُس وقت دیکھا تھا جب یہ اپنے ماں باپ کے پاس تھا، صبح و شام اچھے سے اچھا کھاتا تھا اور میں نے اس پر ایک ایسا جوڑا دیکھا تھا جو دو سو درہم کی قیمت میں اس کے لیے خریدا گیا تھا۔ اسے اللہ اور رسول اللہ کی محبت نے اس حالت کی طرف بلا لیا جسے تم دیکھ رہے ہو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب اللہ تعالیٰ روم و فارس کو فتح کرے گا، تم میں سے کوئی صبح ایک جوڑے میں کرے گا تو شام دوسرے جوڑے میں، اس کے سامنے ایک پیالہ صبح کو اور ایک پیالہ شام کو کھانے کا پیش کیا جائے گا اور وہ اپنے گھروں پر اس طرح پردہ ڈالے رہے گا جس طرح کعبہ پر غلاف پڑا رہتا ہے۔ ہم لوگوں نے عرض کیا: اس دن تو ہم لوگ بڑی خیریت کے ساتھ ہونگے، مشقت سے بچ جائیں گے اور عبادت کرنے کے لیے فارغ رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! نہیں! بلکہ تم آج اُس زمانے سے بہتر ہو۔ (الہیسمی 314/10، کنز العمال 321/3، الترغیب والترہیب 395/3، الاصابہ 421/3)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سوتیلی بہن، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں، وہ خود فرماتی ہیں: جب میرا نکاح زبیر سے ہوا تو ان کے پاس نہ مال تھا، نہ جائیداد، نہ کوئی خادم کام کرنے والا، نہ کوئی اور چیز۔ ایک اونٹ پانی لا کر لانے والا اور ایک گھوڑا تھا۔ میں ہی اونٹ کے لیے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر دانے کے طور پر کھلاتی تھی۔ میں خود پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو اس کو خود ہی سی لیتی تھی۔ گھوڑے کی خدمت بھی میں ہی کرتی تھی اور گھر کا سارا کام بھی انجام دیتی تھی۔ (بخاری، طبقات ابن سعد 250/8)

نے عرض کیا: دو کپڑے گیسوی رنگ کے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن یا کسی وفد کی وجہ سے پہنتے تھے۔ پھر فرمایا: کون سا کھانا تیرے ہاں عمدہ سے عمدہ کھایا جاتا؟ عرض کیا: ہمارا کھانا جو کی روٹی تھی، ہم نے گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبے کی تلچھٹ اُلٹ کر اس کو ایک مرتبہ چھڑ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کو مزے لے کر نوش فرما رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے۔ پھر فرمایا: کون سا بستر عمدہ ہوتا تھا جو تیرے ہاں بچھایا جاتا تھا؟ عرض کیا: ایک موٹا سا کپڑا تھا، گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھاتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھاتے لیتے تھے اور آدھے کو اوڑھ لیتے۔ فرمایا: حصہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے ایک اندازہ مقرر فرمادیا اور اُمید آخرت پر کفایت فرمائی، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کروں گا۔ میری مثال اور میرے دوستا ہیوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مثال ان تین شخصوں کی سی ہے جو ایک راستے پر چلے، پہلا شخص ایک توشہ لے کر چلا اور مقصد کو پہنچ گیا، دوسرے نے بھی پہلے کی اتباع کی اور اسی کے طریقے پر چلا، وہ بھی پہلے کے پاس پہنچ گیا، پھر تیسرے شخص نے چلنا شروع کیا، اگر وہ ان دونوں کے طریقے پر چلے گا تو ان کے ساتھ مل جائے گا اور اگر ان کے طریقے کے خلاف چلے گا تو کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں مل سکے گا۔ (کنز العمال 408/4)

یہ اس شخص کا حال ہے جس سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے اور کانپتے تھے اور خود کسی زاہدانہ زندگی گزار کر چلے گئے۔ ایک مرتبہ آپ خطبہ دے رہے تھے اور آپ کی لنگی میں بارہ پیوند تھے، جن میں سے ایک چڑے کا بھی تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لانے میں دیر ہو گئی تو تشریف لا کر معذرت فرمائی کہ مجھے اپنے کپڑے دھونے میں دیر ہوئی اور ان کپڑوں کے علاوہ اور تھے بھی نہیں۔ (کنز العمال 405/4)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غربت:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک سردی کی صبح میں اپنے گھر سے نکلا، میں بہت بھوکا تھا اور مجھے کھانے کی تمنا تھی اور سردی سے میرے پیر نہیں جم رہے تھے۔ میں نے ایک کٹی ہوئی کھال لی اور اس کو بیچ میں سے پھاڑا اور پھر میں نے اسے اپنی گردن میں ڈالا اور اپنے سینے پر پیٹ لیا کہ اس سے گرمائی حاصل کروں، خدا کی قسم! میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ جس کو میں کھا لیتا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوتی تو مجھے ضرور پہنچتی۔ میں مدینے میں ادھر ادھر چلا، میں نے ایک یہودی کو دیکھا جو اپنے باغ میں تھا۔ اس نے کہا: اے اعرابی! کیا ہے؟ کیا تو اس اجرت پر کام کر سکتا ہے کہ ایک ڈول پر ایک کھجور لے؟ میں نے کہا: ہاں۔ میں نے باغ کا دروازہ کھلوا دیا اور اس نے میرے لیے کھول دیا۔ چنانچہ میں ڈول کھینچتا رہا اور وہ مجھے کھجور دیتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اپنی مٹھی بھری تو میں نے کہا: اب میرے لیے تیری جانب سے یہ کافی ہے۔ چنانچہ میں نے ان کو کھایا، پھر منہ لگا کر پانی پیا اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے پاس مسجد میں بیٹھ گیا۔ (الہبسمی 314/10، کنز العمال 321/3، الترغیب والترہیب 395/3، الاصابہ 421/3)

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تلوار لے کر بازار گئے اور فرمایا: کون مجھ سے میری یہ تلوار خریدتا ہے؟ اگر میرے پاس چار درہم ہوتے جس سے میں لنگی خرید لیتا تو اسے نہ بیچتا۔ (البدایہ والنہایہ 3/8)

دیگر صحابہ کرام اور غربت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے صابر اور قانع لوگوں میں تھے، کئی کئی وقت فاقے میں گزر جاتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتوحات فرمائیں تو ان پر تو نگری آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ گتتان کے کپڑے میں ناک صاف کر کے فرمانے لگے: کیا کہنے ابو ہریرہ کے! آج گتتان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے، حالانکہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حجرے کے درمیان بے ہوش پڑا ہوا تھا اور لوگ مجھ کو سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے، حالانکہ جنون نہیں تھا بلکہ بھوک تھی۔ (فضائل اعمال ص: 47)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: تم لوگ اس وقت ہماری حالتیں دیکھتے کہ ہم میں سے بعضوں کو کئی کئی وقت تک اتنا کھانا نہیں ملتا تھا جس سے کمر سیدھی ہو سکے۔ میں بھوک کی وجہ سے جگر زمین سے چٹا دیتا تھا اور کبھی پیٹ کے بل پڑا رہتا تھا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ (فضائل اعمال ص: 53)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اپنے اصحاب کے چھوٹے سے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ہم لوگوں کے پاس مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوند لگی چادر میں آگئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وہ دولت اور نعمتیں یاد آ گئیں جن میں وہ پہلے تھے۔ ان کی موجودہ حالت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوب روئے اور فرمایا: اس شخص کی طرف دیکھو، یہ وہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے روشن کر دیا ہے، میں نے اس کو اُس وقت دیکھا تھا جب یہ اپنے ماں باپ کے پاس تھا، صبح وشام اچھے سے اچھا کھاتا تھا اور میں نے اس پر ایک ایسا جوڑا دیکھا تھا جو دو سو درہم کی قیمت میں اس کے لیے خریدا گیا تھا۔ اسے اللہ اور رسول اللہ کی محبت نے اس حالت کی طرف بلا لیا جسے تم دیکھ رہے ہو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب اللہ تعالیٰ روم و فارس کو فتح کرے گا، تم میں سے کوئی صبح ایک جوڑے میں کرے گا تو شام دوسرے جوڑے میں، اس کے سامنے ایک پیالہ صبح کو اور ایک پیالہ شام کو کھانے کا پیش کیا جائے گا اور وہ اپنے گھروں پر اس طرح پردہ ڈالے رہے گا جس طرح کعبہ پر غلاف پڑا رہتا ہے۔ ہم لوگوں نے عرض کیا: اس دن تو ہم لوگ بڑی خیریت کے ساتھ ہونگے، مشقت سے بچ جائیں گے اور عبادت کرنے کے لیے فارغ رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! نہیں! بلکہ تم آج اُس زمانے سے بہتر ہو۔ (الہبسمی 314/10، کنز العمال 321/3، الترغیب والترہیب 395/3، الاصابہ 421/3)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سوتیلی بہن، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں، وہ خود فرماتی ہیں: جب میرا نکاح زبیر سے ہوا تو ان کے پاس نہ مال تھا، نہ جائیداد، نہ کوئی خادم کام کرنے والا، نہ کوئی اور چیز۔ ایک اونٹ پانی لا کر لانے والا اور ایک گھوڑا تھا۔ میں ہی اونٹ کے لیے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر دانے کے طور پر کھلاتی تھی۔ میں خود پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو اس کو خود ہی سی لیتی تھی۔ گھوڑے کی خدمت بھی میں ہی کرتی تھی اور گھر کا سارا کام بھی انجام دیتی تھی۔ (بخاری، طبقات ابن سعد 250/8)

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت اسماء بنت ابوبکر حضرت زبیر بن عوام کے نکاح میں تھیں، حضرت زبیر ان کے لیے نہایت سخت تھے، یہ اپنے والد کے پاس آئیں اور اس بات کی شکایت ان سے کی تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے میری بیٹی! صبر کر، بے شک! عورت کے لیے جب شوہر صالح ہو اور پھر یہ شوہر وفات پا کر اس کو چھوڑ کر چلا جائے اور یہ عورت اس کے بعد شادی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں جمع فرمائے گا۔ (طبقات ابن سعد 251/8)

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبیلہ بنو کلاب میں صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا۔ انہوں نے وہاں جا کر صدقات وصول کر کے ان ہی میں تقسیم کر دیے اور اپنے لیے کوئی چیز بھی نہ چھوڑی، اپنا جو ٹاٹ لے کر گئے تھے اسی کو اپنی گردن میں رکھے ہوئے واپس آئے۔ ان کی بیوی نے پوچھا کہ صدقات وصول کرنے والے اپنے گھروں کے لیے جو ہدیے لایا کرتے ہیں وہ کہاں ہیں؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میرے ساتھ مجھے دبا کر رکھنے والا ایک نگران تھا، اس لیے ہدیے نہ لاسکا۔ ان کی بیوی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں تو آپ امین تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے ساتھ دبا کر رکھنے والا ایک نگران بھیج دیا! وہ آپ کو امین نہیں سمجھتے کیا؟ ان کی بیوی نے اپنے خاندان میں اس کا بڑا شور مچایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا: کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی نگران بھیجا تھا؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: مجھے اپنی بیوی سے معذرت کرنے کے لیے اور کوئی بہانہ نہ ملا۔ یہ سن کر حضرت عمر بنے اور انہیں کوئی چیز دی اور فرمایا: یہ دے کر اسے راضی کر لو۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نگران سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ (حیاء الصحابہ 42/3، بکھرے موتی 98/2)

غربت اور نکاح

مسلل فقر و فاقہ کی عجیب و غریب صورتحال کے باوجود بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کثرت سے نکاح فرمائے اور اپنے قول و فعل سے کثرت نکاح کی تعلیم و ترغیب فرمائی، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے ان حضرات نے کبھی بھی نکاح کو ترک نہ فرمایا اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی کوئی تاخیر فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی تمام نکاح غربت کی حالت میں فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کوئی بھی چاہے جتنا ہی غریب کیوں نہ ہو، جب کبھی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر نکاح کی خواہش کا اظہار کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اس کی حوصلہ شکنی نہ فرماتے، بلکہ حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ اس کے لیے رشتے کا انتظام بھی فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے جب وہ صحابی کسی کے ہاں نکاح کا پیغام لے جاتا تو وہ کبھی اس کو رد نہ کرتا بلکہ اپنی چاہت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت پر قربان کر دیتا اور اس کو اپنے لیے سعادت اور نیک بختی سمجھتا۔ اگر کوئی صحابی فقر و فاقہ کی شکایت کرتا یا اس وجہ سے نکاح سے دور رہنے کی کوشش کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی نکاح کی تعلیم و ترغیب فرماتے اور اس پر ابھارتے۔ لہذا وہ لوگ جو کل تک غربت و تنگ دستی کے خوف سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، آج بڑھ چڑھ کر نکاح کرنے کے باوجود بھی ان پر کوئی خوف طاری

نہیں۔ اس طرح اللہ کے رسول اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے امت کو سبق دیا کہ غربت و تنگ دستی ایک یا ایک سے زائد شادیوں میں رکاوٹ نہیں بلکہ میری اور میرے اصحاب کی سنت ہے اور اسی میں سب کی خیر و منفعت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح:

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلی ثقیفہ بنت منیہ نکاح کی بات کرنے کے لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے کہا: اے محمد! آپ کو شادی سے کیا چیز مانع ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ہاتھ میں شادی کے لیے کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے کہا: اگر آپ کو کفایت ہو جائے اور حسن، مال اور شرافت کی طرف دعوت ملے تو کیا حامی نہیں بھریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: خدیجہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میرے ذمے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔ نفیسہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کامیابی کی خبر لے کر لوٹیں اور انہیں بتایا کہ محمد شادی کے لیے تیار ہیں۔ (طبقات ابن سعد 131/1)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غریب تھے کہ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شادی کا تحفہ دینے کے لیے بھی کچھ نہ تھا، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو اوقیہ سونا بھیجا اور کہا کہ ایک جوڑا اور ایک بھیڑ اور یہ یہ سامان خرید لیجئے اور اس کا میرے پاس ہدیہ بھیج دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ (الطبرانی، المعجم 222/9)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی سے پہلے ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اپنی بیوی کو گھر کیوں نہیں لے آتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لیے رقم نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: آپ مجھ سے قرض لے لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات منظور فرمائی اور ان سے قرض لے کر مہر ادا کیا۔

رخصتی کی کیفیت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں: میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ والدہ نے آکر مجھے آواز دی، مجھے معلوم نہیں تھا کہ کیوں بلا رہی ہیں، میں ان کے پاس پہنچی تو میرا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں، میرا سر اور ہاتھ منہ دھوئے، گھر کے اندر انصار کی عورتیں بیٹھی تھیں، انہوں نے میرا بناؤ سنگھار کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعوت کے لیے دودھ کے ایک پیالے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تھوڑا سا دودھ نوش فرمایا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا تو وہ شرمانے لگیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے کہا: رسول اللہ کا عطیہ واپس نہ کرو، چنانچہ حضرت عائشہ نے دودھ پی لیا۔ (مسند احمد 438/6)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! میری رخصتی میں نہ کوئی اونٹ ضح کیا گیا اور نہ کوئی بکری، ہاں! کھانے کا ایک پیالہ تھا، وہ بھی سعد بن عبادہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ (مسند احمد 210/6، المعجم 227/9)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح:

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت اسماء بنت ابوبکر حضرت زبیر بن عوام کے نکاح میں تھیں، حضرت زبیر ان کے لیے نہایت سخت تھے، یہ اپنے والد کے پاس آئیں اور اس بات کی شکایت ان سے کی تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے میری بیٹی! صبر کر، بے شک! عورت کے لیے جب شوہر صالح ہو اور پھر یہ شوہر وفات پا کر اس کو چھوڑ کر چلا جائے اور یہ عورت اس کے بعد شادی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں جمع فرمائے گا۔ (طبقات ابن سعد 251/8)

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبیلہ بنو کلاب میں صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا۔ انہوں نے وہاں جا کر صدقات وصول کر کے ان ہی میں تقسیم کر دیے اور اپنے لیے کوئی چیز بھی نہ چھوڑی، اپنا جو ٹاٹ لے کر گئے تھے اسی کو اپنی گردن میں رکھے ہوئے واپس آئے۔ ان کی بیوی نے پوچھا کہ صدقات وصول کرنے والے اپنے گھروں کے لیے جو ہدیے لایا کرتے ہیں وہ کہاں ہیں؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میرے ساتھ مجھے دبا کر رکھنے والا ایک نگران تھا، اس لیے ہدیے نہ لاسکا۔ ان کی بیوی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں تو آپ امین تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے ساتھ دبا کر رکھنے والا ایک نگران بھیج دیا! وہ آپ کو امین نہیں سمجھتے کیا؟ ان کی بیوی نے اپنے خاندان میں اس کا بڑا شور مچایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا: کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی نگران بھیجا تھا؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: مجھے اپنی بیوی سے معذرت کرنے کے لیے اور کوئی بہانہ نہ ملا۔ یہ سن کر حضرت عمر بنے اور انہیں کوئی چیز دی اور فرمایا: یہ دے کر اسے راضی کر لو۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نگران سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ (حیۃ الصحابہ 42/3، بکرمہ موتی 98/2)

غربت اور نکاح

مسلل فقر و فاقہ کی عجیب و غریب صورتحال کے باوجود بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کثرت سے نکاح فرمائے اور اپنے قول و فعل سے کثرت نکاح کی تعلیم و ترغیب فرمائی، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے ان حضرات نے کبھی بھی نکاح کو ترک نہ فرمایا اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی کوئی تاخیر فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی تمام نکاح غربت کی حالت میں فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کوئی بھی چاہے جتنا ہی غریب کیوں نہ ہو، جب کبھی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر نکاح کی خواہش کا اظہار کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اس کی حوصلہ شکنی نہ فرماتے، بلکہ حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ اس کے لیے رشتے کا انتظام بھی فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے جب وہ صحابی کسی کے ہاں نکاح کا پیغام لے جاتا تو وہ کبھی اس کو رد نہ کرتا بلکہ اپنی چاہت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت پر قربان کر دیتا اور اس کو اپنے لیے سعادت اور نیک بختی سمجھتا۔ اگر کوئی صحابی فقر و فاقہ کی شکایت کرتا یا اس وجہ سے نکاح سے دور رہنے کی کوشش کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی نکاح کی تعلیم و ترغیب فرماتے اور اس پر ابھارتے۔ لہذا وہ لوگ جو کل تک غربت و تنگ دستی کے خوف سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، آج بڑھ چڑھ کر نکاح کرنے کے باوجود بھی ان پر کوئی خوف طاری

نہیں۔ اس طرح اللہ کے رسول اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے امت کو سبق دیا کہ غربت و تنگ دستی ایک یا ایک سے زائد شادیوں میں رکاوٹ نہیں بلکہ میری اور میرے اصحاب کی سنت ہے اور اسی میں سب کی خیر و منفعت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح:

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلی ثقیفہ بنت منیہ نکاح کی بات کرنے کے لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے کہا: اے محمد! آپ کو شادی سے کیا چیز مانع ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ہاتھ میں شادی کے لیے کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے کہا: اگر آپ کو کفایت ہو جائے اور حسن، مال اور شرافت کی طرف دعوت ملے تو کیا حامی نہیں بھریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: خدیجہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میرے ذمے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔ نفیسہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کامیابی کی خبر لے کر لوٹیں اور انہیں بتایا کہ محمد شادی کے لیے تیار ہیں۔ (طبقات ابن سعد 131/1)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غریب تھے کہ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شادی کا تحفہ دینے کے لیے بھی کچھ نہ تھا، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو اوقیہ سونا بھیجا اور کہا کہ ایک جوڑا اور ایک بھیڑ اور یہ یہ سامان خرید لیجیے اور اس کا میرے پاس ہدیہ بھیج دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ (الطبرانی، المعجم 222/9)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی سے پہلے ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اپنی بیوی کو گھر کیوں نہیں لے آتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لیے رقم نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: آپ مجھ سے قرض لے لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات منظور فرمائی اور ان سے قرض لے کر مہر ادا کیا۔

رخصتی کی کیفیت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں: میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ والدہ نے آکر مجھے آواز دی، مجھے معلوم نہیں تھا کہ کیوں بلا رہی ہیں، میں ان کے پاس پہنچی تو میرا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں، میرا سر اور ہاتھ منہ دھوئے، گھر کے اندر انصار کی عورتیں بیٹھی تھیں، انہوں نے میرا بناؤ سنگھار کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعوت کے لیے دودھ کے ایک پیالے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تھوڑا سا دودھ نوش فرمایا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا تو وہ شرمانے لگیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے کہا: رسول اللہ کا عطیہ واپس نہ کرو، چنانچہ حضرت عائشہ نے دودھ پی لیا۔ (مسند احمد 438/6)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! میری رخصتی میں نہ کوئی اونٹ ضح کیا گیا اور نہ کوئی بکری، ہاں! کھانے کا ایک پیالہ تھا، وہ بھی سعد بن عبادہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ (مسند احمد 210/6، المعجم 227/9)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح:

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کچھ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم کچھ بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اسباب جنگ میں سے وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے دی تھی؟ میں نے عرض کیا: قسم اس ذات کی کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے! وہ زرہ ٹوٹ چکی تھی، یعنی جگہ جگہ تلواروں سے کٹ گئی تھی، اس کی قیمت چار درہم کی بھی نہیں تھی، وہ میرے پاس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہاری شادی فاطمہ کے ساتھ کر دی، اس زرہ کو فاطمہ کے پاس بھیج دو اور اس مہر کے ذریعے فاطمہ کو اپنے لیے جائز کرلو۔ (البداية والنهاية 346/3)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب فاطمہ علی کے گھر رخصت ہو کر گئیں تو ہم نے علی کے گھر اس کے سوا کچھ نہ پایا کہ ان کے گھر میں بستر کی جگہ ریت بچھا ہوا تھا، ایک تکیہ تھا جس کا بھراؤ کھجور کی چھال کا تھا، ایک گھڑا تھا اور ایک پانی پینے کا برتن تھا۔ (الطبرانی، حیاة الصحابة 784/2)

حضرت ربیعہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح:

حضرت ربیعہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گیا کرتا تھا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ربیعہ! تو شادی کیوں نہیں کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول، میرا ارادہ نہیں کہ میں نکاح کروں، میرے پاس اتنا مال نہیں جس کے ذریعے کسی عورت کی گزراوقات ہو سکے اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ کو چھوڑ کر کوئی اور چیز مجھے اپنی طرف مشغول کرے۔ یہ سن کر کچھ دنوں تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خاموش رہے، پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وہی کچھ فرمایا تو میں نے بھی وہی کچھ عرض کر دیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے آپ سوچنا شروع کیا اور میں نے کہا: خدا کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے زیادہ میری دنیا و آخرت کی مصلحت کو جانتے ہیں، خدا کی قسم! اگر اب مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تیری شادی نہ کرادوں؟ تو میں ضرور کہوں گا کہ جی ہاں اے اللہ کے رسول! جو چاہیں سو آپ مجھ کو حکم دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ربیعہ! تو شادی کیوں نہیں کر لیتا؟ تو میں نے عرض کیا: جی ہاں! ضرور کروں گا، جو آپ چاہیں مجھ کو حکم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک ایسے قبیلے کی طرف اشارہ فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا فاصلے پر آباد تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں خاندان کے پاس جاؤ اور ان سے جا کر کہو کہ تم فلاں عورت سے میری شادی کر دو جو ان کے قبیلے میں تھی۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان لوگوں سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ حضرات کے پاس بھیجا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو حکم دیا ہے کہ تم میری شادی فلاں عورت سے کر دو۔ یہ سن کر انصار نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی مرحبا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کے لیے بھی مرحبا۔ خدا کی قسم! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد اپنی حاجت پوری کیے بغیر یہاں سے نہیں جائے گا۔ چنانچہ ان اصحاب نے میری شادی کر دی، مجھ پر بہت مہربانی کی اور مجھ سے کوئی گواہ طلب نہیں کیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور

رنجیدہ ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بڑی بزرگ قوم کے پاس گیا تھا، انہوں نے میری شادی کر دی، مجھ پر مہربانی کی، مجھ سے کوئی گواہ طلب نہ کیا اور میرے پاس مہر کے لیے کچھ بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ سلمیٰ سے فرمایا: ان کے لیے گٹھلی کے وزن کے برابر سونا جمع کر دو۔ چنانچہ میرے لیے گٹھلی کے وزن کے برابر سونا جمع کر دیا گیا۔ وہ سونا لے کر میں ان لوگوں کے پاس گیا اور کہا: یہ اس لڑکی کا مہر ہے۔ انہوں نے اسے قبول کر لیا اور اسی پر راضی ہو گئے اور کہا: بہت ہے، اچھا ہے۔ میں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رنجیدہ ہو کر واپس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیوں رنجیدہ ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس قوم سے زیادہ کریم کوئی نہیں دیکھی، جو میں نے دیا اس سے راضی ہو گئے اور اسی کو اچھا بتایا اور کہا: بہت ہے، اچھا ہے اور میرے پاس اتنا بھی نہیں کہ ولیمہ کر سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بریدہ! ان کے لیے مینڈھے کا انتظام کرو۔ چنانچہ وہ ایک بڑا مینڈھا میرے لیے لے آئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ اس جھولی کو بھیج دیں جس میں غلہ ہے۔ میں ان کے پاس گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام انہیں دے دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اس جھولی میں سات صاع جو ہیں اور دو مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا: اس کے سوا آج ہمارے پاس کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔ میں وہ جھولی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سب کچھ انصار یوں کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ صبح تک اس کی روٹی اور سالن تیار کر دیں۔ اب صبح کے وقت ہمارے پاس روٹی اور سالن دونوں چیزیں آگئیں تو میں نے دعوت ولیمہ کی اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدعو کیا۔ (مسند احمد، الطبرانی، حیاة الصحابة 787/2)

حضرت جلییب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح:

حضرت ابو برزہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جلییب ایسے آدمی تھے جو عورتوں میں جایا کرتے تھے، عورتوں پر گزرتے اور ان سے کھیل کی باتیں کرتے۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: ہرگز ہرگز تم لوگوں کے پاس جلییب نہ آنے پائیں، اگر تم لوگوں کے پاس جلییب آگئے تو پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں؟ حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: انصار کی عادت تھی کہ جب ان کے یہاں کوئی عورت بیوہ ہو جاتی تو اس کی شادی اس وقت تک نہ کرتے تھے جب تک کہ یہ نہ معلوم کر لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بیوہ کی حاجت ہے یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا: اپنی بیٹی کا مجھے نکاح کرنے دو۔ اس انصاری نے عرض کیا: بہت اچھا، آپ کا بڑا کرم ہوگا اور بڑا انعام ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کا ارادہ اپنے لیے نہیں کرتا۔ انصاری نے پوچھا: پھر کس کے لیے اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلییب کے لیے۔ انصاری نے عرض کیا: میں اپنی بیوی سے مشورہ کر لوں۔ چنانچہ انصاری نے بیوی سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیری بیٹی کے ساتھ رشتہ کر رہے ہیں۔ بیوی نے کہا: بہت اچھا ہے اور عین نعمت ہے۔ انصاری نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے اس کے ساتھ رشتہ نہیں کر رہے بلکہ جلییب کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر بیوی نے کہا: جلییب کے لیے تو بہت بعید ہے، جلییب کے لیے تو بہت بعید ہے۔ خدا کی قسم! ہم جلییب کے ساتھ اس کی شادی نہیں کریں گے۔ جب انصاری اٹھنے لگا کہ ساری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کچھ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم کچھ بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اسباب جنگ میں سے وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے دی تھی؟ میں نے عرض کیا: قسم اس ذات کی کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے! وہ زرہ ٹوٹ چکی تھی، یعنی جگہ جگہ ٹکواروں سے کٹ گئی تھی، اس کی قیمت چار درہم کی بھی نہیں تھی، وہ میرے پاس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہاری شادی فاطمہ کے ساتھ کر دی، اس زرہ کو فاطمہ کے پاس بھیج دو اور اس مہر کے ذریعے فاطمہ کو اپنے لیے جائز کرلو۔ (البداية والنهاية 346/3)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب فاطمہ علی کے گھر رخصت ہو کر گئیں تو ہم نے علی کے گھر اس کے سوا کچھ نہ پایا کہ ان کے گھر میں بستر کی جگہ ریت بچھا ہوا تھا، ایک تکیہ تھا جس کا بھراؤ کھجور کی چھال کا تھا، ایک گھڑا تھا اور ایک پانی پینے کا برتن تھا۔ (الطبرانی، حیاة الصحابة 784/2)

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح:

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گیا کرتا تھا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ربیعہ! تو شادی کیوں نہیں کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول، میرا ارادہ نہیں کہ میں نکاح کروں، میرے پاس اتنا مال نہیں جس کے ذریعے کسی عورت کی گزر اوقات ہو سکے اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ کو چھوڑ کر کوئی اور چیز مجھے اپنی طرف مشغول کرے۔ یہ سن کر کچھ دنوں تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خاموش رہے، پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وہی کچھ فرمایا تو میں نے بھی وہی کچھ عرض کر دیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے آپ سوچنا شروع کیا اور میں نے کہا: خدا کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے زیادہ میری دنیا و آخرت کی مصلحت کو جانتے ہیں، خدا کی قسم! اگر اب مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تیری شادی نہ کرادوں؟ تو میں ضرور کہوں گا کہ جی ہاں اے اللہ کے رسول! جو چاہیں سو آپ مجھ کو حکم دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ربیعہ! تو شادی کیوں نہیں کر لیتا؟ تو میں نے عرض کیا: جی ہاں! ضرور کروں گا، جو آپ چاہیں مجھ کو حکم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک ایسے قبیلے کی طرف اشارہ فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا فاصلے پر آباد تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں خاندان کے پاس جاؤ اور ان سے جا کر کہو کہ تم فلاں عورت سے میری شادی کر دو جو ان کے قبیلے میں تھی۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان لوگوں سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ حضرات کے پاس بھیجا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو حکم دیا ہے کہ تم میری شادی فلاں عورت سے کر دو۔ یہ سن کر انصار نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی مرحبا۔ خدا کی قسم! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد اپنی حاجت پوری کیے بغیر یہاں سے نہیں جائے گا۔ چنانچہ ان اصحاب نے میری شادی کر دی، مجھ پر بہت مہربانی کی اور مجھ سے کوئی گواہ طلب نہیں کیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور

رنجیدہ ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بڑی بزرگ قوم کے پاس گیا تھا، انہوں نے میری شادی کر دی، مجھ پر مہربانی کی، مجھ سے کوئی گواہ طلب نہ کیا اور میرے پاس مہر کے لیے بھی کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ اسلمی سے فرمایا: ان کے لیے گٹھلی کے وزن کے برابر سونا جمع کر دو۔ چنانچہ میرے لیے گٹھلی کے وزن کے برابر سونا جمع کر دیا گیا۔ وہ سونا لے کر میں ان لوگوں کے پاس گیا اور کہا: یہ اس لڑکی کا مہر ہے۔ انہوں نے اسے قبول کر لیا اور اسی پر راضی ہو گئے اور کہا: بہت ہے، اچھا ہے۔ میں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رنجیدہ ہو کر واپس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیوں رنجیدہ ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس قوم سے زیادہ کریم کوئی نہیں دیکھی، جو میں نے دیا اس سے راضی ہو گئے اور اسی کو اچھا بتایا اور کہا: بہت ہے، اچھا ہے اور میرے پاس اتنا بھی نہیں کہ ولیمہ کر سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بریدہ! ان کے لیے مینڈھے کا انتظام کرو۔ چنانچہ وہ ایک بڑا مینڈھا میرے لیے لے آئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ اس جھولی کو بھیج دیں جس میں غلہ ہے۔ میں ان کے پاس گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام انہیں دے دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اس جھولی میں سات صاع جو ہیں اور دو مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا: اس کے سوا آج ہمارے پاس کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔ میں وہ جھولی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سب کچھ انصار یوں کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ صبح تک اس کی روٹی اور سالن تیار کر دیں۔ اب صبح کے وقت ہمارے پاس روٹی اور سالن دونوں چیزیں آگئیں تو میں نے دعوتِ ولیمہ کی اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدعو کیا۔ (مسند احمد، الطبرانی، حیاة الصحابة 787/2)

حضرت جلییب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح:

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جلییب ایسے آدمی تھے جو عورتوں میں جایا کرتے تھے، عورتوں پر گزرتے اور ان سے کھیل کی باتیں کرتے۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: ہرگز ہرگز تم لوگوں کے پاس جلییب نہ آنے پائیں، اگر تم لوگوں کے پاس جلییب آگئے تو پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں؟ حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: انصار کی عادت تھی کہ جب ان کے یہاں کوئی عورت بیوہ ہو جاتی تو اس کی شادی اس وقت تک نہ کرتے تھے جب تک کہ یہ نہ معلوم کر لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بیوہ کی حاجت ہے یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا: اپنی بیٹی کا مجھے نکاح کرنے دو۔ اس انصاری نے عرض کیا: بہت اچھا، آپ کا بڑا کرم ہوگا اور بڑا انعام ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کا ارادہ اپنے لیے نہیں کرتا۔ انصاری نے پوچھا: پھر کس کے لیے اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلییب کے لیے۔ انصاری نے عرض کیا: میں اپنی بیوی سے مشورہ کر لوں۔ چنانچہ انصاری نے بیوی سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیری بیٹی کے ساتھ رشتہ کر رہے ہیں۔ بیوی نے کہا: بہت اچھا ہے اور عین نعمت ہے۔ انصاری نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے اس کے ساتھ رشتہ نہیں کر رہے بلکہ جلییب کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر بیوی نے کہا: جلییب کے لیے تو بہت بعید ہے، جلییب کے لیے تو بہت بعید ہے۔ خدا کی قسم! ہم جلییب کے ساتھ اس کی شادی نہیں کریں گے۔ جب انصاری اٹھنے لگا کہ ساری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے عرض کر دیں تو اس کی بیٹی نے دریافت کیا: میرا رشتہ تمہارے پاس کون لایا ہے؟ اس کی ماں نے اسے بتایا تو اس لڑکی نے کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رد کرنا چاہتی ہو؟ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ہرگز ضائع نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ وہ انصاری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپ اس بچی کا جو چاہیں کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح جلیب کے ساتھ کرادیا۔ (مسند احمد، حیاۃ الصحابہ 790/2)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح اور مال غنیمت سے نوازا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا لشکر میں تم لوگ کسی کو نہیں پاتے ہو؟ حاضرین نے کہا: نہیں! سب موجود ہیں، لیکن جلیب نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں تلاش کرو، چنانچہ تلاش کے بعد انہیں اس طرح پایا کہ یہ ان سات آدمیوں کے برابر میں تھے جنہیں جلیب نے قتل کیا تھا، پھر کفار نے انہیں شہید کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ ان کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے سات کو مارا ہے پھر کفار نے ان کو شہید کیا ہے۔ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ یہ کلمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور ان کے لیے قبر کھودی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل ان کو اپنے ہاتھوں میں اٹھائے رکھا اور پھر قبر میں اتارا۔

حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیب کی بیوہ کو یہ دعادی: اے میرے اللہ! اس بیوہ پر خیر کی بوچھاڑ کر دے اور اس کے عیش کو مکدور اور میلاد کر۔ راوی کہتے ہیں کہ انصار میں کوئی بیوہ ان کی بیوہ سے افضل نہ تھی اور کوئی بھی بیوہ ان سے زیادہ خرچہ جلی نہ تھی۔ (الہیسی 368/9)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی کا نکاح:

حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بلال اور ان کے بھائی نے یمن کے ایک گھروالوں سے اپنے نکاح کی بات چیت کی اور کہا: میں بلال ہوں اور یہ میرا بھائی عبدان ہے اور ہم حبشہ کے رہنے والے ہیں۔ ہم گمراہ تھے، اللہ نے ہمیں ہدایت دی، ہم غلام تھے اور اللہ نے ہمیں آزاد کیا۔ اگر تم ہمارا نکاح کر دو تو الحمد للہ اگر ہم منع کر دو تو اللہ زیادہ بڑا ہے۔ (حنقات ابن سعد 237/3)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی کا نکاح:

حضرت ثابت بنائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یزید بن ابی معاویہ نے ابوالدرداء سے ان کی بیٹی درداء کے بارے میں رشتے کی بات کرنی چاہی تو یزید کو ابوالدرداء نے جواب دے دیا اور انکار فرمادیا۔ یزید کے ہم نشینوں میں سے ایک شخص نے یزید سے کہا: اللہ تمہاری اصلاح کرے، تم مجھے اجازت دو کہ میں اس لڑکی کے ساتھ شادی کر لوں۔ یزید نے کہا: دور ہو، تیرا ناس جائے، اس آدمی نے پھر کہا: مجھے اجازت دو، اللہ تمہاری اصلاح کرے، یزید نے کہا: ٹھیک ہے۔ اس ہم نشین نے جب نکاح کا پیغام دیا تو ابوالدرداء نے قبول کر لیا اور اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دیا۔ لوگوں میں اس بات کا چرچہ ہوا کہ یزید نے ابوالدرداء کے ہاں پیغام ڈالا تو اسے رد کر دیا اور ایک کمزور حال مسلمان نے پیغام دیا تو اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ حضرت ابوالدرداء نے فرمایا: میں نے اپنی بیٹی

درداء کی رعایت کی ہے، تمہارا درداء کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جب اس کے سر ہانے نصی غلام کھڑے ہوتے اور ایسے گھر میں نظر کرتی جہاں اس کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتیں تو اس کا دین ایسے وقت میں کہاں رہ جاتا؟ (مسند احمد، صفة الصفوة 260/1)

حضرت عمرو بن حریش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح:

حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: عمرو بن حریش نے عدی بن حاتم سے رشتے کی بات چیت کی تو عدی نے کہا: میں تمہارے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی نہ کروں گا، اگر کروں گا تو اپنے حکم کے مطابق کروں گا۔ عمرو نے پوچھا: آپ کا حکم کیا ہے؟ عدی نے کہا: تم لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ میں تمہارے اوپر اس مہر کا حکم کرتا ہوں جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر تھا یعنی چار سو اسی درہم، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (ابن عساکر، کنز العمال 299/8)

ایک مفلس ترین صحابی کا نکاح

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح بخاری میں ”باب تزویج المعسر“ یعنی ”تنگ دست کی شادی کرانا“ کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے، جس میں درج ذیل حدیث ذکر فرمائی ہے:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (مجلس میں) ایک عورت آئی اور کہنے لگی: میں آپ سے نکاح چاہتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر ایک نگاہ ڈالی اور اس کے بعد اپنا سر مبارک جھکا لیا۔ کچھ دیر اسی طرح گزرنے کے بعد عورت نے محسوس کیا کہ اللہ کے رسول اس بارے میں کچھ فیصلہ نہیں فرما رہے تو وہ (خاموش ہو کر) بیٹھی رہی۔ اتنے میں مجلس میں سے ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو اس عورت سے نکاح میں رغبت نہیں تو اس سے میرا نکاح فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے جو بطور مہر اپنی زوجہ کو دے سکو؟ صحابی نے عرض کیا: نہیں! اللہ کی قسم! میں سوائے اس ازار (تہبند) کے کسی چیز کا مالک نہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم تہبند اپنی زوجہ کو دے دو گے تو خود کیا پہنو گے؟ پھر تو تم ایسے بیٹھے رہو گے کہ تم پر ایک تہبند بھی نہ ہوگی، اپنے گھروالوں کے پاس جاؤ اور کوئی بھی چیز تلاش کرو۔ یہ صحابی اٹھے (اور تلاش کرنے کے بعد) واپس لوٹے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم! میرے پاس کچھ بھی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ تلاش کرو، اگر چہ لوہے کی ایک انگٹھی ہی سہی۔ صحابی گئے اور واپس لوٹے اور عرض کرنے لگے: نہیں اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں ایک لوہے کی انگٹھی کا بھی انتظام نہ کر سکا، لیکن یہ میرا تہبند ہے، اس کی آدھی چادر عورت کو دے دی جائے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کو اس سے بھلا کیا فائدہ ہوگا؟ اگر یہ آدھی چادر تم پہنو گے تو اس عورت پر کیا ہوگا؟ اور اگر یہ پہنے گی تو تم پر کیا ہوگا؟ وہ صحابی اپنی اس (کسمپرسی کی) حالت میں بیٹھ گئے، یہاں تک کہ جب بہت دیر گزری تو (ما یوس ہو کر) واپس چل دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں جاتا ہوا دیکھا تو کسی کو حکم فرمایا: اسے بلا کر لے آؤ۔ چنانچہ وہ صحابی جب دوبارہ لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہیں قرآن سے کچھ یاد ہے؟ اس پر صحابی نے کچھ سورتیں گونائیں کہ فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سورتوں کو تم زبانی پڑھ سکتے ہو؟ صحابی نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے تمہارا نکاح اس عورت سے اس

کے سامنے عرض کر دیں تو اس کی بیٹی نے دریافت کیا: میرا رشتہ تمہارے پاس کون لایا ہے؟ اس کی ماں نے اسے بتایا تو اس لڑکی نے کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رد کرنا چاہتی ہو؟ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ہرگز ضائع نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ وہ انصاری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپ اس بچی کا جو چاہیں کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح جلیب کے ساتھ کرادیا۔ (مسند احمد، حیاۃ الصحابہ 790/2)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح اور مال غنیمت سے نوازا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا لشکر میں تم لوگ کسی کو نہیں پاتے ہو؟ حاضرین نے کہا: نہیں! سب موجود ہیں، لیکن جلیب نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں تلاش کرو، چنانچہ تلاش کے بعد انہیں اس طرح پایا کہ یہ ان سات آدمیوں کے برابر میں تھے جنہیں جلیب نے قتل کیا تھا، پھر کفار نے انہیں شہید کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ ان کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے سات کو مارا ہے پھر کفار نے ان کو شہید کیا ہے۔ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ یہ کلمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور ان کے لیے قبر کھودی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل ان کو اپنے ہاتھوں میں اٹھائے رکھا اور پھر قبر میں اتارا۔

حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیب کی بیوہ کو یہ دعادی: اے میرے اللہ! اس بیوہ پر خیر کی بوچھاڑ کر دے اور اس کے عیش کو مکدور اور میلامت کر۔ راوی کہتے ہیں کہ انصار میں کوئی بیوہ ان کی بیوہ سے افضل نہ تھی اور کوئی بھی بیوہ ان سے زیادہ خرچہ جلی نہ تھی۔ (الہیسی 368/9)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی کا نکاح:

حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بلال اور ان کے بھائی نے یمن کے ایک گھروالوں سے اپنے نکاح کی بات چیت کی اور کہا: میں بلال ہوں اور یہ میرا بھائی عبدان ہے اور ہم حبشہ کے رہنے والے ہیں۔ ہم گمراہ تھے، اللہ نے ہمیں ہدایت دی، ہم غلام تھے اور اللہ نے ہمیں آزاد کیا۔ اگر تم ہمارا نکاح کر دو تو الحمد للہ اگر ہم کو منع کر دو تو اللہ زیادہ بڑا ہے۔ (خلفاء ابن سعد 237/3)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی کا نکاح:

حضرت ثابت بنائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یزید بن ابی معاویہ نے ابوالدرداء سے ان کی بیٹی درداء کے بارے میں رشتے کی بات کرنی چاہی تو یزید کو ابوالدرداء نے جواب دے دیا اور انکار فرمادیا۔ یزید کے ہم نشینوں میں سے ایک شخص نے یزید سے کہا: اللہ تمہاری اصلاح کرے، تم مجھے اجازت دو کہ میں اس لڑکی کے ساتھ شادی کر لوں۔ یزید نے کہا: دور ہو، تیرا ناس جائے، اس آدمی نے پھر کہا: مجھے اجازت دو، اللہ تمہاری اصلاح کرے، یزید نے کہا: ٹھیک ہے۔ اس ہم نشین نے جب نکاح کا پیغام دیا تو ابودرداء نے قبول کر لیا اور اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دیا۔ لوگوں میں اس بات کا چرچہ ہوا کہ یزید نے ابوالدرداء کے ہاں پیغام ڈالا تو اسے رد کر دیا اور ایک کمزور حال مسلمان نے پیغام دیا تو اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ حضرت ابوالدرداء نے فرمایا: میں نے اپنی بیٹی

درداء کی رعایت کی ہے، تمہارا درداء کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جب اس کے سر ہانے نخصی غلام کھڑے ہوتے اور ایسے گھر میں نظر کرتی جہاں اس کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتیں تو اس کا دین ایسے وقت میں کہاں رہ جاتا؟ (مسند احمد، صفة الصفوة 260/1)

حضرت عمرو بن حریش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح:

حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: عمرو بن حریش نے عدی بن حاتم سے رشتے کی بات چیت کی تو عدی نے کہا: میں تمہارے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی نہ کروں گا، اگر کروں گا تو اپنے حکم کے مطابق کروں گا۔ عمرو نے پوچھا: آپ کا حکم کیا ہے؟ عدی نے کہا: تم لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ میں تمہارے اوپر اس مہر کا حکم کرتا ہوں جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر تھا یعنی چار سو اسی درہم، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (ابن عساکر، کنز العمال 299/8)

ایک مفلس ترین صحابی کا نکاح

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح بخاری میں ”باب تزویج المعسر“ یعنی ”تنگ دست کی شادی کرانا“ کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے، جس میں درج ذیل حدیث ذکر فرمائی ہے:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (مجلس میں) ایک عورت آئی اور کہنے لگی: میں آپ سے نکاح چاہتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر ایک نگاہ ڈالی اور اس کے بعد اپنا سر مبارک جھکا لیا۔ کچھ دیر اسی طرح گزرنے کے بعد عورت نے محسوس کیا کہ اللہ کے رسول اس بارے میں کچھ فیصلہ نہیں فرما رہے تو وہ (خاموش ہو کر) بیٹھی رہی۔ اتنے میں مجلس میں سے ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو اس عورت سے نکاح میں رغبت نہیں تو اس سے میرا نکاح فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے جو بطور مہر اپنی زوجہ کو دے سکو؟ صحابی نے عرض کیا: نہیں! اللہ کی قسم! میں سوائے اس ازار (تہبند) کے کسی چیز کا مالک نہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم تہبند اپنی زوجہ کو دے دو گے تو خود کیا پہنو گے؟ پھر تو تم ایسے بیٹھے رہو گے کہ تم پر ایک تہبند بھی نہ ہوگی، اپنے گھروالوں کے پاس جاؤ اور کوئی بھی چیز تلاش کرو۔ یہ صحابی اٹھے (اور تلاش کرنے کے بعد) واپس لوٹے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم! میرے پاس کچھ بھی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ تلاش کرو، اگر چہ لوہے کی ایک انگٹھی ہی سہی۔ صحابی گئے اور واپس لوٹے اور عرض کرنے لگے: نہیں اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں ایک لوہے کی انگٹھی کا بھی انتظام نہ کر سکا، لیکن یہ میرا تہبند ہے، اس کی آدھی چادر عورت کو دے دی جائے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کو اس سے بھلا کیا فائدہ ہوگا؟ اگر یہ آدھی چادر تم پہنو گے تو اس عورت پر کیا ہوگا؟ اور اگر یہ پہنے گی تو تم پر کیا ہوگا؟ وہ صحابی اپنی اس (کسمپرسی کی) حالت میں بیٹھ گئے، یہاں تک کہ جب بہت دیر گزر گئی تو (ماپوس ہو کر) واپس چل دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں جاتا ہوا دیکھا تو کسی کو حکم فرمایا: اسے بلا کر لے آؤ۔ چنانچہ وہ صحابی جب دوبارہ لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہیں قرآن سے کچھ یاد ہے؟ اس پر صحابی نے کچھ سورتیں گونائیں کہ فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سورتوں کو تم زبانی پڑھ سکتے ہو؟ صحابی نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے تمہارا نکاح اس عورت سے اس

قرآن کے بدلے کر دیا جو تمہیں یاد ہے (یعنی جتنی سورتیں یاد ہیں وہ زوجہ کو بھی سکھا دینا)۔ (بخاری 4799-4842)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”تحقیق اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا بھی نکاح فرمایا جس کے پاس سوائے ایک تہبند کے کچھ بھی نہ تھا اور وہ ایک لوہے کی انگوٹھی تک کا انتظام بھی نہ کر سکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ نکاح کے بعد ان صحابی کے لیے رزق کا ایسا انتظام فرمادیں گے جو ان کی زوجہ کے لیے اور خود ان کے لیے کافی ہو جائے گا۔“ (ابن کثیر 287/3)

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ حاضر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور کی غربت و تنگ دستی کا جائزہ لینے کے بعد موجودہ پرفتن دور کی عیاشی و خوشحالی کو دیکھا جائے تو آج کوئی بھی غریب اور مفلس نظر نہیں آئے گا، کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جس کے گھر میں کئی کئی دن بھی چولہا نہ جلتا ہو، جس کو دن میں ایک وقت کا بھی کھانا نہ ملتا ہو، جو آٹھ آٹھ پیوند لگے کپڑے پہنتا ہو یا پہننے کے لیے ایک جوڑے کے علاوہ دوسرا جوڑا نہ ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ غربت و تنگ دستی آج کے دور میں بھی موجود ہے اور دن بدن اس کے بڑھنے کی وجہ سے مسائل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، لیکن پھر بھی یہ اُس سطح کی غربت و تنگ دستی نہیں جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں درپیش تھی۔ مزید یہ کہ اس کی روک تھام کے لیے اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کے حل کے لیے کیا وہ طریقہ کار اپنایا جا رہا ہے جس کی قرآن و سنت نے تعلیم دی ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں کی پابندی میں ہی انسانیت کے تمام دنیوی و اخروی مسائل کا حل ہے۔۔۔ تعدد ازواج بھی اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس لیے محض غربت اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کو بنیاد بنا کر تعدد ازواج پر اعتراضات کرنا اور اس کی مخالفت کرنا قرآن و سنت اور صحابہ کرام کے طریقے کی مخالفت ہے۔

قرآن حکیم کی آیت مبارکہ، احادیث مبارکہ، اقوال صحابہ اور عقلی دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ غربت اور مہنگائی ایک یا ایک سے زائد شادیوں سے روکنے کا سبب نہیں بلکہ مزید ابھارنے کا سبب ہے، کیونکہ نکاح کرنے والوں کے لیے اللہ و رسول کی طرف سے وسعت رزق اور خوشحالی کا وعدہ ہے۔ لہذا وہ لوگ جو ایمان و اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے لیے جائز نہیں کہ محض غربت اور مہنگائی کی وجہ سے تعدد ازواج کی مخالفت کریں۔ حضرت مولانا ظفر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”معاشی مسائل کے متعلق صرف عقلی مشوروں پر جینے والے جن اوہام و وساوس میں تہ و بالا ہوتے رہتے ہیں، وہی اکثر سوچتے ہیں کہ ”شادی کیسے کریں؟“ افلاس نے گھر میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، بیوی اور پھر بال بچوں کی خوراک و پوشاک کا کیا نظم ہوگا؟ اس قسم کی تنگ خیالیوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دلا سے اور تسلی دی گئی ہے کہ اس مسئلے کو اتنا پریشان کن نہ بناؤ، رزق کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے۔ بار بار قرآن میں اس طرح اطمینان دلایا گیا ہے: وہ (اللہ) اس کو رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا (سورۃ الطلاق)، مزید فرمایا: ہم تم کو اور ان کو رزق دیں گے (سورۃ الانعام)۔ مطلب یہی ہے کہ حال پر مستقبل کو قیاس نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ”الرزاق ذو القوة المتین“ پر اعتماد کر کے چاہیے کہ

جب نکاح کا زمانہ آجائے تو آدمی نکاح کر لے اور اس مسئلے کو خدا کے سپرد کر دے، بیوی اور پھر بچوں کے نان نفقے کا سامان من جانب اللہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ بیوی کی شرکت سے خیر و برکت بڑھ جائے، بیوی کا خاندان امداد کرے یا کسی جائز ذریعہ معاش کا بندوبست کر دے، خود شادی کرنے والے میں شادی کے بعد مستعدی اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، کبھی بیوی خود ہاتھ بٹاتی ہے اور کبھی اس طرح کا کوئی دوسرا سامان فراہم ہو جاتا ہے۔“ (اسلام کا نظام عفت و عصمت ص: 61-62)

مگر افسوس! آج کے مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین کرنے کو تیار نہیں، وہ مغربی تحقیقات کو اللہ کے قرآن اور رسول اللہ کے فرمان سے بڑھ کر سمجھتے ہیں اور انہی کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ تعدد ازواج وہ حق ہے جس کو اہل مغرب بھی آج دل کھول کر تسلیم کرتے ہیں، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے، لیکن برائے نام مسلمان لکیر کے فقیر بن کر ابھی تک ان کی وفاداری کے گیت گاتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں باطل کا اندھیرا اس قدر گہرا ہو چکا ہے کہ اہل مغرب کی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود بھی ان کو حق نظر نہیں آتا۔

مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے، کثرت ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

”ان آیتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں خاصی برکت رکھی ہے۔“ (معارف القرآن 287/2)

روزنامہ ”امت“ کی ایک رپورٹ کے مطابق: پیسے کے لیے شادی کرنا اب گئے وقتوں کی بات ہوگئی۔ امریکا میں ہوئی تازہ تحقیق کے نتیجے میں پتہ چلا ہے کہ اگر مرد ایک سے زیادہ شادیاں کرے یا ایک ہی شادی کو خوش اسلوبی سے نبھائے تو اس کے دولت مند بننے کے امکانات کافی بڑھ جاتے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق اوہائیو اسٹیٹ یونیورسٹی کے محققین نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر ایک شخص شادی کرے اور خوش اسلوبی سے نبھائے یا ایک سے زیادہ شادیاں کر کے انہیں قائم رکھے تو اس کے کنوارے یا طلاق یافتہ افراد کے مقابلے میں دولت مند بننے کا چانس بڑھ جاتا ہے۔ اوہائیو یونیورسٹی کے ایک محقق زاگورسکی نے بتایا کہ کنوارہ رہنا یا طلاق لینا یا دینا انسان کی غربت بڑھاتا ہے اور اس کی امیری کم کرتا ہے۔ اپنی تحقیق میں زاگورسکی نے سینٹر آف ہیومن ریسورس ریسرچ کے ماہرین کے ساتھ مل کر سن 1985ء سے سن 2000ء کے عرصے میں شادی کرنے والے 9055 جوڑوں پر ریسرچ کی۔ یہ تمام جوڑے 11 تا 49 سال کی عمر کے حامل تھے۔ زاگورسکی کی تازہ تحقیق جرنل آف سوشالوجی میں شائع ہوئی اور اس میں بتایا گیا ہے کہ شادی شدہ جوڑوں کی دولت ذاتی رقم، کاروبار، مکانات، جائیداد، اسٹاک مارکیٹ اور بینک اکاؤنٹ پر مشتمل ہے۔ (روزنامہ امت، کراچی 20 جنوری 2006ء)

6) متعدد بیویوں میں عدل کرنا بہت مشکل ہے:

جو لوگ تھوڑی بہت دین کی سمجھ رکھتے ہیں یا قرآن حکیم کی چند آیات کا ترجمہ یاد کر لینے کے بعد خود کو مدبر و مفکر سمجھنے لگتے ہیں، حکمت و مصلحت کا درس دیتے ہوئے دوسری شادی کرنے والے کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو چار شادیاں کرنے کے اجازت ضرور دی ہے، لیکن اس کے ساتھ عدل کی کڑی شرط بھی لگائی ہے، جس کو پورا کرنا ہمارے تمہارے بس کی بات نہیں، پھر مثالیں بھی دیتے ہیں کہ دیکھو! فلاں نے دوسری شادی کی تو پہلی بیوی کو کیسے معلق کر کے چھوڑ دیا؟ لہذا دوسری شادی

قرآن کے بدلے کر دیا جو تمہیں یاد ہے (یعنی جتنی سورتیں یاد ہیں وہ زوجہ کو بھی سکھا دینا)۔ (بخاری 4799-4842)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”تحقیق اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا بھی نکاح فرمایا جس کے پاس سوائے ایک تہبند کے کچھ بھی نہ تھا اور وہ ایک لوہے کی انگٹھی تک کا انتظام بھی نہ کر سکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ نکاح کے بعد ان صحابی کے لیے رزق کا ایسا انتظام فرمادیں گے جو ان کی زوجہ کے لیے اور خود ان کے لیے کافی ہو جائے گا۔“ (ابن کثیر 287/3)

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ حاضر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور کی غربت و تنگ دستی کا جائزہ لینے کے بعد موجودہ پُرفتن دور کی عیاشی و خوشحالی کو دیکھا جائے تو آج کوئی بھی غریب اور مفلس نظر نہیں آئے گا، کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جس کے گھر میں کئی کئی دن بھی چولہا نہ جلتا ہو، جس کو دن میں ایک وقت کا بھی کھانا نہ ملتا ہو، جو آٹھ آٹھ پیوند لگے کپڑے پہنتا ہو یا پہننے کے لیے ایک جوڑے کے علاوہ دوسرا جوڑا نہ ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ غربت و تنگ دستی آج کے دور میں بھی موجود ہے اور دن بدن اس کے بڑھنے کی وجہ سے مسائل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، لیکن پھر بھی یہ اُس سطح کی غربت و تنگ دستی نہیں جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں درپیش تھی۔ مزید یہ کہ اس کی روک تھام کے لیے اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کے حل کے لیے کیا وہ طریقہ کار اپنایا جا رہا ہے جس کی قرآن و سنت نے تعلیم دی ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں کی پابندی میں ہی انسانیت کے تمام دنیوی و اخروی مسائل کا حل ہے۔۔۔ تعددِ ازواج بھی اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس لیے محض غربت اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کو بنیاد بنا کر تعددِ ازواج پر اعتراضات کرنا اور اس کی مخالفت کرنا قرآن و سنت اور صحابہ کرام کے طریقے کی مخالفت ہے۔

قرآن حکیم کی آیت مبارکہ، احادیث مبارکہ، اقوال صحابہ اور عقلی دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ غربت اور مہنگائی ایک یا ایک سے زائد شادیوں سے روکنے کا سبب نہیں بلکہ مزید ابھارنے کا سبب ہے، کیونکہ نکاح کرنے والوں کے لیے اللہ و رسول کی طرف سے وسعتِ رزق اور خوشحالی کا وعدہ ہے۔ لہذا وہ لوگ جو ایمان و اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے لیے جائز نہیں کہ محض غربت اور مہنگائی کی وجہ سے تعددِ ازواج کی مخالفت کریں۔ حضرت مولانا ظفر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”معاشی مسائل کے متعلق صرف عقلی مشوروں پر جینے والے جن اوہام و وساوس میں تہ و بالا ہوتے رہتے ہیں، وہی اکثر سوچتے ہیں کہ ”شادی کیسے کریں؟“ افلاس نے گھر میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، بیوی اور پھر بال بچوں کی خوراک و پوشاک کا کیا نظم ہوگا؟ اس قسم کی تنگ خیالیوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دلا سہ اور تسلی دی گئی ہے کہ اس مسئلے کو اتنا پریشان کن نہ بناؤ، رزق کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے۔ بار بار قرآن میں اس طرح اطمینان دلایا گیا ہے: وہ (اللہ) اس کو رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا (سورۃ الطلاق)، مزید فرمایا: ہم تم کو اور ان کو رزق دیں گے (سورۃ الانعام)۔ مطلب یہی ہے کہ حال پر مستقبل کو قیاس نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ”الرزاق ذو القوۃ المتین“ پر اعتماد کر کے چاہیے کہ

جب نکاح کا زمانہ آجائے تو آدمی نکاح کر لے اور اس مسئلے کو خدا کے سپرد کر دے، بیوی اور پھر بچوں کے نان نفقے کا سامان من جانب اللہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ بیوی کی شرکت سے خیر و برکت بڑھ جائے، بیوی کا خاندان امداد کرے یا کسی جائز ذریعہ معاش کا بندوبست کر دے، خود شادی کرنے والے میں شادی کے بعد مستعدی اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، کبھی بیوی خود ہاتھ بٹاتی ہے اور کبھی اس طرح کا کوئی دوسرا سامان فراہم ہو جاتا ہے۔“ (اسلام کا نظام عفت و عصمت ص: 61-62)

مگر افسوس! آج کے مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین کرنے کو تیار نہیں، وہ مغربی تحقیقات کو اللہ کے قرآن اور رسول اللہ کے فرمان سے بڑھ کر سمجھتے ہیں اور انہی کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ تعددِ ازواج وہ حق ہے جس کو اہل مغرب بھی آج دل کھول کر تسلیم کرتے ہیں، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے، لیکن برائے نام مسلمان لکیر کے فقیر بن کر ابھی تک ان کی وفاداری کے گیت گاتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں باطل کا اندھیرا اس قدر گہرا ہو چکا ہے کہ اہل مغرب کی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود بھی ان کو حق نظر نہیں آتا۔

مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے، کثرتِ ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

”ان آیتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں خاصی برکت رکھی ہے۔“ (معارف القرآن 287/2)

روزنامہ ”امت“ کی ایک رپورٹ کے مطابق: پیسے کے لیے شادی کرنا اب گئے وقتوں کی بات ہو گئی۔ امریکا میں ہوئی تازہ تحقیق کے نتیجے میں پتہ چلا ہے کہ اگر مرد ایک سے زیادہ شادیاں کرے یا ایک ہی شادی کو خوش اسلوبی سے نبھائے تو اس کے دولت مند بننے کے امکانات کافی بڑھ جاتے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق اوہائیو اسٹیٹ یونیورسٹی کے محققین نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر ایک شخص شادی کرے اور خوش اسلوبی سے نبھائے یا ایک سے زیادہ شادیاں کر کے انہیں قائم رکھے تو اس کے کنوارے یا طلاق یافتہ افراد کے مقابلے میں دولت مند بننے کا چانس بڑھ جاتا ہے۔ اوہائیو یونیورسٹی کے ایک محقق زاگورسکی نے بتایا کہ کنوارہ رہنا یا طلاق لینا یا دینا انسان کی غربت بڑھاتا ہے اور اس کی امیری کم کرتا ہے۔ اپنی تحقیق میں زاگورسکی نے سینٹر آف ہیومن ریسورس ریسرچ کے ماہرین کے ساتھ مل کر سن 1985ء سے سن 2000ء کے عرصے میں شادی کرنے والے 9055 جوڑوں پر ریسرچ کی۔ یہ تمام جوڑے 11 تا 49 سال کی عمر کے حامل تھے۔ زاگورسکی کی تازہ تحقیق جنرل آف سوشالوجی میں شائع ہوئی اور اس میں بتایا گیا ہے کہ شادی شدہ جوڑوں کی دولت ذاتی رقم، کاروبار، مکانات، جائیداد، اسٹاک مارکیٹ اور بینک اکاؤنٹ پر مشتمل ہے۔ (روزنامہ امت، کراچی 20 جنوری 2006ء)

6) متعدد بیویوں میں عدل کرنا بہت مشکل ہے:

جو لوگ تھوڑی بہت دین کی سمجھ رکھتے ہیں یا قرآن حکیم کی چند آیات کا ترجمہ یاد کر لینے کے بعد خود کو مدبر و مفکر سمجھنے لگتے ہیں، حکمت و مصلحت کا درس دیتے ہوئے دوسری شادی کرنے والے کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو چار شادیاں کرنے کے اجازت ضرور دی ہے، لیکن اس کے ساتھ عدل کی کڑی شرط بھی لگائی ہے، جس کو پورا کرنا ہمارے تمہارے بس کی بات نہیں، پھر مثالیں بھی دیتے ہیں کہ دیکھو! فلاں نے دوسری شادی کی تو پہلی بیوی کو کیسے معلق کر کے چھوڑ دیا؟ لہذا دوسری شادی

کرنے کے بعد عدل نہ کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے مجرم بننے سے بہتر ہے کہ ایک ہی شادی پر اکتفاء کیا جائے۔

شرطِ عدل کا مقصد تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی نہیں:

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تعددِ ازواج کو عدل کے ساتھ مشروط فرمایا ہے، یعنی تمام بیویوں کے ساتھ انصاف اور برابری کا معاملہ کرنا ہر اس شخص کے لیے لازمی ہے جو اس پر عمل پیرا ہونا چاہتا ہو، اگر اسے خوف یا غالب گمان ہو کہ عدل نہ کر سکے گا تو اس کے لیے یہ اقدام جائز نہیں۔ اب وہ تمام بیویوں کے درمیان عدل کر سکے گا یا نہیں؟ اس بارے میں اسی کی رائے معتبر ہوگی جو یہ قدم اٹھانے جارہا ہو، کسی دوسرے کو اپنی رائے ٹھونسنے کی اور اسے خوف دلانے کی اجازت نہیں، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے، لیکن یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ تعددِ ازواج کو عدل کے ساتھ مشروط کرنے کا مطلب اور عدل نہ کرنے کی صورت میں وعید اور تنبیہ کرنے کا مقصد تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی نہیں کہ لوگ اس عمل سے ہی ڈرنا اور کوسوں دور بھاگنا شروع کر دیں، بلکہ اس کا مطلب و مقصد بیویوں کے حقوق کا تحفظ ہے تاکہ مرد اپنی عورتوں پر ظلم و زیادتی کرنے سے باز رہیں اور ان کے درمیان عدل و انصاف کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔

ایک بیوی کی صورت میں بھی عدل کا حکم ہے:

پھر عدل کا حکم صرف متعدد شادیوں کے لیے ہی خاص نہیں، بلکہ ایک شادی کے لیے بھی شریعت کا یہی حکم ہے کہ مرد اپنی عورت کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرے اور اگر اسے خوف ہو کہ وہ ایک بیوی کے ساتھ بھی عدل کا معاملہ نہیں کر سکے گا تو پھر ایک شادی بھی نہ کرے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ کئی مرد ایسے ہوتے ہیں جو اپنی اکیلی بیویوں کے ساتھ بھی عدل نہیں کر پاتے، نہ ان کو پوری توجہ اور وقت دے پاتے ہیں، نہ ان کے حقوق پوری طرح ادا کر پاتے ہیں اور نہ ہی بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت صحیح انداز میں کر پاتے ہیں، ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسری عورتوں سے عشق لڑا بیٹھتے ہیں اور اپنی بیویوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، وہ بیچاریاں بہت بری طرح سے احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں اور مایوسی و محرومی کے گڑھوں میں پھینک دی جاتی ہیں۔ اس طرح کے مزید برے نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہلی شادی کی مخالفت کرنے والا کوئی بھی نظر نہیں آتا، نہ کوئی ڈرانے والا اور نہ کوئی دھمکانے والا، نہ ہی کوئی شرطِ عدل یا ددلانے والا، لیکن دوسری شادی کے وقت ہر کوئی عدل کا علمبردار بن کر سامنے آ جاتا ہے اور تعددِ ازواج سے روکنے لگتا ہے۔

ماں اور بیوی کے درمیان بھی عدل ضروری ہے:

پھر یہی عدل اس وقت بھی ضروری ہوتا ہے جب ایک طرف بیوی اور دوسری طرف ماں ہوتی ہے۔ بیوی کے جائز حقوق پورے کرنا اور ساتھ ساتھ ماں کے حقوق اس کے مرتبہ و مقام کے مطابق ادا کرنا ہر اس شخص کے لیے لازمی ہوتا ہے، جس کے نکاح میں صرف ایک عورت ہو، لیکن ساتھ ساتھ اس کی ماں بھی موجود ہو۔ یہ صورتحال بھی ایک مرد کے لیے انتہائی مشکل ہو جاتی ہے جہاں ماں اور بیوی کی صورت میں محبت و قربت کی دعویدار آمنے سامنے ہوتی ہیں۔ ایک وہ ہے جس نے اسے پیدائش کے بعد سے اب تک بالا اور بڑا کیا اور دوسری وہ ہے جو نکاح کے بعد سے مرتے دم تک اس کا ساتھ نبھانے کے لیے تیار ہے۔ ماں اس کو اپنا دیکھنا

چاہتی ہے اور بیوی اس کو اپنے علاوہ کسی اور کا دیکھنا نہیں چاہتی۔ اب کتنے مرد ایسے ہیں جو ہر ایک کو اس کا جائز حق دیتے ہوئے اس کڑی آزمائش سے کامیاب ہو کر گزر جاتے ہیں اور کتنے مرد ایسے ہیں جو کسی ایک طرف جھک جاتے ہیں؟ بلکہ اکثریت انہی مردوں کی ملتی ہے جو بیویوں کی جوان باہوں میں گم ہو کر ماؤں کی بوڑھی شفقت بھری آغوش کو بھول جاتے ہیں اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت برتنے لگتے ہیں۔ اگر ماں اور بیوی دونوں ایک سے بڑھ کر ایک ہوں تو نتیجہ گھریلو زندگی کی تباہی کی صورت میں نکلتا ہے اور مرد بیچارہ دونوں کے درمیان پس کر رہ جاتا ہے۔ ماں اور بیوی کے درمیان قیامِ عدل کی یہ صورتحال اس سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے جب ایک مرد کی دو بیویاں ہوں، لیکن پھر بھی لوگ شرطِ عدل کے خوف سے پہلی شادی کی مخالفت نہیں کرتے اور اس چیز کا غالب گمان ہونے کے باوجود بھی کہ کوئی شادی کے بعد ماں اور بیوی کے درمیان عدل نہ کر سکے گا، اس کی حمایت و نصرت کرتے ہیں اور وہ ماں جس کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا شادی کے بعد اپنی بیوی کا ہو کر رہ جائے گا، اس کا حق تسلیم کرتی ہے اور اس کے لیے رشتے کی تلاش میں گھر گھر پھرتی ہے۔

دیگر معاملات میں بھی عدل کا حکم ہے:

اس کے علاوہ عدل کا حکم ایک یا ایک سے زائد شادیوں کے لیے ہی خاص نہیں، بلکہ کھانے پینے، سونے جاگنے، عبادت اور کام کرنے، کمانے اور خرچ کرنے، غرض زندگی کے ہر معاملے میں شریعت نے عدل کا حکم دیا ہے اور عموماً دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ ان معاملات میں بے عدلی کرتے ہیں، پھر یہی عدل کا حکم صرف مردوں کے لیے خاص نہیں کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل کا معاملہ کریں، بلکہ والدین کو اولاد کے درمیان، اولاد کو والدین کے درمیان، استاد کو شاگردوں کے درمیان، آقا کو غلاموں کے درمیان، حکمران کو اپنی رعایا کے درمیان، غرض ہر انسان کو دوسرے انسانوں کے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو پوری طرح عدل کر پاتے ہیں۔ جب زندگی کے دیگر معاملات و تعلقات کو محض بے عدلی کے بے جا خوف کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاتا اور کسی ایک کی بے عدلی کے نتیجے میں دوسروں کو کنارہ کشی کا درس نہیں دیا جاتا تو پھر تعددِ ازواج کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں؟ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”میرے والد نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا: اس عطیے پر آپ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی، چنانچہ میرے والد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان انصاف کرو، میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔“ (بخاری و مسلم، بکمرے موتی 66/2)

بے عدلی کرنے والوں کا کردار حجت نہیں:

اگر ایک شخص دوسری شادی کے بعد اپنی دوسری بیوی کی طرف اس قدر مائل ہو جاتا ہے کہ پہلی بیوی کو بالکل ہی نظر انداز کر دیتا ہے یا اس سے بدسلوکی اور بے عدلی کرتا ہے تو یہ اس شخص کا ذاتی قصور ہے، وہ اس وجہ سے شریعت کی نظر میں ظالم و مجرم ہے، اس کا حساب قیامت کے دن اسے دینا ہوگا، لیکن اس کے کسی ذاتی فعل کی وجہ سے تعددِ ازواج کے حکم شرعی کی مخالفت کرنا بالکل

چاہتی ہے اور بیوی اس کو اپنے علاوہ کسی اور کا دیکھنا نہیں چاہتی۔ اب کتنے مرد ایسے ہیں جو ہر ایک کو اس کا جائز حق دیتے ہوئے اس کڑی آزمائش سے کامیاب ہو کر گزر جاتے ہیں اور کتنے مرد ایسے ہیں جو کسی ایک طرف جھک جاتے ہیں؟ بلکہ اکثریت انہی مردوں کی ملتی ہے جو بیویوں کی جوان باہوں میں گم ہو کر ماؤں کی بوڑھی شفقت بھری آغوش کو بھول جاتے ہیں اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت برتنے لگتے ہیں۔ اگر ماں اور بیوی دونوں ایک سے بڑھ کر ایک ہوں تو نتیجہ گھر کی زندگی کی تباہی کی صورت میں نکلتا ہے اور مرد بیچارہ دونوں کے درمیان پس کر رہ جاتا ہے۔ ماں اور بیوی کے درمیان قیامِ عدل کی یہ صورتحال اس سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے جب ایک مرد کی دو بیویاں ہوں، لیکن پھر بھی لوگ شرطِ عدل کے خوف سے پہلی شادی کی مخالفت نہیں کرتے اور اس چیز کا غالب گمان ہونے کے باوجود بھی کہ کوئی شادی کے بعد ماں اور بیوی کے درمیان عدل نہ کر سکے گا، اس کی حمایت و نصرت کرتے ہیں اور وہ ماں جس کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا شادی کے بعد اپنی بیوی کا ہو کر رہ جائے گا، اس کا حق تسلیم کرتی ہے اور اس کے لیے رشتے کی تلاش میں گھر گھر پھرتی ہے۔

دیگر معاملات میں بھی عدل کا حکم ہے:

اس کے علاوہ عدل کا حکم ایک یا ایک سے زائد شادیوں کے لیے ہی خاص نہیں، بلکہ کھانے پینے، سونے جانے، عبادت اور کام کرنے، کمانے اور خرچ کرنے، غرض زندگی کے ہر معاملے میں شریعت نے عدل کا حکم دیا ہے اور عموماً دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ ان معاملات میں بے عدلی کرتے ہیں، پھر یہی عدل کا حکم صرف مردوں کے لیے خاص نہیں کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل کا معاملہ کریں، بلکہ والدین کو اولاد کے درمیان، اولاد کو والدین کے درمیان، استاد کو شاگردوں کے درمیان، آقا کو غلاموں کے درمیان، حکمران کو اپنی رعایا کے درمیان، غرض ہر انسان کو دوسرے انسانوں کے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو پوری طرح عدل کر پاتے ہیں۔ جب زندگی کے دیگر معاملات و تعلقات کو محض بے عدلی کے بے جا خوف کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاتا اور کسی ایک کی بے عدلی کے نتیجے میں دوسروں کو کنارہ کشی کا درس نہیں دیا جاتا تو پھر تعددِ ازواج کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں؟ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”میرے والد نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا: اس عطیے پر آپ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی، چنانچہ میرے والد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان انصاف کرو، میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔“ (بخاری و مسلم، بحریۃ موتی 2/66)

بے عدلی کرنے والوں کا کردار حجت نہیں:

اگر ایک شخص دوسری شادی کے بعد اپنی دوسری بیوی کی طرف اس قدر مائل ہو جاتا ہے کہ پہلی بیوی کو بالکل ہی نظر انداز کر دیتا ہے یا اس سے بدسلوکی اور بے عدلی کرتا ہے تو یہ اس شخص کا ذاتی قصور ہے، وہ اس وجہ سے شریعت کی نظر میں ظالم و مجرم ہے، اس کا حساب قیامت کے دن اسے دینا ہوگا، لیکن اس کے کسی ذاتی فعل کی وجہ سے تعددِ ازواج کے حکم شرعی کی مخالفت کرنا بالکل

کرنے کے بعد عدل نہ کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے مجرم بننے سے بہتر ہے کہ ایک ہی شادی پر اکتفاء کیا جائے۔

شرطِ عدل کا مقصد تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی نہیں:

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تعددِ ازواج کو عدل کے ساتھ مشروط فرمایا ہے، یعنی تمام بیویوں کے ساتھ انصاف اور برابری کا معاملہ کرنا ہر اس شخص کے لیے لازمی ہے جو اس پر عمل پیرا ہونا چاہتا ہو، اگر اسے خوف یا غالب گمان ہو کہ عدل نہ کر سکے گا تو اس کے لیے یہ اقدام جائز نہیں۔ اب وہ تمام بیویوں کے درمیان عدل کر سکے گا یا نہیں؟ اس بارے میں اسی کی رائے معتبر ہوگی جو یہ قدم اٹھانے جا رہا ہو، کسی دوسرے کو اپنی رائے ٹھوسنے کی اور اسے خوف دلانے کی اجازت نہیں، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے، لیکن یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ تعددِ ازواج کو عدل کے ساتھ مشروط کرنے کا مطلب اور عدل نہ کرنے کی صورت میں وعید اور تنبیہ کرنے کا مقصد تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی نہیں کہ لوگ اس عمل سے ہی ڈرنا اور کوسوں دور بھاگنا شروع کر دیں، بلکہ اس کا مطلب و مقصد بیویوں کے حقوق کا تحفظ ہے تاکہ مرد اپنی عورتوں پر ظلم و زیادتی کرنے سے باز رہیں اور ان کے درمیان عدل و انصاف کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔

ایک بیوی کی صورت میں بھی عدل کا حکم ہے:

پھر عدل کا حکم صرف متعدد شادیوں کے لیے ہی خاص نہیں، بلکہ ایک شادی کے لیے بھی شریعت کا یہی حکم ہے کہ مرد اپنی عورت کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرے اور اگر اسے خوف ہو کہ وہ ایک بیوی کے ساتھ بھی عدل کر سکے گا تو پھر ایک شادی بھی نہ کرے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ کئی مرد ایسے ہوتے ہیں جو اپنی اکیلی بیویوں کے ساتھ بھی عدل نہیں کر پاتے، نہ ان کو پوری توجہ اور وقت دے پاتے ہیں، نہ ان کے حقوق پوری طرح ادا کر پاتے ہیں اور نہ ہی بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت صحیح انداز میں کر پاتے ہیں، ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسری عورتوں سے عشق لڑا بیٹھتے ہیں اور اپنی بیویوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، وہ بیچاریاں بہت بری طرح سے احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں اور مایوسی و محرومی کے گڑھوں میں پھینک دی جاتی ہیں۔ اس طرح کے مزید برے نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہلی شادی کی مخالفت کرنے والا کوئی بھی نظر نہیں آتا، نہ کوئی ڈرانے والا اور نہ کوئی دھمکانے والا، نہ ہی کوئی شرطِ عدل یا دلدلانے والا، لیکن دوسری شادی کے وقت ہر کوئی عدل کا علمبردار بن کر سامنے آ جاتا ہے اور تعددِ ازواج سے روکنے لگتا ہے۔

ماں اور بیوی کے درمیان بھی عدل ضروری ہے:

پھر یہی عدل اس وقت بھی ضروری ہوتا ہے جب ایک طرف بیوی اور دوسری طرف ماں ہوتی ہے۔ بیوی کے جائز حقوق پورے کرنا اور ساتھ ساتھ ماں کے حقوق اس کے مرتبہ و مقام کے مطابق ادا کرنا ہر اس شخص کے لیے لازمی ہوتا ہے، جس کے نکاح میں صرف ایک عورت ہو، لیکن ساتھ میں اس کی ماں بھی موجود ہو۔ یہ صورتحال بھی ایک مرد کے لیے انتہائی مشکل ہو جاتی ہے جہاں ماں اور بیوی کی صورت میں محبت و قربت کی دعویٰ دار آمنے سامنے ہوتی ہیں۔ ایک وہ ہے جس نے اسے پیدائش کے بعد سے اب تک پالا اور بڑا کیا اور دوسری وہ ہے جو نکاح کے بعد سے مرتے دم تک اس کا ساتھ نبھانے کے لیے تیار ہے۔ ماں اس کو اپنا دیکھنا

نامناسب ہے۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نماز پڑھ کر بے حیائی اور برائی کے کام نہیں چھوڑتے، روزہ رکھ کر برا کام اور بری بات کرتے ہیں اور حج کرنے کے بعد بھی اپنی زندگیوں کو گناہوں سے آلودہ رکھتے ہیں، لیکن ان کے ذاتی افعال کی وجہ سے نماز، روزہ اور حج جیسے قرآنی احکام پر اعتراضات نہیں کیے جاتے اور دوسروں کو ان کی ادائیگی سے نہیں روکا جاتا۔ اسی طرح تعددِ ازواج بھی قرآنی حکم ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اگر کوئی اس کی شرائط کو پورا نہیں کرتا تو یہ اس کی ذاتی کمی و کوتاہی ہے، اس کو نمونہ بنا کر دوسروں کے سامنے صرف اس غرض سے پیش کرنا کہ لوگ اس عمل سے ہی دوری اختیار کر لیں، بالکل درست نہیں۔

شریعت کا معیارِ عدل ہی معتبر ہے:

تعددِ ازواج کے لیے جہاں شریعت نے عدل کا حکم دیا وہاں وہ معیار بھی قائم کیا جس پر پورا اترتے ہوئے کوئی بھی شخص ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے، اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے، لیکن معاشرے میں جب کئی قسم کے لوگوں کا سامنا ہو اور سب کے ذہنوں میں اپنا اپنا قائم شدہ معیارِ عدل ہو تو کوئی بھی شخص اس چیز کا مکلف نہیں کہ ہر ایک کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کرے، یہ کسی کے بس کی بات ہے اور نہ ہی شریعت نے اس کا حکم دیا ہے۔ اس صورت میں شریعت کے معیارِ عدل ہی کو مقدم رکھنا ہوگا اور اسی کے مطابق اقدامات کرنے ہونگے۔ جو لوگ شریعت سے ہٹ کر یا اس سے بڑھ کر معیار قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو تعددِ ازواج کی راہ میں حائل کرتے ہیں، وہ گویا شریعت کے ایک حکم کی حمایت میں دوسرے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ ذیلی حکم کی آڑ میں اصلی حکم سے روگردانی کرتے ہیں، کیونکہ قرآن حکیم میں پہلا حکم تعددِ ازواج کا ہے اور اسی کے ذیل میں دوسرا حکم عدل کا ہے اور ایک سے زائد بیویوں میں عدل کا عملی نفاذ اسی وقت ممکن ہے جب تعددِ ازواج کو عمل میں لایا جائے۔ اس سے پہلے وعظ و نصیحت کے ذریعے عدل کی اہمیت و ضرورت کو سمجھایا تو جاسکتا ہے کہ کوئی بھی عدل کے معاملے میں لاپرواہی برتنے کی کوشش نہ کرے، لیکن عدل کو ایک ”ہوا“ بنا کر اس سے ڈرایا نہیں جاسکتا کہ ہر کوئی اس قدر خوفزدہ ہو جائے کہ اصلی حکم سے ہی دور بھاگنا شروع کر دے۔ اس لیے جب لوگ تعددِ ازواج کے مقابلے میں عدل کو لا کھڑا کرتے ہیں تو ان کا مقصد عدل پسندی و پاسداری نہیں بلکہ تعددِ ازواج کی راہ کو دشوار بنانا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے باقی معاملات زندگی کو اگر دیکھا جائے تو وہاں ان کو عدل کا خیال بھی دامن گیر نہیں ہوتا، لیکن دوسری شادی کے معاملے میں ان سے بڑھ کر عدل کا علمبردار کوئی نہیں ہوتا۔ یہاں وہ بشری کمزوری اور شرعی گنجائش کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے عدل کو اس قدر کڑی شرائط سے جکڑ کر پیش کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک خود کو بے بس و بے دم تصور کرنے لگتا ہے اور تعددِ ازواج کو ترک کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔

ہر چیز میں عدل ممکن نہیں:

تعددِ ازواج کے لیے جس طرح کا عدل لوگوں کو مطلوب ہوتا ہے اس طرح کے عدل کا مطالبہ تو قرآن بھی نہیں کرتا بلکہ یہاں تک فرما دیتا ہے کہ تم چاہنے کے باوجود بھی عدل نہ کر سکو گے، کہیں نہ کہیں تم سے کمی و کوتاہی ضرور ہو جائے گی، اس لیے کم از کم اتنا خیال ضرور رکھنا کہ تمہاری مسلسل بے رخی کی وجہ سے تمہاری کوئی بیوی اس قدر احساسِ محرومی کا شکار نہ ہو جائے کہ خود کو تم سے الگ ہی محسوس کرنے لگے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”تم سے تو یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، چاہے تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کرلو، لیکن ایک کی طرف اتنا بھی نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو معلق ہی چھوڑ دو۔“ (سورۃ النساء: ۱۲۹)

یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی شخص تمام حالات میں اور تمام حیثیتوں سے متعدد بیویوں کے درمیان مساوات قائم نہیں رکھ سکتا۔ ایک خوبصورت ہے اور دوسری بد صورت، ایک جوان ہے اور دوسری سن رسیدہ، ایک دائم المریض ہے اور دوسری تندرست، ایک بد مزاج ہے اور دوسری خوش مزاج اور اسی طرح کے دوسرے تفاوت بھی ممکن ہیں، جن کی وجہ سے ایک بیوی کی طرف طبعاً آدمی کی رغبت کم اور دوسری کی طرف زیادہ ہو سکتی ہے۔ ایسی حالتوں میں شریعت یہ مطالبہ نہیں کرتی کہ محبت و رغبت میں ضرور دونوں کے درمیان عدل کیا جائے، بلکہ صرف یہ مطالبہ کرتی ہے کہ جب تم بے رغبتی کے باوجود ایک عورت کو طلاق نہیں دیتے تو اس سے کم از کم اس حد تک تعلق ضرور رکھو کہ وہ عملاً بے شوہر ہو کر نہ رہ جائے۔ یعنی قلبی معاملات کے علاوہ ظاہری معاملات میں وہ پورا پورا عدل کرے اور کسی بیوی کو یہ احساس نہ ہونے دے کہ اس کا شوہر اسے نظر انداز کرنے لگا ہے۔

عدل مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں:

ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل و مساوات قائم کرنا مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں، کیونکہ تعددِ ازواج اور عدل و انصاف دونوں کا حکم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور اُس نے اپنے بندوں پر کوئی بھی ایسا حکم نازل نہیں فرمایا جو ان کی وسعت و استطاعت سے باہر ہو۔ آخر شریعت کا وہ کون سا حکم ہے جس میں کوئی مشکل نہیں؟ شدید گرمی میں روزہ رکھنا، شدید سردی میں فجر کی نماز کے لیے بستر چھوڑنا اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا، حج کے لیے اتنا لمبا سفر کرنا اور اس کے ارکان کی ادائیگی کے لیے ہمت و سعی کرنا، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تبلیغ و جہاد کرنا اور اس کے لیے گھروں کو چھوڑنا، غرض شریعت کا کوئی بھی حکم مشکل و مشقت سے خالی نہیں اور نہ ہی اس وجہ سے کسی حکم کو چھوڑنے کی اجازت ہے، بلکہ شریعت کے حکم کی تعمیل میں جس قدر مشکل زیادہ ہوگی اس کا اجر بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ پھر شریعت کا وہ حکم جس سے کئی اجتماعی حکمتیں اور مصلحتیں وابستہ ہوں اور موجودہ حالات میں اس کی سخت ضرورت و اہمیت محسوس کی جا رہی ہو اور حکم عدولی کی صورت میں مشکلات میں کئی گنا اضافہ ہو جانے کا سخت اندیشہ ہو تو اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ اس حکم کو عملی صورت دینے کے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو مشکلات و مصائب کا سامنا کرنے کے لیے تیار کیا جائے، تاکہ معاشرے کو ہر طرح کے بگاڑ سے بچایا جاسکے۔ تعددِ ازواج کے ساتھ بھی ایک مشکل امر عدل کا ہے، لہذا اس مشکل سے خود کو بچانے کے لیے اگر تعددِ ازواج کا دروازہ بند کیا گیا تو ایسی کئی مشکلات کے کئی دروازے مزید کھل جائیں گے جن کو بند کرنا پھر کسی کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔ جیسے کہ بچوں کی پرورش و تربیت ایک مشکل ترین کام ہے، لیکن اس مشکل سے خود کو بچانے کے لیے اگر بچوں کی پیدائش کا دروازہ ہی بند کیا گیا تو ازدواجی زندگی ویران ہو جائے گی یا پیدائش کے بعد ان کی پرورش و تربیت میں غفلت برتی گئی تو یہ بچے معاشرے پر ایک بوجھ بن کر سامنے آئیں گے اور ان کی وجہ سے ملک و قوم کو کئی نئی مشکلات و مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

تجارت کی مثال:

جس طرح تعددِ ازواج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اسی طرح تجارت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور جس

نامناسب ہے۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نماز پڑھ کر بے حیائی اور برائی کے کام نہیں چھوڑتے، روزہ رکھ کر برا کام اور بری بات کرتے ہیں اور حج کرنے کے بعد بھی اپنی زندگیوں کو گناہوں سے آلودہ رکھتے ہیں، لیکن ان کے ذاتی افعال کی وجہ سے نماز، روزہ اور حج جیسے قرآنی احکام پر اعتراضات نہیں کیے جاتے اور دوسروں کو ان کی ادائیگی سے نہیں روکا جاتا۔ اسی طرح تعددِ ازواج بھی قرآنی حکم ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اگر کوئی اس کی شرائط کو پورا نہیں کرتا تو یہ اس کی ذاتی کمی و کوتاہی ہے، اس کو نمونہ بنا کر دوسروں کے سامنے صرف اس غرض سے پیش کرنا کہ لوگ اس عمل سے ہی دوری اختیار کر لیں، بالکل درست نہیں۔

شریعت کا معیارِ عدل ہی معتبر ہے:

تعددِ ازواج کے لیے جہاں شریعت نے عدل کا حکم دیا وہاں وہ معیار بھی قائم کیا جس پر پورا اترتے ہوئے کوئی بھی شخص ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے، اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے، لیکن معاشرے میں جب کئی قسم کے لوگوں کا سامنا ہو اور سب کے ذہنوں میں اپنا اپنا قائم شدہ معیارِ عدل ہو تو کوئی بھی شخص اس چیز کا مکلف نہیں کہ ہر ایک کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کرے، یہ کسی کے بس کی بات ہے اور نہ ہی شریعت نے اس کا حکم دیا ہے۔ اس صورت میں شریعت کے معیارِ عدل ہی کو مقدم رکھنا ہوگا اور اسی کے مطابق اقدامات کرنے ہونگے۔ جو لوگ شریعت سے ہٹ کر یا اس سے بڑھ کر معیار قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو تعددِ ازواج کی راہ میں حائل کرتے ہیں، وہ گویا شریعت کے ایک حکم کی حمایت میں دوسرے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ ذیلی حکم کی آڑ میں اصلی حکم سے روگردانی کرتے ہیں، کیونکہ قرآن حکیم میں پہلا حکم تعددِ ازواج کا ہے اور اسی کے ذیل میں دوسرا حکم عدل کا ہے اور ایک سے زائد بیویوں میں عدل کا عملی نفاذ اسی وقت ممکن ہے جب تعددِ ازواج کو عمل میں لایا جائے۔ اس سے پہلے وعظ و نصیحت کے ذریعے عدل کی اہمیت و ضرورت کو سمجھایا تو جاسکتا ہے کہ کوئی بھی عدل کے معاملے میں لاپرواہی برتنے کی کوشش نہ کرے، لیکن عدل کو ایک ”ہوا“ بنا کر اس سے ڈرایا نہیں جاسکتا کہ ہر کوئی اس قدر خوفزدہ ہو جائے کہ اصلی حکم سے ہی دور بھاگنا شروع کر دے۔ اس لیے جب لوگ تعددِ ازواج کے مقابلے میں عدل کو لا کھڑا کرتے ہیں تو ان کا مقصد عدل پسندی و پاسداری نہیں بلکہ تعددِ ازواج کی راہ کو دشوار بنانا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے باقی معاملات زندگی کو اگر دیکھا جائے تو وہاں ان کو عدل کا خیال بھی دامن گیر نہیں ہوتا، لیکن دوسری شادی کے معاملے میں ان سے بڑھ کر عدل کا علمبردار کوئی نہیں ہوتا۔ یہاں وہ بشری کمزوری اور شرعی گنجائش کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے عدل کو اس قدر کڑی شرائط سے جکڑ کر پیش کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک خود کو بے بس و بے دم تصور کرنے لگتا ہے اور تعددِ ازواج کو ترک کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔

ہر چیز میں عدل ممکن نہیں:

تعددِ ازواج کے لیے جس طرح کا عدل لوگوں کو مطلوب ہوتا ہے اس طرح کے عدل کا مطالبہ تو قرآن بھی نہیں کرتا بلکہ یہاں تک فرما دیتا ہے کہ تم چاہنے کے باوجود بھی عدل نہ کر سکو گے، کہیں نہ کہیں تم سے کمی و کوتاہی ضرور ہو جائے گی، اس لیے کم از کم اتنا خیال ضرور رکھنا کہ تمہاری مسلسل بے رخی کی وجہ سے تمہاری کوئی بیوی اس قدر احساسِ محرومی کا شکار نہ ہو جائے کہ خود کو تم سے الگ ہی محسوس کرنے لگے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”تم سے تو یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، چاہے تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کرلو، لیکن ایک کی طرف اتنا بھی نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو مطلق ہی چھوڑ دو۔“ (سورۃ النساء: ۱۲۹)

یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی شخص تمام حالات میں اور تمام حیثیتوں سے متعدد بیویوں کے درمیان مساوات قائم نہیں رکھ سکتا۔ ایک خوبصورت ہے اور دوسری بد صورت، ایک جوان ہے اور دوسری سن رسیدہ، ایک دائم المریض ہے اور دوسری تندرست، ایک بد مزاج ہے اور دوسری خوش مزاج اور اسی طرح کے دوسرے تفاوت بھی ممکن ہیں، جن کی وجہ سے ایک بیوی کی طرف طبعاً آدمی کی رغبت کم اور دوسری کی طرف زیادہ ہو سکتی ہے۔ ایسی حالتوں میں شریعت یہ مطالبہ نہیں کرتی کہ محبت و رغبت میں ضرور دونوں کے درمیان عدل کیا جائے، بلکہ صرف یہ مطالبہ کرتی ہے کہ جب تم بے رغبتی کے باوجود ایک عورت کو طلاق نہیں دیتے تو اس سے کم از کم اس حد تک تعلق ضرور رکھو کہ وہ عملاً بے شوہر ہو کر نہ رہ جائے۔ یعنی قلبی معاملات کے علاوہ ظاہری معاملات میں وہ پورا پورا عدل کرے اور کسی بیوی کو یہ احساس نہ ہونے دے کہ اس کا شوہر اسے نظر انداز کرنے لگا ہے۔

عدل مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں:

ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل و مساوات قائم کرنا مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں، کیونکہ تعددِ ازواج اور عدل و انصاف دونوں کا حکم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور اُس نے اپنے بندوں پر کوئی بھی ایسا حکم نازل نہیں فرمایا جو ان کی وسعت و استطاعت سے باہر ہو۔ آخر شریعت کا وہ کون سا حکم ہے جس میں کوئی مشکل نہیں؟ شدید گرمی میں روزہ رکھنا، شدید سردی میں فجر کی نماز کے لیے بستر چھوڑنا اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا، حج کے لیے اتنا لمبا سفر کرنا اور اس کے ارکان کی ادائیگی کے لیے ہمت و سعی کرنا، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تبلیغ و جہاد کرنا اور اس کے لیے گھروں کو چھوڑنا، غرض شریعت کا کوئی بھی حکم مشکل و مشقت سے خالی نہیں اور نہ ہی اس وجہ سے کسی حکم کو چھوڑنے کی اجازت ہے، بلکہ شریعت کے حکم کی تعمیل میں جس قدر مشکل زیادہ ہوگی اس کا اجر بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ پھر شریعت کا وہ حکم جس سے کئی اجتماعی حکمتیں اور مصلحتیں وابستہ ہوں اور موجودہ حالات میں اس کی سخت ضرورت و اہمیت محسوس کی جا رہی ہو اور حکم عدولی کی صورت میں مشکلات میں کئی گنا اضافہ ہو جانے کا سخت اندیشہ ہو تو اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ اس حکم کو عملی صورت دینے کے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو مشکلات و مصائب کا سامنا کرنے کے لیے تیار کیا جائے، تاکہ معاشرے کو ہر طرح کے بگاڑ سے بچایا جاسکے۔ تعددِ ازواج کے ساتھ بھی ایک مشکل امر عدل کا ہے، لہذا اس مشکل سے خود کو بچانے کے لیے اگر تعددِ ازواج کا دروازہ بند کیا گیا تو ایسی کئی مشکلات کے کئی دروازے مزید کھل جائیں گے جن کو بند کرنا پھر کسی کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔ جیسے کہ بچوں کی پرورش و تربیت ایک مشکل ترین کام ہے، لیکن اس مشکل سے خود کو بچانے کے لیے اگر بچوں کی پیدائش کا دروازہ ہی بند کیا گیا تو ازدواجی زندگی ویران ہو جائے گی یا پیدائش کے بعد ان کی پرورش و تربیت میں غفلت برتی گئی تو یہ بچے معاشرے پر ایک بوجھ بن کر سامنے آئیں گے اور ان کی وجہ سے ملک و قوم کو کئی نئی مشکلات و مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

تجارت کی مثال:

جس طرح تعددِ ازواج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اسی طرح تجارت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور جس

طرح تعددِ ازواج کے لیے اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کی شرط لگائی ہے اسی طرح تجارت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے صدق و سچائی کی شرط لگائی ہے، یعنی تجارت سچ بول کر کی جائے اور جس شخص کو خوف ہو کہ وہ سچی تجارت نہ کر سکے گا تو وہ تجارت نہ کرے، لیکن اس کے بعد بھی اگر کئی لوگ تجارت میں سچ بولنا چھوڑ دیں اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیں کہ تجارت میں سچ بولنا بہت مشکل ہے تو اس وجہ سے ہرگز یہ نہیں کہا جائے گا کہ عمومی طور پر تجارت ہی غلط ہے اور لوگ چونکہ سچ بولتے نہیں اس لیے تجارت ہی سے اجتناب کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو تاجروں کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے جو نقصان لوگوں کو ہو رہا تھا اس سے کہیں زیادہ نقصان اس وقت ہوگا جب سب لوگ تجارت کو ترک کر دیں گے۔ لوگوں کے لیے ضروری اشیاء کا حصول مشکل ہو جائے گا اور ان کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔ اس کا مناسب حل یہی ہے کہ جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت کرنے پر جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں ان پر مطلع کر کے تاجروں کو ڈرایا جائے اور سچ بول کر تجارت کرنے کی ترغیب دی جائے، نہ کہ تجارت ہی سے اجتناب کا مشورہ دیا جائے۔ بالکل اسی طرح اپنی لاعلمی و نادانی کی وجہ سے اگر لوگ متعدد بیویوں میں عدل کرنا چھوڑ دیں اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیں کہ عدل کرنا بہت مشکل ہے تو اس وجہ سے یہ ہرگز نہیں کہنا چاہیے کہ عمومی طور پر تعددِ ازواج ہی غلط ہے اور لوگ چونکہ عدل کرتے نہیں، اس لیے تعددِ ازواج سے اجتناب کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو نالائق مردوں کی بے عدلی کی وجہ سے جو نقصان عورتوں کو ہو رہا تھا اس سے کہیں زیادہ نقصان اس وقت ہوگا جب قابل و لائق مرد بھی تعددِ ازواج کو ترک کر دیں گے۔ ضرورت مند عورتوں کے لیے اچھے رشتوں کا حصول مشکل ہو جائے گا اور وہ بے نکاحی اپنے گھروں میں بیٹھی رہ جائیں گی۔ لہذا اس کا صحیح اور مناسب حل یہ ہے کہ عدل کی اہمیت و فرضیت سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے اور بے عدلی کی صورت میں جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں ان سے متنبہ کیا جائے اور ساتھ میں اس مسئلے کی بھی وضاحت کی جائے کہ جس شخص کو اپنے بارے میں غالب گمان ہو کہ وہ متعدد بیویوں میں عدل نہ کر سکے گا یا ایسا خوف تو نہ ہو، مگر سنجیدگی کے ساتھ متعدد بیویوں میں عدل کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے اسلام کے مبارک فلسفہ تعددِ ازواج کا سہارا لے کر معصوم بیوی کا گھر اجازتاً قرآنی آیات و احکامات کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے اور ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ بے عدلی کے جرم کی وعید کے مستحق ہیں بلکہ ان کی بد عملی کی وجہ سے اس نظریے کی جو بدنامی ہوگی اس کا وبال بھی انہی کی گردنوں پر ہوگا۔

کون عدل کر سکتا ہے؟

سب سے بڑا عدل وہ ہے جو انسان خود اپنے ساتھ کرتا ہے اور سب سے بڑی بے عدلی وہی ہے جو انسان خود اپنے ساتھ کرتا ہے۔ جو انسان احکاماتِ شریعت کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور خود کو جنت کی نعمتوں اور راحتوں سے قریب کرتا ہے وہ گویا اپنی جان کے ساتھ یعنی اپنے ساتھ عدل کرتا ہے۔ ایسے ہی انسان سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ زندگی کے باقی معاملات میں بھی عدل کرے گا اور جب تعددِ ازواج پر عمل کرے گا تو یقیناً اس میں بھی عدل کا معاملہ کرے گا۔ اس کے برعکس جو انسان احکاماتِ شریعت سے روگردانی کرتا ہے اور خود کو جہنم کی زحمتوں اور اذیتوں سے قریب کرتا ہے وہ گویا اپنی جان کے ساتھ یعنی اپنے ساتھ بے عدلی کرتا ہے۔ لہذا وہ انسان جو خود اپنے اوپر سب سے بڑا ظلم کرتا ہو تو وہ دوسروں کے ساتھ کیا عدل کرے گا! وہ زندگی کے باقی معاملات کی طرح تعددِ ازواج کے معاملے میں بھی بے عدلی کا مظاہرہ کرے گا اور سب کے لیے وبال جان بنے گا۔

بے عدلی کی صورت میں تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے:

آج کل دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ اپنی ایک بیوی اور اس کی اولاد کے حقوق بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے اور وہ زندگی کے تمام شعبوں میں حقوق کی مناسب ادائیگی میں ناکام رہتے ہیں۔ ایسے لوگ کئی نقائص اور خامیوں کے باوجود جب دوسری شادی رچا بیٹھتے ہیں تو وہ اپنی دو بیویوں اور ان کی اولاد کے حقوق کی بجا آوری میں بری طرح ناکام ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگیاں مایوسیوں اور ناکامیوں سے عبارت رہتی ہیں اور وہ بہت سے ایسے مسائل سے دوچار ہو جاتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ان کے لیے انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ بعض ایسے بد بخت بھی ہوتے ہیں کہ جن کی بیویاں کھلے دل سے انہیں دوسری شادی کی اجازت دے دیتی ہیں بلکہ رشتے کی تلاش میں ان کی معاونت بھی کرتی ہیں، مگر وہ ان مخلص بیویوں کے جذبے اور حوصلے کی قدر نہیں کر پاتے اور دوسری بیویوں کی طرف اتنا زیادہ مائل ہو جاتے ہیں کہ پہلی بیویوں کو معلق کر کے رکھ دیتے ہیں اور وہ بیچاریاں اپنے شوہروں کی طرف سے غیر معمولی عدم توجہی کے باعث شدید احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں، مگر تمام حالات کا علم ہوتے ہوئے بھی ان کے شوہروں کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا نہیں ہوتا۔ اس کو یقیناً ظلم ہی کہا جائے گا، لیکن اس کی وجہ سے بھی تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت کم نہیں بلکہ مزید بڑھ جاتی ہے، کیونکہ ان بے بس و بے کس عورتوں کو ظلم سے نجات دلانے کے لیے ضروری ہے کہ ظالم شوہروں کی قید سے نجات دلا کر ان کو ایسے مردوں کے نکاح میں دے دیا جائے جو پہلے سے شادی شدہ ہوں مگر دین دار و ذمہ دار ہوں اور دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کے ذریعے اس طرح کی عورتوں کو عزت و تحفظ فراہم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

”اور اگر میرا بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا، اللہ تعالیٰ تو وسعت والا، حکمت والا ہے۔“ (سورۃ النساء: 130)

اس کے علاوہ بہت سی عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو کنوارے پن کے باوجود بے نکاحی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور مناسب رشتے نہ ملنے کی وجہ سے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں اور اپنوں ہی کے ظلم و ستم کا شکار ہو جاتی ہیں یا پھر گھروں سے باہر نکل کر غیروں کی حرص و ہوس کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ یہ عورتیں بھی عدل کی مستحق ٹھہرتی ہیں اور ان کے ساتھ سب سے بڑا عدل یہ ہے کہ ان کے نکاح کا انتظام کیا جائے، جو تعددِ ازواج کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ لہذا جس عدل کی بنیاد پر چند ایک صورتوں میں تعددِ ازواج کی مخالفت کی جاتی ہے اسی عدل کی ضرورت و اہمیت کو یکساں طور پر سامنے رکھتے ہوئے کئی ایک صورتوں میں تعددِ ازواج کی بنیاد پر عدل کی فراہمی ضروری ہو جاتی ہے۔

(7) علمائے کرام بھی تو دوسری شادی نہیں کرتے:

حدیث میں علماء کو انبیاء کا وارث فرمایا گیا ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنے ورثے میں علمِ دین کے سوا دنیا کا کوئی مال و متاع نہیں چھوڑتے اور وہ علمِ دین علمائے کرام کی طرف منتقل ہوتا ہے، جس وجہ سے وہ ”ورثۃ الانبیاء“ کا عالی مقام پاتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول بن کر اس دنیا میں تشریف لائے اور اپنے ساتھ وہ شریعت لے کر آئے جو قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے پوری انسانیت کے لیے دستور العمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب

طرح تعددِ ازواج کے لیے اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کی شرط لگائی ہے اسی طرح تجارت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے صدق و سچائی کی شرط لگائی ہے، یعنی تجارت سچ بول کر کی جائے اور جس شخص کو خوف ہو کہ وہ سچی تجارت نہ کر سکے گا تو وہ تجارت نہ کرے، لیکن اس کے بعد بھی اگر کئی لوگ تجارت میں سچ بولنا چھوڑ دیں اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیں کہ تجارت میں سچ بولنا بہت مشکل ہے تو اس وجہ سے ہرگز یہ نہیں کہا جائے گا کہ عمومی طور پر تجارت ہی غلط ہے اور لوگ چونکہ سچ بولتے نہیں اس لیے تجارت ہی سے اجتناب کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو تاجروں کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے جو نقصان لوگوں کو ہو رہا تھا اس سے کہیں زیادہ نقصان اس وقت ہوگا جب سب لوگ تجارت کو ترک کر دیں گے۔ لوگوں کے لیے ضروری اشیاء کا حصول مشکل ہو جائے گا اور ان کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔ اس کا مناسب حل یہی ہے کہ جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت کرنے پر جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں ان پر مطلع کر کے تاجروں کو ڈرایا جائے اور سچ بول کر تجارت کرنے کی ترغیب دی جائے، نہ کہ تجارت ہی سے اجتناب کا مشورہ دیا جائے۔ بالکل اسی طرح اپنی لاعلمی و نادانی کی وجہ سے اگر لوگ متعدد بیویوں میں عدل کرنا چھوڑ دیں اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیں کہ عدل کرنا بہت مشکل ہے تو اس وجہ سے یہ ہرگز نہیں کہنا چاہیے کہ عمومی طور پر تعددِ ازواج ہی غلط ہے اور لوگ چونکہ عدل کرتے نہیں، اس لیے تعددِ ازواج سے اجتناب کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو نالائق مردوں کی بے عدلی کی وجہ سے جو نقصان عورتوں کو ہو رہا تھا اس سے کہیں زیادہ نقصان اس وقت ہوگا جب قابل و لائق مرد بھی تعددِ ازواج کو ترک کر دیں گے۔ ضرورت مند عورتوں کے لیے اچھے رشتوں کا حصول مشکل ہو جائے گا اور وہ بے نکاحی اپنے گھروں میں بیٹھی رہ جائیں گی۔ لہذا اس کا صحیح اور مناسب حل یہ ہے کہ عدل کی اہمیت و فرضیت سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے اور بے عدلی کی صورت میں جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں ان سے متنبہ کیا جائے اور ساتھ میں اس مسئلے کی بھی وضاحت کی جائے کہ جس شخص کو اپنے بارے میں غالب گمان ہو کہ وہ متعدد بیویوں میں عدل نہ کر سکے گا یا ایسا خوف تو نہ ہو، مگر سنجیدگی کے ساتھ متعدد بیویوں میں عدل کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے اسلام کے مبارک فلسفہ تعددِ ازواج کا مہارا لے کر معصوم بیوی کا گھر اجازتاً قرآنی آیات و احکامات کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے اور ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ بے عدلی کے جرم کی وعید کے مستحق ہیں بلکہ ان کی بد عملی کی وجہ سے اس نظریے کی جو بدنامی ہوگی اس کا وبال بھی انہی کی گردنوں پر ہوگا۔

کون عدل کر سکتا ہے؟

سب سے بڑا عدل وہ ہے جو انسان خود اپنے ساتھ کرتا ہے اور سب سے بڑی بے عدلی وہی ہے جو انسان خود اپنے ساتھ کرتا ہے۔ جو انسان احکاماتِ شریعت کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور خود کو جنت کی نعمتوں اور راحتوں سے قریب کرتا ہے وہ گویا اپنی جان کے ساتھ یعنی اپنے ساتھ عدل کرتا ہے۔ ایسے ہی انسان سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ زندگی کے باقی معاملات میں بھی عدل کرے گا اور جب تعددِ ازواج پر عمل کرے گا تو یقیناً اس میں بھی عدل کا معاملہ کرے گا۔ اس کے برعکس جو انسان احکاماتِ شریعت سے روگردانی کرتا ہے اور خود کو جہنم کی زحمتوں اور اذیتوں سے قریب کرتا ہے وہ گویا اپنی جان کے ساتھ یعنی اپنے ساتھ بے عدلی کرتا ہے۔ لہذا وہ انسان جو خود اپنے اوپر سب سے بڑا ظلم کرتا ہو تو وہ دوسروں کے ساتھ کیا عدل کرے گا! وہ زندگی کے باقی معاملات کی طرح تعددِ ازواج کے معاملے میں بھی بے عدلی کا مظاہرہ کرے گا اور سب کے لیے وبال جان بنے گا۔

بے عدلی کی صورت میں تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے:

آج کل دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ اپنی ایک بیوی اور اس کی اولاد کے حقوق بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے اور وہ زندگی کے تمام شعبوں میں حقوق کی مناسب ادائیگی میں ناکام رہتے ہیں۔ ایسے لوگ کئی نقائص اور خامیوں کے باوجود جب دوسری شادی رچا بیٹھتے ہیں تو وہ اپنی دو بیویوں اور ان کی اولاد کے حقوق کی بجا آوری میں بری طرح ناکام ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگیاں مایوسیوں اور ناکامیوں سے عبارت رہتی ہیں اور وہ بہت سے ایسے مسائل سے دوچار ہو جاتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ان کے لیے انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ بعض ایسے بد بخت بھی ہوتے ہیں کہ جن کی بیویاں کھلے دل سے انہیں دوسری شادی کی اجازت دے دیتی ہیں بلکہ رشتے کی تلاش میں ان کی معاونت بھی کرتی ہیں، مگر وہ ان مخلص بیویوں کے جذبے اور حوصلے کی قدر نہیں کر پاتے اور دوسری بیویوں کی طرف اتنا زیادہ مائل ہو جاتے ہیں کہ پہلی بیویوں کو معلق کر کے رکھ دیتے ہیں اور وہ بیچاریاں اپنے شوہروں کی طرف سے غیر معمولی عدم توجہی کے باعث شدید احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں، مگر تمام حالات کا علم ہوتے ہوئے بھی ان کے شوہروں کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا نہیں ہوتا۔ اس کو یقیناً ظلم ہی کہا جائے گا، لیکن اس کی وجہ سے بھی تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت کم نہیں بلکہ مزید بڑھ جاتی ہے، کیونکہ ان بے بس و بے کس عورتوں کو ظلم سے نجات دلانے کے لیے ضروری ہے کہ ظالم شوہروں کی قید سے نجات دلا کر ان کو ایسے مردوں کے نکاح میں دے دیا جائے جو پہلے سے شادی شدہ ہوں مگر دین دار و ذمہ دار ہوں اور دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کے ذریعے اس طرح کی عورتوں کو عزت و تحفظ فراہم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

”اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا، اللہ تعالیٰ تو وسعت والا، حکمت والا ہے۔“ (سورۃ النساء: 130)

اس کے علاوہ بہت سی عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو کنوارے پن کے باوجود بے نکاحی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور مناسب رشتے نہ ملنے کی وجہ سے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں اور اپنوں ہی کے ظلم و ستم کا شکار ہو جاتی ہیں یا پھر گھروں سے باہر نکل کر غیروں کی حرص و ہوس کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ یہ عورتیں بھی عدل کی مستحق ٹھہرتی ہیں اور ان کے ساتھ سب سے بڑا عدل یہ ہے کہ ان کے نکاح کا انتظام کیا جائے، جو تعددِ ازواج کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ لہذا جس عدل کی بنیاد پر چند ایک صورتوں میں تعددِ ازواج کی مخالفت کی جاتی ہے اسی عدل کی ضرورت و اہمیت کو یکساں طور پر سامنے رکھتے ہوئے کئی ایک صورتوں میں تعددِ ازواج کی بنیاد پر عدل کی فراہمی ضروری ہو جاتی ہے۔

(7) علمائے کرام بھی تو دوسری شادی نہیں کرتے:

حدیث میں علماء کو انبیاء کا وارث فرمایا گیا ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنے ورثے میں علمِ دین کے سوا دنیا کا کوئی مال و متاع نہیں چھوڑتے اور وہ علمِ دین علمائے کرام کی طرف منتقل ہوتا ہے، جس وجہ سے وہ ”ورثۃ الانبیاء“ کا عالی مقام پاتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول بن کر اس دنیا میں تشریف لائے اور اپنے ساتھ وہ شریعت لے کر آئے جو قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے پوری انسانیت کے لیے دستور العمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب

اعضاء حتی کہ نفس کا روزہ حرص و شہوتوں سے بچنا، دل کا روزہ حُب دنیا سے خالی رکھنا، روح کا روزہ آخرت کی لذتوں سے بھی احتراز اور سِرِّ خاص کا روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔ (فضائل اعمال ص: 666)

اس کے باوجود کتنے لوگ ایسے ہیں جو گناہوں سے بچ کر روزے کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں؟ لیکن اس وقت یہ نہیں کہا جاتا کہ اس دور میں چونکہ لوگ روزہ رکھ کر گناہ سے بچتے نہیں یا ان میں گناہ سے بچنے کی طاقت نہیں، اس لیے روزے سے اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق پوچھا کہ ”بے شک! نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی نماز ایسی نہ ہو جو اس کو بے حیائی اور برے کاموں سے نہ روکے تو وہ نماز ہی نہیں۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو نماز کی اطاعت نہ کرے تو اس کی نماز ہی کیا اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی اور بری باتوں سے رُکے۔ (الدرد المنثور، فضائل اعمال ص: 371)

اس کے باوجود کتنے لوگ ایسے ہیں جو نماز پڑھ کر بے حیائی اور برے کاموں سے بچتے ہیں؟ لیکن اس وقت یہ نہیں کہا جاتا کہ اس دور میں چونکہ لوگ نماز پڑھ کر بے حیائی اور برے کاموں سے بچتے نہیں یا ان میں بچنے کی طاقت نہیں، اس لیے نماز سے اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے۔ یہ الٹی منطق صرف تعددِ ازواج کے وقت ہی استعمال کی جاتی ہے۔

ii) جب اکابرین عدل نہ کر سکے تو علماء کیسے کر سکتے ہیں؟

ماضی قریب کے اکابرین میں سے اگر کسی نے تعددِ ازواج کو اپنایا، مگر اس سے کوئی مثبت نتیجہ حاصل نہ ہو سکا، بیک وقت دو بیویوں کے ساتھ نباہ نہ ہو سکا یا ان کے درمیان عدل نہ ہو سکا یا دونوں بیویوں کی آپس میں نہ بن سکی، جس وجہ سے انہوں نے تعددِ ازواج سے دور رہنے میں ہی عافیت جانی اور اپنے معتقدین کو بھی اس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی تو اسے محض ذاتی تجربے کی بنیاد پر مشورہ تو کہا جاسکتا ہے، لیکن تعددِ ازواج سے اجتناب کا سبب نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ تعددِ ازواج کی ضرورت جن وجوہات کی بنا پر پیش آتی ہے، وہ تمام وجوہات ان حضرات کے پیش نظر نہ تھیں، جن کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ ان حضرات نے تعددِ ازواج کی عملی ترغیب یا کسی معاشرتی ضرورت کی خاطر نہیں، بلکہ چند ذاتی وجوہات و ضروریات کی بنا پر دوسری شادی کا اقدام کیا۔

جیسا کہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی بیوی کے انتقال پر اخیر عمر میں دوسری شادی کی تھی، حالانکہ اس وقت مولانا کی عمر سو برس سے اوپر تھی، محض اس وجہ سے کہ حضرت کو ناسور کا مرض ہو گیا تھا، اس کی دیکھ بھال سوائے بیوی کے ہو نہیں سکتی تھی، وہ بیچاری برابر اپنے ہاتھ سے شب و روز میں کئی مرتبہ زخم دھوتی تھیں، صاف کرتی تھیں، نہایت خوشی کے ساتھ کوئی گرانی یا نفرت ان کو نہ ہوتی تھی، دنیا میں کوئی اس تعلق کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ حضرت حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخر عمر میں دوسرا نکاح کیا جب پہلی بیوی صاحبہ نابینا ہو گئی تھیں، یہ بیوی حضرت کی بھی خدمت کرتیں اور سوکن صاحبہ کی بھی۔

(اسلامی شادی، تحفہ ذہن ص: 108)

اسی طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی چند ذاتی وجوہات کی بنا پر دوسری شادی کا اقدام کیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی معاملات ایسے ہوتے ہیں جن سے ہمارے بڑے اچھے نتائج حاصل نہیں کر پاتے، لیکن کسی بھی معاملے کی اگر

ضرورت پیش آجائے تو ان نتائج و تجربات کی بنیاد پر اس معاملے سے پیچھے نہیں ہٹا جاتا، بلکہ ان وجوہات و تدابیر پر غور کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے کوئی بھی معاملہ بگڑ یا سنور سکتا ہے۔ جب اُس وقت یہ نہیں کہا جاتا کہ ہمارے بڑے یہ نہ کر سکے تو ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ تو عدل کے معاملے میں بھی یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ”جب ہمارے اکابرین عدل نہ کر سکے تو ہم کیسے کر سکتے ہیں؟“ اور اسی وجہ سے ”ہمارے اکابرین نے تعددِ ازواج کو اپنانے، اس کی ترغیب دینے اور اس کو رواج دینے سے اجتناب فرمایا۔“ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں بھی اس طرح کی مثالیں ملتی ہیں کہ پہلی، دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کے بعد کسی زوجہ سے نہ بن سکی یا ازواج کی آپس میں نہ بن سکی یا کسی بھی وجہ سے نباہ کی صورت مشکل ہو گئی اور خلع یا طلاق کی ضرورت پیش آ گئی، لیکن اس وجہ سے ان کے بعد آنے والے تابعین و تبع تابعین نے کبھی بھی ترکِ تعددِ ازواج کا مشورہ نہ دیا اور نہ ہی اس کو حکمت و مصلحت کے خلاف جانا، بلکہ خود بھی تعددِ ازواج کو اپنایا اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم و ترغیب فرمائی۔

iii) جب علماء عدل نہیں کر پاتے تو عوام کیسے کرے گی؟

عدل وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں خشیتِ الہی اور عمل میں مشیتِ الہی ہو۔ عدل کے ضروری احکام و مسائل جاننے کے لیے یہ تو ضروری ہے کہ علمائے کرام سے رجوع کرتا ہو، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ خود بھی باقاعدہ عالم ہو۔ تقویٰ ہی وہ اصلی جوہر ہے جو انسان کو کسی بھی حکمِ شریعت پر عمل کرنے کے لیے ابھارتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔ اگر تقویٰ ہو تو ایک عام انسان بھی شریعت کی نظر میں بلند مقام حاصل کر لیتا ہے اور اس عالم سے بھی افضل ہو جاتا ہے جو راہِ تقویٰ کو جانتا تو ہے لیکن اس پر قدم نہیں جھاتا اور اگر تقویٰ نہ ہو تو عوام و خواص سب برابر ہو جاتے ہیں، بلکہ اس صورت میں ایک عام مسلمان سے زیادہ ایک عالم کے لیے زیادہ سخت و عید ہے۔ لہذا علمائے کرام کا یہ کہنا کہ ”ہم علماء عدل نہیں کر پاتے تو عام لوگوں سے عدل کیسے ہو پائے گا؟“ عجب اور خود پسندی پر دلالت کرتا ہے، جس کی کسی طرح بھی گنجائش نہیں۔ عدل کے علاوہ بھی کئی معاملات دین ایسے ہیں جن میں علمائے کرام سے زیادہ عام لوگ فعال نظر آتے ہیں اور کئی خدمات دین ایسی ہیں جو علمائے کرام کی نسبت عوام سے زیادہ سرانجام پاتی ہیں، جن میں سب سے بڑی اور نمایاں خدمت ”انفاق فی سبیل اللہ“ یعنی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ اُس وقت جب یہ نہیں کہا جاتا کہ ”علماء نہیں کر سکتے تو عام لوگ کیسے کریں گے؟“ تو عدل کے معاملے میں بھی یہ کہنا درست نہ ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ اور دیگر خدمات دین کے لیے عوام کو ترغیب دینے والے اور تیار کرنے والے یہی علمائے کرام ہیں، لیکن جس طرح دیگر احکاماتِ شریعت اور خدمات دین کے لیے عوام کو راغب کیا جاتا ہے، ایک سے زائد بیویوں کے درمیان قیامِ عدل کے لیے بھی عوام کو اسی طرح ترغیب دی جانی چاہیے۔

شوہر کا عدل کرنا حاکم کے عدل کرنے سے زیادہ آسان ہے:

ایک شوہر کے لیے دو بیویوں کے درمیان عدل کرنے سے کئی گنا زیادہ مشکل ایک حاکم کے لیے پوری رعایا کے ساتھ عدل کرنا ہے اور اس کے لیے بھی حاکم کا متقی و پرہیزگار ہونا لازمی ہے، عالم و فاضل ہونا لازمی نہیں۔ پیچیدہ صورتحال میں جس طرح عام لوگ علمائے کرام سے رجوع کرتے ہیں، وقت کا حاکم بھی کر سکتا ہے اور علمائے کرام کی رہنمائی میں ان کی ہدایات کے مطابق کار

اعضاء حتی کہ نفس کا روزہ حرص و شہوتوں سے بچنا، دل کا روزہ حُب دنیا سے خالی رکھنا، روح کا روزہ آخرت کی لذتوں سے بھی احتراز اور سِرِّ خاص کا روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔ (فضائل اعمال ص: 666)

اس کے باوجود کتنے لوگ ایسے ہیں جو گناہوں سے بچ کر روزے کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں؟ لیکن اس وقت یہ نہیں کہا جاتا کہ اس دور میں چونکہ لوگ روزہ رکھ کر گناہ سے بچتے نہیں یا ان میں گناہ سے بچنے کی طاقت نہیں، اس لیے روزے سے اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق پوچھا کہ ”بے شک! نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی نماز ایسی نہ ہو جو اس کو بے حیائی اور برے کاموں سے نہ روکے تو وہ نماز ہی نہیں۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو نماز کی اطاعت نہ کرے تو اس کی نماز ہی کیا اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی اور بری باتوں سے رُکے۔ (الدرد المنثور، فضائل اعمال ص: 371)

اس کے باوجود کتنے لوگ ایسے ہیں جو نماز پڑھ کر بے حیائی اور برے کاموں سے بچتے ہیں؟ لیکن اس وقت یہ نہیں کہا جاتا کہ اس دور میں چونکہ لوگ نماز پڑھ کر بے حیائی اور برے کاموں سے بچتے نہیں یا ان میں بچنے کی طاقت نہیں، اس لیے نماز سے اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے۔ یہ الٹی منطق صرف تعددِ ازواج کے وقت ہی استعمال کی جاتی ہے۔

ii) جب اکابرین عدل نہ کر سکے تو علماء کیسے کر سکتے ہیں؟

ماضی قریب کے اکابرین میں سے اگر کسی نے تعددِ ازواج کو اپنایا، مگر اس سے کوئی مثبت نتیجہ حاصل نہ ہو سکا، بیک وقت دو بیویوں کے ساتھ نباہ نہ ہو سکا یا ان کے درمیان عدل نہ ہو سکا یا دونوں بیویوں کی آپس میں نہ بن سکی، جس وجہ سے انہوں نے تعددِ ازواج سے دور رہنے میں ہی عافیت جانی اور اپنے معتقدین کو بھی اس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی تو اسے محض ذاتی تجربے کی بنیاد پر مشورہ تو کہا جاسکتا ہے، لیکن تعددِ ازواج سے اجتناب کا سبب نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ تعددِ ازواج کی ضرورت جن وجوہات کی بنا پر پیش آتی ہے، وہ تمام وجوہات ان حضرات کے پیش نظر نہ تھیں، جن کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ ان حضرات نے تعددِ ازواج کی عملی ترغیب یا کسی معاشرتی ضرورت کی خاطر نہیں، بلکہ چند ذاتی وجوہات و ضروریات کی بنا پر دوسری شادی کا اقدام کیا۔

جیسا کہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی بیوی کے انتقال پر اخیر عمر میں دوسری شادی کی تھی، حالانکہ اس وقت مولانا کی عمر سو برس سے اوپر تھی، محض اس وجہ سے کہ حضرت کو ناسور کا مرض ہو گیا تھا، اس کی دیکھ بھال سوائے بیوی کے ہو نہیں سکتی تھی، وہ بیچاری برابر اپنے ہاتھ سے شب و روز میں کئی مرتبہ زخم دھوتی تھیں، صاف کرتی تھیں، نہایت خوشی کے ساتھ کوئی گرانی یا نفرت ان کو نہ ہوتی تھی، دنیا میں کوئی اس تعلق کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ حضرت حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخر عمر میں دوسرا نکاح کیا جب پہلی بیوی صاحبہ نابینا ہو گئی تھیں، یہ بیوی حضرت کی بھی خدمت کرتیں اور سوکن صاحبہ کی بھی۔

(اسلامی شادی، تحفہ ذہن ص: 108)

اسی طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی چند ذاتی وجوہات کی بنا پر دوسری شادی کا اقدام کیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی معاملات ایسے ہوتے ہیں جن سے ہمارے بڑے اچھے نتائج حاصل نہیں کر پاتے، لیکن کسی بھی معاملے کی اگر

ضرورت پیش آجائے تو ان نتائج و تجربات کی بنیاد پر اس معاملے سے پیچھے نہیں ہٹا جاتا، بلکہ ان وجوہات و تدابیر پر غور کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے کوئی بھی معاملہ بگڑ یا سنور سکتا ہے۔ جب اُس وقت یہ نہیں کہا جاتا کہ ہمارے بڑے یہ نہ کر سکے تو ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ تو عدل کے معاملے میں بھی یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ”جب ہمارے اکابرین عدل نہ کر سکے تو ہم کیسے کر سکتے ہیں؟“ اور اسی وجہ سے ”ہمارے اکابرین نے تعددِ ازواج کو اپنانے، اس کی ترغیب دینے اور اس کو رواج دینے سے اجتناب فرمایا“۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں بھی اس طرح کی مثالیں ملتی ہیں کہ پہلی، دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کے بعد کسی زوجہ سے نہ بن سکی یا ازواج کی آپس میں نہ بن سکی یا کسی بھی وجہ سے نباہ کی صورت مشکل ہو گئی اور خلع یا طلاق کی ضرورت پیش آ گئی، لیکن اس وجہ سے ان کے بعد آنے والے تابعین و تبع تابعین نے کبھی بھی ترکِ تعددِ ازواج کا مشورہ نہ دیا اور نہ ہی اس کو حکمت و مصلحت کے خلاف جانا، بلکہ خود بھی تعددِ ازواج کو اپنایا اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم و ترغیب فرمائی۔

iii) جب علماء عدل نہیں کر پاتے تو عوام کیسے کرے گی؟

عدل وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں خشیتِ الہی اور عمل میں مشیتِ الہی ہو۔ عدل کے ضروری احکام و مسائل جاننے کے لیے یہ تو ضروری ہے کہ علمائے کرام سے رجوع کرتا ہو، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ خود بھی باقاعدہ عالم ہو۔ تقویٰ ہی وہ اصلی جوہر ہے جو انسان کو کسی بھی حکمِ شریعت پر عمل کرنے کے لیے ابھارتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔ اگر تقویٰ ہو تو ایک عام انسان بھی شریعت کی نظر میں بلند مقام حاصل کر لیتا ہے اور اس عالم سے بھی افضل ہو جاتا ہے جو راہِ تقویٰ کو جانتا تو ہے لیکن اس پر قدم نہیں جھاتا اور اگر تقویٰ نہ ہو تو عوام و خواص سب برابر ہو جاتے ہیں، بلکہ اس صورت میں ایک عام مسلمان سے زیادہ ایک عالم کے لیے زیادہ سخت و عید ہے۔ لہذا علمائے کرام کا یہ کہنا کہ ”ہم علماء عدل نہیں کر پاتے تو عام لوگوں سے عدل کیسے ہو پائے گا؟“ عجب اور خود پسندی پر دلالت کرتا ہے، جس کی کسی طرح بھی گنجائش نہیں۔ عدل کے علاوہ بھی کئی معاملات دین ایسے ہیں جن میں علمائے کرام سے زیادہ عام لوگ فعال نظر آتے ہیں اور کئی خدمات دین ایسی ہیں جو علمائے کرام کی نسبت عوام سے زیادہ سرانجام پاتی ہیں، جن میں سب سے بڑی اور نمایاں خدمت ”انفاق فی سبیل اللہ“ یعنی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ اُس وقت جب یہ نہیں کہا جاتا کہ ”علماء نہیں کر سکتے تو عام لوگ کیسے کریں گے؟“ تو عدل کے معاملے میں بھی یہ کہنا درست نہ ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ اور دیگر خدمات دین کے لیے عوام کو ترغیب دینے والے اور تیار کرنے والے یہی علمائے کرام ہیں، لیکن جس طرح دیگر احکاماتِ شریعت اور خدماتِ دین کے لیے عوام کو راغب کیا جاتا ہے، ایک سے زائد بیویوں کے درمیان قیامِ عدل کے لیے بھی عوام کو اسی طرح ترغیب دی جانی چاہیے۔

شوہر کا عدل کرنا حاکم کے عدل کرنے سے زیادہ آسان ہے:

ایک شوہر کے لیے دو بیویوں کے درمیان عدل کرنے سے کئی گنا زیادہ مشکل ایک حاکم کے لیے پوری رعایا کے ساتھ عدل کرنا ہے اور اس کے لیے بھی حاکم کا متقی و پرہیزگار ہونا لازمی ہے، عالم و فاضل ہونا لازمی نہیں۔ پیچیدہ صورتحال میں جس طرح عام لوگ علمائے کرام سے رجوع کرتے ہیں، وقت کا حاکم بھی کر سکتا ہے اور علمائے کرام کی رہنمائی میں ان کی ہدایات کے مطابق کار

حکومت عدل کے ساتھ چلا سکتا ہے، مگر آج کے بے دین و بے پروا حکمران نہ تو عدل کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ ہی اس بارے میں علمائے کرام سے رجوع کرنا پسند کرتے ہیں۔ وہ جابر و ظالم بن کر قوم پر مسلط ہوتے ہیں اور عدل و انصاف کی دھجیاں اڑاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود علمائے کرام ان کے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ رعایا کے ساتھ عدل کا معاملہ کریں اور راہِ راست کو اپنائیں، اس سلسلے میں اگر کوئی حکمران رجوع کرنا چاہے تو علمائے کرام اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی رہنمائی و حوصلہ افزائی کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ علمائے کرام کے اس رویے میں یقیناً حکمت و مصلحت ہوتی ہے، لیکن یہی رویہ اس وقت بھی اپنایا جانا چاہیے جب کوئی دین دار و ذمہ دار شخص عدل کا مسم ارادہ رکھتے ہوئے دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، اور کسی مجبور مسلمان عورت کی کفالت و حفاظت کا ذمہ دار بن کر اس کو سہارا دینا چاہتا ہے۔ فتنہ و فساد اور فحاشی و عریانی کے اس دور میں وہ خود بھی معصیت سے دور رہنا چاہتا ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی بچانا چاہتا ہے۔ اس وقت بہت کم علمائے کرام ایسے ہوتے ہیں جو ایسے شخص کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس کی رہنمائی و حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور اس کے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ دونوں بیویوں کے درمیان عدل کا معاملہ کر سکے۔ اکثر علمائے کرام اُس وقت حقائق سے منہ موڑتے ہوئے اس کی بھرپور حوصلہ شکنی کرتے ہیں اور اس کو قائل کرنے کے لیے دوسری شادی کے اتنے زیادہ منفی نتائج اور شدید نقصانات بیان کرتے ہیں کہ کسی طرح وہ دوسری شادی سے باز آجائے۔

(iv) اس زمانے میں دوسری شادی باعثِ فتنہ ہے:

بعض علمائے کرام کی جانب سے یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں لوگ دوسری شادی کرنے پر اتنا ہنگامہ اور فتنہ کھڑا کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔۔۔ اور فتنہ و فساد تو قتل سے بھی بدتر ہے، اس لیے فتنہ و فساد کو جنم دینے سے بہتر ہے کہ دوسری شادی سے ہی اجتناب کیا جائے۔

دوسری شادی سے اجتناب اور فتنوں کی بھرمار:

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ دوسری شادی کے ارتکاب کی وجہ سے ایک فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے اور فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے، لیکن دوسری شادی سے اجتناب کی وجہ سے کئی عورتیں بے نکاحی رہ جاتی ہیں اور مرد بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرتی و اخلاقی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور بے حیائی و فحاشی کی صورت میں ایسے نئے نئے فتنے جنم لیتے ہیں، جو دوسری شادی کے ارتکاب کی وجہ سے پیدا ہونے والے فتنوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں ضروری ہو جاتا ہے کہ کئی بڑے فتنوں سے بچنے کے لیے ایک چھوٹے فتنے کا مقابلہ کیا جائے۔ پھر یہ بھی مشاہدہ ہے کہ دوسری شادی کے ارتکاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فتنے وقتی و جذباتی کیفیت کی وجہ سے ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ خود ہی ختم ہو جاتے ہیں، لیکن دوسری شادی سے اجتناب کے نتیجے میں جو فتنے کھڑے ہوتے ہیں وہ دن بدن بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اور ان کو دبانا پھر کسی کے بس کی بات نہیں رہتی۔

جہاد سے کئی فتنوں کی سرکوبی:

اللہ تعالیٰ نے فتنوں کو کچلنے کے لیے جہاد کا حکم اتارا، جو خود اوّل تا آخر ”آزمائش ہی آزمائش“ ہے۔ جہاد میں قتل و قتال کا میدان گرم ہوتا ہے، کتنے لوگ قید و بند کے پنجرہ کی نذر ہو جاتے ہیں، کتنوں کے سہاگ اُجڑ جاتے ہیں، کتنے بچے یتیم ہو جاتے

ہیں، بستیوں کی بستیاں ویران ہو جاتی ہیں، الغرض جہاد بظاہر تو آزمائش ہی آزمائش ہے، مگر اسے نہ صرف یہ کہ تمام عبادتوں سے بڑھ کر عبادت قرار دیا گیا، بلکہ اس شخص کو منافق کہا گیا، جس کے دل میں کبھی جہاد کا خیال تک نہ گزرا ہو اور اس مسلمان کو ناقص قرار دیا گیا، جس پر جہاد کا کوئی نشان یا اثر بھی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد سے منہ موڑنے کے نتیجے میں جو فتنے آج اسلام کے مقابلے میں کھڑے ہو رہے ہیں اور مسلسل ان میں اضافہ ہو رہا ہے، ان سے نمٹنے کے لیے اب کوئی بھی مستعد و تیار نظر نہیں آتا، اس معاملے میں ہر کوئی خود کو بے بس تصور کر رہا ہے اور دوسروں کو اس سے دور رہنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ اس صورتحال میں عوام کی اصلاح اور ان کے احساس کی بیداری علمائے کرام کی ذمہ داری بنتی ہے، جس کو وہ ہر ممکن کوشش کر کے ادا کر رہے ہیں، لیکن ترکِ تعددِ ازواج کے نتیجے میں جو فتنے کھڑے ہو رہے ہیں ان سے نمٹنے کا صحیح طریقہ عوام کو نہیں بتایا جا رہا۔ حقائق و نتائج سے آگاہ ہونے کے باوجود عوام کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کی جانب سے بھی تعددِ ازواج سے اجتناب کا درس دیا جا رہا ہے۔

ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے ضروری ہے کہ اس عمل کو اپنایا جائے جس کو ترک کرنے کی وجہ سے یہ فتنے جنم لے رہے ہیں۔ ترکِ تعددِ ازواج کے نتیجے میں جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ان کے صحیح حل کے لیے علمائے کرام کے صرف مواعظ و بیانات، ان کی تحریریں اور تقریریں کافی نہیں۔ اس طرح چند متعلقہ لوگ تو فحاشی و عریانی اور جنسی بے راہ روی سے دور رہ کر اپنے ایمان و اعمال کو بچا لیں گے، لیکن ان عورتوں کا مسئلہ پھر بھی حل نہ ہو سکے گا جو نکاح کرنا چاہتی ہیں، لیکن محرومی کی وجہ سے کنواری گھروں میں بیٹھی ترستی رہتی ہیں یا مجبوراً گھروں سے نکل پڑتی ہیں اور فتنوں کے جال میں پھنس جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ کئی بیوہ اور مطلقہ عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے شادی کرنے والا کوئی کنوارہ نہیں ملتا۔ پھر مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی کثرت صورتحال کو مزید پیچیدہ بنا دیتی ہے، جس کو سلجھانے کے لیے شریعت ایک ہی حل بتاتی ہے، یعنی تعددِ ازواج۔ اس لیے ضروری ہے کہ علمائے کرام جس طرح دین کے باقی احکام و فرائض کی حقیقت و اہمیت کو منوانے کے لیے اپنا کردار ادا کرتے ہیں اسی طرح تعددِ ازواج کو رائج کرنے کے لیے بھی اپنا کردار ادا کریں۔

(v) دوسری شادی محض مستحب اور ایک جھنجھٹ ہے:

بعض علمائے کرام ترکِ تعددِ ازواج کے جواز میں یہ فرماتے ہیں کہ ”دوسری شادی کرنا محض مستحب ہے اور ایک مستحب عمل کے لیے اتنے جھنجھٹ پال لینا مناسب نہیں“۔ یہ تو درست بات ہے کہ آج دوسری شادی کو ایک جھنجھٹ سمجھا جا رہا ہے، لیکن وہ کون سی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے دوسری شادی کو جھنجھٹ سمجھا جاتا ہے؟ وہ کون لوگ ہیں جو دوسری شادی کو جھنجھٹ سمجھتے ہیں؟ اور وہ صرف دوسری شادی ہی کو جھنجھٹ سمجھتے ہیں یا پہلی شادی بھی ان کے نزدیک ایک جھنجھٹ بن چکی ہے؟ اگر شادی ہی صرف ایک جھنجھٹ کا کام ہے تو پھر وہ کون سا ایسا دین و دنیا کا کام ہے جو بغیر جھنجھٹ کے ہو جاتا ہے؟ کیا یہ دنیا کسی جھنجھٹ سے کم ہے؟ لیکن اس دنیا میں آنے کے بعد اس جھنجھٹ کو پالنا ہی پڑتا ہے اور صحیح انداز میں پالنے کے بعد یہی جھنجھٹ انسان کو مرنے کے بعد جنت میں لے جانے کا باعث بنتا ہے۔ الغرض ہر وہ کام جو انسانی طبعیت پر ناگوار گزرتا ہے اسے عیش و عشرت کے مارے ہوئے سہولت و آرام پسند لوگ جھنجھٹ سمجھتے ہیں اور اس سے کتراتے ہیں، جبکہ وہ لوگ جو مقصدِ حیات کو جانتے ہیں اسے مقصد کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں اور اس کے لیے ہر مشکل اور ناگواری کو برداشت کرتے ہیں۔ والدین کے لیے آٹھ آٹھ بچوں کی پرورش کسی بڑے

حکومت عدل کے ساتھ چلا سکتا ہے، مگر آج کے بے دین و بے پروا حکمران نہ تو عدل کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ ہی اس بارے میں علمائے کرام سے رجوع کرنا پسند کرتے ہیں۔ وہ جابر و ظالم بن کر قوم پر مسلط ہوتے ہیں اور عدل و انصاف کی دھجیاں اڑاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود علمائے کرام ان کے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ رعایا کے ساتھ عدل کا معاملہ کریں اور راہِ راست کو اپنائیں، اس سلسلے میں اگر کوئی حکمران رجوع کرنا چاہے تو علمائے کرام اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی رہنمائی و حوصلہ افزائی کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ علمائے کرام کے اس رویے میں یقیناً حکمت و مصلحت ہوتی ہے، لیکن یہی رویہ اس وقت بھی اپنایا جانا چاہیے جب کوئی دین دار و ذمہ دار شخص عدل کا مسم ارادہ رکھتے ہوئے دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، اور کسی مجبور مسلمان عورت کی کفالت و حفاظت کا ذمہ دار بن کر اس کو سہارا دینا چاہتا ہے۔ فتنہ و فساد اور فحاشی و عریانی کے اس دور میں وہ خود بھی معصیت سے دور رہنا چاہتا ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی بچانا چاہتا ہے۔ اس وقت بہت کم علمائے کرام ایسے ہوتے ہیں جو ایسے شخص کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس کی رہنمائی و حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور اس کے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ دونوں بیویوں کے درمیان عدل کا معاملہ کر سکے۔ اکثر علمائے کرام اُس وقت حقائق سے منہ موڑتے ہوئے اس کی بھرپور حوصلہ شکنی کرتے ہیں اور اس کو قائل کرنے کے لیے دوسری شادی کے اتنے زیادہ منفی نتائج اور شدید نقصانات بیان کرتے ہیں کہ کسی طرح وہ دوسری شادی سے باز آجائے۔

(iv) اس زمانے میں دوسری شادی باعثِ فتنہ ہے:

بعض علمائے کرام کی جانب سے یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں لوگ دوسری شادی کرنے پر اتنا ہنگامہ اور فتنہ کھڑا کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔۔۔ اور فتنہ و فساد تو قتل سے بھی بدتر ہے، اس لیے فتنہ و فساد کو جنم دینے سے بہتر ہے کہ دوسری شادی سے ہی اجتناب کیا جائے۔

دوسری شادی سے اجتناب اور فتنوں کی بھرمار:

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ دوسری شادی کے ارتکاب کی وجہ سے ایک فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے اور فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے، لیکن دوسری شادی سے اجتناب کی وجہ سے کئی عورتیں بے نکاحی رہ جاتی ہیں اور مرد بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرتی و اخلاقی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور بے حیائی و فحاشی کی صورت میں ایسے نئے نئے فتنے جنم لیتے ہیں، جو دوسری شادی کے ارتکاب کی وجہ سے پیدا ہونے والے فتنوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں ضروری ہو جاتا ہے کہ کئی بڑے فتنوں سے بچنے کے لیے ایک چھوٹے فتنے کا مقابلہ کیا جائے۔ پھر یہ بھی مشاہدہ ہے کہ دوسری شادی کے ارتکاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فتنے وقتی و جذباتی کیفیت کی وجہ سے ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ خود ہی ختم ہو جاتے ہیں، لیکن دوسری شادی سے اجتناب کے نتیجے میں جو فتنے کھڑے ہوتے ہیں وہ دن بدن بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اور ان کو دبانا پھر کسی کے بس کی بات نہیں رہتی۔

جہاد سے کئی فتنوں کی سرکوبی:

اللہ تعالیٰ نے فتنوں کو کچلنے کے لیے جہاد کا حکم اُتارا، جو خود اول تا آخر ”آزمائش ہی آزمائش“ ہے۔ جہاد میں قتل و قتل کا میدان گرم ہوتا ہے، کتنے لوگ قید و بند کے پنجروں کی نذر ہو جاتے ہیں، کتنوں کے سہاگ اُجڑ جاتے ہیں، کتنے بچے یتیم ہو جاتے

ہیں، بستیوں کی بستیاں ویران ہو جاتی ہیں، الغرض جہاد بظاہر تو آزمائش ہی آزمائش ہے، مگر اسے نہ صرف یہ کہ تمام عبادتوں سے بڑھ کر عبادت قرار دیا گیا، بلکہ اس شخص کو منافق کہا گیا، جس کے دل میں کبھی جہاد کا خیال تک نہ گزرا ہو اور اس مسلمان کو ناقص قرار دیا گیا، جس پر جہاد کا کوئی نشان یا اثر بھی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد سے منہ موڑنے کے نتیجے میں جو فتنے آج اسلام کے مقابلے میں کھڑے ہو رہے ہیں اور مسلسل ان میں اضافہ ہو رہا ہے، ان سے نمٹنے کے لیے اب کوئی بھی مستعد و تیار نظر نہیں آتا، اس معاملے میں ہر کوئی خود کو بے بس تصور کر رہا ہے اور دوسروں کو اس سے دور رہنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ اس صورتحال میں عوام کی اصلاح اور ان کے احساس کی بیداری علمائے کرام کی ذمہ داری بنتی ہے، جس کو وہ ہر ممکن کوشش کر کے ادا کر رہے ہیں، لیکن ترکِ تعددِ ازواج کے نتیجے میں جو فتنے کھڑے ہو رہے ہیں ان سے نمٹنے کا صحیح طریقہ عوام کو نہیں بتایا جا رہا۔ حقائق و نتائج سے آگاہ ہونے کے باوجود عوام کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کی جانب سے بھی تعددِ ازواج سے اجتناب کا درس دیا جا رہا ہے۔

ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے ضروری ہے کہ اس عمل کو اپنایا جائے جس کو ترک کرنے کی وجہ سے یہ فتنے جنم لے رہے ہیں۔ ترکِ تعددِ ازواج کے نتیجے میں جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ان کے صحیح حل کے لیے علمائے کرام کے صرف مواعظ و بیانات، ان کی تحریریں اور تقریریں کافی نہیں۔ اس طرح چند متعلقہ لوگ تو فحاشی و عریانی اور جنسی بے راہ روی سے دور رہ کر اپنے ایمان و اعمال کو بچا لیں گے، لیکن ان عورتوں کا مسئلہ پھر بھی حل نہ ہو سکے گا جو نکاح کرنا چاہتی ہیں، لیکن محرومی کی وجہ سے کنواری گھروں میں بیٹھی ترستی رہتی ہیں یا مجبوراً گھروں سے نکل پڑتی ہیں اور فتنوں کے جال میں پھنس جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ کئی بیوہ اور مطلقہ عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے شادی کرنے والا کوئی کنوارہ نہیں ملتا۔ پھر مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی کثرت صورتحال کو مزید پیچیدہ بنا دیتی ہے، جس کو سلجھانے کے لیے شریعت ایک ہی حل بتاتی ہے، یعنی تعددِ ازواج۔ اس لیے ضروری ہے کہ علمائے کرام جس طرح دین کے باقی احکام و فرائض کی حقیقت و اہمیت کو منوانے کے لیے اپنا کردار ادا کرتے ہیں اسی طرح تعددِ ازواج کو رائج کرنے کے لیے بھی اپنا کردار ادا کریں۔

(v) دوسری شادی محض مستحب اور ایک جھنجھٹ ہے:

بعض علمائے کرام ترکِ تعددِ ازواج کے جواز میں یہ فرماتے ہیں کہ ”دوسری شادی کرنا محض مستحب ہے اور ایک مستحب عمل کے لیے اتنے جھنجھٹ پال لینا مناسب نہیں“۔ یہ تو درست بات ہے کہ آج دوسری شادی کو ایک جھنجھٹ سمجھا جا رہا ہے، لیکن وہ کون سی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے دوسری شادی کو جھنجھٹ سمجھا جاتا ہے؟ وہ کون لوگ ہیں جو دوسری شادی کو جھنجھٹ سمجھتے ہیں؟ اور وہ صرف دوسری شادی ہی کو جھنجھٹ سمجھتے ہیں یا پہلی شادی بھی ان کے نزدیک ایک جھنجھٹ بن چکی ہے؟ اگر شادی ہی صرف ایک جھنجھٹ کا کام ہے تو پھر وہ کون سا ایسا دین و دنیا کا کام ہے جو بغیر جھنجھٹ کے ہو جاتا ہے؟ کیا یہ دنیا کسی جھنجھٹ سے کم ہے؟ لیکن اس دنیا میں آنے کے بعد اس جھنجھٹ کو پالنا ہی پڑتا ہے اور صحیح انداز میں پالنے کے بعد یہی جھنجھٹ انسان کو مرنے کے بعد جنت میں لے جانے کا باعث بنتا ہے۔ الغرض ہر وہ کام جو انسانی طبیعت پر ناگوار گزرتا ہے اسے عیش و عشرت کے مارے ہوئے سہولت و آرام پسند لوگ جھنجھٹ سمجھتے ہیں اور اس سے کتراتے ہیں، جبکہ وہ لوگ جو مقصدِ حیات کو جانتے ہیں اسے مقصد کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں اور اس کے لیے ہر مشکل اور ناگواری کو برداشت کرتے ہیں۔ والدین کے لیے آٹھ آٹھ بچوں کی پرورش کسی بڑے

جھنجھٹ سے کم نہیں، لیکن وہ اسے جھنجھٹ کے بجائے مقصد کے طور پر قبول کرتے ہیں اور اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ لہذا تعددِ ازواج کے کئی انفرادی و اجتماعی اور مفید و مثبت اغراض و مقاصد کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسری شادی کو جھنجھٹ سے تشبیہ دینا اور اس سے اجتناب کرنا کسی بھی صاحبِ عقل و دانش اور صاحبِ ہمت و حوصلہ خصوصاً صاحبِ علم کے لیے مناسب نہیں۔

تعددِ ازواج بحیثیت مستحب و سنت:

اعمال کی درجہ بندی وقتی ضرورت کے اعتبار سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ جیسے رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف مستحب و سنت ہے، لیکن جب کسی محلے میں کوئی بھی اعتکاف میں بیٹھنے والا نہ ہو تو اس محلے کے کسی ایک شخص کا اعتکاف میں بیٹھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایک شخص اگر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو اس کے لیے نفلی صدقات و خیرات کرنا لازمی نہیں، لیکن جب اس کے اطراف میں فقر و فاقہ کی وجہ سے لوگ بھوکے مر رہے ہوں یا اللہ کی راہ میں مال کی شدید ضرورت ہو تو اُس وقت اس کے لیے اپنے مال کا خرچ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شادی کرنا عام حالات میں سنت ہے، اگر کوئی شادی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور اس کے بغیر پاک دامن زندگی گزار سکتا ہے تو اس کے لیے شادی کرنا مستحب ہے، لیکن کسی کو اندیشہ ہو کہ اگر شادی نہ کی تو گناہ میں مبتلا ہو جائے گا اور وہ نکاح کرنے کی وسعت بھی رکھتا ہو تو اس کے لیے شادی کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شادی نہ کرنے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے لیے شادی کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ پھر یہ قانون صرف ایک شادی کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ ایک سے زائد شادیوں کے لیے بھی یہی قانون ہے کہ عام حالات میں تو تعددِ ازواج مستحب و سنت ہے، لیکن جب کسی صاحبِ استطاعت کے لیے ایک بیوی ناکافی ہو جائے اور اس وجہ سے وہ گناہ کی طرف مائل ہونا شروع کر دے یا گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کے لیے دوسری، تیسری اور چوتھی شادی کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جائے یا کسی بھی وجہ سے عورتوں کے نکاح کا مسئلہ شدت اختیار کر جائے تو اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ صاحبِ استطاعت لوگ نکاح کے ذریعے ایک سے زیادہ عورتوں کی کفالت و حفاظت کی ذمہ داری قبول کر کے معاشرتی بگاڑ اور فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر شادی کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو شادی کرنا واجب ہے ورنہ کسی وقت بھی واجب نہیں، البتہ ماحول کو گندگی سے پاک دامن رکھنے کے لیے شادی کرنا افضل ہے۔ درمختار وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر نکاح کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا یقین ہو تو نکاح فرض ہے، اگر غالب گمان ہو تو نکاح واجب ہے۔“ (آپ کے مسائل اور ان کا حل 28/5)

تعددِ ازواج کو اگر مستحب سمجھا جائے:

کسی بھی مستحب عمل کے لیے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ اگر لوگ اسے فرض یا واجب کا درجہ دینے لگیں تو اس کو ترک کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر لوگ اسے معیوب سمجھتے ہوئے ترک کرنا شروع کر دیں تو اس کو اپنانا واجب ہو جاتا ہے۔ اس لیے تعددِ ازواج کو اگر ایک مستحب عمل ہی سمجھا جائے تو اس قاعدے کی رو سے اس کا اپنانا ضروری ہو جاتا ہے، کیونکہ جس عمل کا احسن و افضل ہونا قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ سے ثابت ہے اور موجودہ دور میں اس کے رائج ہونے کی تمام وجوہات پائی جاتی ہیں، وہ عمل آج عوام و خواص

کے نزدیک قابلِ ترک اور اکثریت کے نزدیک معیوب ہو چکا ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ وہ آخری جمعہ کے خطبے میں رمضان المبارک کے فراق و وداع کے مضامین بڑے رقت آمیز انداز میں بیان کرتے ہیں، لیکن حضرات فقہاء نے آخری جمعہ میں فراق و وداع کے مضامین بیان کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ حضرت مولانا زوار حسین مجددی نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے خطبے میں وداع و فراق کے مضامین پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب کرام و سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے، اگرچہ فی نفسہ مباح ہے، لیکن اس کے پڑھنے کو ضروری سمجھنا اور نہ پڑھنے والے کو مطعون کرنا بُرا ہے، اور بھی کئی برائیاں ہیں، ان خرابیوں کی وجہ سے ان کلمات کا ترک لازمی ہے، تاکہ ان خرابیوں کی اصلاح ہو جائے۔“ (زبدۃ الفقہ 206/2)

تعددِ ازواج کو اگر سنت سمجھا جائے:

تعددِ ازواج کو اگر ایک سنت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ سنت ان شہید سنتوں میں سرفہرست نظر آئے گی جن کو اپنانے پر حدیث میں سوشیڈوں کے اجر و ثواب کا ذکر آیا ہے۔ اس فضیلت کے پیش نظر سنتِ تعددِ ازواج کے ساتھ عین انصاف ہوگا کہ اس کی ترغیب بھی اسی طرح دی جائے جس طرح دیگر شہید سنتوں کی ترغیب علمائے کرام اپنے قول و فعل سے عوام کو دلاتے ہیں۔

(vi) دوسری شادی کی وجہ سے دینی خدمات میں کمی آتی ہے:

علمائے کرام اس وجہ سے بھی ترکِ تعددِ ازواج کی نصیحت فرماتے ہیں کہ جب ایک سے زیادہ بیویاں اور ان سے کئی اولادیں ہوں گی تو انسان کی تمام تر توجہ اور صلاحیت ان کو پالنے، سنبھالنے اور ان کے اخراجات پورے کرنے میں صرف ہوگی، پھر سوکنوں کے جھگڑوں کی وجہ سے وہ ہر وقت ایک نئی آزمائش سے دوچار رہے گا اور ذہنی و قلبی طور پر بے سکون و چین ہوگا۔ اس طرح وہ یکسوئی سے محروم ہو جائے گا اور کسی طرح بھی دینی خدمت کے قابل نہ رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علمائے کرام پہلی شادی میں بھی صرف اس لیے تاخیر فرماتے ہیں کہ دینی خدمات میں ہمہ تن مشغول رہنا جس قدر شادی سے پہلے آسان ہے اسی قدر شادی کے بعد مشکل ہے۔ لہذا جذبہ دینی سے سرشار ہو کر وہ مرغوب ترین چیز کی قربانی دے دیتے ہیں۔ بلاشبہ ان حضرات کا یہ جذبہ (صرف جذبے کی حد تک) قابلِ تحسین ہے، مگر دو چیزیں قابلِ غور ہیں:

پہلی..... کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اس جذبہ دینی کی تعلیم فرمائی؟..... ہرگز نہیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے صحابہ کو نکاح کرنے کی تعلیم فرمائی اور بغیر نکاح کے رہنے کو ناپسند فرمایا۔ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوتی کہ بعض لوگ نکاح سے پرہیز کرنے کو بہتر سمجھنے لگے ہیں تو ان کو بلایا کر ان کی اصلاح فرماتے اور شادی کر لینے پر آمادہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور خُصی ہو جانے کا ارادہ کیا کہ شہوت کی زحمت سے نجات پائیں اور فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور رات دن اسی میں مشغول رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جذبے کی تردید فرمائی اور آخر کار حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس ارادے سے باز آنا پڑا۔ (مشکوٰۃ)

جھنجھٹ سے کم نہیں، لیکن وہ اسے جھنجھٹ کے بجائے مقصد کے طور پر قبول کرتے ہیں اور اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ لہذا تعددِ ازواج کے کئی انفرادی و اجتماعی اور مفید و مثبت اغراض و مقاصد کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسری شادی کو جھنجھٹ سے تشبیہ دینا اور اس سے اجتناب کرنا کسی بھی صاحب عقل و دانش اور صاحب ہمت و حوصلہ خصوصاً صاحب علم کے لیے مناسب نہیں۔

تعددِ ازواج بحیثیت مستحب و سنت:

اعمال کی درجہ بندی وقتی ضرورت کے اعتبار سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ جیسے رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف مستحب و سنت ہے، لیکن جب کسی محلے میں کوئی بھی اعتکاف میں بیٹھنے والا نہ ہو تو اس محلے کے کسی ایک شخص کا اعتکاف میں بیٹھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایک شخص اگر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو اس کے لیے نفلی صدقات و خیرات کرنا لازمی نہیں، لیکن جب اس کے اطراف میں فقر و فاقہ کی وجہ سے لوگ بھوکے مر رہے ہوں یا اللہ کی راہ میں مال کی شدید ضرورت ہو تو اس وقت اس کے لیے اپنے مال کا خرچ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شادی کرنا عام حالات میں سنت ہے، اگر کوئی شادی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور اس کے بغیر پاک دامن زندگی گزار سکتا ہے تو اس کے لیے شادی کرنا مستحب ہے، لیکن کسی کو اندیشہ ہو کہ اگر شادی نہ کی تو گناہ میں مبتلا ہو جائے گا اور وہ نکاح کرنے کی وسعت بھی رکھتا ہو تو اس کے لیے شادی کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شادی نہ کرنے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے لیے شادی کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ پھر یہ قانون صرف ایک شادی کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ ایک سے زائد شادیوں کے لیے بھی یہی قانون ہے کہ عام حالات میں تو تعددِ ازواج مستحب و سنت ہے، لیکن جب کسی صاحب استطاعت کے لیے ایک بیوی ناکافی ہو جائے اور اس وجہ سے وہ گناہ کی طرف مائل ہونا شروع کر دے یا گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کے لیے دوسری، تیسری اور چوتھی شادی کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جائے یا کسی بھی وجہ سے عورتوں کے نکاح کا مسئلہ شدت اختیار کر جائے تو اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ صاحب استطاعت لوگ نکاح کے ذریعے ایک سے زیادہ عورتوں کی کفالت و حفاظت کی ذمہ داری قبول کر کے معاشرتی بگاڑ اور فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر شادی کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو شادی کرنا واجب ہے ورنہ کسی وقت بھی واجب نہیں، البتہ ماحول کو گندگی سے پاک دامن رکھنے کے لیے شادی کرنا افضل ہے۔ درمختار وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر نکاح کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا یقین ہو تو نکاح فرض ہے، اگر غالب گمان ہو تو نکاح واجب ہے۔“ (آپ کے مسائل اور ان کا حل 28/5)

تعددِ ازواج کو اگر مستحب سمجھا جائے:

کسی بھی مستحب عمل کے لیے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ اگر لوگ اسے فرض یا واجب کا درجہ دینے لگیں تو اس کو ترک کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر لوگ اسے معیوب سمجھتے ہوئے ترک کرنا شروع کر دیں تو اس کو اپنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس لیے تعددِ ازواج کو اگر ایک مستحب عمل ہی سمجھا جائے تو اس قاعدے کی رو سے اس کا اپنا ضروری ہو جاتا ہے، کیونکہ جس عمل کا احسن و افضل ہونا قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ سے ثابت ہے اور موجودہ دور میں اس کے رائج ہونے کی تمام وجوہات پائی جاتی ہیں، وہ عمل آج عوام و خواص

کے نزدیک قابل ترک اور اکثریت کے نزدیک معیوب ہو چکا ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ وہ آخری جمعہ کے خطبے میں رمضان المبارک کے فراق و وداع کے مضامین بڑے رقت آمیز انداز میں بیان کرتے ہیں، لیکن حضرات فقہاء نے آخری جمعہ میں فراق و وداع کے مضامین بیان کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ حضرت مولانا زوار حسین مجددی نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے خطبے میں وداع و فراق کے مضامین پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب کرام و سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے، اگرچہ فی نفسہ مباح ہے، لیکن اس کے پڑھنے کو ضروری سمجھنا اور نہ پڑھنے والے کو مطعون کرنا بُرا ہے، اور بھی کئی برائیاں ہیں، ان خرابیوں کی وجہ سے ان کلمات کا ترک لازمی ہے، تاکہ ان خرابیوں کی اصلاح ہو جائے۔“ (زبدۃ الفقہ 206/2)

تعددِ ازواج کو اگر سنت سمجھا جائے:

تعددِ ازواج کو اگر ایک سنت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ سنت ان شہید سنتوں میں سرفہرست نظر آئے گی جن کو اپنانے پر حدیث میں سوشیڈوں کے اجر و ثواب کا ذکر آیا ہے۔ اس فضیلت کے پیش نظر سنت تعددِ ازواج کے ساتھ عین انصاف ہوگا کہ اس کی ترغیب بھی اسی طرح دی جائے جس طرح دیگر شہید سنتوں کی ترغیب علمائے کرام اپنے قول و فعل سے عوام کو دلاتے ہیں۔

(vi) دوسری شادی کی وجہ سے دینی خدمات میں کمی آتی ہے:

علمائے کرام اس وجہ سے بھی ترک تعددِ ازواج کی نصیحت فرماتے ہیں کہ جب ایک سے زیادہ بیویاں اور ان سے کئی اولادیں ہوگی تو انسان کی تمام تر توجہ اور صلاحیت ان کو پالنے، سنبھالنے اور ان کے اخراجات پورے کرنے میں صرف ہوگی، پھر سونوں کے جھگڑوں کی وجہ سے وہ ہر وقت ایک نئی آزمائش سے دوچار رہے گا اور ذہنی و قلبی طور پر بے سکون و چین ہوگا۔ اس طرح وہ یکسوئی سے محروم ہو جائے گا اور کسی طرح بھی دینی خدمت کے قابل نہ رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علمائے کرام پہلی شادی میں بھی صرف اس لیے تاخیر فرماتے ہیں کہ دینی خدمات میں ہمہ تن مشغول رہنا جس قدر شادی سے پہلے آسان ہے اسی قدر شادی کے بعد مشکل ہے۔ لہذا جذبہ دینی سے سرشار ہو کر وہ مرغوب ترین چیز کی قربانی دے دیتے ہیں۔ بلاشبہ ان حضرات کا یہ جذبہ (صرف جذبے کی حد تک) قابل تحسین ہے، مگر دو چیزیں قابل غور ہیں:

پہلی..... کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اس جذبہ دینی کی تعلیم فرمائی؟..... ہرگز نہیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے صحابہ کو نکاح کرنے کی تعلیم فرمائی اور بغیر نکاح کے رہنے کو ناپسند فرمایا۔ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوتی کہ بعض لوگ نکاح سے پرہیز کرنے کو بہتر سمجھنے لگے ہیں تو ان کو بلا کر ان کی اصلاح فرماتے اور شادی کر لینے پر آمادہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور خفی ہو جانے کا ارادہ کیا کہ شہوت کی زحمت سے نجات پا جائیں اور فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور رات دن اسی میں مشغول رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جذبے کی تردید فرمائی اور آخر کار حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس ارادے سے باز آنا پڑا۔ (مشکوٰۃ)

ایک مرتبہ تین شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے پر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے آپ کی عبادات کے متعلق پوچھا۔ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی کیفیت بیان کی گئی۔ انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا اور ساتھ میں یہ بھی کہا: کہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم! جن کے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیے اور کہاں ہم! سراپا گنہگار۔ اُن میں سے ایک نے کہا: میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا: میں دن میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور شادی سے ہمیشہ پرہیز کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں سے دریافت فرمایا: کیا تم لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں؟ پھر فرمایا: سنو! اللہ کی قسم! میں تم سب میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، لیکن اس کے باوجود نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں (یعنی روزے نہیں بھی رکھتا) اور نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ پس جو بھی میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (بخاری)

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں ایک جوان مرد ہوں، زنا کا خطرہ محسوس کرتا ہوں اور اتنی گنجائش نہیں کہ شادی کر سکوں، آپ مجھے اجازت دیں کہ خفی ہو جاؤں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی عذر بیان کیا اور اجازت کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار فرمائی اور پھر فرمایا: اے ابو ہریرہ! تم خفی ہو یا نہ ہو، جو کچھ ہونے والا ہے، وہ لکھا جا چکا ہے، پھر خواہ مخواہ ایک وہی خدشے کی وجہ سے غلط کام کی اجازت طلب کرتے ہو؟ اسی بنیاد پر اپنے آپ کو خفی بنالینا اسلام میں ناجائز ہے۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع فرماتے تھے کہ ہم عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور فرماتے تھے کہ تم لوگ شادی کرو۔“ (مجمع الزوائد 4/258)

دوسری..... کیا اس جذبے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے پہلی شادی میں تاخیر یا تعددِ ازواج کو ترک فرمایا؟..... ہرگز نہیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے صحابہ کو جلد نکاح کرنے کی تاکید فرمائی اور اس معاملے میں صحابہ کی بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی اور ساتھ ہی اپنے مبارک عمل سے تعددِ ازواج کی ترغیب فرمائی، صحابہ کرام نے بھی اسی کی تقلید فرمائی۔ مشکل اور کٹھن حالات کے باوجود جو دینی خدمات ان حضرات نے سرانجام فرمائیں، ان کے بعد کوئی بھی ان کی مثال پیش نہ کر سکا اور نہ کوئی قیامت تک پیش کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود ان حضرات نے اپنے قول و فعل سے تعددِ ازواج کی تعلیم و ترغیب فرمائی اور اس وجہ سے ان کی دینی خدمات میں کبھی بھی کوئی کمی نہ آئی، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ صحابہ کرام کا آخری دور اسلاف کا وہ زمانہ تھا جس میں اصولی حدیث، اصول فقہ، علم نحو وغیرہ جیسے علوم کے لیے کچھ تابعین و تبع تابعین کمر بستہ ہو گئے تھے۔ اُس وقت یہ علوم صرف پڑھائے ہی نہیں جا رہے تھے بلکہ ان علوم کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں۔ دوسری طرف علم و فضل کی خاطر رجوع کرنے والوں کی تعداد کے مقابلے میں ان کی اپنی تعداد بہت کم تھی۔ ان میں سے ہر ایک ہستی اپنی اپنی جگہ اہمیت و ضرورت کی حامل تھی۔ اگر یہ حضرات اس

معاملے میں غفلت کا شکار ہو جاتے تو دین کی ارتقاء بلکہ بقاء کا سلسلہ ہی موقوف ہونے کا خطرہ ہو جاتا، مگر یہ تمام دینی خدمات و مصروفیات ان حضرات کو تعددِ ازواج سے باز نہ رکھ سکیں۔ یہ حضرات شادیاں بھی کیا کرتے تھے اور ناپسندیدہ ہونے کے باوجود کسی مصلحت یا ضرورت کے پیش نظر طلاقیں بھی دے دیا کرتے تھے، ان کے ہاں نہ متعدد شادیوں کو معیوب سمجھا جاتا تھا، نہ بوقت ضرورت طلاق کو اتنا گھٹیا اور برا جانا جاتا تھا اور نہ ہی طلاق کے بعد عورت کے حق میں وہ برے نتائج ظاہر ہوتے تھے جو آج کے ایک بیوی والے نظام میں ظاہر ہوتے ہیں۔

دینی خدمات کی وجہ سے تعددِ ازواج کی اہمیت کم نہیں ہوتی:

آج دشمنانِ اسلام کی یلغار کے باعث دینی خدمات کی ضرورت اور ہمہ تن مشغولیت کی اہمیت اپنی جگہ، لیکن اس وجہ سے نکاح کی ضرورت و اہمیت کم نہیں ہو جاتی، بلکہ کئی وجوہات کی بنا پر مزید بڑھ جاتی ہے۔ پھر ضرورت مند اور بے سہارا عورتوں کے نکاح کا انتظام کرنا اور تعددِ ازواج کے ذریعے ان کے رشتے دین دار و ذمہ دار اور قابلِ اعتماد و اعتبار مردوں کے ساتھ جوڑ کر ان کی عزت و عفت اور دین و ایمان کو تحفظ دینا کیا خدمات دین میں شامل نہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بے خاوند والی عورت اور مسکین کی ضرورت میں کوشش کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا، اور یہ بھی فرمایا کہ ایسا ہے جیسا کہ رات بھر نماز پڑھنے والا کہ ذرا بھی سستی نہ کرے اور دن بھر روزہ رکھنے والا کہ ہمیشہ روزہ دار رہے۔“ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، فضائل صدقات ص: 103)

اس حدیث کے فائدے میں شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

”بے خاوند والی عورت سے عام مراد ہے کہ بیوہ ہو گئی ہو یا اُس کو خاوند میسر ہی نہ ہوا ہو۔ اس حدیث پاک میں دونوں کے لیے کوشش کرنے والے کے لیے اجر و ثواب اور فضیلت ہے، خواہ اس کی کوشش سے کوئی ثمرہ پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی ضرورت پوری کرنے کے لیے یا اس کو نفع پہنچانے کے لیے چلے تو اس کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کا ثواب ملتا ہے (کنز العمال)، ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مضطر کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دن ثابت قدم رکھیں گے، جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے (کنز العمال)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک مسلمان کی دنیاوی حاجتوں میں سے کسی حاجت کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ستر 70 حاجتیں پوری فرماتے ہیں، جن میں سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (کنز العمال)۔“ (فضائل صدقات ص: 103)

اس حدیث میں کتنی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو کسی بغیر شوہر والی عورت کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسی عورت کی اس سے بڑھ کر ضرورت و حاجت اور کیا ہو گے کہ اس کے لیے ایک اچھے شوہر کا انتظام کیا جائے جو اس کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو جائے اور اسے دوسروں سے امید باندھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عورت کے لیے شوہر کی آغوش یا قبر کے گوشے سے بہتر کوئی چیز نہیں۔“ (غیۃ الطالبین 1/94، کنز العمال 16/171)

ایک مرتبہ تین شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے پر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے آپ کی عبادت کے متعلق پوچھا۔ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی کیفیت بیان کی گئی۔ انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا اور ساتھ میں یہ بھی کہا: کہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم! جن کے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیے اور کہاں ہم! سراپا گنہگار۔ اُن میں سے ایک نے کہا: میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا: میں دن میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور شادی سے ہمیشہ پرہیز کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں سے دریافت فرمایا: کیا تم لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں؟ پھر فرمایا: سنو! اللہ کی قسم! میں تم سب میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، لیکن اس کے باوجود نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں (یعنی روزے نہیں بھی رکھتا) اور نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ پس جو بھی میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (بخاری)

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں ایک جوان مرد ہوں، زنا کا خطرہ محسوس کرتا ہوں اور اتنی گنجائش نہیں کہ شادی کر سکوں، آپ مجھے اجازت دیں کہ خفی ہو جاؤں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی عذر بیان کیا اور اجازت کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار فرمائی اور پھر فرمایا: اے ابو ہریرہ! تم خفی ہو یا نہ ہو، جو کچھ ہونے والا ہے، وہ لکھا جا چکا ہے، پھر خواہ مخواہ ایک وہی خدشے کی وجہ سے غلط کام کی اجازت طلب کرتے ہو؟ اسی بنیاد پر اپنے آپ کو خفی بنالینا اسلام میں ناجائز ہے۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع فرماتے تھے کہ ہم عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور فرماتے تھے کہ تم لوگ شادی کرو۔“ (مجمع الزوائد 4/258)

دوسری..... کیا اس جذبے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے پہلی شادی میں تاخیر یا تعددِ ازواج کو ترک فرمایا؟..... ہرگز نہیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے صحابہ کو جلد نکاح کرنے کی تاکید فرمائی اور اس معاملے میں صحابہ کی بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی اور ساتھ ہی اپنے مبارک عمل سے تعددِ ازواج کی ترغیب فرمائی، صحابہ کرام نے بھی اسی کی تقلید فرمائی۔ مشکل اور کٹھن حالات کے باوجود جو دینی خدمات ان حضرات نے سرانجام فرمائیں، ان کے بعد کوئی بھی ان کی مثال پیش نہ کر سکا اور نہ کوئی قیامت تک پیش کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود ان حضرات نے اپنے قول و فعل سے تعددِ ازواج کی تعلیم و ترغیب فرمائی اور اس وجہ سے ان کی دینی خدمات میں کبھی بھی کوئی کمی نہ آئی، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ صحابہ کرام کا آخری دور اسلاف کا وہ زمانہ تھا جس میں اصولی حدیث، اصول فقہ، علم نحو وغیرہ جیسے علوم کے لیے کچھ تابعین و تبع تابعین کمر بستہ ہو گئے تھے۔ اُس وقت یہ علوم صرف پڑھائے ہی نہیں جا رہے تھے بلکہ ان علوم کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں۔ دوسری طرف علم و فضل کی خاطر رجوع کرنے والوں کی تعداد کے مقابلے میں ان کی اپنی تعداد بہت کم تھی۔ ان میں سے ہر ایک ہستی اپنی اپنی جگہ اہمیت و ضرورت کی حامل تھی۔ اگر یہ حضرات اس

معاملے میں غفلت کا شکار ہو جاتے تو دین کی ارتقاء بلکہ بقاء کا سلسلہ ہی موقوف ہونے کا خطرہ ہو جاتا، مگر یہ تمام دینی خدمات و مصروفیات ان حضرات کو تعددِ ازواج سے باز نہ رکھ سکیں۔ یہ حضرات شادیاں بھی کیا کرتے تھے اور ناپسندیدہ ہونے کے باوجود کسی مصلحت یا ضرورت کے پیش نظر طلاقیں بھی دے دیا کرتے تھے، ان کے ہاں نہ متعدد شادیوں کو معیوب سمجھا جاتا تھا، نہ بوقتِ ضرورت طلاق کو اتنا گھٹیا اور برا جانا جاتا تھا اور نہ ہی طلاق کے بعد عورت کے حق میں وہ برے نتائج ظاہر ہوتے تھے جو آج کے ایک بیوی والے نظام میں ظاہر ہوتے ہیں۔

دینی خدمات کی وجہ سے تعددِ ازواج کی اہمیت کم نہیں ہوتی:

آج دشمنانِ اسلام کی یلغار کے باعث دینی خدمات کی ضرورت اور ہمہ تن مشغولیت کی اہمیت اپنی جگہ، لیکن اس وجہ سے نکاح کی ضرورت و اہمیت کم نہیں ہو جاتی، بلکہ کئی وجوہات کی بنا پر مزید بڑھ جاتی ہے۔ پھر ضرورت مند اور بے سہارا عورتوں کے نکاح کا انتظام کرنا اور تعددِ ازواج کے ذریعے ان کے رشتے دین دار و ذمہ دار اور قابلِ اعتماد و اعتبار مردوں کے ساتھ جوڑ کر ان کی عزت و عفت اور دین و ایمان کو تحفظ دینا کیا خدماتِ دین میں شامل نہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بے خاوند والی عورت اور مسکین کی ضرورت میں کوشش کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا، اور یہ بھی فرمایا کہ ایسا ہے جیسا کہ رات بھر نماز پڑھنے والا کہ ذرا بھی سستی نہ کرے اور دن بھر روزہ رکھنے والا کہ ہمیشہ روزہ دار رہے۔“ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، فضائل صدقات ص: 103)

اس حدیث کے فائدے میں شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

”بے خاوند والی عورت سے عام مراد ہے کہ بیوہ ہو گئی ہو یا اُس کو خاوند میسر ہی نہ ہوا ہو۔ اس حدیث پاک میں دونوں کے لیے کوشش کرنے والے کے لیے اجر و ثواب اور فضیلت ہے، خواہ اس کی کوشش سے کوئی ثمرہ پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی ضرورت پوری کرنے کے لیے یا اس کو نفع پہنچانے کے لیے چلے تو اس کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کا ثواب ملتا ہے (کنز العمال)، ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مضطر کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دن ثابت قدم رکھیں گے، جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے (کنز العمال)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک مسلمان کی دنیاوی حاجتوں میں سے کسی حاجت کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ستر 70 حاجتیں پوری فرماتے ہیں، جن میں سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (کنز العمال)۔“ (فضائل صدقات ص: 103)

اس حدیث میں کتنی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو کسی بغیر شوہر والی عورت کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسی عورت کی اس سے بڑھ کر ضرورت و حاجت اور کیا ہو گے کہ اس کے لیے ایک اچھے شوہر کا انتظام کیا جائے جو اس کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو جائے اور اسے دوسروں سے امید باندھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عورت کے لیے شوہر کی آغوش یا قبر کے گوشے سے بہتر کوئی چیز نہیں۔“ (غنیۃ الطالبین 94/1، کنز العمال 16/171)

اس کے علاوہ عورت بذاتِ خود مرد کے لیے کئی دینی خدمات کا سبب بن سکتی ہے۔ کسی عالمِ دین کے نکاح میں آکر اس کے علمی معاملات میں معاون و مددگار بن سکتی ہے، اس کے علمی فیض کو کئی عورتوں اور گھرانوں میں پہنچا سکتی ہے اور سب سے بڑی دینی خدمت یہ کہ اس کے لیے ایسی حافظ و عالم و ربانی اور عابد و زاہد و مجاہدِ اولاد تیار کر سکتی ہے، جس سے دینی خدمات کا ایک سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔

آل و اولاد فتنہ ہے، مگر۔۔۔:

یہ ایک حقیقت ہے، جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بیوی بچے انسان کے لیے ہر طرح سے آزمائش ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے جہاں انسان کی فکر بڑھ جاتی ہے اور توجہ بٹ جاتی ہے وہاں دینی معمولات میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں بیویوں اور بچوں کو فتنہ کہا گیا ہے، جس میں پڑ کر انسان دینی غفلت کا شکار ہو جاتا ہے اور احکام و فرائض کی ادائیگی میں سستی کرنے لگتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس فتنے سے بچنے کا حکم نہیں فرمایا، بلکہ کئی مقامات پر اس کو اپنانے کا حکم فرمایا اور ساتھ میں بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

”تمہارے اموال اور تمہاری اولاد دوسرا فتنہ ہے (پس جو شخص ان میں پڑ کر بھی اللہ کو یاد رکھے تو) اس کے لیے اللہ کے پاس

بڑا اجر ہے۔“ (سورۃ التغابن: ۱۵)

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

”مال اور اولاد کے امتحان کی چیز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات جانچی ہے کہ کون شخص ان میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کے احکام کو اور اس کی یاد کو بھلا دیتا ہے اور کون شخص ان کے باوجود اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس کو یاد رکھتا ہے۔ نمونے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۃ ہمارے سامنے ہے۔ یہاں کسی کے ایک دو بیویاں ہوں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے 9 بیویاں تھیں، اولاد بھی تھی، بیٹے بیٹیاں، نواسے سب کچھ موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ صحابہ کرام کے حالات دنیا کے سامنے ہیں اور بہت تفصیل کے ساتھ کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کا شمار ہی مشکل ہے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ میری اولاد کی اولاد تو علیحدہ رہی، خود ہلا واسطہ اپنی اولاد میں سے 125 تو دفن کر

چکا ہوں (الاصابة) اور جو زندہ رہے وہ ان کے علاوہ اور اولاد کی اولادیں مزید برآں۔ اس کے باوجود ان حضرات صحابہ کرام میں شمار ہے جن سے کثرت کے ساتھ احادیثِ نقل کی گئیں اور جہاد میں کثرت سے شرکت کرتے رہے ہیں۔ اولاد کی اتنی کثرت نہ تو علم کی مشغولی سے مانع ہوئی نہ جہاد سے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت شہید ہوئے، 9 بیٹے، 9 بیٹیاں اور 4 بیویاں تھیں اور بعض پوتے بعض بیٹوں سے بھی بڑے تھے (سخاری) اور جن کا باپ کی زندگی میں انتقال ہو گیا وہ علیحدہ۔ اس کے باوجود نہ کبھی ملازمت کی نہ کوئی اور شغل، جہاد میں عمر گزار دی۔ اسی طرح اور بہت حضرات کا حال ہے کہ نہ مال ان کو دین سے مانع ہوتا تھا نہ اولاد کی کثرت۔ اور ان میں سے جو لوگ تجارت پیشہ تھے ان کے لیے تجارت بھی دین کے کاموں سے مانع نہ ہوتی تھی۔ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف قرآن پاک میں فرمائی: وہ ایسے لوگ ہیں جن کو خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی۔ وہ لوگ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس

دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا (سورۃ النور: ۳۷)۔“ (فضائل صدقات ص: ۵۷)

تعددِ ازواج اور علمائے کرام کی ذمہ داری

مندرجہ بالا حقائق و دلائل اور موجودہ حالات و واقعات کے پیش نظر سب سے پہلی اور سب سے بڑی ذمہ داری علمائے کرام پر یہ عائد ہوتی ہے کہ تعددِ ازواج کی حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے اور عوام کے اندر سے اس کی کراہیت کو دور کرنے کے لیے اپنا مؤثر و معتبر کردار ادا کریں۔ جس طرح دیگر معاملات میں وہ عوام کی رہنمائی فرماتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح فرماتے ہیں اور رسومات و بدعات کی نشاندہی فرماتے ہیں، اسی طرح تعددِ ازواج کے معاملے میں جو غلط فہمیاں عوام کے اندر پیدا ہو چکی ہیں، ان کو دور کرنے کے لیے اپنے قول و فعل سے عمدہ و مثالی نمونہ پیش کریں اور جو شکوک و شبہات ان کے دل و دماغ پر پرانے رنگ کی صورت اختیار کر چکے ہیں، ان کو کھرچ کھرچ کر نکالنے کے لیے ایسا طرزِ عمل اختیار کریں جو لوگوں کے نزدیک چھپنے والا ہی کیوں نہ ہو، لیکن قرآن و سنت اور وقت کی ضرورت و اہمیت کے عین مطابق ہو۔

علمائے کرام عدل کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں:

تعددِ ازواج کے لیے صرف عدل ہی ایک شرط ہے اور عوام کی نسبت علمائے کرام سے زیادہ امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ اس کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں، کیونکہ علم کی وجہ سے جہاں احکام و مسائل کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے وہاں تقویٰ و پرہیزگاری کو اختیار کرنا بھی ممکن ہو جاتا ہے اور کسی بھی حکمِ شریعت کی خاطر مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے ہمت و حوصلہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ الغرض علمائے کرام متعدد بیویوں میں قیامِ عدل کے لیے تمام ضروری اوصاف سے متصف ہوتے ہیں، اس کے باوجود بھی اگر علمائے کرام محض عدل کو عذر بنا کر تعددِ ازواج سے کنارہ کشی اختیار فرمائیں تو یہ ان کی علمی شان کے مطابق نہ ہوگا، پھر ایک بیوی والے نظام کی وجہ سے جو اخلاقی و معاشرتی بگاڑ پیدا ہوگا کہ مرد گناہ کا راستہ اختیار کریں گے اور عورتیں نکاح سے محروم و مایوس ہو کر فتنہ و فساد کا باعث بنیں گی تو یقیناً یہ ان کے جذبہ ہمدردی و خیر خواہی کے بھی عین منافی ہوگا۔

تعددِ ازواج سے اکابرین کا اجتناب اور اس کی وجوہات:

ماضی قریب کے اکابرین و بزرگانِ دین نے بعض مفاسد کے پیش نظر اپنے دور میں تعددِ ازواج کو عمومی سطح پر رائج رکھنے کو اگر غیر مناسب سمجھا اور اس کو قابلِ ترک سمجھتے ہوئے اس کی حوصلہ شکنی فرمائی تو اس حکمتِ عملی کو تین وجوہات کی بنا پر صرف اسی زمانے کے ساتھ مختص کیا جاسکتا ہے:

پہلی وجہ..... اُس وقت معاشرتی و اخلاقی صورتحال وہ نہ تھی جو اس وقت درپیش ہے، اُس وقت اعمال و اخلاق اور شرافت و دیانت کی بنیاد پر رشتے طے کیے جاتے تھے جبکہ اس وقت حسن و مال کو ترجیح دی جاتی ہے، عورتوں کے نکاح کا مسئلہ اتنا پیچیدہ نہ تھا جتنا اس وقت ہو چکا ہے اور نکاح کے بغیر زندگی گزارنا اس قدر مشکل نہ تھا جس قدر آج ہو چکا ہے، اُس وقت نکاح اتنا مشکل اور زنا اتنا آسان نہ تھا جتنا اس وقت ہو چکا ہے، مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور ان کی آوارگی اتنے عروج پر نہ تھی جتنی کہ اس وقت ہے اور اُس وقت

اس کے علاوہ عورت بذاتِ خود مرد کے لیے کئی دینی خدمات کا سبب بن سکتی ہے۔ کسی عالمِ دین کے نکاح میں آکر اس کے علمی معاملات میں معاون و مددگار بن سکتی ہے، اس کے علمی فیض کو کئی عورتوں اور گھرانوں میں پہنچا سکتی ہے اور سب سے بڑی دینی خدمت یہ کہ اس کے لیے ایسی حافظ و عالم و ربانی اور عابد و زاہد و مجاہدِ اولاد تیار کر سکتی ہے، جس سے دینی خدمات کا ایک سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔

آل و اولاد فتنہ ہے، مگر۔۔۔:

یہ ایک حقیقت ہے، جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بیوی بچے انسان کے لیے ہر طرح سے آزمائش ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے جہاں انسان کی فکر بڑھ جاتی ہے اور توجہ بٹ جاتی ہے وہاں دینی معمولات میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں بیویوں اور بچوں کو فتنہ کہا گیا ہے، جس میں پڑ کر انسان دینی غفلت کا شکار ہو جاتا ہے اور احکام و فرائض کی ادائیگی میں سستی کرنے لگتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس فتنے سے بچنے کا حکم نہیں فرمایا، بلکہ کئی مقامات پر اس کو اپنانے کا حکم فرمایا اور ساتھ میں بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

”تمہارے اموال اور تمہاری اولاد دوسرا فتنہ ہے (پس جو شخص ان میں پڑ کر بھی اللہ کو یاد رکھے تو) اس کے لیے اللہ کے پاس

بڑا اجر ہے۔“ (سورۃ النعالبین: 15)

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

”مال اور اولاد کے امتحان کی چیز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات جانچنی ہے کہ کون شخص ان میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کے احکام کو اور اس کی یاد کو بھلا دیتا ہے اور کون شخص ان کے باوجود اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس کو یاد رکھتا ہے۔ نمونے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۃ ہمارے سامنے ہے۔ یہاں کسی کے ایک دو بیویاں ہونگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے 9 بیویاں تھیں، اولاد بھی تھی، بیٹے بیٹیاں، نواسے سب کچھ موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ صحابہ کرام کے حالات دنیا کے سامنے ہیں اور بہت تفصیل کے ساتھ کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کا شمار ہی مشکل ہے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ میری اولاد کی اولاد تو علیحدہ رہی، خود بلا واسطہ اپنی اولاد میں سے 125 تو دفن کر چکا ہوں (الاصابة) اور جو زندہ رہے وہ ان کے علاوہ اور اولاد کی اولادیں مزید برآں۔ اس کے باوجود ان حضرات صحابہ کرام میں شمار ہے جن سے کثرت کے ساتھ احادیثِ نقل کی گئیں اور جہاد میں کثرت سے شرکت کرتے رہے ہیں۔ اولاد کی اتنی کثرت نہ تو علم کی مشغولی سے مانع ہوئی نہ جہاد سے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت شہید ہوئے، 9 بیٹے، 9 بیٹیاں اور 4 بیویاں تھیں اور بعض پوتے بعض بیٹوں سے بھی بڑے تھے (بخاری) اور جن کا باپ کی زندگی میں انتقال ہو گیا وہ علیحدہ۔ اس کے باوجود نہ کبھی ملازمت کی نہ کوئی اور شغل، جہاد میں عمر گزاری۔ اسی طرح اور بہت حضرات کا حال ہے کہ نہ مال ان کو دین سے مانع ہوتا تھا نہ اولاد کی کثرت۔ اور ان میں سے جو لوگ تجارت پیشہ تھے ان کے لیے تجارت بھی دین کے کاموں سے مانع نہ ہوتی تھی۔ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف قرآن پاک میں فرمائی: وہ ایسے لوگ ہیں جن کو خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی۔ وہ لوگ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس

دن دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ ہو جائیں گی اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا (سورۃ النور: 37)۔“ (فضائل صدقات ص: 57)

تعددِ ازواج اور علمائے کرام کی ذمہ داری

مندرجہ بالا حقائق و دلائل اور موجودہ حالات و واقعات کے پیش نظر سب سے پہلی اور سب سے بڑی ذمہ داری علمائے کرام پر یہ عائد ہوتی ہے کہ تعددِ ازواج کی حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے اور عوام کے اندر سے اس کی کراہیت کو دور کرنے کے لیے اپنا مؤثر و معتبر کردار ادا کریں۔ جس طرح دیگر معاملات میں وہ عوام کی رہنمائی فرماتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح فرماتے ہیں اور رسومات و بدعات کی نشاندہی فرماتے ہیں، اسی طرح تعددِ ازواج کے معاملے میں جو غلط فہمیاں عوام کے اندر پیدا ہو چکی ہیں، ان کو دور کرنے کے لیے اپنے قول و فعل سے عمدہ و مثالی نمونہ پیش کریں اور جو شکوک و شبہات ان کے دل و دماغ پر پرانے رنگ کی صورت اختیار کر چکے ہیں، ان کو کھرچ کھرچ کر نکالنے کے لیے ایسا طرزِ عمل اختیار کریں جو لوگوں کے نزدیک چھپنے والا ہی کیوں نہ ہو، لیکن قرآن و سنت اور وقت کی ضرورت و اہمیت کے عین مطابق ہو۔

علمائے کرام عدل کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں:

تعددِ ازواج کے لیے صرف عدل ہی ایک شرط ہے اور عوام کی نسبت علمائے کرام سے زیادہ امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ اس کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں، کیونکہ علم کی وجہ سے جہاں احکام و مسائل کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے وہاں تقویٰ و پرہیزگاری کو اختیار کرنا بھی ممکن ہو جاتا ہے اور کسی بھی حکمِ شریعت کی خاطر مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے ہمت و حوصلہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ الغرض علمائے کرام متعدد بیویوں میں قیامِ عدل کے لیے تمام ضروری اوصاف سے متصف ہوتے ہیں، اس کے باوجود بھی اگر علمائے کرام محض عدل کو عذر بنا کر تعددِ ازواج سے کنارہ کشی اختیار فرمائیں تو یہ ان کی علمی شان کے مطابق نہ ہوگا، پھر ایک بیوی والے نظام کی وجہ سے جو اخلاقی و معاشرتی بگاڑ پیدا ہوگا کہ مرد گناہ کا راستہ اختیار کریں گے اور عورتیں نکاح سے محروم و مایوس ہو کر فتنہ و فساد کا باعث بنیں گی تو یقیناً یہ ان کے جذبہ ہمدردی و خیر خواہی کے بھی عین منافی ہوگا۔

تعددِ ازواج سے اکابرین کا اجتناب اور اس کی وجوہات:

ماضی قریب کے اکابرین و بزرگانِ دین نے بعض مفاسد کے پیش نظر اپنے دور میں تعددِ ازواج کو عمومی سطح پر رائج رکھنے کو اگر غیر مناسب سمجھا اور اس کو قابلِ ترک سمجھتے ہوئے اس کی حوصلہ شکنی فرمائی تو اس حکمتِ عملی کو تین وجوہات کی بنا پر صرف اسی زمانے کے ساتھ مختص کیا جاسکتا ہے:

پہلی وجہ..... اُس وقت معاشرتی و اخلاقی صورتحال وہ نہ تھی جو اُس وقت درپیش ہے، اُس وقت اعمال و اخلاق اور شرافت و دیانت کی بنیاد پر رشتے طے کیے جاتے تھے جبکہ اُس وقت حسن و مال کو ترجیح دی جاتی ہے، عورتوں کے نکاح کا مسئلہ اتنا پیچیدہ نہ تھا جتنا اُس وقت ہو چکا ہے اور نکاح کے بغیر زندگی گزارنا اس قدر مشکل نہ تھا جس قدر آج ہو چکا ہے، اُس وقت نکاح اتنا مشکل اور زنا اتنا آسان نہ تھا جتنا اُس وقت ہو چکا ہے، مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور ان کی آوارگی اتنے عروج پر نہ تھی جتنی کہ اُس وقت ہے اور اُس وقت

برائی کے ذرائع اتنے وسیع و آسان نہ تھے جتنے اس وقت ہو چکے ہیں۔ اس تمام صورتحال کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ اس وقت کے علمائے کرام نے تعددِ ازواج کی ضرورت کو اتنا محسوس نہ کیا ہو، لیکن اس وقت اگر اس کی ضرورت کو محسوس نہ کیا گیا اور مسلسل نظر اندازی سے کام لیا گیا تو جو افسوس ناک صورتحال آج درپیش ہے اس پر قابو پانا پھر کسی کے بس میں نہ رہے گا۔

دوسری وجہ..... یہ بھی ممکن ہے کہ صورتحال اسی وقت بگڑنا شروع ہو چکی ہو، لیکن مسلسل علمی و دینی مشغولیت کی وجہ سے اکابرین کی توجہ تعددِ ازواج کی ضرورت کی طرف نہ جاسکی ہو۔ اگر یہ حضرات تعددِ ازواج کے عمومی رواج نہ ہونے کی بنا پر پیدا ہونے والی خرابیوں پر پوری طرح مطلع ہو جاتے جو آج موجودہ دور میں ظاہر ہو چکی ہیں اور اس بارے میں ان حضرات کو پوری طرح غور کرنے کا موقع مل جاتا تو اس اقدام کی کبھی بھی اور کسی بھی درجے میں حوصلہ شکنی نہ فرماتے۔ ان حضرات کے علمی و تجدیدی کارنامے، دینی خدمات اور قربانیاں عوام و خواص کے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیے فکر و سعی، اطرافِ عالم میں قرآن و سنت کے نور کو پھیلانے کی تڑپ اور انفرادی و اجتماعی سطح پر قوم کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کے جذبات اس حقیقت کو عیاں کرتے ہیں کہ اگر ان کی توجہ معاشرے کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی جانب چلی جاتی تو یہ حضرات تعددِ ازواج سے اجتناب کا مشورہ ہرگز نہ دیتے۔

جدید وسائل و ذرائع نے جہاں برائی کی تشہیر کو آسان بنا دیا ہے وہاں برائی کے اثرات کو محسوس اور معلوم کرنا بھی آسان کر دیا ہے۔ یہ وسائل چونکہ اس وقت موجود نہ تھے، اس لیے ہر جگہ برائی کو پرکھنا اور اس سے نمٹنا زیادہ مشکل تھا، لیکن اس وقت برائی سے باخبر رہنا جس قدر آسان ہو چکا ہے اسی قدر اس سے نمٹنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر: پہلے میڈیکل نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، لوگوں کو دل کا دورہ پڑتا اور وہ اسی میں مر جاتے، اس کے علاوہ کئی جان لیوا بیماریوں کا اس وقت معلوم ہوتا جب مریض اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا، لیکن آج جدید مشینوں کے ذریعے پہلے ہی سے بیماری کی نشاندہی کر دی جاتی ہے اور احتیاطی تدبیروں اور دواؤں کے ذریعے اس بیماری سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو بیماریاں، برائیاں اور خرابیاں نکاح سے دور رہنے کی وجہ سے جنم لے رہی ہیں، آج علمائے کرام ان سے بخوبی واقف ہیں، ہر طرف گناہ کی دعوت عام ہو چکی ہے، بدی و برائی کا راستہ آسان اور پاک دامنی کا راستہ دشوار بن چکا ہے، نکاح کے بغیر گھروں میں بیٹھنا اور تنہائی و محرومی کے ساتھ زندگی گزارنا عورتوں کے لیے ناقابل برداشت ہو چکا ہے، پھر عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی جس قدر قلت ہے اسی قدر سنجیدہ اور ذمہ دار مردوں کی کمی ہے اور عورتوں کی جس قدر کثرت ہے اسی قدر ان کے لیے مناسب رشتوں کی قلت ہے خصوصاً دین دار عورتوں کے لیے دین دار رشتوں کا حصول بہت مشکل ہو چکا ہے۔ ان حالات میں اگر ہر عورت کے لیے ایسا مرد تلاش کیا جائے جس کی پہلے سے کوئی بیوی نہ ہو تو کسی حد تک بھی مسئلے کا حل ممکن نہیں، کیونکہ عورتوں کی کثرت مسلسل بڑھتی چلی جا رہی ہے اور قیامت تک بڑھتی ہی رہے گی۔ لہذا تعددِ ازواج ہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے ہر اس مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے جس کی وجہ سے مزید کئی مسائل پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور ایک وقت میں اتنے مسائل کو حل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ الغرض مسئلے کی نوعیت اور اس کے صحیح حل کو سامنے رکھے بغیر محض اکابرین کی آراء کو بنیاد بنا کر تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی کرنا ان عورتوں کے حق میں ہرگز مناسب نہ ہوگا جو نکاح کے ذریعے اپنی جائز ضروریات و خواہشات کی تکمیل چاہتی ہیں۔ علمائے کرام کی نگرانی و سرپرستی میں مختلف قابل اعتبار و اعتماد فلاحی اداروں کے ذریعے جہاں ان ضرورت مند عورتوں کی دیگر ضروریات زندگی کو پورا کرنے کا انتظام کیا جاتا ہے وہاں ان کی سب سے اہم ضرورت کو پورا

کرنے کی بھی فکر و سعی ہونی چاہیے، کیونکہ فلاحی ادارہ کسی طرح بھی عورت کے لیے شوہر کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ تیسری وجہ..... تعددِ ازواج کے مسئلے کی جو وضاحت اکابرین نے فرمائی اسے اجتہادی غلطی بھی کہا جاسکتا ہے اور اس وجہ سے ان حضرات کی تصدیق شدہ شان و مرتبت میں کوئی کمی نہیں آئے گی، کیونکہ مجتہد کے لیے اجتہادی غلطی میں بھی اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔ اب اکابرین کے نقش قدم پر چلنے والے شاگردوں اور مریدوں کی ذمہ داری ہے کہ تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی پر مشتمل بعض اکابرین کے ملفوظات، جو انہوں نے کسی خاص واقعے سے متاثر ہو کر اپنی کسی نجی محفل میں فرمائے، ان ملفوظات کا سہارا لے کر قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے طرزِ عمل اور موجودہ وقت کے تقاضوں پر مبنی حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے ضد اور ہٹ دھرمی پر جسے رہنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ قرآن و حدیث کی واضح نصوص اور حقائق کی طرف بھرپور توجہ جانے کے بعد بھی کسی اجتہادی خطا پر ڈٹ جانا اکابرین کا شیوہ ہرگز نہ تھا۔

ان حالات میں علمائے کرام پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ موجودہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے تعددِ ازواج کے ساتھ برتے جانے والے سلوک کی اصلاح فرما کر اکابرین کے تجدیدی کارناموں کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے اپنا کردار ادا فرمائیں۔ اس بارے میں یہ کہنا کہ ”اگر یہ تجدیدی کام ہے تو پھر ہمارے اکابرین نے کیوں نہ کیا؟“ درست نہ ہوگا، کیونکہ جو کام آج ایک مستند عالم کر رہا ہے تو ضروری نہیں کہ اس کے استاد نے بھی ایسا ہی کیا ہو۔ علمی دنیا کی تاریخ میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی بڑے عالم کے کسی شاگرد نے اپنے وقت میں وہ کام کر دکھایا جو کبھی اس کے استاد نے بھی نہیں کیا۔

تجدیدی کارنامے کی مثال:

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب دارالافتاء والا رشاد، ناظم آباد، کراچی میں اپنی حفاظت کے پیش نظر مسلح پہرے دار رکھے، جو نماز کے وقت بھی منبر پر چڑھ کر مسلسل پہرہ دیتے تھے تو حضرت کے اس عمل پر بہت سے دیگر حضرات نے اعتراض کیا کہ حضرت کا یہ عمل تو کل کے خلاف ہے، اگر اس طرح سے مسلح پہرے داری کی کوئی ضرورت تھی تو ہمارے ماضی قریب کے اکابرین نے اس طرز پر حفاظت کا انتظام کیوں نہ کروایا؟ حالانکہ دشمنیاں تو ان حضرات کے زمانے میں بھی تھیں!

اس اعتراض کے جواب میں حضرت نے ”مسلح پہرہ اور توکل“ کے عنوان سے ایک مفصل مضمون تحریر فرمایا اور مناسب دلائل پیش کرنے کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا:

”جب آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، معمولات نبویہ، تعامل خلفائے راشدین، اجماع و قیاس سے حفاظتی تدابیر کا حکم خوب واضح ہو گیا تو اب اگر ہمیں سلف صالحین میں سے کسی بزرگ کا عمل بظاہر اس کے خلاف نظر آتا ہے تو متفق علیہ حکم شرعی میں شک کرنے کے بجائے اس عمل کی بنیاد تک رسائی حاصل کر کے (ان بزرگ کے قول کی) مناسب و صحیح توجیہ کرنا لازم ہے۔“ (احسن الفتاویٰ 299/6)

دورِ صحابہ کی مثال:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں عورتوں کو نماز کے لیے مسجد میں آنے کی اجازت تھی، لیکن خلیفہ اول حضرت ابو

برائی کے ذرائع اتنے وسیع و آسان نہ تھے جتنے اس وقت ہو چکے ہیں۔ اس تمام صورتحال کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ اس وقت کے علمائے کرام نے تعددِ ازواج کی ضرورت کو اتنا محسوس نہ کیا ہو، لیکن اس وقت اگر اس کی ضرورت کو محسوس نہ کیا گیا اور مسلسل نظر اندازی سے کام لیا گیا تو جو افسوس ناک صورتحال آج درپیش ہے اس پر قابو پانا پھر کسی کے بس میں نہ رہے گا۔

دوسری وجہ..... یہ بھی ممکن ہے کہ صورتحال اسی وقت بگڑنا شروع ہو چکی ہو، لیکن مسلسل علمی و دینی مشغولیت کی وجہ سے اکابرین کی توجہ تعددِ ازواج کی ضرورت کی طرف نہ جاسکی ہو۔ اگر یہ حضرات تعددِ ازواج کے عمومی رواج نہ ہونے کی بنا پر پیدا ہونے والی خرابیوں پر پوری طرح مطلع ہو جاتے جو آج موجودہ دور میں ظاہر ہو چکی ہیں اور اس بارے میں ان حضرات کو پوری طرح غور کرنے کا موقع مل جاتا تو اس اقدام کی کبھی بھی اور کسی بھی درجے میں حوصلہ شکنی نہ فرماتے۔ ان حضرات کے علمی و تجدیدی کارنامے، دینی خدمات اور قربانیاں عوام و خواص کے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیے فکر و سعی، اطرافِ عالم میں قرآن و سنت کے نور کو پھیلانے کی تڑپ اور انفرادی و اجتماعی سطح پر قوم کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کے جذبات اس حقیقت کو عیاں کرتے ہیں کہ اگر ان کی توجہ معاشرے کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی جانب چلی جاتی تو یہ حضرات تعددِ ازواج سے اجتناب کا مشورہ ہرگز نہ دیتے۔

جدید وسائل و ذرائع نے جہاں برائی کی تشہیر کو آسان بنا دیا ہے وہاں برائی کے اثرات کو محسوس اور معلوم کرنا بھی آسان کر دیا ہے۔ یہ وسائل چونکہ اُس وقت موجود نہ تھے، اس لیے ہر جگہ برائی کو پرکھنا اور اس سے نمٹنا زیادہ مشکل تھا، لیکن اس وقت برائی سے باخبر رہنا جس قدر آسان ہو چکا ہے اسی قدر اس سے نمٹنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر: پہلے میڈیکل نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، لوگوں کو دل کا دورہ پڑتا اور وہ اسی میں مر جاتے، اس کے علاوہ کئی جان لیوا بیماریوں کا اُس وقت معلوم ہوتا جب مریض اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا، لیکن آج جدید مشینوں کے ذریعے پہلے ہی سے بیماری کی نشاندہی کر دی جاتی ہے اور احتیاطی تدبیروں اور دواؤں کے ذریعے اس بیماری سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو بیماریاں، برائیاں اور خرابیاں نکاح سے دور رہنے کی وجہ سے جنم لے رہی ہیں، آج علمائے کرام ان سے بخوبی واقف ہیں، ہر طرف گناہ کی دعوت عام ہو چکی ہے، بدی و برائی کا راستہ آسان اور پاک دامنی کا راستہ دشوار بن چکا ہے، نکاح کے بغیر گھروں میں بیٹھنا اور تنہائی و محرومی کے ساتھ زندگی گزارنا عورتوں کے لیے ناقابل برداشت ہو چکا ہے، پھر عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی جس قدر قلت ہے اسی قدر سنجیدہ اور ذمہ دار مردوں کی کمی ہے اور عورتوں کی جس قدر کثرت ہے اسی قدر ان کے لیے مناسب رشتوں کی قلت ہے خصوصاً دین دار عورتوں کے لیے دین دار رشتوں کا حصول بہت مشکل ہو چکا ہے۔ ان حالات میں اگر ہر عورت کے لیے ایسا مرد تلاش کیا جائے جس کی پہلے سے کوئی بیوی نہ ہو تو کسی حد تک بھی مسئلے کا حل ممکن نہیں، کیونکہ عورتوں کی کثرت مسلسل بڑھتی چلی جا رہی ہے اور قیامت تک بڑھتی ہی رہے گی۔ لہذا تعددِ ازواج ہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے ہر اس مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے جس کی وجہ سے مزید کئی مسائل پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور ایک وقت میں اتنے مسائل کو حل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ الغرض مسئلے کی نوعیت اور اس کے صحیح حل کو سامنے رکھے بغیر محض اکابرین کی آراء کو بنیاد بنا کر تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی کرنا ان عورتوں کے حق میں ہرگز مناسب نہ ہوگا جو نکاح کے ذریعے اپنی جائز ضروریات و خواہشات کی تکمیل چاہتی ہیں۔ علمائے کرام کی نگرانی و سرپرستی میں مختلف قابل اعتبار و اعتماد فلاحی اداروں کے ذریعے جہاں ان ضرورت مند عورتوں کی دیگر ضروریات زندگی کو پورا کرنے کا انتظام کیا جاتا ہے وہاں ان کی سب سے اہم ضرورت کو پورا

کرنے کی بھی فکر و سعی ہونی چاہیے، کیونکہ فلاحی ادارہ کسی طرح بھی عورت کے لیے شوہر کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ تیسری وجہ..... تعددِ ازواج کے مسئلے کی جو وضاحت اکابرین نے فرمائی اسے اجتہادی غلطی بھی کہا جاسکتا ہے اور اس وجہ سے ان حضرات کی تصدیق شدہ شان و مرتبت میں کوئی کمی نہیں آئے گی، کیونکہ مجتہد کے لیے اجتہادی غلطی میں بھی اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔ اب اکابرین کے نقش قدم پر چلنے والے شاگردوں اور مریدوں کی ذمہ داری ہے کہ تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی پر مشتمل بعض اکابرین کے ملفوظات، جو انہوں نے کسی خاص واقعے سے متاثر ہو کر اپنی کسی نجی محفل میں فرمائے، ان ملفوظات کا سہارا لے کر قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے طرزِ عمل اور موجودہ وقت کے تقاضوں پر مبنی حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے ضد اور ہٹ دھرمی پر جسے رہنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ قرآن و حدیث کی واضح نصوص اور حقائق کی طرف بھرپور توجہ جانے کے بعد بھی کسی اجتہادی خطا پر ڈٹ جانا اکابرین کا شیوہ ہرگز نہ تھا۔

ان حالات میں علمائے کرام پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ موجودہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے تعددِ ازواج کے ساتھ برتے جانے والے سلوک کی اصلاح فرما کر اکابرین کے تجدیدی کارناموں کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے اپنا کردار ادا فرمائیں۔ اس بارے میں یہ کہنا کہ ”اگر یہ تجدیدی کام ہے تو پھر ہمارے اکابرین نے کیوں نہ کیا؟“ درست نہ ہوگا، کیونکہ جو کام آج ایک مستند عالم کر رہا ہے تو ضروری نہیں کہ اس کے استاد نے بھی ایسا ہی کیا ہو۔ علمی دنیا کی تاریخ میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی بھی بڑے عالم کے کسی شاگرد نے اپنے وقت میں وہ کام کر دکھایا جو کبھی اس کے استاد نے بھی نہیں کیا۔

تجدیدی کارنامے کی مثال:

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب دارالافتاء والا رشاد، ناظم آباد، کراچی میں اپنی حفاظت کے پیش نظر مسلح پھرے دار رکھے، جو نماز کے وقت بھی منبر پر چڑھ کر مسلسل پہرہ دیتے تھے تو حضرت کے اس عمل پر بہت سے دیگر حضرات نے اعتراض کیا کہ حضرت کا یہ عمل تو کل کے خلاف ہے، اگر اس طرح سے مسلح پھرے داری کی کوئی ضرورت تھی تو ہمارے ماضی قریب کے اکابرین نے اس طرز پر حفاظت کا انتظام کیوں نہ کروایا؟ حالانکہ دشمنیاں تو ان حضرات کے زمانے میں بھی تھیں!

اس اعتراض کے جواب میں حضرت نے ”مسلح پہرہ اور توکل“ کے عنوان سے ایک مفصل مضمون تحریر فرمایا اور مناسب دلائل پیش کرنے کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا:

”جب آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، معمولات نبویہ، تعامل خلفائے راشدین، اجماع و قیاس سے حفاظتی تدابیر کا حکم خوب واضح ہو گیا تو اب اگر ہمیں سلف صالحین میں سے کسی بزرگ کا عمل بظاہر اس کے خلاف نظر آتا ہے تو متفق علیہ حکم شرعی میں شک کرنے کے بجائے اس عمل کی بنیاد تک رسائی حاصل کر کے (ان بزرگ کے قول کی) مناسب و صحیح توجیہ کرنا لازم ہے۔“ (احسن الفتاویٰ 299/6)

دورِ صحابہ کی مثال:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں عورتوں کو نماز کے لیے مسجد میں آنے کی اجازت تھی، لیکن خلیفہ اول حضرت ابو

تعددِ ازواج

اور

عوام کی ذمہ داری

بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد جب خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور آیا تو عورتوں کی بے احتیاطی ظاہر ہونے لگی اور فتنے کا اندیشہ ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم جاری فرما دیا کہ اب عورتیں مسجد میں نہ آیا کریں۔ اُس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین موجود تھے، سب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حکم سے اتفاق فرمایا اور کسی نے بھی اختلاف نہیں فرمایا۔ اس حکم کے جاری کرنے کے بعد کچھ خواتین اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی تو امیر المؤمنین اس اجازت کو کیوں ختم کرتے ہیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

”اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حالت دیکھتے جو عورتوں نے اب ایجاد کر لی ہے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روک دیتے، جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔“ (بخاری 120/1، مسلم 183/1)

الغرض اکابرین نے تعددِ ازواج کے معاملے میں جو موقف اپنایا وہ یقیناً اُمت کی خیر و بھلائی کو پیش نظر رکھ کر اپنایا، جس کا اصل مقصد ہمدردی و خیر خواہی کے سوا کچھ نہ تھا، لیکن حالات کی ضرورت و نزاکت کو دیکھنے کے باوجود موجودہ علمائے کرام کا اس موقف پر ڈٹ جانا اکابرین کے اصل مقصد سے انحراف کے مترادف ہے، کیونکہ اُس وقت اگر اکابرین نے ترکِ تعددِ ازواج میں خیر و عافیت جانی تو ضروری نہیں کہ اس وقت بھی اسی میں ہی خیر و عافیت ہو۔ تعددِ ازواج کے علاوہ بھی دیگر کئی مسائل ایسے ہیں جن میں موجودہ علمائے کرام کا موقف اکابرین کے موقف سے جُدا ملتا ہے اور موجودہ وقت کی ضرورت و حالت کو دیکھتے ہوئے ان میں مناسب تبدیلی کر دی جاتی ہے۔

تعددِ ازواج اور عوام کی ذمہ داری

علمائے کرام کے بعد عوام الناس پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تعددِ ازواج کے معاملے میں محدود و مفقود سوچ رکھنے کے بجائے وسیع النظری سے کام لیں اور احکاماتِ شریعت اور ان کی ضرورت و اہمیت سے پہلو تہی کرنے کے بجائے ان کی حقیقت و مقصدیت کو سمجھیں۔ اس معاملے میں بے دین اور دنیا دار لوگوں کے منفی کردار کو دیکھنے کے بجائے اپنے کردار و اطوار میں مثبت تبدیلی لائیں اور اس قدر ضعف و نقص کا مظاہرہ نہ کریں کہ علمائے کرام بھی ان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے تعددِ ازواج جیسے واضح و صریح حکمِ قرآنی اور سنتِ نبوی کی اہمیت و فضیلت کو نظر انداز کرتے ہوئے مسئلے کی وضاحت پیش کرنے لگیں اور اس کو حکمت و مصلحت کے خلاف قرار دے دیں۔ اس کے ساتھ عوام کو ان علمائے کرام کے اقوال و افعال کو بھی سامنے رکھنا چاہیے جو حقیقتِ حال کو سمجھتے ہوئے تعددِ ازواج کو موجودہ وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہیں اور اس کی حوصلہ افزائی اور تائید و حمایت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں علمائے عرب کا مثالی کردار قابلِ داد و تحسین ہے، جس کی وجہ سے اہل عرب آج بھی تعددِ ازواج کے قائل ہیں اور ان کے ہاں دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرنا ایک معمول کی بات ہے۔ وہ اس حکمِ شرعی کی حکمتوں اور مصلحتوں سے بخوبی واقف ہیں اور بغیر کسی مخالفت کے اس پر عمل پیرا ہیں۔ وہاں کی خواتین بھی اس بات کی عادی ہوتی ہیں، اس لیے ان کے لیے یہ کوئی نفسیاتی مسئلہ نہیں بنتا۔ سعودی عرب، مصر، سوڈان وغیرہ کے زیادہ تر علاقوں اور قبیلوں میں آج بھی تعددِ ازواج کا بھرپور رواج قائم ہے اور اکثریت کے نزدیک یہ ایک پسندیدہ اور مرغوب ترین عمل ہے۔ جیسا کہ جناب آصف مجید صاحب اپنے ایک عرب دوست کی دعوتِ ولیمہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ ولیمہ تھا ایک عرب دوست کی تیسری شادی کا۔ پہلی دو بیویاں فوت نہیں ہو گئی تھیں، وہ بھی حیات تھیں۔ ہاں! ان کے ہاں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا عام رواج ہے۔ آخر ٹھہرے جو صحابہ کرام کی اولاد۔ ایسے پاکستانیوں کو، جن کی صرف ایک شادی ہوئی ہے، انہیں وہ مذاق میں ”مسکین“ کہتے ہیں۔ ان کی شادیوں میں جہیز کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ولیمہ دیکھ کر اور کھا کر دل خوش ہو گیا۔“ (بچوں کا اسلام شمارہ: 406)

ایک مشہور عربی مجلہ ”الاسرة“ لکھتا ہے:

”سوڈان افریقہ میں عورتیں اپنے شوہر کی زیادہ بیویوں پر فخر کرتی ہیں جس وجہ سے وہاں کے قبائل میں سب سے آسان کام شادی ہے اور اس سے بھی زیادہ آسان دوسری، تیسری اور چوتھی شادی ہے، افریقہ کے اکثر قبائل اسی دستور پر ہیں۔“

(الاسرة، ذی قعدة 1425ھ)

ایک مصری صحافی خاتون کے حوالے سے گلف نیوز کی ایک رپورٹ کے مطابق: ایک چالیس سالہ مصری خاتون حیام دایک

مردوں کی دو شادیوں کے حق میں ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ تین چار شادیاں بھی کر لیں تو بیویوں کو برا نہیں ماننا چاہیے اور نہ ہی گھر چھوڑ کر چلے جانا چاہیے۔ حیام کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے شوہر سے کہا ہے کہ وہ دوسری شادی کر لے، میں ملازمت کے ساتھ تنہا گھر کے مکمل کام نہیں کر سکتی، حیام آج کل مردوں کی ایک سے زائد بیویاں رکھنے کے حق میں مہم چلا رہی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ گھر کے ڈھیروں کام ایک عورت کے بس کی بات نہیں۔ حیام کا مزید کہنا ہے کہ اسلام میں مردوں کو چار شادیوں کی اجازت دراصل خواتین ہی کے حق میں ہے۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ دوسری شادی کر لو، لیکن اس نے میرے مطالبے کو مذاق سمجھ کر مسترد کر دیا، جبکہ میں سنجیدہ ہوں۔ دایک نے اس سلسلے میں ایک تنظیم قائم کی ہے جس کا نام ”العیر“، یعنی معاونت ہے، یہ تنظیم مردوں کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دیتی ہے۔۔۔ (روزنامہ ایکسپریس، سندھ میگزین 4 مارچ 2004)

تعددِ ازواج کی تائید و حمایت میں علمائے عجم کے فرمودات

تعددِ ازواج کی تعلیم و ترغیب اور اس کی حمایت میں علمائے عرب کے مواظظ و نصائح اور فتاویٰ و آراء سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اس کتاب کے بیشتر مقامات پر ان حضرات کے اقوال و احوال کو نقل کیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ علمائے عجم، خصوصاً پاکستان کے علماء کے بھی کئی اقوال ایسے ملتے ہیں جو تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں اور موجودہ دور میں اس کے رواج کی تعلیم و ترغیب دیتے ہیں۔ ان میں سے چند مقبول و معروف علمائے کرام کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس (تعددِ ازواج) کی اباحت ہلا کراہت کے منصوص قطعی (قرآن سے ثابت) ہے اور سلف میں بلا تکلیف رائج تھا۔ اس میں کراہت یا حرمت کا اعتقاد یا دعویٰ اور اس بنا پر آیاتِ قرآنیہ میں تحریف کرنا سراسر الحاد و بددینی ہے۔ اصل عمل (تعددِ ازواج) میں کراہت یا ناپسندیدگی کا شاہد نہیں اور نہ ہی اس کی صحت عدل کے ساتھ مقید ہے، بلکہ اگر عدل و انصاف نہ ہو سکنے کا یقین بھی ہو تب بھی (نکاح) کی صحت اور نفاذ یقینی ہے، بعض قوموں نے یورپ کی دیکھا دیکھی دعویٰ کیا ہے کہ ایک عورت سے زائد دوسری، تیسری، چوتھی عورت سے نکاح جائز نہیں اور اس کا منشاء محض اہل یورپ کی آراء اور خواہش کا استحسان ہے اور اس دعوے کو زبردستی قرآن میں بھی ٹھونس دیا کہ دو جگہ سے دو آیتیں لیں اور ہر ایک کے معنی میں تحریف کی، اس طرح سے اپنا مطلب پورا کیا، (لیکن یہ تحریف) سراسر الحاد و بددینی ہے۔“ (اصلاح انقلاب امت 27-69/2)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ایک مرد کے لیے متعدد بیویاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا۔ عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرتِ ازواج کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا، دورِ حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعددِ ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتوں کی صورت میں برآمد ہوا۔ بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود

اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں۔“ (معارف القرآن 287/2)

تعددِ ازواج اور عوام کی ذمہ داری

علمائے کرام کے بعد عوام الناس پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تعددِ ازواج کے معاملے میں محدود و مفقود سوچ رکھنے کے بجائے وسیع النظری سے کام لیں اور احکاماتِ شریعت اور ان کی ضرورت و اہمیت سے پہلو تہی کرنے کے بجائے ان کی حقیقت و مقصدیت کو سمجھیں۔ اس معاملے میں بے دین اور دنیا دار لوگوں کے منفی کردار کو دیکھنے کے بجائے اپنے کردار و اطوار میں مثبت تبدیلی لائیں اور اس قدر ضعف و نقص کا مظاہرہ نہ کریں کہ علمائے کرام بھی ان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے تعددِ ازواج جیسے واضح و صریح حکمِ قرآنی اور سنتِ نبوی کی اہمیت و فضیلت کو نظر انداز کرتے ہوئے مسئلے کی وضاحت پیش کرنے لگیں اور اس کو حکمت و مصلحت کے خلاف قرار دے دیں۔ اس کے ساتھ عوام کو ان علمائے کرام کے اقوال و افعال کو بھی سامنے رکھنا چاہیے جو حقیقتِ حال کو سمجھتے ہوئے تعددِ ازواج کو موجودہ وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہیں اور اس کی حوصلہ افزائی اور تائید و حمایت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں علمائے عرب کا مثالی کردار قابلِ داد و تحسین ہے، جس کی وجہ سے اہل عرب آج بھی تعددِ ازواج کے قائل ہیں اور ان کے ہاں دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرنا ایک معمول کی بات ہے۔ وہ اس حکمِ شرعی کی حکمتوں اور مصلحتوں سے بخوبی واقف ہیں اور بغیر کسی مخالفت کے اس پر عمل پیرا ہیں۔ وہاں کی خواتین بھی اس بات کی عادی ہوتی ہیں، اس لیے ان کے لیے یہ کوئی نفسیاتی مسئلہ نہیں بنتا۔ سعودی عرب، مصر، سوڈان وغیرہ کے زیادہ تر علاقوں اور قبیلوں میں آج بھی تعددِ ازواج کا بھرپور رواج قائم ہے اور اکثریت کے نزدیک یہ ایک پسندیدہ اور مرغوب ترین عمل ہے۔ جیسا کہ جناب آصف مجید صاحب اپنے ایک عرب دوست کی دعوتِ ولیمہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ ولیمہ تھا ایک عرب دوست کی تیسری شادی کا۔ پہلی دو بیویاں فوت نہیں ہو گئی تھیں، وہ بھی حیات تھیں۔ ہاں! ان کے ہاں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا عام رواج ہے۔ آخر ٹھہرے جو صحابہ کرام کی اولاد۔ ایسے پاکستانیوں کو، جن کی صرف ایک شادی ہوئی ہے، انہیں وہ مذاق میں ”مسکین“ کہتے ہیں۔ ان کی شادیوں میں جہیز کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ولیمہ دیکھ کر اور کھا کر دل خوش ہو گیا۔“ (بچوں کا اسلام شمارہ: 406)

ایک مشہور عربی مجلہ ”الاسرة“ لکھتا ہے:

”سوڈان افریقہ میں عورتیں اپنے شوہر کی زیادہ بیویوں پر فخر کرتی ہیں جس وجہ سے وہاں کے قبائل میں سب سے آسان کام شادی ہے اور اس سے بھی زیادہ آسان دوسری، تیسری اور چوتھی شادی ہے، افریقہ کے اکثر قبائل اسی دستور پر ہیں۔“

(الاسرة، ذی قعدة 1425ھ)

ایک مصری صحافی خاتون کے حوالے سے گلف نیوز کی ایک رپورٹ کے مطابق: ایک چالیس سالہ مصری خاتون حیام دایک

مردوں کی دوشادیوں کے حق میں ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ تین چار شادیاں بھی کر لیں تو بیویوں کو برا نہیں ماننا چاہیے اور نہ ہی گھر چھوڑ کر چلے جانا چاہیے۔ حیام کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے شوہر سے کہا ہے کہ وہ دوسری شادی کر لے، میں ملازمت کے ساتھ تنہا گھر کے مکمل کام نہیں کر سکتی، حیام آج کل مردوں کی ایک سے زائد بیویاں رکھنے کے حق میں مہم چلا رہی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ گھر کے ڈھیروں کام ایک عورت کے بس کی بات نہیں۔ حیام کا مزید کہنا ہے کہ اسلام میں مردوں کو چار شادیوں کی اجازت دراصل خواتین ہی کے حق میں ہے۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ دوسری شادی کر لو، لیکن اس نے میرے مطالبے کو مذاق سمجھ کر مسترد کر دیا، جبکہ میں سنجیدہ ہوں۔ دایک نے اس سلسلے میں ایک تنظیم قائم کی ہے جس کا نام ”العیر“ یعنی معاونت ہے، یہ تنظیم مردوں کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دیتی ہے۔۔۔ (روزنامہ ایکسپریس، سندھ میگزین 4 مارچ 2004)

تعددِ ازواج کی تائید و حمایت میں علمائے عجم کے فرمودات

تعددِ ازواج کی تعلیم و ترغیب اور اس کی حمایت میں علمائے عرب کے مواظظ و نصائح اور فتاویٰ و آراء سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اس کتاب کے بیشتر مقامات پر ان حضرات کے اقوال و احوال کو نقل کیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ علمائے عجم، خصوصاً پاکستان کے علماء کے بھی کئی اقوال ایسے ملتے ہیں جو تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں اور موجودہ دور میں اس کے رواج کی تعلیم و ترغیب دیتے ہیں۔ ان میں سے چند مقبول و معروف علمائے کرام کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس (تعددِ ازواج) کی اباحت ہلا کراہت کے منصوص قطعی (قرآن سے ثابت) ہے اور سلف میں بلا تکلیف رائج تھا۔ اس میں کراہت یا حرمت کا اعتقاد یا دعویٰ اور اس بنا پر آیاتِ قرآنیہ میں تحریف کرنا سراسر الحاد و بددینی ہے۔ اصل عمل (تعددِ ازواج) میں کراہت یا ناپسندیدگی کا شاہد نہیں اور نہ ہی اس کی صحت عدل کے ساتھ مقید ہے، بلکہ اگر عدل و انصاف نہ ہو سکے گا یقین بھی ہو تب بھی (نکاح) کی صحت اور نفاذ یقینی ہے، بعض قوموں نے یورپ کی دیکھا دیکھی دعویٰ کیا ہے کہ ایک عورت سے زائد دوسری، تیسری، چوتھی عورت سے نکاح جائز نہیں اور اس کا منشاء محض اہل یورپ کی آراء اور خواہش کا استحسان ہے اور اس دعوے کو زبردستی قرآن میں بھی ٹھونس دیا کہ دو جگہ سے دو آیتیں لیں اور ہر ایک کے معنی میں تحریف کی، اس طرح سے اپنا مطلب پورا کیا، (لیکن یہ تحریف) سراسر الحاد و بددینی ہے۔“ (اصلاح انقلاب امت 27-69/2)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ایک مرد کے لیے متعدد بیویاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا۔ عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرتِ ازواج کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا، دورِ حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعددِ ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی و اشتاد کی صورت میں برآمد ہوا۔ بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود

اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں۔“ (معارف القرآن 287/2)

حضرت مفتی ولی حسن ٹوکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یورپ کا نظریہ یک زوجگی اب علمی طور پر فرسودہ ہو چکا ہے اور وہاں کے عقلاء و مفکرین بھی اب خود اس کے خلاف سوچنے لگے ہیں، کیونکہ وہ تجربہ کر چکے ہیں کہ اس یک زوجگی نظام نے ان کے معاشرے میں کس قدر بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ یورپ اور امریکی معاشرے کے بگاڑ کا اندازہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقتباسات پڑھیے، جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ نظریہ یک زوجگی نے ان لوگوں کو کس حالت پر پہنچا دیا ہے، اس کا صحیح حل تعددِ ازواج ہی ہے، لیکن اس سے بلاوجہ پہلو تہی کی جارہی ہے، عین ممکن ہے کہ مستقبل میں یورپ و امریکا بھی تعددِ ازواج کو اختیار کر لیں۔“ (عالمی قوانین شریعت کی روشنی میں ص: 179)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یہ اجازت قرآن و سنت سے واضح طور پر ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عام معمول ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا تھا، آج تک فقہاء و علماء زیادہ شادیاں کرنے کو نظرِ استحسان سے دیکھتے رہے، بعض فقہاء نے اس کی اہمیت و ترغیب پر مستقل رسالے تحریر فرمائے ہیں۔ اس بنا پر ایک سے زائد شادیوں کو معیوب سمجھنا اور اس سنت متواترہ پر عمل کا ارادہ کرنے والے کی مخالفت کرنا اور اس کے لیے رکاوٹیں پیدا کرنا عقیدہ و عمل کی ایسی خرابی ہے کہ اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔“ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

حضرت مولانا محمد حنیف عبد المجید حفظہ اللہ تعالیٰ تعددِ ازواج کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہی فطرت کا مزاج ہے، یہی روحانی اور جسمانی بیماریوں کا علاج ہے، یہی معاشرے کی پریشانیوں اور مصیبتوں کی دوا ہے، یہی شریعت کا درس ہے، یہی خدا کے محبوبوں کی سنت ہے، اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح اور نجات کی ضمانت ہے، اسی میں گناہوں سے حفاظت ہے، اسی میں فقر کا خاتمہ ہے، یہی غنی کا دروازہ ہے۔“ (تحفہ لہن ص: 105)

تعددِ ازواج پر دواہم مضامین

آخر میں علمائے کرام کے تحریر کردہ دواہم مضامین کو نقل کیا جا رہا ہے، جن میں انہوں نے نہایت ہی عمدہ انداز میں شرعی و عقلی دلائل کے ذریعے تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت کو واضح فرمایا ہے:

پہلا مضمون:

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا، حتیٰ کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں، حضرت اسحاق علیہ السلام کی بھی متعدد بیویاں تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی کئی بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں اور توریت و انجیل اور دیگر صحیف انبیاء میں حضراتِ انبیاء کی متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں بھی تعددِ ازواج کی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام صرف یہ دو نبی ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی، سو

اگر ان کے فعل کو استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے پہلے اگرچہ شادی نہیں کی، مگر نزول کے بعد شادی فرمائیں گے اور اولاد بھی ہوگی، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

غرض یہ کہ علمائے یہود اور علمائے نصاریٰ کو مذہبی لحاظ سے تعددِ ازواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں، اسلام آیا اور اس نے تعددِ ازواج کو جائز قرار دیا، مگر اس کی حد مقرر کر دی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے، اس لیے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصینِ فرج ہے، یعنی پاک دامن اور شرمگاہ کی زنا سے حفاظت مقصود ہے۔ چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا، شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا، نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود کثرت کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے، بلکہ بین بین حال کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی تاکہ:

1) نکاح کی غرض و غایت، یعنی عفت اور حفاظتِ نظر اور تحصینِ فرج اور تناسل اور اولادِ سہولت حاصل ہو سکے اور زنا سے بالکل محفوظ ہو جائے۔ اس لیے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال بنایا ہے کہ ان کے لیے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور بوجہ قوت اور توانائی اور پھر خوشحالی اور تو نگری کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو دوسرے نکاح سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ اور پرہیزگاری اور پاکدامنی تو رخصت ہو جائے گی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

بلکہ اگر ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں کروڑوں کی دولت موجود ہے، اگر وہ اپنے خاندان کی چار غریب عورتوں سے اس لیے نکاح کریں کہ ان کی تنگ دستی مبدل بفرخی ہو جائے اور وہ غربت کے گھرانے سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھرانے میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطہ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطہ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔

دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانے سے ہر مہینہ دس ہزار مزدور، دس ہزار خاندان پرورش پاتے ہوں تو اگر دولت مند کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کے حرمِ سرانے میں داخل ہو جائیں اور عیش و عشرت اور عزت و راحت کے ساتھ ان کی عزت اور ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً و شرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، بلکہ اگر کوئی صدر، بادشاہ یا وزیرِ سلطنت یا کوئی صاحبِ ثروت و دولت بیمار پڑ جائے اور پھر بذریعہ اخبار کے یہ اعلان کرائے کہ میں چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک لاکھ روپیہ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلے کا مالک ہر ایک کو بنا دوں گا، جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے وہ میرے پاس درخواست بھیج دے تو سب سے پہلے انہیں بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو تعددِ ازواج کے مسئلے پر شور برپا کر رہی ہیں۔

یہی مغرب زدہ بیگمات اور ہم رنگ میمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں کو اور بھتیجیوں کو لے کر امراء اور وزراء کے بنگلوں پر خود حاضر ہو جائیں گی اور عجب نہیں کہ ان بیگمات کا اتنا جھوم ہو جائے کہ امیر و وزیر کے لیے پولیس بلا نا پڑے اور اگر کوئی امیر اور وزیر ان بیگمات کے قبول کرنے میں تامل کرے تو یہی بیگمات دلاویز طریقے سے ان امیروں اور وزیروں کو تعددِ ازواج کے فوائد و منافع سمجھائیں گی۔

حضرت مفتی ولی حسن ٹوکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یورپ کا نظریہ یک زوجگی اب علمی طور پر فرسودہ ہو چکا ہے اور وہاں کے عقلاء و مفکرین بھی اب خود اس کے خلاف سوچنے لگے ہیں، کیونکہ وہ تجربہ کر چکے ہیں کہ اس یک زوجگی نظام نے ان کے معاشرے میں کس قدر بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ یورپ اور امریکی معاشرے کے بگاڑ کا اندازہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقتباسات پڑھیے، جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ نظریہ یک زوجگی نے ان لوگوں کو کس حالت پر پہنچا دیا ہے، اس کا صحیح حل تعددِ ازواج ہی ہے، لیکن اس سے بلاوجہ پہلو تہی کی جارہی ہے، عین ممکن ہے کہ مستقبل میں یورپ و امریکا بھی تعددِ ازواج کو اختیار کر لیں۔“ (عالمی قوانین شریعت کی روشنی میں ص: 179)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یہ اجازت قرآن و سنت سے واضح طور پر ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عام معمول ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا تھا، آج تک فقہاء و علماء زیادہ شادیاں کرنے کو نظرِ استحسان سے دیکھتے رہے، بعض فقہاء نے اس کی اہمیت و ترغیب پر مستقل رسالے تحریر فرمائے ہیں۔ اس بنا پر ایک سے زائد شادیوں کو معیوب سمجھنا اور اس سنت متواترہ پر عمل کا ارادہ کرنے والے کی مخالفت کرنا اور اس کے لیے رکاوٹیں پیدا کرنا عقیدہ و عمل کی ایسی خرابی ہے کہ اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔“ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

حضرت مولانا محمد حنیف عبد المجید حفظہ اللہ تعالیٰ تعددِ ازواج کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہی فطرت کا مزاج ہے، یہی روحانی اور جسمانی بیماریوں کا علاج ہے، یہی معاشرے کی پریشانیوں اور مصیبتوں کی دوا ہے، یہی شریعت کا درس ہے، یہی خدا کے محبوبوں کی سنت ہے، اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح اور نجات کی ضمانت ہے، اسی میں گناہوں سے حفاظت ہے، اسی میں فقر کا خاتمہ ہے، یہی غنی کا دروازہ ہے۔“ (تحفہ دلہن ص: 105)

تعددِ ازواج پر دواہم مضامین

آخر میں علمائے کرام کے تحریر کردہ دواہم مضامین کو نقل کیا جا رہا ہے، جن میں انہوں نے نہایت ہی عمدہ انداز میں شرعی و عقلی دلائل کے ذریعے تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت کو واضح فرمایا ہے:

پہلا مضمون:

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا، حتیٰ کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں، حضرت اسحاق علیہ السلام کی بھی متعدد بیویاں تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی کئی بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں اور توریت و انجیل اور دیگر صحیفِ انبیاء میں حضراتِ انبیاء کی متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں بھی تعددِ ازواج کی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام صرف یہ دو نبی ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی، سو

اگر ان کے فعل کو استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے پہلے اگرچہ شادی نہیں کی، مگر نزول کے بعد شادی فرمائیں گے اور اولاد بھی ہوگی، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

غرض یہ کہ علمائے یہود اور علمائے نصاریٰ کو مذہبی لحاظ سے تعددِ ازواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں، اسلام آیا اور اس نے تعددِ ازواج کو جائز قرار دیا، مگر اس کی حد مقرر کر دی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے، اس لیے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصینِ فرج ہے، یعنی پاک دامن اور شرمگاہ کی زنا سے حفاظت مقصود ہے۔ چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا، شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا، نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود کثرت کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے، بلکہ بین بین حال کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی تاکہ:

1) نکاح کی غرض و غایت، یعنی عفت اور حفاظتِ نظر اور تحصینِ فرج اور تناسل اور اولادِ سہولت حاصل ہو سکے اور زنا سے بالکل محفوظ ہو جائے۔ اس لیے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال بنایا ہے کہ ان کے لیے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور بوجہ قوت اور توانائی اور پھر خوشحالی اور تو نگری کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو دوسرے نکاح سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ اور پرہیزگاری اور پاکدامنی تو رخصت ہو جائے گی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

بلکہ اگر ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں کروڑوں کی دولت موجود ہے، اگر وہ اپنے خاندان کی چار غریب عورتوں سے اس لیے نکاح کریں کہ ان کی تنگ دستی مبدل بفرخی ہو جائے اور وہ غربت کے گھرانے سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھرانے میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطہ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطہ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔

دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانے سے ہر مہینہ دس ہزار مزدور، دس ہزار خاندان پرورش پاتے ہوں تو اگر دولت مند کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کے حرم سرائے میں داخل ہو جائیں اور عیش و عشرت اور عزت و راحت کے ساتھ ان کی عزت اور ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً و شرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، بلکہ اگر کوئی صدر، بادشاہ یا وزیرِ سلطنت یا کوئی صاحبِ ثروت و دولت بیمار پڑ جائے اور پھر بذریعہ اخبار کے یہ اعلان کرائے کہ میں چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک لاکھ روپیہ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلے کا مالک ہر ایک کو بنا دوں گا، جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے وہ میرے پاس درخواست بھیج دے تو سب سے پہلے انہیں بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو تعددِ ازواج کے مسئلے پر شور برپا کر رہی ہیں۔

یہی مغرب زدہ بیگمات اور ہم رنگ میمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں کو اور بھتیجیوں کو لے کر امراء اور وزراء کے بنگلوں پر خود حاضر ہو جائیں گی اور عجب نہیں کہ ان بیگمات کا اتنا جھوم ہو جائے کہ امیر و وزیر کے لیے پولیس بلا نا پڑے اور اگر کوئی امیر اور وزیر ان بیگمات کے قبول کرنے میں تامل کرے تو یہی بیگمات دلاویز طریقے سے ان امیروں اور وزیروں کو تعددِ ازواج کے فوائد و منافع سمجھائیں گی۔

(2) عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے، کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر مہینے میں عورت پر پانچ چھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام ماہواری جس میں مرد کو پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے، دوسرے ایام حمل میں عورت کو مرد کی صحبت سے اس لیے پرہیز ضروری ہے کہ جنین کی صحت پر کوئی برا اثر نہ پڑے، تیسرے یہ کہ بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے پاگل اور توالد و تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے فائدہ حاصل کر سکے، ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کی اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے، ورنہ مرد اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے۔

(3) نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (بانجھ) ہونے کی وجہ سے تو والد و تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقائے نسل کی طرف فطری رغبت ہے، ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کر دینا یا اس پر کوئی الزام لگا کر اس کو طلاق دے دینا بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور حقوق زوجیت کو باقی اور محفوظ رکھ کر شوہر کو دوسرے نکاح کی اجازت دے دی جائے۔ بتلاؤ کون سی صورت بہتر ہے؟ اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو تو اس کی سب سے بہتر تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ ایک مرد کئی شادیاں کرے تاکہ بہت سی اولاد ہو سکے۔

زمانہ جاہلیت میں فقر اور افلاس کے ڈر سے صرف لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور موجودہ تہذیب و تمدن کے دور میں ضبط تولید کی دوائیں ایجاد ہو گئیں، جس سے موجودہ تہذیب قدیم جاہلیت پر سبقت لے گئی۔ اپنی ذہانت سے نسل کشی اور زنا اور بدکاری کی پردہ پوشی کے عجیب و غریب طریقے جاری کر دیے جواب تک کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرے تھے۔

(4) نیز تجربہ اور مشاہدہ سے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد قدرتا اور عادتاً ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی ہے جو کہ قدرتی طور پر تعددِ ازواج کی روشن دلیل ہے۔ مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں اور مرتے زیادہ ہیں۔ لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں اور ہزاروں جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں اور ہزاروں مرد کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلند یوں سے گر کر مر جاتے ہیں اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں۔

پس اگر ایک مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بیکار رہیں گی۔ کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار بنے گا؟ اور کس طرح یہ عورتیں اپنی فطری خواہش کو بائیں گی اور اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں گی؟

بس تعددِ ازواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان اور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے۔ عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکرو واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانہ دیا اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا۔ دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اس وقت ہمدردانِ قوم کی نگاہیں اسی اسلامی اصول کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔

ابھی پچیس سال قبل کی بات ہے کہ جنگِ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعددِ ازواج جائز نہیں عورتوں کی اس بے کسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر تعددِ ازواج کا فتویٰ تیار کر رہے تھے، مگر زبان سے دم بخود تھے۔ جو لوگ تعددِ ازواج کو برا سمجھتے ہیں ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں لاکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو ان کی

فطری اور طبعی جذبات اور ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ کے پاس کیا حل ہے؟ اور آپ نے ان بے کس اور بے سہارا عورتوں کی مصیبت دور کرنے کے لیے کیا قانون بنایا ہے؟

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: گذشتہ مردم شماری میں بعض محاسبین نے صرف بنگال کے مردوں اور عورتوں کی تعداد پر نظر کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے جو کہ قدرتی طور پر تعددِ ازواج کی روشن دلیل ہے۔ جس کو شک ہو وہ علیحدہ علیحدہ مردوں اور عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں ملاحظہ کر لے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کی یورپ جس کو سب

ممالک سے زیادہ تعددِ ازواج کی ضرورت ہے، منزہ اور مبرا سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کسی قدر زیادہ ہے۔ چنانچہ برطانیہ کلاں میں بوڑوں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ انہتر ہزار تین سو پچاس عورتیں، جرمنی میں 1900ء میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں، سویڈن میں 1901ء میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر عورتیں، ہسپانیہ میں 1890ء میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو آٹھ عورتیں، آسٹریلیا میں 1890ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں، فرانس میں 1900ء میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں مردوں سے زائد تھیں۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعددِ ازواج کو برا سمجھتے ہیں، مگر یہ بتایا جائے کہ ان کم از کم چالیس لاکھ عورتوں کے لیے کون سا قانون تجویز کیا جائے، کیونکہ ایک بیوی کے قاعدے کی رو سے یورپ میں تو ان کے لیے خاوند نہیں مل سکتے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانی ضروریات کے لیے بنائے جاتے ہیں وہ انسانی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں؟ وہ قانون جو تعددِ ازواج کی ممانعت کرتا ہے وہ ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چاہیں اور ان کے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش پیدا نہ ہو، لیکن یہ امر تو ناممکن ہے جیسا کہ خود تجربہ اس کی شہادت دے رہا ہے۔ پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریقے سے روکے جانے کے باعث وہ ناجائز طریقہ اختیار کریں گے اور اس طرح انہیں زنا کی کثرت ہوگی اور یہ تعددِ ازواج کی ممانعت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ اس سے زنا زیادہ پھیلے گا، خیال ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ جیسا کہ

ہزار ہا ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں۔ (المصالح العقلیہ 172/1)

افسوس اور صد ہزار افسوس..... اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعددِ ازواج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بے نکاح کی لاتعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں۔ زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح اور شرمناک فعل رہا ہے، مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبیح ہونا نظر نہیں آتا اور تعددِ ازواج جو کہ تمام انبیاء و مرسلین اور تمام حکماء و عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا ہے، ان کو قبیح نظر آتا ہے۔ ان مہذب قوموں کے نزدیک تعددِ ازواج تو جرم ہے اور زنا و بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں۔ ان مہذب قوموں میں تعددِ ازواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے، مگر زنا کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔

(5) تعددِ ازواج کے جواز اور استحسان کا اصل سبب یہ ہے کہ تعددِ ازواج عفت و پاک دامن اور تقویٰ و پرہیزگاری جیسی عظیم نعمت اور صفت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ تعددِ ازواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشوں اور بیرونی افعال کا مطالعہ کریں، جو

(2) عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے، کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر مہینے میں عورت پر پانچ چھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام ماہواری جس میں مرد کو پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے، دوسرے ایام حمل میں عورت کو مرد کی صحبت سے اس لیے پرہیز ضروری ہے کہ جنین کی صحت پر کوئی برا اثر نہ پڑے، تیسرے یہ کہ بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے پاگل اور توالد و تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے فائدہ حاصل کر سکے، ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کی اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے، ورنہ مرد اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے۔

(3) نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (بانجھ) ہونے کی وجہ سے توالد و تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقاءِ نسل کی طرف فطری رغبت ہے، ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کر دینا یا اس پر کوئی الزام لگا کر اس کو طلاق دے دینا بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور حقوق زوجیت کو باقی اور محفوظ رکھ کر شوہر کو دوسرے نکاح کی اجازت دے دی جائے۔ بتلاؤ کون سی صورت بہتر ہے؟ اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو تو اس کی سب سے بہتر تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ ایک مرد کئی شادیاں کرے تاکہ بہت سی اولاد ہو سکے۔

زمانہ جاہلیت میں فقر اور افلاس کے ڈر سے صرف لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور موجودہ تہذیب و تمدن کے دور میں ضبط تولید کی دوائیں ایجاد ہو گئیں، جس سے موجودہ تہذیب قدیم جاہلیت پر سبقت لے گئی۔ اپنی ذہانت سے نسل کشی اور زنا اور بدکاری کی پردہ پوشی کے عجیب و غریب طریقے جاری کر دیے جواب تک کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرے تھے۔

(4) نیز تجربہ اور مشاہدہ سے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد قدرتا اور عادتاً ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی ہے جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازواج کی روشن دلیل ہے۔ مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں اور مرتے زیادہ ہیں۔ لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں اور ہزاروں جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں اور ہزاروں مرد کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلند یوں سے گر کر مر جاتے ہیں اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں۔

پس اگر ایک مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بیکار رہیں گی۔ کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار بنے گا؟ اور کس طرح یہ عورتیں اپنی فطری خواہش کو دبائیں گی اور اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں گی؟

بس تعدد ازواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان اور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے۔ عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکرو واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانہ دیا اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا۔ دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اس وقت ہمدردانِ قوم کی نگاہیں اسی اسلامی اصول کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔

ابھی پچیس سال قبل کی بات ہے کہ جنگِ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعدد ازواج جائز نہیں عورتوں کی اس بے کسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر تعدد ازواج کا فتویٰ تیار کر رہے تھے، مگر زبان سے دم بخود تھے۔ جو لوگ تعدد ازواج کو بُرا سمجھتے ہیں ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں لاکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو ان کی

فطری اور طبعی جذبات اور ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ کے پاس کیا حل ہے؟ اور آپ نے ان بے کس اور بے سہارا عورتوں کی مصیبت دور کرنے کے لیے کیا قانون بنایا ہے؟

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: گذشتہ مردم شماری میں بعض محاسبین نے صرف بنگال کے مردوں اور عورتوں کی تعداد پر نظر کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازواج کی روشن دلیل ہے۔ جس کو شک ہو وہ علیحدہ علیحدہ مردوں اور عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں ملاحظہ کر لے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کی یورپ جس کو سب

ممالک سے زیادہ تعدد ازواج کی ضرورت ہے، منزہ اور مبرا سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کسی قدر زیادہ ہے۔ چنانچہ برطانیہ کلاں میں یوروں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ انہتر ہزار تین سو پچاس عورتیں، جرمنی میں 1900ء میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں، سویڈن میں 1901ء میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر عورتیں، ہسپانیہ میں 1890ء میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو آٹھ عورتیں، آسٹریلیا میں 1890ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں، فرانس میں 1900ء میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں مردوں سے زائد تھیں۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعدد ازواج کو بُرا سمجھتے ہیں، مگر یہ بتایا جائے کہ ان کم از کم چالیس لاکھ عورتوں کے لیے کون سا قانون تجویز کیا جائے، کیونکہ ایک بیوی کے قاعدے کی رو سے یورپ میں تو ان کے لیے خاوند نہیں مل سکتے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانی ضروریات کے لیے بنائے جاتے ہیں وہ انسانی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں؟ وہ قانون جو تعدد ازواج کی ممانعت کرتا ہے وہ ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چاہیں اور ان کے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش پیدا نہ ہو، لیکن یہ امر تو ناممکن ہے جیسا کہ خود تجربہ اس کی شہادت دے رہا ہے۔

پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریقے سے روکے جانے کے باعث وہ ناجائز طریقہ اختیار کریں گے اور اس طرح انہیں زنا کی کثرت ہوگی اور یہ تعدد ازواج کی ممانعت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ اس سے زنا زیادہ پھیلے گا، خیال ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ جیسا کہ ہزار ہا ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں۔ (المصالح العقلیہ 172/1)

افسوس اور صد ہزار افسوس..... اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعدد ازواج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی لا تعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں۔ زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح اور شرمناک فعل رہا ہے، مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبیح ہونا نظر نہیں آتا اور تعدد ازواج جو کہ تمام انبیاء و مرسلین اور تمام حکماء و عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا ہے، ان کو قبیح نظر آتا ہے۔ ان مذہب قوموں کے نزدیک تعدد ازواج تو جرم ہے اور زنا و بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں۔ ان مذہب قوموں میں تعدد ازواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے، مگر زنا کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔

(5) تعدد ازواج کے جواز اور استحسان کا اصل سبب یہ ہے کہ تعدد ازواج عفت و پاک دامنی اور تقویٰ و پرہیزگاری جیسی عظیم نعمت اور صفت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ تعدد ازواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشوں اور بیرونی افعال کا مطالعہ کریں، جو

قومیں زبان سے پاک تعددِ ازواج کی منکر ہیں وہ عملی طور پر ناپاک تعددِ ازواج یعنی زنا و بدکاری میں مبتلا اور گرفتار ہیں۔ ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے ثابت کر دیا کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے۔

پس خداوندِ عظیم و حکیم نے اپنے قانون میں انسانوں کی وسیع خواہشوں، اندرونی میلانوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا کہ جو مختلف جذبات، دلی طبائع کو بھی عفت اور تقویٰ اور طہارت کے دائرے میں محدود رکھ سکے۔

(سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، از: حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

دوسرا مضمون:

عرب میں دستور تھا کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو حقیقی بہو کی طرح سمجھا جاتا تھا اور منہ بولا بیٹا اگر اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا یا اس کے مرجانے کی وجہ سے وہ بیوہ ہو جاتی تو باپ کے لیے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کو باعثِ عار اور غیرت کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کو واجب قرار دے دیا اور اس عمل کو افضلیت بخشنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے از خود آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمادیا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”ہم نے آپ کا نکاح (زینب سے) اس لیے کیا کہ طلاق کے بعد مسلمانوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کے معاملے میں ذرا سی بھی تنگی نہ رہے۔“ (سورۃ الاحزاب ایتہ: 37)

اس آیت کی تفسیر میں علمائے کرام نے اس حکم کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے:

پہلی حکمت..... منہ بولے بیٹے کی بیوی جب حقیقی بہو نہیں تو شرعاً اس سے نکاح جائز ہے اور ایک کام جب شرعاً جائز ہو تو اسے باعثِ عار سمجھ کر اس پر اعتراضات کرنا ایک ایسا گناہ ہے کہ قوم کے رہبر و مقتدی پر اس کی اصلاح ضروری ہے، لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ اس رسم بد کے خلاف عملی اقدام کر کے اس کا خاتمہ کریں تاکہ لوگوں کے بگڑے ہوئے مزاج کی اصلاح ہو سکے اور لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال کردہ ایک کام کو عملاً حلال ہی سمجھیں، کیونکہ ایک حلال کام کو باعثِ عار اور معیوب سمجھنا مزاج کے بگڑنے کی علامت ہے۔ اس سے تین سبق حاصل ہوئے:

پہلا سبق..... جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ دوسری شادی محض ایک مباح کام ہے اور اس کے عملی ارتکاب کی وجہ سے اہل علم اور دین دار حضرات لوگوں کی طرف سے عیش پرستی و شہوت پرستی کے طعنوں کا شکار ہو کر بدنام ہوتے ہیں، جبکہ بدنامی سے بچنا فرض ہے۔ لہذا ایک ایسا عمل جس کی خود ان کی ذات کو یا معاشرے کو کوئی ضرورت بھی نہیں اور یہ عمل کوئی فرض یا واجب بھی نہیں تو اس کے عملی ارتکاب سے اپنی بدنامی کی کوئی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ دوسری شادی حلال اور بدنامی سے بچنا فرض ہے اور فرض کی اہمیت مباح کام سے زیادہ ہوتی ہے۔ آیت مبارکہ میں اس نظریے پر یوں رد ہے کہ اگر اپنی ذات یا قوم اور معاشرے کو حلال کردہ ایک اقدام کی عملی ضرورت نہ بھی ہو تو وہ کام جسے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حلال قرار دے دیا ہو، اس سے اجتناب کر کے خود کو بدنامی سے بچانا،

اتنا اہم نہیں جتنا کہ اس معاملے میں لوگوں کے بگڑے ہوئے مزاج کی اصلاح ضروری ہے، جس کی وجہ سے وہ خدا کی واضح حلال کردہ ایک عمل کو بدنامی کا سبب اور باعثِ عار سمجھ رہے ہیں۔

دوسرا سبق..... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے جن طعنوں کے خوف سے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح میں ہچکچاہٹ محسوس فرما رہے تھے، اس کا سبب مقصودی طور پر نہ اپنی ذات کا دفاع تھا اور نہ ہی خود کو عربوں کے طعنوں سے بچانا تھا، بلکہ بنیادی مقصد اسلام کا دفاع تھا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عرب کی طرف سے ان طعنوں کا شکار ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے واسطے سے درحقیقت اسلام بدنام ہوتا۔ لوگ اسلام کے بارے میں باتیں بناتے کہ یہ ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین، جو بہو سے نکاح کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ بعض مرتبہ اسے واجب بھی قرار دیتا ہے، یہ ہیں اس دین کے بانی جو شادیوں پر ایسے حریص ہیں کہ اپنی بہو کو بھی نکاح کا پیغام دے ڈالا اور وہ بھی اس وقت کہ جب پہلے سے کئی شادیاں کر چکے ہیں، یہ تو قوم کے رہبر و رہنما ہیں اور انہیں تو شادیوں کے چکروں سے ویسے ہی دور رہنا چاہیے، مگر یہ ہیں کہ شادیوں پر شادیاں ہی کرتے چلے جا رہے ہیں، بڑا ترس آ رہا ہے اپنی پھوپھی زاد پر، بڑا شوق ہو رہا ہے اس کا گھر بسانے کا، اصل شوق تو شادیوں کا ہے اور نام گھر بسانے کا، زخموں کا مداوا کرنے کا، بگڑے ہوئے مزاج کی اصلاح کرنے کا، شریعت کے مرے ہوئے حکم کو زندہ کرنے کا۔۔۔ گھر بسانے اور زخموں کے مداوے کے لیے دنیا میں دوسری عورتیں کیا کم پڑ گئیں تھیں جو ساری ہمدردیاں زینب جیسی حسن و جمال والی بہو پر ہی نازل ہو رہی ہیں وغیرہ وغیرہ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف لاحق ہوا جس کا ذکر قرآن حکیم نے ”اتخشی الناس“ کیا آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں؟“ کے الفاظ سے کیا کہ میری بدنامی دین کی اشاعت و تبلیغ میں خلل ورکاؤٹ بنے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو تنبیہ نازل فرمائی اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کے دفاع کا مقصد جب اسلام کے نام کا دفاع نہیں بلکہ اسلام کے احکام کا دفاع ہوتا ہے تو اسلام کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی تو ہے کہ منہ بولا بیٹا جب شریعت سے متعلق دیگر احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں تو اس کی بیوی بھی حقیقی بہو نہیں۔ اس لیے لوگوں کے دماغوں میں ایسی بہو سے نکاح کے عمل کی کراہیت کو نکال کر اس حکم کا دفاع کرنا بھی درحقیقت اسلام ہی کا دفاع ہے۔ اسلام کے دفاع کا یہ طریقہ درست نہیں کہ خود اسلام کے احکام ہی اس سے متاثر ہونے لگیں۔ لہذا ہر شخص پر اس کے درجے کے لحاظ سے اسلام کا دفاع لازمی ہوگا اور جو شخص قوم کا بڑا اور مقتدی ہوگا، اسلام کے بقیہ احکام کے دفاع سمیت حسب استطاعت اس حکم کا دفاع بھی اس پر اسی درجے واجب ہوگا۔

تیسرا سبق..... جب نیت اچھی ہو، یعنی اسلام کو بدنامی سے بچانا مقصود ہو تو اس وقت بھی نکاح کے معاملے میں بخل سے کام لینا شرعاً پسندیدہ نہیں اور جب نیت اسلام کا دفاع بھی نہ ہو بلکہ محض اپنی ذات کو بدنامی سے بچانا مقصود ہو تو اس وقت بطریق اولیٰ تعددِ ازواج کے ایک ایسے شرعی حکم، جسے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حلال ہی نہیں بلکہ ایک پسندیدہ عمل قرار دے دیا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی اقدام سے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے ہوں، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ بنا دیا ہو، لاکھوں عورتوں کی عفت و عصمت اور کفالت و حفاظت کا واحد ذریعہ بنا دیا ہو، اُمت کی تعداد میں اضافے اور اس اضافے کے ذریعے اُمت کو علم و جہاد اور زراعت و صنعت جیسے شعبوں میں قوت بخشنے کا وسیلہ بنا دیا ہو، بے حیائی و بے ہودگی کے خاتمے یا اس میں

قومیں زبان سے پاک تعددِ ازواج کی منکر ہیں وہ عملی طور پر ناپاک تعددِ ازواج یعنی زنا و بدکاری میں مبتلا اور گرفتار ہیں۔ ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے ثابت کر دیا کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے۔

پس خداوندِ عظیم و حکیم نے اپنے قانون میں انسانوں کی وسیع خواہشوں، اندرونی میلانوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا کہ جو مختلف جذبات، دلی طبائع کو بھی عفت اور تقویٰ اور طہارت کے دائرے میں محدود رکھ سکے۔

(سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، از: حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

دوسرا مضمون:

عرب میں دستور تھا کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو حقیقی بہو کی طرح سمجھا جاتا تھا اور منہ بولا بیٹا اگر اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا یا اس کے مرجانے کی وجہ سے وہ بیوہ ہو جاتی تو باپ کے لیے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کو باعثِ عار اور غیرت کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کو واجب قرار دے دیا اور اس عمل کو افضلیت بخشنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے از خود آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمادیا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”ہم نے آپ کا نکاح (زینب سے) اس لیے کیا کہ طلاق کے بعد مسلمانوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کے معاملے میں ذرا سی بھی تنگی نہ رہے۔“ (سورۃ الاحزاب ایتہ: 37)

اس آیت کی تفسیر میں علمائے کرام نے اس حکم کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے:

پہلی حکمت..... منہ بولے بیٹے کی بیوی جب حقیقی بہو نہیں تو شرعاً اس سے نکاح جائز ہے اور ایک کام جب شرعاً جائز ہو تو اسے باعثِ عار سمجھ کر اس پر اعتراضات کرنا ایک ایسا گناہ ہے کہ قوم کے رہبر و مقتدی پر اس کی اصلاح ضروری ہے، لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ اس رسم بد کے خلاف عملی اقدام کر کے اس کا خاتمہ کریں تاکہ لوگوں کے بگڑے ہوئے مزاج کی اصلاح ہو سکے اور لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال کردہ ایک کام کو عملاً حلال ہی سمجھیں، کیونکہ ایک حلال کام کو باعثِ عار اور معیوب سمجھنا مزاج کے بگڑنے کی علامت ہے۔ اس سے تین سبق حاصل ہوئے:

پہلا سبق..... جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ دوسری شادی محض ایک مباح کام ہے اور اس کے عملی ارتکاب کی وجہ سے اہل علم اور دین دار حضرات لوگوں کی طرف سے عیش پرستی و شہوت پرستی کے طعنوں کا شکار ہو کر بدنام ہوتے ہیں، جبکہ بدنامی سے بچنا فرض ہے۔ لہذا ایک ایسا عمل جس کی خود ان کی ذات کو یا معاشرے کو کوئی ضرورت بھی نہیں اور یہ عمل کوئی فرض یا واجب بھی نہیں تو اس کے عملی ارتکاب سے اپنی بدنامی کی کوئی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ دوسری شادی حلال اور بدنامی سے بچنا فرض ہے اور فرض کی اہمیت مباح کام سے زیادہ ہوتی ہے۔ آیت مبارکہ میں اس نظریے پر یوں رد ہے کہ اگر اپنی ذات یا قوم اور معاشرے کو حلال کردہ ایک اقدام کی عملی ضرورت نہ بھی ہو تو وہ کام جسے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حلال قرار دے دیا ہو، اس سے اجتناب کر کے خود کو بدنامی سے بچانا،

اتنا اہم نہیں جتنا کہ اس معاملے میں لوگوں کے بگڑے ہوئے مزاج کی اصلاح ضروری ہے، جس کی وجہ سے وہ خدا کی واضح حلال کردہ ایک عمل کو بدنامی کا سبب اور باعثِ عار سمجھ رہے ہیں۔

دوسرا سبق..... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے جن طعنوں کے خوف سے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح میں ہچکچاہٹ محسوس فرما رہے تھے، اس کا سبب مقصودی طور پر نہ اپنی ذات کا دفاع تھا اور نہ ہی خود کو عربوں کے طعنوں سے بچانا تھا، بلکہ بنیادی مقصد اسلام کا دفاع تھا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عرب کی طرف سے ان طعنوں کا شکار ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے واسطے سے درحقیقت اسلام بدنام ہوتا۔ لوگ اسلام کے بارے میں باتیں بناتے کہ یہ ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین، جو بہو سے نکاح کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ بعض مرتبہ اسے واجب بھی قرار دیتا ہے، یہ ہیں اس دین کے بانی جو شادیوں پر ایسے حریص ہیں کہ اپنی بہو کو بھی نکاح کا پیغام دے ڈالا اور وہ بھی اس وقت کہ جب پہلے سے کئی شادیاں کر چکے ہیں، یہ تو قوم کے رہبر و رہنما ہیں اور انہیں تو شادیوں کے چکروں سے ویسے ہی دور رہنا چاہیے، مگر یہ ہیں کہ شادیوں پر شادیاں ہی کرتے چلے جا رہے ہیں، بڑا ترس آ رہا ہے اپنی پھوپھی زاد پر، بڑا شوق ہو رہا ہے اس کا گھر بسانے کا، اصل شوق تو شادیوں کا ہے اور نام گھر بسانے کا، زخموں کا مداوا کرنے کا، بگڑے ہوئے مزاج کی اصلاح کرنے کا، شریعت کے مرے ہوئے حکم کو زندہ کرنے کا۔۔۔ گھر بسانے اور زخموں کے مداوے کے لیے دنیا میں دوسری عورتیں کیا کم پڑ گئیں تھیں جو ساری ہمدردیاں زینب جیسی حسن و جمال والی بہو پر ہی نازل ہو رہی ہیں وغیرہ وغیرہ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف لاحق ہوا جس کا ذکر قرآن حکیم نے ”اتخشی الناس“ کیا آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں؟“ کے الفاظ سے کیا کہ میری بدنامی دین کی اشاعت و تبلیغ میں خلل ورکاؤٹ بنے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو تنبیہ نازل فرمائی اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کے دفاع کا مقصد جب اسلام کے نام کا دفاع نہیں بلکہ اسلام کے احکام کا دفاع ہوتا ہے تو اسلام کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی تو ہے کہ منہ بولا بیٹا جب شریعت سے متعلق دیگر احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں تو اس کی بیوی بھی حقیقی بہو نہیں۔ اس لیے لوگوں کے دماغوں میں ایسی بہو سے نکاح کے عمل کی کراہیت کو نکال کر اس حکم کا دفاع کرنا بھی درحقیقت اسلام ہی کا دفاع ہے۔ اسلام کے دفاع کا یہ طریقہ درست نہیں کہ خود اسلام کے احکام ہی اس سے متاثر ہونے لگیں۔ لہذا ہر شخص پر اس کے درجے کے لحاظ سے اسلام کا دفاع لازمی ہوگا اور جو شخص قوم کا بڑا اور مقتدی ہوگا، اسلام کے بقیہ احکام کے دفاع سمیت حسب استطاعت اس حکم کا دفاع بھی اس پر اسی درجے واجب ہوگا۔

تیسرا سبق..... جب نیت اچھی ہو، یعنی اسلام کو بدنامی سے بچانا مقصود ہو تو اس وقت بھی نکاح کے معاملے میں بخل سے کام لینا شرعاً پسندیدہ نہیں اور جب نیت اسلام کا دفاع بھی نہ ہو بلکہ محض اپنی ذات کو بدنامی سے بچانا مقصود ہو تو اس وقت بطریق اولیٰ تعددِ ازواج کے ایک ایسے شرعی حکم، جسے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حلال ہی نہیں بلکہ ایک پسندیدہ عمل قرار دے دیا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی اقدام سے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے ہوں، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ بنا دیا ہو، لاکھوں عورتوں کی عفت و عصمت اور کفالت و حفاظت کا واحد ذریعہ بنا دیا ہو، اُمت کی تعداد میں اضافے اور اس اضافے کے ذریعے اُمت کو علم و جہاد اور زراعت و صنعت جیسے شعبوں میں قوت بخشنے کا وسیلہ بنا دیا ہو، بے حیائی و بے ہودگی کے خاتمے یا اس میں

کمی کا ایک بہت بڑا ذریعہ بنا دیا ہو، وقت کی ایک اہم ضرورت بناتے ہوئے اسے باقاعدہ عبادت قرار دیا ہو اور یوں اس کے تقدس پر مہر ثبت کر دی ہو تو محض اپنی ذات کو بدنامی سے بچانے کے لیے تعددِ ازواج کے اس حکم سے اجتناب کی حوصلہ افزائی شریعت کیسے کر سکتی ہے؟

وہ مسلمان جو دین دار ہیں انہیں دوبارہ غور کی دعوت دیتے ہوئے ان کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ جب شریعت نے اسلام کو بدنامی سے بچانے کے لیے نکاح کے معاملے میں بخل کو پسند نہیں کیا تا کہ منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح کے حلال ہونے کا حکم باقاعدہ عملی طور پر زندہ رہے تو یہی شریعت ان علماء و صلحاء کی کیسے حوصلہ افزائی کر سکتی ہے جو لوگوں کے طعنوں کے خوف سے محض اپنی ذات کو بدنامی سے بچانے کی خاطر تعددِ ازواج کے ایک ایسے حکم سے عملی اجتناب کرتے ہیں جو منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح کے حکم سے بھی زیادہ مؤکد اور حاملِ اہمیت ہے؟

دوسری حکمت..... اس حکم کی دوسری حکمت وہ ہے جس کا ذکر قرآن حکیم نے صراحتاً کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح اس لیے بھی واجب فرمایا کہ آئندہ جب بھی کوئی مسلمان اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے سامنے قوم کے رہبر و مقتدی کا عمل ہو اور اسی عمل کو وہ بطورِ حجت لوگوں کے سامنے پیش کرے تا کہ ان کی زبانیں بند ہو سکیں۔ یوں اس معاملے میں عامل پر کسی قسم کی معمولی تنگی بھی نہ رہے اور اس کے لیے نکاح کا اقدام بہت سہل اور آسان ہو جائے، کیونکہ محض زبانی ترغیب ہوتی اور عملی اقدام نہ ہوتا تو اس عمل سے نفرت پوری طرح نہ نکل پاتی اور وہ اس معاملے میں حرج اور تنگی کا شکار رہتا۔

آج اگر مسلمانوں کی کل آبادی کو دیکھا جائے تو اس کثیر آبادی کے مقابلے میں اولاً تو کتنے تھوڑے لوگ ایسے ہوں گے جو کسی کو منہ بولا بیٹا بناتے ہوں گے، پھر ان میں بھی کتنے قلیل لوگ ایسے ہوں گے جن کے منہ بولے بیٹے اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے ہوں گے، پھر ان میں بھی کتنے کم لوگ ایسے ہوں گے جن کو اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کی حاجت اور خواہش بھی ہوتی ہوگی، الغرض منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز ہونے والے حکم سے فائدہ حاصل کرنے کی نوبت درحقیقت بہت ہی قلیل در قلیل افراد کو پیش آتی ہے نیز ان قلیل افراد کے اس قسم کے نکاح سے اجتناب میں انفرادی یا اجتماعی سطح پر کوئی خاص نقصان کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا، مگر ان کو محض ایک حلال نعمت سے فائدہ اٹھانے والے معمولی ضرر اور نقصان سے بچانے کی خاطر اس معاملے میں کسی بھی مؤمن و مسلم پر کسی قسم کے معمولی حرج اور تنگی کو بھی برداشت نہ کیا گیا اور امت کے رہبر و رہنما کے لیے صرف زبان سے نہیں بلکہ عملی اقدام کو صرف اس لیے واجب کیا گیا تا کہ ان تھوڑے سے لوگوں پر اس معاملے میں کوئی معمولی تنگی بھی نہ رہے۔

اس کے برعکس آج تعددِ ازواج جیسے حلال کام کی ضرورت تو لاکھوں مردوں اور عورتوں کو ہے اور اس سے اجتناب کے باعث وہ جس نقصان سے دوچار ہیں وہ بھی اس نقصان سے کئی گنا بڑھ کر ہے جو منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح نہ کرنے کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کتنے شادی شدہ مرد ایسے ہیں جن کی بیویاں ان کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتیں، جن کی بیویاں کسی بیماری کے باعث یا فطری طور پر نسوانی حسن سے عاری ہیں اور وہ ان پر قناعت کر کے عفت و پاک دامنی حاصل نہیں کر سکتے، جن کی بیویاں کسی بیماری کے باعث طویل مدت تک جماع کے قابل نہیں رہتیں، جن کی بیویاں شوہروں کے لیے زینت اختیار نہیں کرتیں، جن کی

بیویاں عمر میں اضافے کی وجہ سے نسوانی حسن کھو چکی ہیں اور پھر بے حیائی کا وہ دور جہاں صبح و شام رقص و سرور کی رنگارنگ تقریبات اور اشتہارات پر مشتمل نئے ڈیزائن مردوں کو اپنی طرف کھینچتے ہوں، ان حالات میں مردوں کے لیے حلال راستوں میں تنگی پیدا کرنا ان کے لیے حرام کے دروازے کھول دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ تعددِ ازواج جیسے حلال کام میں غیر معمولی تنگی اور اس سے اجتناب کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ لاکھوں مرد ایک بہت بڑے ضرر میں مبتلا ہیں بلکہ لاکھوں کنواری، بیوہ اور مطلقہ عورتوں کی عزت و عصمت داؤ پر لگی ہوئی ہے، لاکھوں عورتیں مالی کفالت یا ٹائم پاس کرنے کے لیے روزگار پر نکلی ہوئی ہیں اور ان میں سے کئی عورتیں مردوں کی ہوس کا نشانہ بن کر بے حیائی کا سبب بن رہی ہیں۔ لاکھوں لڑکیاں کبھی دروازوں، کھڑکیوں اور بالکونیوں میں، کبھی دفنوں میں اور کبھی شادی کی محفلوں میں نوجوانوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے مجبور ہو رہی ہیں اور درجنوں اس مشن میں کامیاب بھی ہو رہی ہیں، سینکڑوں والدین اپنی بچیوں کی شادیوں کے لیے دعا و دعا کی انتہا کر چکے ہیں اور لاکھوں لڑکیاں اپنی شادی کے لیے خود ہی وظیفے پڑھ رہی ہیں، یہاں تک کہ بہت سے والدین بچیوں کی شادیوں کی وجہ سے فریضہ حج کو مؤخر کیے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نقصانات ہیں جن سے مرد و عورت اور اجتماعی سطح پر پوری قوم دوچار ہو رہی ہے اور رفتہ رفتہ جن کا سد باب بھی مزید مشکل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تو جب تعددِ ازواج والے حکم سے لوگوں کا واسطہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح والے حکم کی نسبت زیادہ پڑتا ہے، نیز تعددِ ازواج میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں وہ بھی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح والے حکم سے کئی گنا زیادہ ہیں اور تعددِ ازواج والے حکم سے اجتناب کے نتیجے میں جو نقصانات ہوتے ہیں وہ بھی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح نہ کرنے سے کئی گنا زیادہ ہیں تو پھر تعددِ ازواج والا حکم کئی اعتبار سے زیادہ حقدار و لائق ہے کہ قوم کے متقاعدین یعنی علمائے کرام پر اس حکم کی عملی ترغیب اس حد تک لازم ہو کہ ان کی اقتداء کرنے والوں کے بگڑے ہوئے مزاج کی اصلاح ہو سکے اور ان متبعین میں سے کسی پر بھی اس حکم پر عمل کے معاملے میں کسی بھی قسم کی تنگی نہ رہے۔

الغرض منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کی ان دو مصلحتوں کو اگر ملحوظ رکھا جائے، یعنی ایک حلال کام کو معیوب سمجھنے والے لوگوں کے بگڑے ہوئے دماغوں کی اصلاح اور اس حکم پر عمل کرنے والے کے لیے کسی بھی قسم کی تنگی کا خاتمہ، تو آیت کریمہ کی روشنی میں جس شخص میں بھی مربی و مقتدی اور رہبر و رہنما ہونے کا جتنا زیادہ عنصر پایا جائے گا، اپنے متبعین کی اصلاح کی خاطر اس پر اسی قدر ذمہ داری عائد ہوگی کہ تعددِ ازواج کے ایسے حکم کا عملی ارتکاب کرے، جس کی ضرورت و اہمیت منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح والے حکم سے کئی گنا زیادہ ہے، تا کہ دونوں حکمتیں حاصل ہو سکیں۔

پس باپ اپنی اولاد کے لیے مربی ہوتا ہے، اس لیے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے تا کہ اس کی اولاد کے بگڑے ہوئے دماغوں کی اصلاح ہو سکے اور اس کی اولاد میں سے اگر کوئی اس حلال کام کا ارتکاب کرنا چاہے تو اس معاملے میں اس پر ذرا سی بھی تنگی نہ رہے، چھوٹے بھائی کی نسبت بڑے بھائی پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے تا کہ اس کے چھوٹے بھائیوں کے دماغوں کی اصلاح ہو سکے اور ان میں سے اگر کوئی اس حلال کام کا ارتکاب کرنا چاہے تو اس معاملے میں بڑے بھائی کے عمل کی وجہ سے اس پر ذرا سی بھی تنگی نہ رہے، کسی خاندان کے بڑوں پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کریں تا کہ ان کے چھوٹوں کے بگڑے ہوئے دماغوں کی اصلاح ہو سکے اور وہ جب اس حلال کام کا

کمی کا ایک بہت بڑا ذریعہ بنا دیا ہو، وقت کی ایک اہم ضرورت بناتے ہوئے اسے باقاعدہ عبادت قرار دیا ہو اور یوں اس کے تقدس پر مہر ثبت کر دی ہو تو محض اپنی ذات کو بدنامی سے بچانے کے لیے تعددِ ازواج کے اس حکم سے اجتناب کی حوصلہ افزائی شریعت کیسے کر سکتی ہے؟

وہ مسلمان جو دین دار ہیں انہیں دوبارہ غور کی دعوت دیتے ہوئے ان کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ جب شریعت نے اسلام کو بدنامی سے بچانے کے لیے نکاح کے معاملے میں بخل کو پسند نہیں کیا تا کہ منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح کے حلال ہونے کا حکم باقاعدہ عملی طور پر زندہ رہے تو یہی شریعت ان علماء و صلحاء کی کیسے حوصلہ افزائی کر سکتی ہے جو لوگوں کے طعنوں کے خوف سے محض اپنی ذات کو بدنامی سے بچانے کی خاطر تعددِ ازواج کے ایک ایسے حکم سے عملی اجتناب کرتے ہیں جو منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح کے حکم سے بھی زیادہ مؤکد اور حاملِ اہمیت ہے؟

دوسری حکمت..... اس حکم کی دوسری حکمت وہ ہے جس کا ذکر قرآن حکیم نے صراحتاً کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح اس لیے بھی واجب فرمایا کہ آئندہ جب بھی کوئی مسلمان اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے سامنے قوم کے رہبر و مقتدی کا عمل ہو اور اسی عمل کو وہ بطورِ حجت لوگوں کے سامنے پیش کرے تا کہ ان کی زبانیں بند ہو سکیں۔ یوں اس معاملے میں عامل پر کسی قسم کی معمولی تنگی بھی نہ رہے اور اس کے لیے نکاح کا اقدام بہت سہل اور آسان ہو جائے، کیونکہ محض زبانی ترغیب ہوتی اور عملی اقدام نہ ہوتا تو اس عمل سے نفرت پوری طرح نہ نکل پاتی اور وہ اس معاملے میں حرج اور تنگی کا شکار رہتا۔

آج اگر مسلمانوں کی کل آبادی کو دیکھا جائے تو اس کثیر آبادی کے مقابلے میں اولاً تو کتنے تھوڑے لوگ ایسے ہوں گے جو کسی کو منہ بولا بیٹا بناتے ہوں گے، پھر ان میں بھی کتنے قلیل لوگ ایسے ہوں گے جن کے منہ بولے بیٹے اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے ہوں گے، پھر ان میں بھی کتنے کم لوگ ایسے ہوں گے جن کو اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کی حاجت اور خواہش بھی ہوتی ہوگی، الغرض منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز ہونے والے حکم سے فائدہ حاصل کرنے کی نوبت درحقیقت بہت ہی قلیل در قلیل افراد کو پیش آتی ہے نیز ان قلیل افراد کے اس قسم کے نکاح سے اجتناب میں انفرادی یا اجتماعی سطح پر کوئی خاص نقصان کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا، مگر ان کو محض ایک حلال نعمت سے فائدہ اٹھانے والے معمولی ضرر اور نقصان سے بچانے کی خاطر اس معاملے میں کسی بھی مؤمن و مسلم پر کسی قسم کے معمولی حرج اور تنگی کو بھی برداشت نہ کیا گیا اور امت کے رہبر و رہنما کے لیے صرف زبان سے نہیں بلکہ عملی اقدام کو صرف اس لیے واجب کیا گیا تا کہ ان تھوڑے سے لوگوں پر اس معاملے میں کوئی معمولی تنگی بھی نہ رہے۔

اس کے برعکس آج تعددِ ازواج جیسے حلال کام کی ضرورت تو لاکھوں مردوں اور عورتوں کو ہے اور اس سے اجتناب کے باعث وہ جس نقصان سے دوچار ہیں وہ بھی اس نقصان سے کئی گنا بڑھ کر ہے جو منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح نہ کرنے کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کتنے شادی شدہ مرد ایسے ہیں جن کی بیویاں ان کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتیں، جن کی بیویاں کسی بیماری کے باعث یا فطری طور پر نسوانی حسن سے عاری ہیں اور وہ ان پر قناعت کر کے عفت و پاک دامنی حاصل نہیں کر سکتے، جن کی بیویاں کسی بیماری کے باعث طویل مدت تک جماع کے قابل نہیں رہتیں، جن کی بیویاں شوہروں کے لیے زینت اختیار نہیں کرتیں، جن کی

بیویاں عمر میں اضافے کی وجہ سے نسوانی حسن کھو چکی ہیں اور پھر بے حیائی کا وہ دور جہاں صبح و شام رقص و سرور کی رنگارنگ تقریبات اور اشتہارات پر مشتمل نئے نئے ڈیزائن مردوں کو اپنی طرف کھینچتے ہوں، ان حالات میں مردوں کے لیے حلال راستوں میں تنگی پیدا کرنا ان کے لیے حرام کے دروازے کھول دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ تعددِ ازواج جیسے حلال کام میں غیر معمولی تنگی اور اس سے اجتناب کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ لاکھوں مرد ایک بہت بڑے ضرر میں مبتلا ہیں بلکہ لاکھوں کنواری، بیوہ اور مطلقہ عورتوں کی عزت و عصمت داؤ پر لگی ہوئی ہے، لاکھوں عورتیں مالی کفالت یا ناظم پاس کرنے کے لیے روزگار پر نکلی ہوئی ہیں اور ان میں سے کئی عورتیں مردوں کی ہوس کا نشانہ بن کر بے حیائی کا سبب بن رہی ہیں۔ لاکھوں لڑکیاں کبھی دروازوں، کھڑکیوں اور بالکونیوں میں، کبھی دفنوں میں اور کبھی شادی کی محفلوں میں نوجوانوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے مجبور ہو رہی ہیں اور درجنوں اس مشن میں کامیاب بھی ہو رہی ہیں، سینکڑوں والدین اپنی بچیوں کی شادیوں کے لیے دعا و دعا کی انتہا کر چکے ہیں اور لاکھوں لڑکیاں اپنی شادی کے لیے خود ہی وظیفے پڑھ رہی ہیں، یہاں تک کہ بہت سے والدین بچیوں کی شادیوں کی وجہ سے فریضہ حج کو مؤخر کیے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نقصانات ہیں جن سے مرد و عورت اور اجتماعی سطح پر پوری قوم دوچار ہو رہی ہے اور رفتہ رفتہ جن کا سد باب بھی مزید مشکل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تو جب تعددِ ازواج والے حکم سے لوگوں کا واسطہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح والے حکم کی نسبت زیادہ پڑتا ہے، نیز تعددِ ازواج میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں وہ بھی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح والے حکم سے کئی گنا زیادہ ہیں اور تعددِ ازواج والے حکم سے اجتناب کے نتیجے میں جو نقصانات ہوتے ہیں وہ بھی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح نہ کرنے سے کئی گنا زیادہ ہیں تو پھر تعددِ ازواج والا حکم کئی اعتبار سے زیادہ حقدار و لائق ہے کہ قوم کے متقاعدین یعنی علمائے کرام پر اس حکم کی عملی ترغیب اس حد تک لازم ہو کہ ان کی اقتداء کرنے والوں کے بگڑے ہوئے مزاج کی اصلاح ہو سکے اور ان تبعین میں سے کسی پر بھی اس حکم پر عمل کے معاملے میں کسی بھی قسم کی تنگی نہ رہے۔

الغرض منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کی ان دو مصلحتوں کو اگر ملحوظ رکھا جائے، یعنی ایک حلال کام کو معیوب سمجھنے والے لوگوں کے بگڑے ہوئے دماغوں کی اصلاح اور اس حکم پر عمل کرنے والے کے لیے کسی بھی قسم کی تنگی کا خاتمہ، تو آیت کریمہ کی روشنی میں جس شخص میں بھی مربی و مقتدی اور رہبر و رہنما ہونے کا جتنا زیادہ غصہ پایا جائے گا، اپنے تبعین کی اصلاح کی خاطر اس پر اسی قدر ذمہ داری عائد ہوگی کہ تعددِ ازواج کے ایسے حکم کا عملی ارتکاب کرے، جس کی ضرورت و اہمیت منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح والے حکم سے کئی گنا زیادہ ہے، تا کہ دونوں حکمتیں حاصل ہو سکیں۔

پس باپ اپنی اولاد کے لیے مربی ہوتا ہے، اس لیے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے تا کہ اس کی اولاد کے بگڑے ہوئے دماغوں کی اصلاح ہو سکے اور اس کی اولاد میں سے اگر کوئی اس حلال کام کا ارتکاب کرنا چاہے تو اس معاملے میں اس پر ذرا سی بھی تنگی نہ رہے، چھوٹے بھائی کی نسبت بڑے بھائی پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے تا کہ اس کے چھوٹے بھائیوں کے دماغوں کی اصلاح ہو سکے اور ان میں سے اگر کوئی اس حلال کام کا ارتکاب کرنا چاہے تو اس معاملے میں بڑے بھائی کے عمل کی وجہ سے اس پر ذرا سی بھی تنگی نہ رہے، کسی خاندان کے بڑوں پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کریں تا کہ ان کے چھوٹوں کے بگڑے ہوئے دماغوں کی اصلاح ہو سکے اور وہ جب اس حلال کام کا

ارتکاب کرنے لگیں تو ان پر ذرا بھی تنگی نہ رہے اور انہیں جب کوئی طعنہ دے تو خاندان کے ان بڑوں کی مثال پیش کر کے وہ خود کو اس اقدام کا پوری طرح مستحق ثابت کر سکیں۔ اسی طرح مفتیانِ کرام اور علمائے کرام پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ زبانی ترغیب کے ساتھ اس سنت کا عملی ارتکاب کریں تاکہ ان پر اعتماد کرنے اور ان سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے بگڑے ہوئے دماغوں کی اصلاح ہو سکے اور ان میں سے جب کوئی اس سنت کا اقدام کرنا چاہے تو اس پر اس معاملے میں ذرا سی تنگی نہ رہے، پیر و مرشد پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے تاکہ ان کی اتباع کرنے والے لاکھوں عاشقین اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ ایک حکم سے عملی طور پر نفرت کو ترک کر کے اپنے بگڑے ہوئے دماغوں کی اصلاح کر سکیں، نیز ان لاکھوں مریدین میں سے عفت و پاک دامن اور نظر کی حفاظت کے پیش نظر کوئی اس سنت کا عملی ارتکاب کرنا چاہے اور ساری ساری عمر محاسبوں اور مراقبوں کے تکلفات میں حیران و سرگرداں رہنے کے بجائے متعدد شادیوں کی حلال نعمت کے ذریعے اپنی نظر کی حفاظت اور عفت و پاک دامن کا انتظام کرنا چاہے تو تعددِ ازواج جیسے حلال کام کا آسانی کے ساتھ اقدام کر سکے اور اس معاملے میں نہ صرف یہ کہ اس پر ذرا سی بھی تنگی نہ رہے، بلکہ مشائخ کی خواتین مریدیاں بھی ان مشائخ کے ایسے اچھے مریدین سے آسانی کے ساتھ نکاح کر کے ایک اچھے مرد کی بیوی بننے کی نعمت سے محروم نہ ہو سکیں اور ان مشائخ کے اچھے مریدوں پر ایک ہی عورت قبضہ کر کے نہ بیٹھ سکے۔۔۔ اور یوں ان مشائخ کی سینکڑوں خواتین مریدیاں جو کسی اچھے مرد سے نکاح کے معاملے میں غیر معمولی مشکلات سے دوچار ہیں، ان پر بھی اس معاملے میں ذرا سی تنگی اور مشکل نہ رہے۔

خلاصہ یہ کہ شریعت کے جس حکم میں کوئی اہم اور بڑی مصلحت پوشیدہ نہ ہو اس میں لوگوں کے مزاج کی رعایت جائز ہے، البتہ جس حکم میں کوئی اہم اور بڑی مصلحت پوشیدہ ہو اس میں لوگوں کے مزاج کی رعایت درست نہیں اور تعددِ ازواج تو وہ حکم ہے جس میں کئی انفرادی و اجتماعی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔

اس آیت مبارکہ کے تحت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس میں دلالت ہے کہ جس فعل میں کوئی دینی مصلحت ہو، جیسے اس قصے میں مصلحت تھی، اس میں ملامت کی پروا نہ کرنا چاہیے اور وہ مصلحت وہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ”مؤمنین پر منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح کے معاملے میں ذرا سی بھی تنگی نہ رہے۔“ (بیان القرآن 51/2)

ایک اور جگہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مجھے نکاح بیوگان کے متعلق پہلے بڑا شبہ تھا کہ علماء اس کی اس قدر کوشش کیوں کرتے ہیں؟ نکاح ثانی کوئی واجب نہیں، فرض نہیں، صرف سنت ہے، علماء یہی کہہ دیں کہ سنت ہی سمجھنا واجب ہے، باقی علماء اس کے درپے کیوں ہوتے ہیں؟ کئی سال تک مجھے یہ شبہ رہا، بچپن کا زمانہ تھا، پھر الحمد للہ سمجھ میں آ گیا کہ چونکہ فسادِ عملی ہے اس لیے اصلاح بھی عملی ہونی چاہیے، محض قولی اصلاح کافی نہیں۔“ (تحفۃ العلماء 86/2)

حکیم الامت کے اس فرمان کے مطابق نکاح بیوگان کی نسبت تعددِ ازواج کے عملی ارتکاب کا حکم زیادہ لائقِ عمل بن چکا ہے، کیونکہ موجودہ حالات میں بیوگان کا نکاح بھی تعددِ ازواج کی ترغیب کے بغیر ممکن نہیں، اکثر کنوارے اور بغیر بیویوں والے مرد

کنواری عورتوں سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں اور شریعت نے بھی اس کی اجازت اور ترغیب دی ہے۔ اس کے علاوہ تعددِ ازواج کے حکم میں موجود حکمتیں اور مصلحتیں بیوگان کے نکاح کی حکمتوں اور مصلحتوں سے زیادہ ہیں اور تعددِ ازواج سے بغاوت کی وجہ سے اجتماعی سطح پر قوم جن نقصانات سے دوچار ہے وہ بھی نکاح بیوگان سے غفلت کی وجہ سے ہونے والے نقصانات سے کہیں زیادہ ہیں، پھر معاشرے میں بیوگان کے نکاح کی نسبت تعددِ ازواج والے حکم کو کئی گنا زیادہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ پس ان وجوہات کی بنا پر تعددِ ازواج کی عملی ترغیب کی اہمیت زبانی ترغیب سے زیادہ ہے۔ (ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت کیوں؟ ص: 304، از: حضرت مولانا طارق مسعود حفظہ اللہ تعالیٰ)

(8) دوسری شادی جو اس عمر میں نہیں کرنی چاہیے:

جب کوئی جوان شخص دوسری شادی کا ارادہ کرتا ہے تو خاندان کے بعض بڑے حضرات اس کے سامنے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ دوسری شادی بڑی عمر میں کرنی چاہیے، کیونکہ 40 سال سے پہلے عمر اور عقل میں پختگی نہیں ہوتی اور اس سے پہلے انسان اپنی پہلی شادی سے وہ تجربہ حاصل نہیں کر پاتا جو اس کی دوسری شادی کے لیے مفید و معاون ہوتا ہے، لہذا 40 سال سے پہلے دوسری شادی نہیں کرنی چاہیے۔ ان حضرات کی یہ تجویز اس وجہ سے غلط ثابت ہوتی ہے کہ دوسری شادی کے لیے خصوصاً موجودہ زمانے میں جس قسم کی اعصابی قوت درکار ہے وہ 40 سال کی عمر کے بعد مفقود ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اکثر پختہ عمر کے حضرات کے سامنے اگر دوسری شادی کا تذکرہ ہو تو فوراً کمر پکڑ کر اپنے ضعف اور ناتوانی کا عذر سامنے رکھ کر کہتے ہیں: بھائی اس عمر میں ہم خواہ مخواہ کی پریشانی مول لے کر خود کو بڑھاپے سے پہلے بوڑھا نہیں کر سکتے۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ 40 سال کی عمر کے بعد انسان میں ذہنی پختگی پیدا ہو جاتی ہے، مگر اس پختگی کا کیا فائدہ جس سے انسان فائدہ ہی نہ اٹھا سکے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت اور عام مشاہدہ کی بات ہے کہ شادی اور اولاد کا ہونا انسان کو کم عمری میں بھی ذمہ دار اور ذہنی طور پر پختہ اور مضبوط بنا دیتا ہے، ورنہ نکاح سے اجتناب کرنے والے بڑی عمر کو پہنچنے کے باوجود بھی بچکانہ حرکتوں میں مبتلا رہتے ہیں اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حالانکہ ان حضرات کی اس حکیمانہ تجویز کا مقصد اس شخص کی ہمدردی و خیر خواہی یا اس کے مستقبل کی بہتری نہیں بلکہ فی الحال اس کو دوسری شادی سے باز رکھنا ہوتا ہے، وہ جانتے ہیں کہ عمر گزرنے کے ساتھ جب اس کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے تو خود ہی دوسری شادی کا خیال دل سے نکل جائے گا، لہذا بڑی حکمت و مصلحت سے کام لیتے ہوئے وہ اسے دوسری شادی کا ارادہ ترک کرنے پر آمادہ کر لیتے ہیں۔ پھر انہی حضرات کے سامنے اگر کوئی شخص 40 سال کی عمر گزرنے کے بعد دوسری شادی کا ارادہ کرے تو اس کو اس بات کا طعنہ دیا جاتا ہے کہ: یہ تمہاری عمر ہے دوسری شادی کرنے کی؟ داڑھی میں سفید بال آ گئے، بچے جوان ہو گئے اور تم کو اس حالت میں دوسری شادی کا خیال دامن گیر ہوا ہے! جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کے بعد بقیہ تمام نکاح بڑی عمر میں فرمائے، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلد نکاح کرنے کی تعلیم فرمائی۔ صحابہ کرام کی زندگیوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات نے چھوٹی اور بڑی دونوں عمروں میں ایک سے زیادہ نکاح فرمائے اور تعددِ ازواج کو کسی خاص عمر کے ساتھ مقید نہیں فرمایا، نیز جلد نکاح کرنے کو پسند فرمایا۔ شیخ خالد الجریسی حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”تعددِ ازواج کی جس سنت پر ہماری شریعت نے ہمیں ابھارا ہے تو اس سنت کے بارے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ نو جوان

ارتکاب کرنے لگیں تو ان پر ذرا بھی تنگی نہ رہے اور انہیں جب کوئی طعنہ دے تو خاندان کے ان بڑوں کی مثال پیش کر کے وہ خود کو اس اقدام کا پوری طرح مستحق ثابت کر سکیں۔ اسی طرح مفتیانِ کرام اور علمائے کرام پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ زبانی ترغیب کے ساتھ اس سنت کا عملی ارتکاب کریں تاکہ ان پر اعتماد کرنے اور ان سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے بگڑے ہوئے دماغوں کی اصلاح ہو سکے اور ان میں سے جب کوئی اس سنت کا اقدام کرنا چاہے تو اس پر اس معاملے میں ذرا سی بھی تنگی نہ رہے، پیر و مرشد پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے تاکہ ان کی اتباع کرنے والے لاکھوں عاشقین اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ ایک حکم سے عملی طور پر نفرت کو ترک کر کے اپنے بگڑے ہوئے دماغوں کی اصلاح کر سکیں، نیز ان لاکھوں مریدین میں سے عفت و پاک دامنی اور نظر کی حفاظت کے پیش نظر کوئی اس سنت کا عملی ارتکاب کرنا چاہے اور ساری عمر محاسبوں اور مراقبوں کے تکلفات میں حیران و سرگرداں رہنے کے بجائے متعدد شادیوں کی حلال نعمت کے ذریعے اپنی نظر کی حفاظت اور عفت و پاک دامنی کا انتظام کرنا چاہے تو تعددِ ازواج جیسے حلال کام کا آسانی کے ساتھ اقدام کر سکے اور اس معاملے میں نہ صرف یہ کہ اس پر ذرا سی بھی تنگی نہ رہے، بلکہ مشائخ کی خواتین مریدین بھی ان مشائخ کے ایسے اچھے مریدین سے آسانی کے ساتھ نکاح کر کے ایک اچھے مرد کی بیوی بننے کی نعمت سے محروم نہ ہو سکیں اور ان مشائخ کے اچھے مریدوں پر ایک ہی عورت قبضہ کر کے نہ بیٹھ سکے۔۔۔ اور یوں ان مشائخ کی سینکڑوں خواتین مریدین جو کسی اچھے مرد سے نکاح کے معاملے میں غیر معمولی مشکلات سے دوچار ہیں، ان پر بھی اس معاملے میں ذرا سی تنگی اور مشکل نہ رہے۔

خلاصہ یہ کہ شریعت کے جس حکم میں کوئی اہم اور بڑی مصلحت پوشیدہ نہ ہو اس میں لوگوں کے مزاج کی رعایت جائز ہے، البتہ جس حکم میں کوئی اہم اور بڑی مصلحت پوشیدہ ہو اس میں لوگوں کے مزاج کی رعایت درست نہیں اور تعددِ ازواج تو وہ حکم ہے جس میں کئی انفرادی و اجتماعی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔

اس آیت مبارکہ کے تحت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس میں دلالت ہے کہ جس فعل میں کوئی دینی مصلحت ہو، جیسے اس قصے میں مصلحت تھی، اس میں ملامت کی پروا نہ کرنا چاہیے اور وہ مصلحت وہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: مؤمنین پر منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح کے معاملے میں ذرا سی بھی تنگی نہ رہے۔“ (بیان القرآن 51/2)

ایک اور جگہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مجھے نکاح بیوگان کے متعلق پہلے بڑا شبہ تھا کہ علماء اس کی اس قدر کوشش کیوں کرتے ہیں؟ نکاح ثانی کوئی واجب نہیں، فرض نہیں، صرف سنت ہے، علماء یہی کہہ دیں کہ سنت ہی سمجھنا واجب ہے، باقی علماء اس کے درپے کیوں ہوتے ہیں؟ کئی سال تک مجھے یہ شبہ رہا، بچپن کا زمانہ تھا، پھر الحمد للہ سمجھ میں آ گیا کہ چونکہ فسادِ عملی ہے اس لیے اصلاح بھی عملی ہونی چاہیے، محض قولی اصلاح کافی نہیں۔“ (تحفۃ العلماء 86/2)

حکیم الامت کے اس فرمان کے مطابق نکاح بیوگان کی نسبت تعددِ ازواج کے عملی ارتکاب کا حکم زیادہ لائق عمل بن چکا ہے، کیونکہ موجودہ حالات میں بیوگان کا نکاح بھی تعددِ ازواج کی ترغیب کے بغیر ممکن نہیں، اکثر کنوارے اور بغیر بیویوں والے مرد

کنواری عورتوں سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں اور شریعت نے بھی اس کی اجازت اور ترغیب دی ہے۔ اس کے علاوہ تعددِ ازواج کے حکم میں موجود حکمتیں اور مصلحتیں بیوگان کے نکاح کی حکمتوں اور مصلحتوں سے زیادہ ہیں اور تعددِ ازواج سے بغاوت کی وجہ سے اجتماعی سطح پر قوم جن نقصانات سے دوچار ہے وہ بھی نکاح بیوگان سے غفلت کی وجہ سے ہونے والے نقصانات سے کہیں زیادہ ہیں، پھر معاشرے میں بیوگان کے نکاح کی نسبت تعددِ ازواج والے حکم کو کئی گنا زیادہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ پس ان وجوہات کی بنا پر تعددِ ازواج کی عملی ترغیب کی اہمیت زبانی ترغیب سے زیادہ ہے۔ (ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت کیوں؟ ص: 304، از: حضرت مولانا طارق مسعود حفظہ اللہ تعالیٰ)

(8) دوسری شادی جوان عمر میں نہیں کرنی چاہیے:

جب کوئی جوان شخص دوسری شادی کا ارادہ کرتا ہے تو خاندان کے بعض بڑے حضرات اس کے سامنے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ دوسری شادی بڑی عمر میں کرنی چاہیے، کیونکہ 40 سال سے پہلے عمر اور عقل میں پختگی نہیں ہوتی اور اس سے پہلے انسان اپنی پہلی شادی سے وہ تجربہ حاصل نہیں کر پاتا جو اس کی دوسری شادی کے لیے مفید و معاون ہوتا ہے، لہذا 40 سال سے پہلے دوسری شادی نہیں کرنی چاہیے۔ ان حضرات کی یہ تجویز اس وجہ سے غلط ثابت ہوتی ہے کہ دوسری شادی کے لیے خصوصاً موجودہ زمانے میں جس قسم کی اعصابی قوت درکار ہے وہ 40 سال کی عمر کے بعد مفقود ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اکثر پختہ عمر کے حضرات کے سامنے اگر دوسری شادی کا تذکرہ ہو تو فوراً کمر پکڑ کر اپنے ضعف اور ناتوانی کا عذر سامنے رکھ کر کہتے ہیں: بھائی اس عمر میں ہم خواہ مخواہ کی پریشانی مول لے کر خود کو بڑھاپے سے پہلے بوڑھا نہیں کر سکتے۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ 40 سال کی عمر کے بعد انسان میں ذہنی پختگی پیدا ہو جاتی ہے، مگر اس پختگی کا کیا فائدہ جس سے انسان فائدہ ہی نہ اٹھا سکے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت اور عام مشاہدہ کی بات ہے کہ شادی اور اولاد کا ہونا انسان کو کم عمری میں بھی ذمہ دار اور ذہنی طور پر پختہ اور مضبوط بنا دیتا ہے، ورنہ نکاح سے اجتناب کرنے والے بڑی عمر کو پہنچنے کے باوجود بھی بچکانہ حرکتوں میں مبتلا رہتے ہیں اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حالانکہ ان حضرات کی اس حکیمانہ تجویز کا مقصد اس شخص کی ہمدردی و خیر خواہی یا اس کے مستقبل کی بہتری نہیں بلکہ فی الحال اس کو دوسری شادی سے باز رکھنا ہوتا ہے، وہ جانتے ہیں کہ عمر گزرنے کے ساتھ جب اس کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے تو خود ہی دوسری شادی کا خیال دل سے نکل جائے گا، لہذا بڑی حکمت و مصلحت سے کام لیتے ہوئے وہ اسے دوسری شادی کا ارادہ ترک کرنے پر آمادہ کر لیتے ہیں۔ پھر انہی حضرات کے سامنے اگر کوئی شخص 40 سال کی عمر گزرنے کے بعد دوسری شادی کا ارادہ کرے تو اس کو اس بات کا طعنہ دیا جاتا ہے کہ: یہ تمہاری عمر ہے دوسری شادی کرنے کی؟ داڑھی میں سفید بال آ گئے، بچے جوان ہو گئے اور تم کو اس حالت میں دوسری شادی کا خیال دامن گیر ہوا ہے! جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کے بعد بقیہ تمام نکاح بڑی عمر میں فرمائے، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلد نکاح کرنے کی تعلیم فرمائی۔ صحابہ کرام کی زندگیوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات نے چھوٹی اور بڑی دونوں عمروں میں ایک سے زیادہ نکاح فرمائے اور تعددِ ازواج کو کسی خاص عمر کے ساتھ مقید نہیں فرمایا، نیز جلد نکاح کرنے کو پسند فرمایا۔ شیخ خالد الجریسی حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”تعددِ ازواج کی جس سنت پر ہماری شریعت نے ہمیں ابھارا ہے تو اس سنت کے بارے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ نو جوان

یہ سوچ کر اس سنت کے ارتکاب سے اعراض کرتے ہیں کہ جب عمر زیادہ ہو جائے گی تو اس کا ارتکاب کر لیں گے، حالانکہ اس سنت کو زندہ کرنے پر جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ نوجوانی کی عمر میں ہی حاصل ہوتے ہیں، مثلاً: جوانی کو محفوظ رکھنا اور جوانی کے جوش سے پیدا ہونے والے جذبات کو حلال طریقوں سے ٹھنڈا کرنا، متعدد مسلمان عورتوں کی ذمہ داری نبھانا اور حلال طریقے سے کثیر مسلمان خواتین کو عفت و پاک دامنی والی زندگی مہیا کرنا نیز جوانی میں خواہش نفس پوری کرنا طبعیت میں تازگی اور نشاط پیدا کرتا ہے اور جوان آدمی کو متعدد بیویوں میں عدل کی جو قدرت ہوتی ہے وہ بڑی عمر کے لوگوں کو نہیں ہوتی۔ لہذا صالح نوجوان، جن میں عدل کی قدرت ہو، اگر تعددِ ازواج کی سنت کا ارتکاب کریں گے تو یہ کام اللہ کی رضا کے ساتھ ساتھ اپنی اور اپنی بیویوں کی سعادت کا بھی سبب بنے گا اور معاشرے کو بھی نفع ہوگا اور اس کے ذریعے اولاد کی وہ کثرت ہوگی جس سے امت کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور یہ بات امت کے نفع کا سبب بنے گی۔

ہمارے لیے صحابہ کرام اور تابعین کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے، کیونکہ ان میں سے بہت سے حضرات نے ابتدائے جوانی میں ایک سے زائد بیویاں رکھی ہیں۔ سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے استاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: کیا آپ نے نکاح کر لیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: نکاح کرو اس لیے کہ اس امت میں بہتر وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہیں۔ یہ سعید بن جبیر کی وہ عمر تھی جس میں آپ کی داڑھی بھی نہ نکلی تھی۔ اس حدیث کی شرح میں کہا گیا ہے کہ: وہ افراد جو فضیلت کے باقی اسباب میں برابر ہوں ان میں پھر زیادہ بیویوں والا کم بیویوں والے سے افضل ہے۔

لہذا میں ان نوجوانوں کو، جن میں متعدد بیویوں میں عدل کی صلاحیت اور ایک سے زائد بیویوں کی خبر گیری اور قیادت کی صلاحیت ہے، انہیں ترغیب دوں گا کہ وہ متعدد بیویاں رکھنے کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی جلد از جلد کوشش کریں، کیونکہ اختلافات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مفاسد کو برداشت کرنے اور ان مفاسد کو دفع کرنے اور گھر سنبھالنے کی ان میں زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ یوں بچے محبت و الفت والے ماحول میں جوان ہوتے ہیں اور اس دوران یہ بات پیش نظر رہے کہ رشتے کی تلاش کے وقت ایسی عورت تلاش کریں جو بہت محبت کرنے والی اور کثرت سے بچے جننے والی ہو نیز دین دار عورت تلاش کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ وہ دنیا کی بہترین متاع ہے اور دین دار سے نکاح کرنے میں ہی مسلمان مرد اپنے گھر کا ایسا ماحول بنا سکتا ہے کہ جس میں اولاد تقویٰ اور نیکی والی زندگی پر پرورش پاسکے۔

نوجوان اگر چار شادیوں والی اس سنت پر عمل شروع کر دیں گے تو اس عمل کے نتیجے میں مسلمان عورتوں کو ٹھکانہ نصیب ہوگا اور ان کی مالی کفالت و حالات کی اصلاح کا انتظام ہوگا اور نکاح کے انتظار میں گھروں میں بیٹھے بوڑھی ہو جانے والی خواتین جن مشکلات سے دوچار ہیں ایسی مشکلات کا سد باب بھی ہو سکے گا اور اس سبب سے ایسا نوجوان اللہ کی طرف سے بہت بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔“ (رسالہ فضل تعدد زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)

(9) بے شرمی اور شہوت پرستی کا طعنہ:

تعددِ ازواج سے متعلق ایک عام تاثر لوگوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ متعدد شادیاں کرنے والا شخص خواہش نفس کے آگے

مغلوب و مجبور ہوتا ہے اور اس میں شہوت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایک بیوی سے پوری نہیں ہو سکتی، اس لیے شادی پہ شادی رچا کر وہ اپنی جنسی تسکین کا سامان جمع کرتا ہے۔ ان کے خیال میں دوسری شادی کا اقدام نیکو کاری اور پرہیزگاری کے خلاف ہوتا ہے اور وہی شخص کر سکتا ہے جو عیاش و فحاش ہو، کسی شریف انسان کا یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے دوسری شادی کرنے والے کو بے شرمی و شہوت پرستی کا طعنہ دے کر اس کی بھرپور حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ یہ خیال اور تاثر قرآن و حدیث کی تعلیمات کے عین منافی ہے اور اس کی تخلیق کی دوا ہم وجوہات ہیں:

پہلی وجہ..... سب سے پہلی اور بنیادی وجہ جہالت و غفلت ہے۔ لوگ چونکہ دین کی بنیادی تعلیمات سے بھی عاری ہوتے ہیں اور اس بارے میں نہ ہی انہیں کچھ جاننے اور سیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ کسی بھی شرعی حکم پر رائے زنی کرنے کے لیے وہ اپنی عقل ناقص سے کام لیتے ہیں اور ہمیشہ الٹی منطق پیش کرتے ہیں۔ تعددِ ازواج کے معاملے میں بھی ان کا یہی رویہ ہوتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے کہ اللہ کے رسول اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو شرافت و تقویٰ کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں، ان کے نزدیک یہ ایک پسندیدہ اور مرغوب ترین فعل رہا ہے اور یہ لوگ اس کا تعلق بے شرمی اور شہوت پرستی سے جوڑ دیتے ہیں۔

دوسری وجہ..... دوسری بڑی وجہ بے دین و بے پروا اور واقعی میں فحاش و عیاش لوگوں کا عمل ہے، جو اسلامی نظریہ کثرتِ ازواج سے متاثر ہو کر یا وقتی و ذاتی ضرورت کو محسوس کر کے نہیں بلکہ محض اپنی شہوانی آگ کو بجھانے کی خاطر، کسی عورت کے حسن و عشق میں گرفتار ہو کر اس کو حاصل کرنے کی خاطر، پہلی بیوی سے دل بھر جانے کے بعد اس کی تحقیر و تذلیل کر کے بے وجہ اس کو تکلیف دینے یا انتقام لینے کی خاطر یا کسی بھی ناجائز مقصد کے حصول کی خاطر دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کا اقدام کرتے ہیں۔ شادی کرتے وقت ان کا متعدد بیویوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے درمیان عدل و انصاف کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی سابقہ بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور ان کو معلق چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے پھر چار شادیاں بھی نا کافی ہو جاتی ہیں اور ان کے نزدیک شادی ایک کھیل بن جاتا ہے جو خواہش نفس کی تکمیل کا محض ایک بہانہ ہوتا ہے۔ ان شہوانی بھوکوں اور پیاسوں کے لیے شہوت پرستی کا طعنہ یقیناً درست ہے اور شریعت بھی اس سلسلے میں ان کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ سے یا مشرک سے اور زانی عورت نکاح نہیں کرتی مگر زانی مرد یا مشرک سے۔“

(سورۃ النور: 3)

اس آیت کی تفسیر میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جو لوگ زنا کے خوگر ہو جاتے ہیں اور ہنوز انہوں نے توبہ نہ کی ہو بلکہ اسی عادت پر ہوں، ان کی اصل رغبت زنا کی طرف ہوتی ہے اور اسی میں ان کو زیادہ لذت ہوتی ہے، ان کو جو عورت پسند آ جاتی ہے اولاً ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس سے زنا میسر ہو جائے اور ہمارے ساتھ زانیہ ہونا گوارا کر لے اور جب کوشش میں ناکامی ہوتی ہے تو آخری درجہ میں نکاح ہی کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ان دونوں حالتوں میں ”أرغب وألذ“ حالت ان لوگوں کے نزدیک پہلی ہی حالت ہوتی ہے اور نکاح کو دل سے پسند نہیں کرتے، کیونکہ نکاح سے جو مقاصد ہیں: تعفف، حصول اولاد، امساک بالمعروف و اداء حقوق

یہ سوچ کر اس سنت کے ارتکاب سے اعراض کرتے ہیں کہ جب عمر زیادہ ہو جائے گی تو اس کا ارتکاب کر لیں گے، حالانکہ اس سنت کو زندہ کرنے پر جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ نو جوانی کی عمر میں ہی حاصل ہوتے ہیں، مثلاً: جوانی کو محفوظ رکھنا اور جوانی کے جوش سے پیدا ہونے والے جذبات کو حلال طریقوں سے ٹھنڈا کرنا، متعدد مسلمان عورتوں کی ذمہ داری نبھانا اور حلال طریقے سے کثیر مسلمان خواتین کو عفت و پاک دامنی والی زندگی مہیا کرنا نیز جوانی میں خواہش نفس پوری کرنا طبعیت میں تازگی اور نشاط پیدا کرتا ہے اور جوان آدمی کو متعدد بیویوں میں عدل کی جو قدرت ہوتی ہے وہ بڑی عمر کے لوگوں کو نہیں ہوتی۔ لہذا صالح نو جوان، جن میں عدل کی قدرت ہو، اگر تعددِ ازواج کی سنت کا ارتکاب کریں گے تو یہ کام اللہ کی رضا کے ساتھ ساتھ اپنی اور اپنی بیویوں کی سعادت کا بھی سبب بنے گا اور معاشرے کو بھی نفع ہوگا اور اس کے ذریعے اولاد کی وہ کثرت ہوگی جس سے امت کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور یہ بات امت کے نفع کا سبب بنے گی۔

ہمارے لیے صحابہ کرام اور تابعین کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے، کیونکہ ان میں سے بہت سے حضرات نے ابتدائے جوانی میں ایک سے زائد بیویاں رکھی ہیں۔ سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے استاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: کیا آپ نے نکاح کر لیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: نکاح کرو اس لیے کہ اس امت میں بہتر وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہیں۔ یہ سعید بن جبیر کی وہ عمر تھی جس میں آپ کی داڑھی بھی نہ نکلی تھی۔ اس حدیث کی شرح میں کہا گیا ہے کہ: وہ افراد جو فضیلت کے باقی اسباب میں برابر ہوں ان میں پھر زیادہ بیویوں والا کم بیویوں والے سے افضل ہے۔

لہذا میں ان نو جوانوں کو، جن میں متعدد بیویوں میں عدل کی صلاحیت اور ایک سے زائد بیویوں کی خبر گیری اور قیادت کی صلاحیت ہے، انہیں ترغیب دوں گا کہ وہ متعدد بیویاں رکھنے کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی جلد از جلد کوشش کریں، کیونکہ اختلافات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مفاسد کو برداشت کرنے اور ان مفاسد کو دفع کرنے اور گھر سنبھالنے کی ان میں زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ یوں بچے محبت والفت والے ماحول میں جوان ہوتے ہیں اور اس دوران یہ بات پیش نظر رہے کہ رشتے کی تلاش کے وقت ایسی عورت تلاش کریں جو بہت محبت کرنے والی اور کثرت سے بچے جننے والی ہو نیز دین دار عورت تلاش کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ وہ دنیا کی بہترین متاع ہے اور دین دار سے نکاح کرنے میں ہی مسلمان مرد اپنے گھر کا ایسا ماحول بنا سکتا ہے کہ جس میں اولاد تقویٰ اور نیکی والی زندگی پر پرورش پاسکے۔

نو جوان اگر چار شادیوں والی اس سنت پر عمل شروع کر دیں گے تو اس عمل کے نتیجے میں مسلمان عورتوں کو ٹھکانہ نصیب ہوگا اور ان کی مالی کفالت و حالات کی اصلاح کا انتظام ہوگا اور نکاح کے انتظار میں گھروں میں بیٹھے بوڑھی ہو جانے والی خواتین جن مشکلات سے دوچار ہیں ایسی مشکلات کا سد باب بھی ہو سکے گا اور اس سبب سے ایسا نو جوان اللہ کی طرف سے بہت بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔“ (رسالہ فضل تعدد زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)

9) بے شرمی اور شہوت پرستی کا طعنہ:

تعددِ ازواج سے متعلق ایک عام تاثر لوگوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ متعدد شادیاں کرنے والا شخص خواہش نفس کے آگے

مغلوب و مجبور ہوتا ہے اور اس میں شہوت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایک بیوی سے پوری نہیں ہو سکتی، اس لیے شادی پہ شادی رچا کر وہ اپنی جنسی تسکین کا سامان جمع کرتا ہے۔ ان کے خیال میں دوسری شادی کا اقدام نیکو کاری اور پرہیزگاری کے خلاف ہوتا ہے اور وہی شخص کر سکتا ہے جو عیاش و فحاش ہو، کسی شریف انسان کا یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے دوسری شادی کرنے والے کو بے شرمی و شہوت پرستی کا طعنہ دے کر اس کی بھرپور حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ یہ خیال اور تاثر قرآن و حدیث کی تعلیمات کے عین منافی ہے اور اس کی تخلیق کی دوا ہم وجوہات ہیں:

پہلی وجہ..... سب سے پہلی اور بنیادی وجہ جہالت و غفلت ہے۔ لوگ چونکہ دین کی بنیادی تعلیمات سے بھی عاری ہوتے ہیں اور اس بارے میں نہ ہی انہیں کچھ جاننے اور سیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ کسی بھی شرعی حکم پر رائے زنی کرنے کے لیے وہ اپنی عقل ناقص سے کام لیتے ہیں اور ہمیشہ اُلٹی منطق پیش کرتے ہیں۔ تعددِ ازواج کے معاملے میں بھی ان کا یہی رویہ ہوتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے کہ اللہ کے رسول اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو شرافت و تقویٰ کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں، ان کے نزدیک یہ ایک پسندیدہ اور مرغوب ترین فعل رہا ہے اور یہ لوگ اس کا تعلق بے شرمی اور شہوت پرستی سے جوڑ دیتے ہیں۔

دوسری وجہ..... دوسری بڑی وجہ بے دین و بے پروا اور واقعی میں فحاش و عیاش لوگوں کا عمل ہے، جو اسلامی نظریہ کثرتِ ازواج سے متاثر ہو کر یا وقتی و ذاتی ضرورت کو محسوس کر کے نہیں بلکہ محض اپنی شہوانی آگ کو بجھانے کی خاطر، کسی عورت کے حسن و عشق میں گرفتار ہو کر اس کو حاصل کرنے کی خاطر، پہلی بیوی سے دل بھر جانے کے بعد اس کی تحقیر و تذلیل کر کے بے وجہ اس کو تکلیف دینے یا انتقام لینے کی خاطر یا کسی بھی ناجائز مقصد کے حصول کی خاطر دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کا اقدام کرتے ہیں۔ شادی کرتے وقت ان کا متعدد بیویوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے درمیان عدل و انصاف کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی سابقہ بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور ان کو معلق چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے پھر چار شادیاں بھی نا کافی ہو جاتی ہیں اور ان کے نزدیک شادی ایک کھیل بن جاتا ہے جو خواہش نفس کی تکمیل کا محض ایک بہانہ ہوتا ہے۔ ان شہوانی بھوکوں اور پیاسوں کے لیے شہوت پرستی کا طعنہ یقیناً درست ہے اور شریعت بھی اس سلسلے میں ان کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ سے یا مشرک سے اور زانی عورت نکاح نہیں کرتی مگر زانی مرد یا مشرک سے۔“

(سورۃ النور: ۳)

اس آیت کی تفسیر میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جو لوگ زنا کے خوگر ہو جاتے ہیں اور ہنوز انہوں نے توبہ نہ کی ہو بلکہ اسی عادت پر ہوں، ان کی اصل رغبت زنا کی طرف ہوتی ہے اور اسی میں ان کو زیادہ لذت ہوتی ہے، ان کو جو عورت پسند آ جاتی ہے اولاً ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس سے زنا میسر ہو جائے اور ہمارے ساتھ زانیہ ہونا گوارا کر لے اور جب کوشش میں ناکامی ہوتی ہے تو آخری درجہ میں نکاح ہی کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ان دونوں حالتوں میں ”أرغب وألذ“ حالت ان لوگوں کے نزدیک پہلی ہی حالت ہوتی ہے اور نکاح کو دل سے پسند نہیں کرتے، کیونکہ نکاح سے جو مقاصد ہیں: تعفف، حصول اولاد، امساک بالمعروف و اداء حقوق

زوجیت، مثل نفقات وغیرہ، وہ ان کو وبال سمجھتے ہیں۔“ (بیان القرآن 136/2)

جامعۃ الرشید، کراچی کے شیخ الحدیث، حضرت مفتی محمد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”بعض لوگوں کی فطرت میں شہوت پرستی کا غلبہ ہوتا ہے اور شہوت پرستی کا یہ غلبہ جسمانی قوت کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ جب دنیا اور ہوس کی بنا پر ہوتا ہے، ان کا اصل اور بنیادی مقصد محض حرام کاری ہوتا ہے۔ عفت اور پاک دامنی، تو والد و تناسل یا کسی عورت کی معاشی کفالت وغیرہ پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ نکاح اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کا محض ایک بہانہ ہوتا ہے، ایسے لوگ نکاح کے بعد ایک یا متعدد بیویوں کے جو حقوق ان پر واجب ہوتے ہیں ان کی ادائیگی کا التزام بھی نہیں کرتے۔

ہم ان لوگوں کو جو اسلام کے متعدد شادیوں والے حکم کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے ہیں، یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو متعدد شادیوں کی اجازت بہت ہی عمدہ مقاصد کی تکمیل کے پیش نظر دی ہے، لہذا کوئی مرد اگر متعدد نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کے پیش نظر ان حکمتوں اور مصلحتوں کا حصول ہی ہونا چاہیے، بیوی کو ذلیل کرنا یا اس اقدام کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے بے گناہ زوجہ کو احساس ہو کہ اس کا مقصد صرف اور صرف مجھے ذلیل یا رسوا کرنا ہے یا کسی بات پر مجھ سے انتقام لینا ہے، جائز نہیں۔۔۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔“ (ضرب مؤمن)

تعدد ازواج جنسی خواہش کی تکمیل کا جائز راستہ ہے:

اس کے برعکس اگر کوئی شخص دیگر امور زندگی میں دینداری و ذمہ داری اور عدل و انصاف کا معاملہ کرتا ہے، پھر سنجیدگی کے ساتھ ایک کے بعد مزید شادیوں کا ارادہ کرتا ہے اور متعدد بیویوں میں عدل و برابری اور محبت والفت کا تعلق قائم رکھنے کا پکا عزم بھی رکھتا ہے تو ایسے شخص کو شہوت پرستی کا طعنہ دینا حرام ہے، خواہ ایسا شخص کسی عورت کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر یا محض خواہش نفس پورا کرنے کے لیے ہی کیوں نہ نکاح کر رہا ہو۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب کوئی شخص اپنی بیوی سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو اسے اس پر بھی اجر ملتا ہے، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اپنی خواہش پوری کرنے میں کیسا اجر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ شخص کسی حرام راستے سے اپنی خواہش پوری کرتا تو کیا اسے گناہ نہ ملتا؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں! اس پر اسے گناہ ہوتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حرام طریقے سے خواہش پوری کرنے پر گناہ ملتا ہے تو اسی طرح حلال طریقے سے خواہش پوری کرنے پر ثواب بھی ملتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیسی بات ہے کہ تم برائی کو تو شمار کرتے ہو اور بھلائی کو شمار نہیں کرتے؟“

(زاد المعاد ص: 123)

چنانچہ بعض اکابر حنفیہ نے فرمایا ہے:

”اگر ایک شخص کی پہلے سے ایک ہزار باندیاں ہوں اور وہ ان پر گزارہ نہ کرتے ہوئے ایک اور باندی خریدنے کی کوشش کرے یا پہلے سے بیوی موجود ہو اور وہ اس پر قناعت نہ کرتے ہوئے مزید ایک، دو یا تین شادیاں کرنا چاہتا ہے، تو اس کے اقدام پر کوئی اسے ملامت کرے تو اس ملامت کرنے والے پر کفر کا خطرہ ہے۔ اس لیے کہ ایسے لوگ جو اپنی بیویوں اور اپنی

باندیوں کے ذریعے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: یہ لوگ قابل ملامت نہیں ہیں (سورۃ المؤمنون)۔“ (فیض القدیر 269/3)

الغرض معاملہ پہلی شادی کا ہو یا دوسری، تیسری اور چوتھی کا، خواہش نفس کو پورا کرنے والے اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قابل ملامت قرار دینے کے بجائے غیر مستحق ملامت قرار دے رہے ہیں۔ تو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح انداز میں فرمادیا کہ یہ لوگ قابل ملامت نہیں تو ایسے شخص کو ملامت کرنے والے کے بارے میں کفر کا خطرہ نہیں تو اور کیا ہے؟ ہاں! جو لوگ نکاح یا باندیوں کے سوا کوئی اور راستہ تلاش کریں تو ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں (سورۃ المؤمنون) یعنی اللہ تعالیٰ نے از خود متعین فرمادیا کہ خواہش نفس کو کس طرح سے پورا کرنا قابل ملامت ہے اور کس طرح سے پورا کرنا قابل ملامت نہیں، لہذا اس بارے میں لوگوں کو اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق رائے زنی کرنے کی ضرورت و اجازت نہیں۔ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر نکاح سے کسی کا مقصد خواہش نفسانی ہی پوری کرنا ہو تو اس صورت میں بھی اسے نکاح کا ثواب ملے گا، کیونکہ وہ چاہتا تو ناجائز راستوں سے بھی خواہش پوری کر سکتا تھا اور حلال طریقے سے یعنی بذریعہ نکاح اپنی خواہش پوری کرنے کے بارے میں اسے معلوم بھی ہے کہ نکاح کے بعد مجھ پر بیوی کا نان نفقہ وغیرہ جیسی کتنی ذمہ داریاں پڑ جائیں گی؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں، جو بذریعہ نکاح خود کو حرام کاری سے محفوظ رکھنا چاہتا ہو، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد اپنے ذمہ لی ہے۔“ (شرح فتح القدیر 189/3)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نکاح شہوت توڑنے، نفس کو عقیف بنانے اور نسل کی کثرت کے لیے کیا جاتا ہے۔“ (فتح الباری 27/21)

تعدد ازواج زہد و تقویٰ کے عین مطابق ہے:

اس کے بعد لوگوں کا یہ اعتراض و اشکال کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنا زہد و تقویٰ کے خلاف ہے، بالکل بے بنیاد و بے دلیل ہے، کیونکہ ایک سے زائد شادیوں کا شوق اور اس کی رغبت اللہ کے رسول اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ثابت ہے اور اس کو زہد و تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا رہبانیت ہے، جس کی حوصلہ افزائی کی شریعت اسلامی میں کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روایت نقل فرماتے ہیں:

”سب سے بڑا زہد وہ ہے جو قبر کو نہ بھولے اور دنیا کی زینت میں اعلیٰ درجہ کی زینت کو ترک کر دے (یعنی تھوڑی دنیا پر قناعت کرے)۔“

اس روایت کی تشریح میں علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”روایت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ زہد وہ ہے جو دنیا کی زینت کو ترک کر دے تو بظاہر اس میں عورتیں بھی داخل ہیں، کیونکہ تمام دانشوروں کا اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام تر مال و متاع میں عورتیں سب سے زیادہ مرغوب و پسندیدہ ہیں، لیکن اس کے

زوجیت، مثل نفقات وغیرہ، وہ ان کو وبال سمجھتے ہیں۔“ (بیان القرآن 136/2)

جامعۃ الرشید، کراچی کے شیخ الحدیث، حضرت مفتی محمد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”بعض لوگوں کی فطرت میں شہوت پرستی کا غلبہ ہوتا ہے اور شہوت پرستی کا یہ غلبہ جسمانی قوت کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ جب دنیا اور ہوس کی بنا پر ہوتا ہے، ان کا اصل اور بنیادی مقصد محض حرام کاری ہوتا ہے۔ عفت اور پاک دامنی، تو والد و تناسل یا کسی عورت کی معاشی کفالت وغیرہ پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ نکاح اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کا محض ایک بہانہ ہوتا ہے، ایسے لوگ نکاح کے بعد ایک یا متعدد بیویوں کے جو حقوق ان پر واجب ہوتے ہیں ان کی ادائیگی کا التزام بھی نہیں کرتے۔

ہم ان لوگوں کو جو اسلام کے متعدد شادیوں والے حکم کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے ہیں، یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو متعدد شادیوں کی اجازت بہت ہی عمدہ مقاصد کی تکمیل کے پیش نظر دی ہے، لہذا کوئی مرد اگر متعدد نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کے پیش نظر ان حکمتوں اور مصلحتوں کا حصول ہی ہونا چاہیے، بیوی کو ذلیل کرنا یا اس اقدام کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے بے گناہ زوجہ کو احساس ہو کہ اس کا مقصد صرف اور صرف مجھے ذلیل یا رسوا کرنا ہے یا کسی بات پر مجھ سے انتقام لینا ہے، جائز نہیں۔۔۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔“ (ضرب مؤمن)

تعدد ازواج جنسی خواہش کی تکمیل کا جائز راستہ ہے:

اس کے برعکس اگر کوئی شخص دیگر امور زندگی میں دینداری و ذمہ داری اور عدل و انصاف کا معاملہ کرتا ہے، پھر سنجیدگی کے ساتھ ایک کے بعد مزید شادیوں کا ارادہ کرتا ہے اور متعدد بیویوں میں عدل و برابری اور محبت والفت کا تعلق قائم رکھنے کا پکا عزم بھی رکھتا ہے تو ایسے شخص کو شہوت پرستی کا طعنہ دینا حرام ہے، خواہ ایسا شخص کسی عورت کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر یا محض خواہش نفس پورا کرنے کے لیے ہی کیوں نہ نکاح کر رہا ہو۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب کوئی شخص اپنی بیوی سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو اسے اس پر بھی اجر ملتا ہے، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اپنی خواہش پوری کرنے میں کیسا اجر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ شخص کسی حرام راستے سے اپنی خواہش پوری کرتا تو کیا اسے گناہ نہ ملتا؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں! اس پر اسے گناہ ہوتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حرام طریقے سے خواہش پوری کرنے پر گناہ ملتا ہے تو اسی طرح حلال طریقے سے خواہش پوری کرنے پر ثواب بھی ملتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیسی بات ہے کہ تم برائی کو تو شمار کرتے ہو اور بھلائی کو شمار نہیں کرتے؟“

(زاد المعاد ص: 123)

چنانچہ بعض اکابر حنفیہ نے فرمایا ہے:

”اگر ایک شخص کی پہلے سے ایک ہزار باندیاں ہوں اور وہ ان پر گزارہ نہ کرتے ہوئے ایک اور باندی خریدنے کی کوشش کرے یا پہلے سے بیوی موجود ہو اور وہ اس پر قناعت نہ کرتے ہوئے مزید ایک، دو یا تین شادیاں کرنا چاہتا ہے، تو اس کے اقدام پر کوئی اسے ملامت کرے تو اس ملامت کرنے والے پر کفر کا خطرہ ہے۔ اس لیے کہ ایسے لوگ جو اپنی بیویوں اور اپنی

باندیوں کے ذریعے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: یہ لوگ قابل ملامت نہیں ہیں (سورۃ المؤمنون)۔“ (فیض القدیر 269/3)

الغرض معاملہ پہلی شادی کا ہو یا دوسری، تیسری اور چوتھی کا، خواہش نفس کو پورا کرنے والے اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قابل ملامت قرار دینے کے بجائے غیر مستحق ملامت قرار دے رہے ہیں۔ تو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح انداز میں فرمادیا کہ یہ لوگ قابل ملامت نہیں تو ایسے شخص کو ملامت کرنے والے کے بارے میں کفر کا خطرہ نہیں تو اور کیا ہے؟ ہاں! جو لوگ نکاح یا باندیوں کے سوا کوئی اور راستہ تلاش کریں تو ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں (سورۃ المؤمنون) یعنی اللہ تعالیٰ نے از خود متعین فرمادیا کہ خواہش نفس کو کس طرح سے پورا کرنا قابل ملامت ہے اور کس طرح سے پورا کرنا قابل ملامت نہیں، لہذا اس بارے میں لوگوں کو اپنے مزاج اور طبعیت کے مطابق رائے زنی کرنے کی ضرورت و اجازت نہیں۔ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر نکاح سے کسی کا مقصد خواہش نفسانی ہی پوری کرنا ہو تو اس صورت میں بھی اسے نکاح کا ثواب ملے گا، کیونکہ وہ چاہتا تو ناجائز راستوں سے بھی خواہش پوری کر سکتا تھا اور حلال طریقے سے یعنی بذریعہ نکاح اپنی خواہش پوری کرنے کے بارے میں اسے معلوم بھی ہے کہ نکاح کے بعد مجھ پر بیوی کا نان نفقہ وغیرہ جیسی کتنی ذمہ داریاں پڑ جائیں گی؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں، جو بذریعہ نکاح خود کو حرام کاری سے محفوظ رکھنا چاہتا ہو، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد اپنے ذمہ لی ہے۔“ (شرح فتح القدیر 189/3)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نکاح شہوت توڑنے، نفس کو عقیف بنانے اور نسل کی کثرت کے لیے کیا جاتا ہے۔“ (فتح الباری 27/21)

تعدد ازواج زہد و تقویٰ کے عین مطابق ہے:

اس کے بعد لوگوں کا یہ اعتراض و اشکال کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنا زہد و تقویٰ کے خلاف ہے، بالکل بے بنیاد و بے دلیل ہے، کیونکہ ایک سے زائد شادیوں کا شوق اور اس کی رغبت اللہ کے رسول اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ثابت ہے اور اس کو زہد و تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا رہبانیت ہے، جس کی حوصلہ افزائی کی شریعت اسلامی میں کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روایت نقل فرماتے ہیں:

”سب سے بڑا زہد وہ ہے جو قبر کو نہ بھولے اور دنیا کی زینت میں اعلیٰ درجہ کی زینت کو ترک کر دے (یعنی تھوڑی دنیا پر قناعت کرے)۔“

اس روایت کی تشریح میں علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”روایت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ زہد وہ ہے جو دنیا کی زینت کو ترک کر دے تو بظاہر اس میں عورتیں بھی داخل ہیں، کیونکہ تمام دانشوروں کا اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام تر مال و متاع میں عورتیں سب سے زیادہ مرغوب و پسندیدہ ہیں، لیکن اس کے

باوجود عورتیں اس میں داخل نہیں۔ لہذا نکاح کی محبت اور نکاح کو ترجیح دینا کمال زہد کے منافی نہیں۔ اور بھلا نکاح کی محبت زہد کے منافی ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ جبکہ یہ کام روئے زمین پر سب سے بہترین (یعنی سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بھی کثرت نکاح کا حکم دیا، نیز صحابہ کرام میں جو بڑے بڑے صحابہ تھے وہ زہد کے سب سے اونچے درجات پر فائز تھے، ان حضرات نے بھی عورتوں کی کثرت کو ترک نہ کیا، حالانکہ یہ اکابر صحابہ سخت غربت و تنگ دستی کا شکار تھے، دونوں قسم کے جہاد یعنی نفس کے خلاف جہاد اور کفار کے خلاف جہاد میں مشغول تھے۔“

علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

”اگر کوئی اشکال کرے کہ اس روایت میں عورتوں کو صراحتاً ذکر کر کے انہیں مستثنیٰ کیوں نہ کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں عورتوں کے اس استثناء پر تنبیہ اس لیے نہ کی گئی کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشہور و معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس رہبانیت کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جو عیسائیوں کا شعار ہے، اس لیے اس بات پر علیحدہ سے تنبیہ نہ کی گئی (کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی)۔“ (فیض القدیر 483/1)

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میری نظر میں عورتوں اور خوشبو کو محبوب بنادیا گیا ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“ (فیض القدیر 371/3)

علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”بعض علماء سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس حدیث کو بیان کر کے چونکہ یہ بتانا تھا کہ آپ نے دنیا کی کون کون سی اشیاء کو حاصل فرمایا تو دنیا کے مال و متاع کو بیان کرتے ہوئے عورتوں کے ذکر سے ابتداء فرمائی، جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا: ہم نے تمہاری دنیا سے عورتوں کے سوا کسی چیز کو حاصل نہیں کیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں دنیا کے سامان میں وہ سامان جو سب سے افضل ہے، اس کی محبت ڈالی گئی تو عین مناسب ہوا کہ اس کے ساتھ ساتھ دینی امور میں جو سب سے افضل ہے اس کا بھی ذکر کیا جائے اور وہ نماز ہے، پس دنیا کی افضل ترین چیز اور دین کی افضل ترین چیز کو ایک ہی ٹکڑے میں جمع کرتے ہوئے یہ حدیث بلاغت کے بہترین اسلوب پر واقع ہو رہی ہے اور اس حدیث میں ایک چیز کو اسی کے ہم مثل دوسری چیز کے ساتھ جمع کر دیا گیا۔ اس کے بعد خوشبو کا ذکر فرمایا، کیونکہ خوشبو بیوی سے جماع پر ابھارنے کا سب سے بڑا سبب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ خوشبو بذات خود بھی ایک عمدہ چیز ہے (یعنی دینی امور میں جس طرح نماز سب سے افضل ہے، اسی طرح دنیاوی چیزوں میں سب سے افضل عورتیں ہیں)۔“ (فیض القدیر 371/3)

ایک اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کے بعد گھوڑوں سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہ تھی۔“ (السنن الکبریٰ 8889)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑوں سے بہت محبت تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑے کی پیشانی میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے خیر رکھ دی ہے، کیونکہ گھوڑے جہاد میں کام آتے ہیں اور جہاد تحفظ دین کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ

ہے، لیکن اس سے پہلے عورتوں کی پسندیدگی کا ذکر فرما کر اس چیز کو واضح فرمادیا کہ نکاح کی غرض سے عورتوں کی محبت گھوڑوں سے بھی زیادہ ہونی چاہیے، کیونکہ نکاح تحفظ ایمان و تقویٰ اور عفت و پاک دامنی کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”عورتیں اور خوشبو بظاہر دنیا کا سامان ہیں، مگر درحقیقت یہ دونوں دین سے تعلق رکھتی ہیں۔“ (شرح السیوطی 62/7)

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ابن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں:

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ میں سب سے بڑے زہد تھے، مگر اس کے باوجود آپ کی چار بیویاں تھیں اور دس سے

زائد باندیاں تھیں۔“ (فیض القدیر 422/5)

ام سعید جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باندی ہیں، فرماتی ہیں:

”میں ایک مرتبہ حضرت علی کو وضو کرواتے ہوئے آپ پر پانی ڈال رہی تھی، اس دوران آپ فرمانے لگے کہ اے ام سعید! میرا دل کرتا ہے کہ میں شادی کروں۔۔۔ میں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کے لیے شادی کرنا بھلا کیا مشکل؟ حضرت علی نے تعجب سے فرمایا: کیا چار بیویاں ہوتے ہوئے بھی شادی۔۔۔ میں نے عرض کیا: ان میں سے کسی ایک کو طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے شادی کر لیں۔ حضرت علی نے فرمایا: طلاق بری چیز ہے اور میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔“

(سنن البیہقی الکبریٰ 1362)

اتنی ساری باندیوں کے ہوتے ہوئے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نکاح کا شوق کیوں پیدا ہو رہا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد شادیوں سے اگر محض خواہش نفس کی تکمیل تھی تو مزید باندیوں کا شوق پیدا ہونا چاہیے تھا، خواہش نفس تو باندیوں سے بھی پوری کی جاسکتی ہے اور اس وقت ان کا حصول بھی بہت آسان تھا، پھر باندیوں کے نہ تو حقوق وہ ہوتے ہیں جو بیویوں کے ہوتے ہیں اور نہ ان میں عدل جیسے تکلفات کی ضرورت پڑتی ہے، نیز ان سے بہت سی مزید دوسری ایسی خدمات بھی لی جاسکتی ہیں جو ایک آزاد عورت سے اور بیوی سے نہیں لی جاسکتیں۔ اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکاح کی خواہش کا اظہار فرما رہے ہیں، جو اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ کثرت نکاح شہوت پرستی کی علامت اور زہد و تقویٰ کے منافی نہیں، بلکہ عین مطابق ہے۔

اس کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خصوصاً حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مثالی کردار تعدد ازواج کو زہد و تقویٰ کے منافی سمجھنے اور اس کو شہوت پرستی سے جوڑنے والے نظریے کی تردید کے لیے کافی ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے لیے فرماتے ہیں:

”مجھے دنیا کے عیش (سامان) میں عورتوں اور خوشبو کے سوا کوئی چیز محبوب نہ تھی۔“ (الطبقات الکبریٰ 398/1)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، لیکن پھر بھی عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔۔۔ اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ نکاح کی خاطر عورتوں کی محبت اور شوق زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں اور نہ ہی شہوت پرستی کی علامت ہے، بلکہ سنت نبوی اور طریق صحابہ کے عین مطابق ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”عورتوں سے محبت انسان کے کامل ہونے کی علامت ہے، اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس

باوجود عورتیں اس میں داخل نہیں۔ لہذا نکاح کی محبت اور نکاح کو ترجیح دینا کمال زہد کے منافی نہیں۔ اور بھلا نکاح کی محبت زہد کے منافی ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ جبکہ یہ کام روئے زمین پر سب سے بہترین (یعنی سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بھی کثرت نکاح کا حکم دیا، نیز صحابہ کرام میں جو بڑے بڑے صحابہ تھے وہ زہد کے سب سے اونچے درجات پر فائز تھے، ان حضرات نے بھی عورتوں کی کثرت کو ترک نہ کیا، حالانکہ یہ اکابر صحابہ سخت غربت و تنگ دستی کا شکار تھے، دونوں قسم کے جہاد یعنی نفس کے خلاف جہاد اور کفار کے خلاف جہاد میں مشغول تھے۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

”اگر کوئی اشکال کرے کہ اس روایت میں عورتوں کو صراحتاً ذکر کر کے انہیں مستثنیٰ کیوں نہ کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں عورتوں کے اس استثناء پر تنبیہ اس لیے نہ کی گئی کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشہور و معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس رہبانیت کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جو عیسائیوں کا شعار ہے، اس لیے اس بات پر علیحدہ سے تنبیہ نہ کی گئی (کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی)۔“ (فیض القدیر 483/1)

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میری نظر میں عورتوں اور خوشبو کو محبوب بنا دیا گیا ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“ (فیض القدیر 371/3)

علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”بعض علماء سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس حدیث کو بیان کر کے چونکہ یہ بتانا تھا کہ آپ نے دنیا کی کون کون سی اشیاء کو حاصل فرمایا تو دنیا کے مال و متاع کو بیان کرتے ہوئے عورتوں کے ذکر سے ابتداء فرمائی، جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا: ہم نے تمہاری دنیا سے عورتوں کے سوا کسی چیز کو حاصل نہیں کیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں دنیا کے سامان میں وہ سامان جو سب سے افضل ہے، اس کی محبت ڈالی گئی تو عین مناسب ہوا کہ اس کے ساتھ ساتھ دینی امور میں جو سب سے افضل ہے اس کا بھی ذکر کیا جائے اور وہ نماز ہے، پس دنیا کی افضل ترین چیز اور دین کی افضل ترین چیز کو ایک ہی ٹکڑے میں جمع کرتے ہوئے یہ حدیث بلاغت کے بہترین اسلوب پر واقع ہو رہی ہے اور اس حدیث میں ایک چیز کو اسی کے ہم مثل دوسری چیز کے ساتھ جمع کر دیا گیا۔ اس کے بعد خوشبو کا ذکر فرمایا، کیونکہ خوشبو بیوی سے جماع پر ابھارنے کا سب سے بڑا سبب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ خوشبو بذات خود بھی ایک عمدہ چیز ہے (یعنی دینی امور میں جس طرح نماز سب سے افضل ہے، اسی طرح دنیاوی چیزوں میں سب سے افضل عورتیں ہیں)۔“ (فیض القدیر 371/3)

ایک اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کے بعد گھوڑوں سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہ تھی۔“ (السنن الکبریٰ 8889)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑوں سے بہت محبت تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑے کی پیشانی میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے خیر رکھ دی ہے، کیونکہ گھوڑے جہاد میں کام آتے ہیں اور جہاد تحفظ دین کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ

ہے، لیکن اس سے پہلے عورتوں کی پسندیدگی کا ذکر فرما کر اس چیز کو واضح فرما دیا کہ نکاح کی غرض سے عورتوں کی محبت گھوڑوں سے بھی زیادہ ہونی چاہیے، کیونکہ نکاح تحفظ ایمان و تقویٰ اور عفت و پاک دامنی کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”عورتیں اور خوشبو بظاہر دنیا کا سامان ہیں، مگر درحقیقت یہ دونوں دین سے تعلق رکھتی ہیں۔“ (شرح السیوطی 62/7)

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ابن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں:

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ میں سب سے بڑے زہد تھے، مگر اس کے باوجود آپ کی چار بیویاں تھیں اور دس سے

زائد باندیاں تھیں۔“ (فیض القدیر 422/5)

ام سعید جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باندی ہیں، فرماتی ہیں:

”میں ایک مرتبہ حضرت علی کو وضو کرواتے ہوئے آپ پر پانی ڈال رہی تھی، اس دوران آپ فرمانے لگے کہ اے ام سعید! میرا دل کرتا ہے کہ میں شادی کروں۔۔۔ میں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کے لیے شادی کرنا بھلا کیا مشکل؟ حضرت علی نے تعجب سے فرمایا: کیا چار بیویاں ہوتے ہوئے بھی شادی۔۔۔؟ میں نے عرض کیا: ان میں سے کسی ایک کو طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے شادی کر لیں۔ حضرت علی نے فرمایا: طلاق بری چیز ہے اور میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔“

(سنن البیہقی الکبریٰ 1362)

اتنی ساری باندیوں کے ہوتے ہوئے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نکاح کا شوق کیوں پیدا ہو رہا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد شادیوں سے اگر محض خواہش نفس کی تکمیل تھی تو مزید باندیوں کا شوق پیدا ہونا چاہیے تھا، خواہش نفس تو باندیوں سے بھی پوری کی جاسکتی ہے اور اس وقت ان کا حصول بھی بہت آسان تھا، پھر باندیوں کے نہ تو حقوق وہ ہوتے ہیں جو بیویوں کے ہوتے ہیں اور نہ ان میں عدل جیسے تکلفات کی ضرورت پڑتی ہے، نیز ان سے بہت سی مزید دوسری ایسی خدمات بھی لی جاسکتی ہیں جو ایک آزاد عورت سے اور بیوی سے نہیں لی جاسکتیں۔ اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکاح کی خواہش کا اظہار فرما رہے ہیں، جو اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ کثرت نکاح شہوت پرستی کی علامت اور زہد و تقویٰ کے منافی نہیں، بلکہ عین مطابق ہے۔

اس کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خصوصاً حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مثالی کردار تعدد ازواج کو زہد و تقویٰ کے منافی سمجھنے اور اس کو شہوت پرستی سے جوڑنے والے نظریے کی تردید کے لیے کافی ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے لیے فرماتے ہیں:

”مجھے دنیا کے عیش (سامان) میں عورتوں اور خوشبو کے سوا کوئی چیز محبوب نہیں۔“ (الطبقات الکبریٰ 398/1)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، لیکن پھر بھی عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔۔۔ اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ نکاح کی خاطر عورتوں کی محبت اور شوق زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں اور نہ ہی شہوت پرستی کی علامت ہے، بلکہ سنت نبوی اور طریق صحابہ کے عین مطابق ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”عورتوں سے محبت انسان کے کامل ہونے کی علامت ہے، اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس

امت میں سب سے بہترین وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہیں۔“ (الداء والداع ص 290)

(10) زمانہ حال اور زمانہ ماضی میں تفریق:

کسی بھی عمل کے جواز کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال اور احوال و کردار سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں اور تعددِ ازواج تو ایک ایسا احسن و افضل عمل ہے کہ اس کی دلالت و حمایت میں قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ کی واضح تصریحات موجود ہیں، لیکن کسی بھی طرح نہ ماننے والے لوگوں سے جب کچھ نہیں بن پڑتا تو اس عمل سے خود کو بری الذمہ کرنے کے لیے یاد دوسروں کو اس سے روکنے کے لیے چند معروف و مقبول فقروں کا سہارا لے لیتے ہیں، مثلاً:

(i) وہ زمانہ اور تھا، یہ زمانہ اور ہے:

ایک طرح سے تو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ وہ زمانہ اور تھا، یہ زمانہ اور ہے، لیکن زمانے اور وقت کے تبدیل ہو جانے کی وجہ سے تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت بڑھ گئی ہے یا کم ہو گئی ہے یا بالکل ختم ہو گئی ہے، یہ سوچنے، سمجھنے، محسوس کرنے اور مشاہدہ کرنے کی بات ہے۔ اُس زمانے میں خیر و بھلائی عروج پر تھی اور اُس زمانے میں فتنہ و شرع و ج پر ہے، اُس زمانے میں بے حیائی کا نام تک نہ تھا اور اُس زمانے میں ہر کام میں بے حیائی ہے، اُس زمانے میں بے حیائی کے اسباب تک نہ تھے اور اُس زمانے میں نئی وی، انٹرنیٹ، کیبل، موبائل فون اور کئی اسباب گناہ سہولت و آسانی کے ساتھ میسر ہیں، اُس زمانے میں گناہ کرنے والے کو گناہ کرنے کے لیے جگہ نہ ملتی اور اُس زمانے میں ہر جگہ گناہ کی کثرت و سہولت ہے، اُس زمانے میں ہر گھر ایمان و تقویٰ کی درس گاہ بنا ہوا تھا اور اُس زمانے کے گھر سے لے کر اسکول اور کالج تک شرم و حیا اور شرافت و غیرت کی جنازہ گاہ بنا ہوا ہے، اُس زمانے کا ہر گلی کوچہ اور گزرگاہ پاکیزہ مناظر پیش کرتا تھا اور اُس زمانے میں ہر گلی اور سڑک پر فاشی و عریانی سے بھرپور سائن بورڈز شہوانی جذبات کو بھڑکاتے نظر آتے ہیں اور تفریح گاہوں اور پارکوں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے میل جول کے مناظر ناجائز تعلقات کو فروغ دیتے دکھائی دیتے ہیں، اُس زمانے میں مرد و عورت کا نہ تو اختلاط تھا اور نہ ہی ان سے کسی باہمی بدکرداری کی امید کی جاسکتی تھی اور اُس زمانے میں تو جہاں مرد و عورت کا اختلاط ہوا وہاں برائی کی راہیں کھل جاتی ہیں، اُس زمانے میں نکاح آسان اور زنا مشکل تھا اور اُس زمانے میں زنا آسان اور نکاح مشکل ہو چکا ہے، اُس زمانے میں غربت و تنگ دستی اور مشکلات و مصائب کے باوجود کنواری، بیوہ یا مطلقہ عورتوں کا نکاح کوئی مشکل کام نہ تھا اور اُس زمانے میں خوشحالی و فراوانی اور عورتوں کی کثرت کے باوجود نکاح ایک مشکل ترین کام بن چکا ہے، جس کی وجہ سے کئی کنواری عورتیں بے نکاحی گھروں میں بیٹھی ہیں اور بیوہ اور مطلقہ عورتوں کا تو کوئی پوچھتا تک نہیں، اُس زمانے میں مرد و عورت کی شرافت اور دینداری کو ملحوظ رکھ کر رشتے کیے جاتے تھے اور اُس زمانے میں مال و حسن کو ترجیح دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے کئی عورتیں اور مرد نکاح کی نعمت سے محروم ہو کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اُس زمانے کے مسلمان کافروں کی عورتوں کی عزت و ناموس کے بھی محافظ تھے اور اُس زمانے کے مسلمان تو اپنی ہی مسلمان عورتوں کی عزت و ناموس سے کھیلنے کے لیے تیار ہیں۔ اسی طرح بہت سے حالات و معاملات میں اگر زمانہ حال اور زمانہ ماضی کا موازنہ کیا جائے تو ہر اعتبار سے موجودہ زمانے میں تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت کم ہونے کے بجائے زیادہ ہوتی نظر آئے گی۔

(ii) وہ لوگ اور تھے، ہم لوگ اور ہیں:

یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ وہ لوگ اور تھے اور ہم لوگ اور ہیں۔ وہ لوگ ایمان و عمل میں ہم سے بہت آگے تھے۔ وہ اس قابل تھے کہ اپنی متعدد بیویوں میں پورا پورا عدل کر سکیں اور ان کے حقوق پورے پورے ادا کر سکیں، پھر ان کی عورتیں بھی اتنی باکردار و سمجھدار تھیں کہ اس حکم شریعت کو صبر و رضا کے ساتھ قبول کر سکیں، اس کو نبھاسکیں اور اس معاملے میں ہر طرح سے معاون و مددگار ثابت ہو سکیں، لیکن زہد و تقویٰ اور صبر و قناعت کے جس بلند مقام پر وہ فائز تھے، اگر چاہتے تو ایک ہی بیوی پر اکتفاء کر سکتے تھے، پھر دینی ذمہ داریوں اور آزمائشوں کا بوجھ اتنا کہ کون متعدد بیویوں کی ذمہ داری اور آزمائش کا سامنا کرے، اس کے علاوہ شرفِ صحبت نے انکے خیالات کو اس قدر پاکیزہ بنادیا تھا کہ پہلی شادی کا خیال بھی انکی روحانی و جسمانی کیفیات و جذبات کو متاثر کرنے سے قاصر تھا، مگر اس کے باوجود انہوں نے بڑھ چڑھ کر نکاح کیے اور اس معاملے میں اپنی پوری پوری پسندیدگی اور مرغوبیت کا اظہار کیا، کیونکہ ان کے سامنے اس حکم قرآنی اور سنت نبوی کی حقیقت و غرض و غایت عیاں تھی، جس کو رد کرنا ان کے لیے ناممکن تھا۔ ان مبارک حضرات و خواتین کے مقابلے میں ہماری حیثیت تو کچھ بھی نہیں، ہمارے اکثر مردوں اور عورتوں کی نہ تو روحانی حالت اس قدر قابل استحکام ہے کہ نکاح کی خواہش ان کو تنگ نہ کر سکے اور نہ ہی جسمانی حالت اس قدر قابل اعتبار ہے کہ گناہ کی گرد سے ان کو بچا سکے۔ لہذا اس صورت میں بھی ہمارے حق میں تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت گھٹتی نہیں بلکہ مزید بڑھ جاتی ہے۔

(iii) اُس زمانے کے مردوں میں طاقت زیادہ تھی:

اس بات کو بھی اگر صحیح مان لیا جائے کہ اُس زمانے کے لوگوں میں جسمانی قوت و شہوت زیادہ تھی، جس کی وجہ سے ایک بیوی ان کے لیے ناکافی ہو جاتی تھی اور مجبوراً ان کو چار چار شادیاں کرنی پڑتی تھیں، لیکن صبر و قناعت اور دنیا سے بے رغبتی تو ان میں اس سے بھی زیادہ تھی، جس کی وجہ سے وہ خود کو زیادہ بیویوں کے جن جنھٹ سے باز رکھ سکتے تھے، مگر شدید بھوک کی حالت میں پورا پورا دن صرف ایک ہی کھجور پر گزارا کرنے کے باوجود ان حضرات نے چار چار شادیاں کر کے ثابت کر دیا کہ ان کا یہ عمل محض کسی ذاتی ضرورت کی بنا پر نہیں بلکہ اتباعِ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر تھا۔ اس کے برعکس موجودہ زمانے میں لوگوں کو کھل کر بھوک لگے یا نہ لگے، بہر حال چار چار آدمیوں کا کھانا کھاتے ہیں۔ یہاں تو وہ صبر و قناعت کا مظاہرہ نہیں کرتے کہ جس میں ان حضرات نے کیا، لیکن تعددِ ازواج کے معاملے میں ان کے دل صبر و قناعت کے جذبات سے لبریز ہو جاتے ہیں۔

پھر یہی قوت و شہوت ان حضرات میں اُس وقت بھی موجود تھی جب قرآن کا حکم نہیں اترتا تھا اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عمل سامنے نہیں آیا تھا، تب انہوں نے چار چار شادیاں کیوں نہیں کیں؟ حالانکہ اُس وقت عرب کا عام دستور کئی کئی شادیاں کرنے کا تھا۔ کیا اچانک سے ان کے اندر قوت و شہوت پیدا ہو گئی، جس کی وجہ سے انہوں نے نکاح پہ ترجیح کر لیے؟ ہرگز نہیں! ان حضرات نے متعدد شادیاں صرف اور صرف اسلام کے حکم سے متاثر ہو کر کیں۔ اس کے برعکس موجودہ زمانے کے لوگ غیروں کے طریقوں سے متاثر ہو کر تو ان کی پیروی کر لیتے ہیں اور ان کو موجودہ وقت کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے خود ساختہ دلائل اور تاویلات کا سہارا لیتے ہیں، لیکن اسلامی طریقوں سے متاثر ہو کر ان کی پیروی کے لیے ان کے پاس کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور ان کی مخالفت کے لیے اعتراضات و اشکالات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

(iv) اُس زمانے میں تعددِ ازواج کی مخالفت نہ تھی:

امت میں سب سے بہترین وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہیں۔“ (الداء والداع ص 290)

(10) زمانہ حال اور زمانہ ماضی میں تفریق:

کسی بھی عمل کے جواز کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال اور احوال و کردار سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں اور تعددِ ازواج تو ایک ایسا احسن و افضل عمل ہے کہ اس کی دلالت و حمایت میں قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ کی واضح تصریحات موجود ہیں، لیکن کسی بھی طرح نہ ماننے والے لوگوں سے جب کچھ نہیں بن پڑتا تو اس عمل سے خود کو بری الذمہ کرنے کے لیے یاد دوسروں کو اس سے روکنے کے لیے چند معروف و مقبول فقروں کا سہارا لے لیتے ہیں، مثلاً:

(i) وہ زمانہ اور تھا، یہ زمانہ اور ہے:

ایک طرح سے تو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ وہ زمانہ اور تھا، یہ زمانہ اور ہے، لیکن زمانے اور وقت کے تبدیل ہو جانے کی وجہ سے تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت بڑھ گئی ہے یا کم ہو گئی ہے یا بالکل ختم ہو گئی ہے، یہ سوچنے، سمجھنے، محسوس کرنے اور مشاہدہ کرنے کی بات ہے۔ اُس زمانے میں خیر و بھلائی عروج پر تھی اور اُس زمانے میں فتنہ و شرع و ج پر ہے، اُس زمانے میں بے حیائی کا نام تک نہ تھا اور اُس زمانے میں ہر کام میں بے حیائی ہے، اُس زمانے میں بے حیائی کے اسباب تک نہ تھے اور اُس زمانے میں نئی وی، انٹرنیٹ، کیبل، موبائل فون اور کئی اسباب گناہ سہولت و آسانی کے ساتھ میسر ہیں، اُس زمانے میں گناہ کرنے والے کو گناہ کرنے کے لیے جگہ نہ ملتی اور اُس زمانے میں ہر جگہ گناہ کی کثرت و سہولت ہے، اُس زمانے میں ہر گھر ایمان و تقویٰ کی درس گاہ بنا ہوا تھا اور اُس زمانے کے گھر سے لے کر اسکول اور کالج تک شرم و حیا اور شرافت و غیرت کی جنازہ گاہ بنا ہوا ہے، اُس زمانے کا ہر گلی کوچہ اور گزرگاہ پاکیزہ مناظر پیش کرتا تھا اور اُس زمانے میں ہر گلی اور سڑک پر فاشی و عریانی سے بھرپور سائن بورڈز شہوانی جذبات کو بھڑکاتے نظر آتے ہیں اور تفریح گاہوں اور پارکوں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے میل جول کے مناظر ناجائز تعلقات کو فروغ دیتے دکھائی دیتے ہیں، اُس زمانے میں مرد و عورت کا نہ تو اختلاط تھا اور نہ ہی ان سے کسی باہمی بدکرداری کی امید کی جاسکتی تھی اور اُس زمانے میں تو جہاں مرد و عورت کا اختلاط ہوا وہاں برائی کی راہیں کھل جاتی ہیں، اُس زمانے میں نکاح آسان اور زمانہ مشکل تھا اور اُس زمانے میں زنا آسان اور نکاح مشکل ہو چکا ہے، اُس زمانے میں غربت و تنگ دستی اور مشکلات و مصائب کے باوجود کنواری، بیوہ یا مطلقہ عورتوں کا نکاح کوئی مشکل کام نہ تھا اور اُس زمانے میں خوشحالی و فراوانی اور عورتوں کی کثرت کے باوجود نکاح ایک مشکل ترین کام بن چکا ہے، جس کی وجہ سے کئی کنواری عورتیں بے نکاحی گھروں میں بیٹھی ہیں اور بیوہ اور مطلقہ عورتوں کا تو کوئی پوچھتا تک نہیں، اُس زمانے میں مرد و عورت کی شرافت اور دینداری کو ملحوظ رکھ کر رشتے کیے جاتے تھے اور اُس زمانے میں مال و حسن کو ترجیح دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے کئی عورتیں اور مرد نکاح کی نعمت سے محروم ہو کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اُس زمانے کے مسلمان کافروں کی عورتوں کی عزت و ناموس کے بھی محافظ تھے اور اُس زمانے کے مسلمان تو اپنی ہی مسلمان عورتوں کی عزت و ناموس سے کھیلنے کے لیے تیار ہیں۔ اسی طرح بہت سے حالات و معاملات میں اگر زمانہ حال اور زمانہ ماضی کا موازنہ کیا جائے تو ہر اعتبار سے موجودہ زمانے میں تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت کم ہونے کے بجائے زیادہ ہوتی نظر آئے گی۔

(ii) وہ لوگ اور تھے، ہم لوگ اور ہیں:

یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ وہ لوگ اور تھے اور ہم لوگ اور ہیں۔ وہ لوگ ایمان و عمل میں ہم سے بہت آگے تھے۔ وہ اس قابل تھے کہ اپنی متعدد بیویوں میں پورا پورا عدل کر سکیں اور ان کے حقوق پورے پورے ادا کر سکیں، پھر ان کی عورتیں بھی اتنی باکردار و سمجھدار تھیں کہ اس حکم شریعت کو صبر و رضا کے ساتھ قبول کر سکیں، اس کو نبھاسکیں اور اس معاملے میں ہر طرح سے معاون و مددگار ثابت ہو سکیں، لیکن زہد و تقویٰ اور صبر و قناعت کے جس بلند مقام پر وہ فائز تھے، اگر چاہتے تو ایک ہی بیوی پر اکتفاء کر سکتے تھے، پھر دینی ذمہ داریوں اور آزمائشوں کا بوجھ اتنا کہ کون متعدد بیویوں کی ذمہ داری اور آزمائش کا سامنا کرے، اس کے علاوہ شرفِ صحبت نے انکے خیالات کو اس قدر پاکیزہ بنادیا تھا کہ پہلی شادی کا خیال بھی انکی روحانی و جسمانی کیفیات و جذبات کو متاثر کرنے سے قاصر تھا، مگر اس کے باوجود انہوں نے بڑھ چڑھ کر نکاح کیے اور اس معاملے میں اپنی پوری پوری پسندیدگی اور مرغوبیت کا اظہار کیا، کیونکہ ان کے سامنے اس حکم قرآنی اور سنت نبوی کی حقیقت و غرض و غایت عیاں تھی، جس کو رد کرنا ان کے لیے ناممکن تھا۔ ان مبارک حضرات و خواتین کے مقابلے میں ہماری حیثیت تو کچھ بھی نہیں، ہمارے اکثر مردوں اور عورتوں کی نہ تو روحانی حالت اس قدر قابل استحکام ہے کہ نکاح کی خواہش ان کو تنگ نہ کر سکے اور نہ ہی جسمانی حالت اس قدر قابل اعتبار ہے کہ گناہ کی گرد سے ان کو بچا سکے۔ لہذا اس صورت میں بھی ہمارے حق میں تعددِ ازواج کی ضرورت و اہمیت گھٹتی نہیں بلکہ مزید بڑھ جاتی ہے۔

(iii) اُس زمانے کے مردوں میں طاقت زیادہ تھی:

اس بات کو بھی اگر صحیح مان لیا جائے کہ اُس زمانے کے لوگوں میں جسمانی قوت و شہوت زیادہ تھی، جس کی وجہ سے ایک بیوی ان کے لیے ناکافی ہو جاتی تھی اور مجبوراً ان کو چار چار شادیاں کرنی پڑتی تھیں، لیکن صبر و قناعت اور دنیا سے بے رغبتی تو ان میں اس سے بھی زیادہ تھی، جس کی وجہ سے وہ خود کو زیادہ بیویوں کے جن جنھٹ سے باز رکھ سکتے تھے، مگر شدید بھوک کی حالت میں پورا پورا دن صرف ایک ہی کھجور پر گزارا کرنے کے باوجود ان حضرات نے چار چار شادیاں کر کے ثابت کر دیا کہ ان کا یہ عمل محض کسی ذاتی ضرورت کی بنا پر نہیں بلکہ اتباعِ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر تھا۔ اس کے برعکس موجودہ زمانے میں لوگوں کو کھل کر بھوک لگے یا نہ لگے، بہر حال چار چار آدمیوں کا کھانا کھاتے ہیں۔ یہاں تو وہ صبر و قناعت کا مظاہرہ نہیں کرتے کہ جس میں ان حضرات نے کیا، لیکن تعددِ ازواج کے معاملے میں ان کے دل صبر و قناعت کے جذبات سے لبریز ہو جاتے ہیں۔

پھر یہی قوت و شہوت ان حضرات میں اُس وقت بھی موجود تھی جب قرآن کا حکم نہیں اترتا تھا اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عمل سامنے نہیں آیا تھا، تب انہوں نے چار چار شادیاں کیوں نہیں کیں؟ حالانکہ اُس وقت عرب کا عام دستور کئی کئی شادیاں کرنے کا تھا۔ کیا اچانک سے ان کے اندر قوت و شہوت پیدا ہو گئی، جس کی وجہ سے انہوں نے نکاح پہ نکاح کر لیے؟ ہرگز نہیں! ان حضرات نے متعدد شادیاں صرف اور صرف اسلام کے حکم سے متاثر ہو کر کیں۔ اس کے برعکس موجودہ زمانے کے لوگ غیروں کے طریقوں سے متاثر ہو کر تو ان کی پیروی کر لیتے ہیں اور ان کو موجودہ وقت کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے خود ساختہ دلائل اور تاویلات کا سہارا لیتے ہیں، لیکن اسلامی طریقوں سے متاثر ہو کر ان کی پیروی کے لیے ان کے پاس کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور ان کی مخالفت کے لیے اعتراضات و اشکالات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

(iv) اُس زمانے میں تعددِ ازواج کی مخالفت نہ تھی:

یہ بات بھی درست ہے کہ اُس زمانے میں تعددِ ازواج کی مخالفت بالکل نہ تھی، بلکہ حالات ایک دم سازگار تھے اور اس زمانے میں اس قدر شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ بڑے سے بڑے باہمت انسان کے حوصلے بھی پست پڑ جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اُس زمانے میں تعددِ ازواج کا عام رواج تھا اور اس زمانے میں اس کا رواج چند خاص لوگوں میں ہی پایا جاتا ہے اور وہ بھی عجیب و غریب صورت میں، مگر اس کے علاوہ بھی دین کے کئی احکامات ایسے ہیں کہ جن کا رواج موجودہ زمانے میں ناپید ہو چکا ہے اور ان کے مطابق عمل کرنے میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن اس وجہ سے کسی بھی حکم دین کو غیر ضروری اور قابل ترک سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی جاتی، بلکہ ہمت و حوصلے کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو کر اس کی عملی ترغیب دی جاتی ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم کی امید رکھی جاتی ہے۔

اس لیے مانا کہ رواج نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کا اقدام کرنے والے کی سخت مخالفت اور حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور اس کو اس سنت عمل سے باز رکھنے کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جو اسلامی تعلیمات اور اخلاقیات کے بھی منافی ہوتا ہے، لیکن اس شدید مخالفت اور ناروا سلوک کے باوجود اگر کوئی شخص ہمت و حوصلے سے کام لیتے ہوئے اپنے عزم و ارادے پر قائم رہتا ہے اور حکمت و مصلحت کے ساتھ ایک وقت تک اپنے گھر والوں کی ذہن سازی کرتا رہتا ہے اور پھر عملی قدم اٹھالیتا ہے تو وہ یقیناً بڑے اجر و ثواب کا مستحق بن جاتا ہے، ایک تو مٹی ہوئی سنت کو زندہ کرنے کا ثواب اور دوسرا اس کی خاطر سخت مشکل و آزمائش کے لیے تیار رہنے کا ثواب۔ اس کا یہ عمل دوسروں کی ترغیب کا بھی باعث بنے گا کہ جب فلاں شخص یہ اقدام کر سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں کر سکتے؟ اور اس کے نتیجے میں کسی نہ کسی حد تک قوم کا جود بھی ٹوٹنا شروع ہوگا، پھر پوری قوم نہ سہی، مگر خاندان اور معاشرے کے وہ نوجوان جنہیں حرام راستوں کے خطرات لاحق تھے، ان کو حلال راستے سے اپنی خواہش پوری کرنا آسان معلوم ہونے لگے گا اور ان کے دلوں میں نکاح سے محبت اور زنا سے نفرت ہونے لگے گی۔ آہستہ آہستہ لوگوں کے ذہنوں سے تعددِ ازواج جیسے مبارک و مستحب عمل کی کراہیت و نفرت جاتی رہے گی اور کم از کم اتنا تو ضرور ہوگا کہ خاندان میں جتنا ردِ عمل اس کی دوسری شادی کی وجہ سے ہوا تھا، اس کے بعد کسی دوسرے کے لیے نہ ہوگا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

(v) وہ عظیم لوگ تھے، ہم ان کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

بے شک! وہ عظیم لوگ تھے اور ہم ان کے برابر ہو بھی نہیں سکتے، لیکن ان کی اتباع تو کر سکتے ہیں، جس کا ہمیں حکم بھی دیا گیا ہے۔ کیا باقی اعمال ایسے نہیں کہ جن میں ان کی پیروی کو ہم اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے ہیں؟ تو پھر تعددِ ازواج کے معاملے میں ہم خود کو ان سے الگ کیوں کر لیتے ہیں؟ یہ اسی عمومی رویے کا نتیجہ ہے، جس کے تحت لوگ اپنی طبعیت کے خلاف ہر حکم کو صرف اُسی زمانے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص و منسوب کر کے موجودہ زمانے کے لیے غیر ضروری قرار دینے لگتے ہیں، لیکن اس وجہ سے شریعت و سنت کے کسی بھی حکم کی ضرورت و اہمیت اس زمانے میں کم نہیں ہو جاتی، بلکہ لوگوں کی اصلاح کی خاطر اس کی ضرورت و اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ شیخ عبداللہ الفقیہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”عورتوں کی کثرت اس زمانے میں پہلے سے زیادہ ہے نیز فسق و فجور اور فحاشی میں اضافے کی وجہ سے عورت اس بات کی اس زمانے میں زیادہ محتاج ہے کہ نکاح کے ذریعے اس کی عفت و پاک دامنی کا انتظام کیا جائے نیز جیسے مرد کو پہلے زمانے میں

اولاد کی حاجت تھی بالکل اسی طرح آج بھی حاجت ہے، یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ متعدد شادیوں والے حکم پر عمل اس زمانے میں بھی اسی طرح مناسب ہے جس طرح پچھلے زمانے میں تھا، بلکہ آج اس حکم پر عمل پچھلے زمانے کی نسبت زیادہ ضروری ہے۔ پس تعددِ ازواج ایک ایسا حکم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی مصلحت کس بات میں ہے۔“ (رقم الفتوی: 32248، w.islamweb.net)

(11) بے نکاحی خواتین اور ان کے سرپرستوں کا کردار:

اسلامی نظریہ تعددِ ازواج سے متاثر ہو کر اور متعدد بیویوں میں عدل و انصاف کا مستحکم عزم و حوصلہ لے کر اگر کوئی مرد کسی ضرورتمند عورت کا سہارا بننے کی خاطر یا اپنی کسی جسمانی و روحانی ضرورت کی خاطر دوسری شادی کا ارادہ کرتا ہے تو جہاں اس کے اپنے اور اپنی بیوی کے خاندان والے اس کو باز رکھنے کے لیے شدید مخالفت اور حوصلہ شکنی کا معاملہ برتتے ہیں وہاں ان ضرورتمند لڑکیوں کے خاندان والے بھی کوئی خاص حوصلہ افزائی نہیں کرتے جو اپنی لڑکیوں کو بغیر نکاح کے گھروں میں رکھنا تو گوارا کر لیتے ہیں، مگر کسی قابل اعتبار و اعتماد شخص کی دوسری بیوی بنانا پسند نہیں کرتے۔ اس طرح وہ بھی ترکِ تعددِ ازواج میں اپنا اہم ترین کردار ادا کرنے کے لیے پیش پیش رہتے ہیں۔ دوسری شادی کرنے والا ہر شخص ان کی نظروں میں مشکوک و معیوب ہوتا ہے اور ایسے شخص کے لیے ان کا گمان بد یہی ہوتا ہے کہ وہ یہ اقدام پہلی بیوی سے بیزار ہو کر یا شہوت سے مغلوب ہو کر یا محض تفریح کی خاطر کر رہا ہے، ایسے شخص کے ہاں اگر ان کی بیٹی یا بہن چلی گئی تو پہلے سے موجود ایک بیوی کی وجہ سے وہ ہر وقت ایک نئی فکر و آزمائش کا شکار رہے گی اور معاشرے کے اندر بھی اس کو کئی اچھا مقام نہ مل سکے گا۔ اس سلسلے میں دین دار اور دین دور، دونوں طرح کے لوگوں کے نظریات و خیالات یکساں ہوتے ہیں، جن کی چند اہم وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(i) اچھے سے اچھے کی امید:

اچھے سے اچھے کی خواہش و تمنا، یہ وہ چیز ہے جو اچھے سے اچھوں کے ارمانوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ زیادہ تر لوگ اپنی لڑکیوں کے لیے ایسے پری زائشہزادوں کے رشتوں کے لیے منتظر رہتے ہیں جہاں سہولت و آسائش بھری زندگی ان کا مقدر بن سکے اور صرف اسی امید میں کئی مناسب و معقول رشتے ٹھکرا دیتے ہیں کہ شاید اس سے اچھا کوئی اور رشتہ آجائے؟ یہ حال صرف امیر لوگوں کا نہیں، بلکہ متوسط اور غریب لوگ بھی کسی نہ کسی درجے میں اپنے سے اونچے اور بہت اونچے رشتوں کی امید رکھتے ہیں۔ اس طرح لڑکیوں کی عمریں تو گزرتی رہتی ہیں، لیکن ان کے معیار کے مطابق رشتے نہیں آ پاتے اور جب آتے ہیں تو ان کا معیار تبدیل ہو جاتا ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب ان لڑکیوں کی عمریں تیس سال کے قریب یا اس سے زیادہ ہو جاتی ہیں تو چالیس سال سے کم عمر کے رشتے ان کی جانب دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ آخر ان کو بھی تو اچھے سے اچھے کی تلاش ہوتی ہے اور ان کے نظریہ و خیال میں بھی تو شادی صرف ایک مرتبہ ہوتی ہے، اس لیے لڑکی ایسی ہونی چاہیے جو خوبصورت ہو، گوری ہو، جاذبِ نظر ہو، پڑھی لکھی ہو، سلیقہ شعار ہو، نہ زیادہ پتلی ہو اور نہ زیادہ موٹی ہو بلکہ اسماٹ ہو، قد بھی مناسب ہو اور مالی طور بھی مستحکم ہو وغیرہ وغیرہ۔ آخر کار نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ارمانوں کا خون ہونے کے بعد لڑکیاں یا تو کنواری رہ جاتی ہیں یا ادھیڑ عمر کے مردوں کے نکاح میں چلی جاتی ہیں، اس کے

یہ بات بھی درست ہے کہ اُس زمانے میں تعددِ ازواج کی مخالفت بالکل نہ تھی، بلکہ حالات ایک دم سازگار تھے اور اس زمانے میں اس قدر شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ بڑے سے بڑے باہمت انسان کے حوصلے بھی پست پڑ جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اُس زمانے میں تعددِ ازواج کا عام رواج تھا اور اس زمانے میں اس کا رواج چند خاص لوگوں میں ہی پایا جاتا ہے اور وہ بھی عجیب و غریب صورت میں، مگر اس کے علاوہ بھی دین کے کئی احکامات ایسے ہیں کہ جن کا رواج موجودہ زمانے میں ناپید ہو چکا ہے اور ان کے مطابق عمل کرنے میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن اس وجہ سے کسی بھی حکم دین کو غیر ضروری اور قابل ترک سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی جاتی، بلکہ ہمت و حوصلے کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو کر اس کی عملی ترغیب دی جاتی ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم کی امید رکھی جاتی ہے۔

اس لیے مانا کہ رواج نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کا اقدام کرنے والے کی سخت مخالفت اور حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور اس کو اس سنت عمل سے باز رکھنے کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جو اسلامی تعلیمات اور اخلاقیات کے بھی منافی ہوتا ہے، لیکن اس شدید مخالفت اور ناروا سلوک کے باوجود اگر کوئی شخص ہمت و حوصلے سے کام لیتے ہوئے اپنے عزم و ارادے پر قائم رہتا ہے اور حکمت و مصلحت کے ساتھ ایک وقت تک اپنے گھر والوں کی ذہن سازی کرتا رہتا ہے اور پھر عملی قدم اٹھالیتا ہے تو وہ یقیناً بڑے اجر و ثواب کا مستحق بن جاتا ہے، ایک تو مٹی ہوئی سنت کو زندہ کرنے کا ثواب اور دوسرا اس کی خاطر سخت مشکل و آزمائش کے لیے تیار رہنے کا ثواب۔ اس کا یہ عمل دوسروں کی ترغیب کا بھی باعث بنے گا کہ جب فلاں شخص یہ اقدام کر سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں کر سکتے؟ اور اس کے نتیجے میں کسی نہ کسی حد تک قوم کا جمود بھی ٹوٹنا شروع ہوگا، پھر پوری قوم نہ سہی، مگر خاندان اور معاشرے کے وہ نوجوان جنہیں حرام راستوں کے خطرات لاحق تھے، ان کو حلال راستے سے اپنی خواہش پوری کرنا آسان معلوم ہونے لگے گا اور ان کے دلوں میں نکاح سے محبت اور زنا سے نفرت ہونے لگے گی۔ آہستہ آہستہ لوگوں کے ذہنوں سے تعددِ ازواج جیسے مبارک و مستحب عمل کی کراہیت و نفرت جاتی رہے گی اور کم از کم اتنا تو ضرور ہوگا کہ خاندان میں جتنا ردِ عمل اس کی دوسری شادی کی وجہ سے ہوا تھا، اس کے بعد کسی دوسرے کے لیے نہ ہوگا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

(v) وہ عظیم لوگ تھے، ہم ان کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

بے شک! وہ عظیم لوگ تھے اور ہم ان کے برابر ہو بھی نہیں سکتے، لیکن ان کی اتباع تو کر سکتے ہیں، جس کا ہمیں حکم بھی دیا گیا ہے۔ کیا باقی اعمال ایسے نہیں کہ جن میں ان کی پیروی کو ہم اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے ہیں؟ تو پھر تعددِ ازواج کے معاملے میں ہم خود کو ان سے الگ کیوں کر لیتے ہیں؟ یہ اسی عمومی رویے کا نتیجہ ہے، جس کے تحت لوگ اپنی طبیعت کے خلاف ہر حکم کو صرف اُسی زمانے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص و منسوب کر کے موجودہ زمانے کے لیے غیر ضروری قرار دینے لگتے ہیں، لیکن اس وجہ سے شریعت و سنت کے کسی بھی حکم کی ضرورت و اہمیت اس زمانے میں کم نہیں ہو جاتی، بلکہ لوگوں کی اصلاح کی خاطر اس کی ضرورت و اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ شیخ عبد اللہ الفقیہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”عورتوں کی کثرت اس زمانے میں پہلے سے زیادہ ہے نیز فتن و فجور اور فحاشی میں اضافے کی وجہ سے عورت اس بات کی اس زمانے میں زیادہ محتاج ہے کہ نکاح کے ذریعے اس کی عفت و پاک دامنی کا انتظام کیا جائے نیز جیسے مرد کو پہلے زمانے میں

اولاد کی حاجت تھی بالکل اسی طرح آج بھی حاجت ہے، یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ متعدد شادیوں والے حکم پر عمل اس زمانے میں بھی اسی طرح مناسب ہے جس طرح پچھلے زمانے میں تھا، بلکہ آج اس حکم پر عمل پچھلے زمانے کی نسبت زیادہ ضروری ہے۔ پس تعددِ ازواج ایک ایسا حکم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی مصلحت کس بات میں ہے۔“ (رقم الفتویٰ: 32248، w.islamweb.net)

(11) بے نکاحی خواتین اور ان کے سرپرستوں کا کردار:

اسلامی نظریہ تعددِ ازواج سے متاثر ہو کر اور متعدد بیویوں میں عدل و انصاف کا مستحکم عزم و حوصلہ لے کر اگر کوئی مرد کسی ضرورتمند عورت کا سہارا بننے کی خاطر یا اپنی کسی جسمانی و روحانی ضرورت کی خاطر دوسری شادی کا ارادہ کرتا ہے تو جہاں اس کے اپنے اور اپنی بیوی کے خاندان والے اس کو باز رکھنے کے لیے شدید مخالفت اور حوصلہ شکنی کا معاملہ برتتے ہیں وہاں ان ضرورتمند لڑکیوں کے خاندان والے بھی کوئی خاص حوصلہ افزائی نہیں کرتے جو اپنی لڑکیوں کو بغیر نکاح کے گھروں میں رکھنا تو گوارا کر لیتے ہیں، مگر کسی قابل اعتبار و اعتماد شخص کی دوسری بیوی بنانا پسند نہیں کرتے۔ اس طرح وہ بھی ترکِ تعددِ ازواج میں اپنا اہم ترین کردار ادا کرنے کے لیے پیش پیش رہتے ہیں۔ دوسری شادی کرنے والا ہر شخص ان کی نظروں میں مشکوک و معیوب ہوتا ہے اور ایسے شخص کے لیے ان کا گمان بدیہی ہوتا ہے کہ وہ یہ اقدام پہلی بیوی سے بیزار ہو کر یا شہوت سے مغلوب ہو کر یا محض تفریح کی خاطر کر رہا ہے، ایسے شخص کے ہاں اگر ان کی بیٹی یا بہن چلی گئی تو پہلے سے موجود ایک بیوی کی وجہ سے وہ ہر وقت ایک نئی فکر و آزمائش کا شکار رہے گی اور معاشرے کے اندر بھی اس کو کئی اچھا مقام نہ مل سکے گا۔ اس سلسلے میں دین دار اور دین دور، دونوں طرح کے لوگوں کے نظریات و خیالات یکساں ہوتے ہیں، جن کی چند اہم وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(i) اچھے سے اچھے کی امید:

اچھے سے اچھے کی خواہش و تمنا، یہ وہ چیز ہے جو اچھے سے اچھوں کے ارمانوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ زیادہ تر لوگ اپنی لڑکیوں کے لیے ایسے پری زاد شہزادوں کے رشتوں کے لیے منتظر رہتے ہیں جہاں سہولت و آسائش بھری زندگی ان کا مقدر بن سکے اور صرف اسی امید میں کئی مناسب و معقول رشتے ٹھکرا دیتے ہیں کہ شاید اس سے اچھا کوئی اور رشتہ آجائے؟ یہ حال صرف امیر لوگوں کا نہیں، بلکہ متوسط اور غریب لوگ بھی کسی نہ کسی درجے میں اپنے سے اونچے اور بہت اونچے رشتوں کی امید رکھتے ہیں۔ اس طرح لڑکیوں کی عمریں تو گزرتی رہتی ہیں، لیکن ان کے معیار کے مطابق رشتے نہیں آتے اور جب آتے ہیں تو ان کا معیار تبدیل ہو جاتا ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب ان لڑکیوں کی عمریں تیس سال کے قریب یا اس سے زیادہ ہو جاتی ہیں تو چالیس سال سے کم عمر کے رشتے ان کی جانب دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ آخر ان کو بھی تو اچھے سے اچھے کی تلاش ہوتی ہے اور ان کے نظریہ و خیال میں بھی تو شادی صرف ایک مرتبہ ہوتی ہے، اس لیے لڑکی ایسی ہونی چاہیے جو خوبصورت ہو، گوری ہو، جاذبِ نظر ہو، پڑھی لکھی ہو، سلیقہ شعار ہو، نہ زیادہ پتلی ہو اور نہ زیادہ موٹی ہو بلکہ اسارٹ ہو، قد بھی مناسب ہو اور مالی طور بھی مستحکم ہو وغیرہ وغیرہ۔ آخر کار نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ارمانوں کا خون ہونے کے بعد لڑکیاں یا تو کنواری رہ جاتی ہیں یا ادھیڑ عمر کے مردوں کے نکاح میں چلی جاتی ہیں، اس کے

باوجود ان کے لیے ایسے مردوں کے نکاح میں جانا پسند نہیں کیا جاتا جو جوان بھی ہوں اور جوڑ کے مطابق بھی ہوں، لیکن دوسری شادی کے امیدوار ہوں۔

(ii) دنیاوی حرص و لالچ:

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی صاحب ثروت و شوکت اور دولت مند شخص ان لوگوں کے ہاں دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کے لیے نکاح کا پیغام بھیج دے تو اس وقت وہ ضرور کچھ سوچنے اور فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن کوئی متوسط طبقے کا آدمی اگر اس بارے میں کچھ بات بھی کرنا چاہے تو اس پر چڑھ دوڑتے ہیں کہ آخر اس نے یہ بات کہاں کیسے؟ بعض لوگ تو اس کو طنز و تمسخر کا نشانہ بنا دیتے ہیں اور بعض لوگ صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے محض نصیحت فرما کر اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ میاں! مہنگائی کا دور ہے، کہاں دو بیویوں اور بچوں کو پالنے کی فکر میں مارے مارے پھرتے رہو گے، ایک بیوی اور بچوں کو صحیح طرح خوش کر لو، یہی تمہارے لیے کافی ہے۔ حرص و لالچ کے مارے ہوئے لوگوں کے نزدیک دینداری و ذمہ داری کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتی، ان کی نظروں میں صرف مال داری سائی ہوئی ہوتی ہے، جس کے بغیر ان کی آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہو جاتی ہیں۔ ان کے جذبات اس حقیقت سے عاری ہوتے ہیں کہ ذہنی و قلبی سکون و اطمینان ہی کامیاب شادی کی علامت ہے، جو اللہ و رسول کی محبت و قربت کے ذریعے ہی ممکن ہے اور گزارے لائق زندگی میں بھی جس کا حصول آسان ہے، پھر چاہے اکلوتے مرد کے ساتھ منسلک ہو کر ملے یا بیوی بچوں والے مرد کے ساتھ، حتیٰ کہ غربت و تنگ دستی بھی اس سکون و اطمینان کو نہیں چھین سکتی۔ مالی فراوانی و خوشحالی اور عیش و عشرت بھری زندگی نہ تو اس سکون و اطمینان کو خرید سکتی ہے اور نہ ہی کسی سے چھین کر دے سکتی ہے۔

(iii) خواتین بھی دوسری بیوی بننا پسند نہیں کرتیں:

جن عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت اور مالی کفالت کی خاطر اسلام نے تعددِ ازواج کے ذریعے مردوں کو اس کا ذمہ دار بنایا، خود وہ عورتیں بھی دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی بننا پسند نہیں کرتیں۔ مشاہدہ ہے کہ بہت سی عورتیں اس بات کو تو گوارا کر لیتی ہیں کہ ساری زندگی بے نکاحی گھروں میں بیٹھی رہیں یا کسی اچھے سے اچھے رشتے کے انتظار میں عمر کا بہترین حصہ نکاح کے بغیر ہی گزار دیں اور باقی عمر اپنے سے کئی سال بڑے آدمی کے ساتھ گزارنی پڑ جائے، مگر اس بات کو برداشت نہیں کر پاتیں کہ کسی ایسے مناسب مرد کی دوسری بیوی بنیں جو جوان بھی ہو اور کئی اعتبار سے ان کا ہم پلہ بھی ہو۔ صرف اکلوتی بیوی بننے کی لالچ میں وہ اپنی زندگی کے بہترین ایام اسی حال میں گزار دیتی ہیں۔ یاد رکھیے! ایک دین دار و ذمہ دار اور خوش اخلاق مرد کی دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی بننا کسی بے دین و بد اخلاق اور نا اہل مرد کی پہلی اور اکلوتی بیوی بننے سے زیادہ بہتر ہے۔ جرمنی کی ایک غیر مسلم خاتون اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

”ایک کامیاب آدمی کی دسویں بیوی بننا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک لاپرواہ، غیر ذمہ دار اور فضول شخص کی اکلوتی بیوی بنوں۔۔۔ اور تعددِ ازواج سے متعلق یہ صرف میری رائے نہیں بلکہ جرمنی کی ہر خاتون یہی رائے رکھتی ہے۔“

(رسالہ فضل تعدد زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)

بعض عورتوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ دوسری شادی کے ارتکاب کے نتیجے میں مرد اور اس کی پہلی بیوی کے درمیان جو کچھ

تعلقات خراب ہوں گے، اس کی تمام تر ذمہ داری دوسری بیوی پر ہوگی، جو اس مرد کی دوسری بیوی بن کر اس کے گھر کے اجڑنے کا سبب بنی۔ اس لیے اگر ہم نے کسی مرد کی دوسری بیوی بننے کے لیے ہاں کر دی تو اس کے نتیجے میں جو خرابیاں پیدا ہوں گی، مرد کے خاندانی تعلقات خراب ہو گئے، پہلی بیوی ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر چلی جائے گی، گھر آئے گی تو ہر وقت کے لڑائی جھگڑے، نیز دو بیویوں کی وجہ سے مرد کی طرف سے ضروریات و سہولیات کی فراہمی میں بھی کافی حد تک کمی آجائے گی، اس طرح ان کو بھی سہولت و آرام والی زندگی میسر نہ ہو پائے گی۔ لہذا مرد و عورت دونوں کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے اکیلے ہوں۔

(iv) مطلقہ و بیوہ عورتیں بھی اکلوتی بیوی بننا چاہتی ہیں:

عجیب تر بات یہ کہ بچوں والی طلاق یافتہ اور بیوہ خواتین کی خواہش بھی یہی ہوتی ہے کہ ان کو کسی ایسے مرد کا رشتہ مل جائے جو اکیلا ہو اور جس کے بیوی بچے نہ ہوں۔ اتنی گنجائش تو وہ کسی طرح نکال لیتی ہیں کہ اگر بچے ہوں تو بڑے ہوں اور اپنا الگ رہتے ہوں یا چھوٹے ہوں تو کہیں اور پلتے بڑھتے ہوں، لیکن پہلی بیوی کے لیے ان کے ہاں کوئی گنجائش نہیں نکل پاتی، کیونکہ وہ مرد کو خاص اپنے لیے تنہا دیکھنا چاہتی ہیں، جس کی اکلوتی بیوی بن کر رہنے کو وہ ضروری سمجھتی ہیں۔

(v) پہلی بیوی پر ظلم کا خوف:

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی عورت دوسری بیوی بن کر جب کسی مرد کے گھر آتی ہے تو مرد اور اس کی پہلی بیوی کے خاندان والے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور آنے والی دوسری بیوی کو ظالم سمجھتے ہیں، جو پہلی بیوی کے گھر کو اجاڑنے کا باعث بنتی ہے۔ جاہل اور عقل و شعور سے عاری لوگ بھی ایسی عورت اور اس کے والدین کو طعنہ دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اس وجہ سے کئی عورتیں دوسری بیوی کے رشتے ہی کو ظلم و زیادتی کا سرچشمہ سمجھنے لگتی ہیں اور اپنے لیے کسی طرح بھی پسند نہیں کرتیں کہ وہ بھی کسی کی دوسری بیوی بن کر ظلم و ستم کی اس داستان کو دوہرانے کا سبب بنیں۔

یاد رکھیے! شریعت اس موقع پر اس عورت کو ظالم نہیں کہتی جو پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر کسی مرد کی دوسری بیوی بننا قبول کر لیتی ہے، بلکہ ظالم تو وہ عورت ہے جو ایک ایسے مرد پر قبضہ کر کے بیٹھ جاتی ہے جو مزید تین عورتوں کی خوراک و رہائش کا انتظام کر سکتا تھا، ان کو تنہا رہنے کی محبت دے سکتا تھا اور ان کی عفت و پاکدامنی کا محافظ بن سکتا تھا، جو معاشرے میں بیہودگی و بے حیائی کی اشاعت کا سبب بن سکتی ہیں۔ لہذا خوب سمجھ لینا چاہیے کہ مرد کی پہلی بیوی بلکہ پورا خاندان اس کی دوسری شادی پر راضی ہو یا ناراض، ایسے موقع پر کسی عورت کا یہ سوچنا کہ دوسری بیوی بننے کی وجہ سے کسی پر ظلم ہوگا، ایک غیر معقول بات ہے۔ اگر آپ کو امید ہو کہ دوسری شادی کے لیے پیغام بھیجے والا مرد آپ کے حقوق کی ادائیگی اچھے طریقے سے کرے گا اور آپ کے ساتھ عدل و احسان کا معاملہ برقرار رکھے گا تو اللہ رب العزت نے آپ کو پوری پوری اجازت اور حق دیا ہے کہ آپ اپنے اور قوم کے اجتماعی مفاد کی خاطر بلا تردد ایسے شخص کا پیغام نکاح قبول کر لیں۔ اس صورت میں شریعت آپ کو کسی طرح بھی ظالم نہیں کہتی، بلکہ ان لوگوں کو ظالم قرار دیتی ہے جو ایک مرد سے وابستہ نکاح کی حکمتوں اور مصلحتوں میں ایک عورت کے ساتھ کسی دوسری عورت کی شرکت کو گوارا نہیں کرتے۔

شیخ عبد اللہ الفقیہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ایک تو وہ لوگ ہیں جو ایک سے زائد نکاح کرنے والے شخص کے اقدام کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس اقدام

باوجود ان کے لیے ایسے مردوں کے نکاح میں جانا پسند نہیں کیا جاتا جو جوان بھی ہوں اور جوڑ کے مطابق بھی ہوں، لیکن دوسری شادی کے امیدوار ہوں۔

(ii) دنیاوی حرص و لالچ:

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی صاحب ثروت و شوکت اور دولت مند شخص ان لوگوں کے ہاں دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کے لیے نکاح کا پیغام بھیج دے تو اس وقت وہ ضرور کچھ سوچنے اور فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن کوئی متوسط طبقے کا آدمی اگر اس بارے میں کچھ بات بھی کرنا چاہے تو اس پر چڑھ دوڑتے ہیں کہ آخر اس نے یہ بات کہاں کیسے؟ بعض لوگ تو اس کو طنز و تمسخر کا نشانہ بنا دیتے ہیں اور بعض لوگ صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے محض نصیحت فرما کر اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ میاں! مہنگائی کا دور ہے، کہاں دو بیویوں اور بچوں کو پالنے کی فکر میں مارے مارے پھرتے رہو گے، ایک بیوی اور بچوں کو صحیح طرح خوش کر لو، یہی تمہارے لیے کافی ہے۔ حرص و لالچ کے مارے ہوئے لوگوں کے نزدیک دینداری و ذمہ داری کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتی، ان کی نظروں میں صرف مال داری سائی ہوئی ہوتی ہے، جس کے بغیر ان کی آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہو جاتی ہیں۔ ان کے جذبات اس حقیقت سے عاری ہوتے ہیں کہ ذہنی و قلبی سکون و اطمینان ہی کامیاب شادی کی علامت ہے، جو اللہ و رسول کی محبت و قربت کے ذریعے ہی ممکن ہے اور گزارے لائق زندگی میں بھی جس کا حصول آسان ہے، پھر چاہے اکلوتے مرد کے ساتھ منسلک ہو کر ملے یا بیوی بچوں والے مرد کے ساتھ، حتیٰ کہ غربت و تنگ دستی بھی اس سکون و اطمینان کو نہیں چھین سکتی۔ مالی فراوانی و خوشحالی اور عیش و عشرت بھری زندگی نہ تو اس سکون و اطمینان کو خرید سکتی ہے اور نہ ہی کسی سے چھین کر دے سکتی ہے۔

(iii) خواتین بھی دوسری بیوی بننا پسند نہیں کرتیں:

جن عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت اور مالی کفالت کی خاطر اسلام نے تعددِ ازواج کے ذریعے مردوں کو اس کا ذمہ دار بنایا، خود وہ عورتیں بھی دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی بننا پسند نہیں کرتیں۔ مشاہدہ ہے کہ بہت سی عورتیں اس بات کو تو گوارا کر لیتی ہیں کہ ساری زندگی بے نکاحی گھروں میں بیٹھی رہیں یا کسی اچھے سے اچھے رشتے کے انتظار میں عمر کا بہترین حصہ نکاح کے بغیر ہی گزار دیں اور باقی عمر اپنے سے کئی سال بڑے آدمی کے ساتھ گزارنی پڑ جائے، مگر اس بات کو برداشت نہیں کر پاتیں کہ کسی ایسے مناسب مرد کی دوسری بیوی بنیں جو جوان بھی ہو اور کئی اعتبار سے ان کا ہم پلہ بھی ہو۔ صرف اکلوتی بیوی بننے کی لالچ میں وہ اپنی زندگی کے بہترین ایام اسی حال میں گزار دیتی ہیں۔ یاد رکھیے! ایک دین دار و ذمہ دار اور خوش اخلاق مرد کی دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی بننا کسی بے دین و بد اخلاق اور نا اہل مرد کی پہلی اور اکلوتی بیوی بننے سے زیادہ بہتر ہے۔ جرمنی کی ایک غیر مسلم خاتون اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

”ایک کامیاب آدمی کی دسویں بیوی بننا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک لاپرواہ، غیر ذمہ دار اور فضول شخص کی اکلوتی بیوی بنوں۔۔۔ اور تعددِ ازواج سے متعلق یہ صرف میری رائے نہیں بلکہ جرمنی کی ہر خاتون یہی رائے رکھتی ہے۔“

(رسالہ فضل تعدد زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)

بعض عورتوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ دوسری شادی کے ارتکاب کے نتیجے میں مرد اور اس کی پہلی بیوی کے درمیان جو کچھ

تعلقات خراب ہوں گے، اس کی تمام تر ذمہ داری دوسری بیوی پر ہوگی، جو اس مرد کی دوسری بیوی بن کر اس کے گھر کے اجڑنے کا سبب بنی۔ اس لیے اگر ہم نے کسی مرد کی دوسری بیوی بننے کے لیے ہاں کر دی تو اس کے نتیجے میں جو خرابیاں پیدا ہوں گی، مرد کے خاندانی تعلقات خراب ہو گئے، پہلی بیوی ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر چلی جائے گی، گھر آئے گی تو ہر وقت کے لڑائی جھگڑے، نیز دو بیویوں کی وجہ سے مرد کی طرف سے ضروریات و سہولیات کی فراہمی میں بھی کافی حد تک کمی آجائے گی، اس طرح ان کو بھی سہولت و آرام والی زندگی میسر نہ ہو پائے گی۔ لہذا مرد و عورت دونوں کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے اکیلے ہوں۔

(iv) مطلقہ و بیوہ عورتیں بھی اکلوتی بیوی بننا چاہتی ہیں:

عجیب تر بات یہ کہ بچوں والی طلاق یافتہ اور بیوہ خواتین کی خواہش بھی یہی ہوتی ہے کہ ان کو کسی ایسے مرد کا رشتہ مل جائے جو اکیلا ہو اور جس کے بیوی بچے نہ ہوں۔ اتنی گنجائش تو وہ کسی طرح نکال لیتی ہیں کہ اگر بچے ہوں تو بڑے ہوں اور اپنا الگ رہتے ہوں یا چھوٹے ہوں تو کہیں اور ملتے بڑھتے ہوں، لیکن پہلی بیوی کے لیے ان کے ہاں کوئی گنجائش نہیں نکل پاتی، کیونکہ وہ مرد کو خاص اپنے لیے تنہا دیکھنا چاہتی ہیں، جس کی اکلوتی بیوی بن کر رہنے کو وہ ضروری سمجھتی ہیں۔

(v) پہلی بیوی پر ظلم کا خوف:

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی عورت دوسری بیوی بن کر جب کسی مرد کے گھر آتی ہے تو مرد اور اس کی پہلی بیوی کے خاندان والے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور آنے والی دوسری بیوی کو ظالم سمجھتے ہیں، جو پہلی بیوی کے گھر کو اجاڑنے کا باعث بنتی ہے۔ جاہل اور عقل و شعور سے عاری لوگ بھی ایسی عورت اور اس کے والدین کو طعنہ دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اس وجہ سے کئی عورتیں دوسری بیوی کے رشتے ہی کو ظلم و زیادتی کا سرچشمہ سمجھنے لگتی ہیں اور اپنے لیے کسی طرح بھی پسند نہیں کرتیں کہ وہ بھی کسی کی دوسری بیوی بن کر ظلم و ستم کی اس داستان کو دوہرانے کا سبب بنیں۔

یاد رکھیے! شریعت اس موقع پر اس عورت کو ظالم نہیں کہتی جو پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر کسی مرد کی دوسری بیوی بننا قبول کر لیتی ہے، بلکہ ظالم تو وہ عورت ہے جو ایک ایسے مرد پر قبضہ کر کے بیٹھ جاتی ہے جو مزید تین عورتوں کی خوراک و رہائش کا انتظام کر سکتا تھا، ان کو تنہا رہنے والی محبت دے سکتا تھا اور ان کی عفت و پاکدامنی کا محافظ بن سکتا تھا، جو معاشرے میں بیہودگی و بے حیائی کی اشاعت کا سبب بن سکتی ہیں۔ لہذا خوب سمجھ لینا چاہیے کہ مرد کی پہلی بیوی بلکہ پورا خاندان اس کی دوسری شادی پر راضی ہو یا ناراض، ایسے موقع پر کسی عورت کا یہ سوچنا کہ دوسری بیوی بننے کی وجہ سے کسی پر ظلم ہوگا، ایک غیر معقول بات ہے۔ اگر آپ کو امید ہو کہ دوسری شادی کے لیے پیغام بھیجے والا مرد آپ کے حقوق کی ادائیگی اچھے طریقے سے کرے گا اور آپ کے ساتھ عدل و احسان کا معاملہ برقرار رکھے گا تو اللہ رب العزت نے آپ کو پوری پوری اجازت اور حق دیا ہے کہ آپ اپنے اور قوم کے اجتماعی مفاد کی خاطر بلا تردد ایسے شخص کا پیغام نکاح قبول کر لیں۔ اس صورت میں شریعت آپ کو کسی طرح بھی ظالم نہیں کہتی، بلکہ ان لوگوں کو ظالم قرار دیتی ہے جو ایک مرد سے وابستہ نکاح کی حکمتوں اور مصلحتوں میں ایک عورت کے ساتھ کسی دوسری عورت کی شرکت کو گوارا نہیں کرتے۔

شیخ عبد اللہ الفقیہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ایک تو وہ لوگ ہیں جو ایک سے زائد نکاح کرنے والے شخص کے اقدام کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس اقدام

کے نتیجے میں پہلی بیوی کی تکلیف کی پروا نہیں کرتے، عورت کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ کسی مرد کی دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی بننے سے گریز نہ کرے اور یوں ایسے لوگ عورت کو اللہ کے حکم سے ثابت شدہ ایسی بات کی دعوت دیتے ہیں جس میں عدل و انصاف، عورت کا تحفظ، اس کی پاک دامنی کی حفاظت اور اس کے علاوہ بھی خصوصی اور قوم کی عمومی مصلحتیں پوشیدہ ہیں، تو ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ یہ لوگ عورت کے حق میں زیادہ بڑے ظالم ہیں یا وہ لوگ ان سے بھی بڑے ظالم ہیں جو عورتوں کو ایسے مرد سے نکاح کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو ایک سے زائد بیویاں رکھتا ہو، اور یوں ایسے لوگ درحقیقت اپنے اس اقدام کے ذریعے ایسی عورت کی عزت کو داؤ پر لگانے کی کوشش کرتے ہیں، بزبان حال اسے ذلت والی زندگی کی دعوت اور نکاح کی فضیلت والی زندگی سے روک رہے ہوتے ہیں اور یوں اس کی نگاہوں میں ایک قبیح کام کو اچھا اور اچھے کام کو گھٹیا بنا رہے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ایسے لوگ ایسی عورت کو فسق و فجور میں مبتلا اور اس کی نگاہوں میں زنا کو پسندیدہ بنا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایسی عورت ازدواجی زندگی کے بہترین ایام اور اپنی زندگی کو نفع بخش بنانے سے محروم ہو جاتی ہے اور بعض مرتبہ تو اپنی جنسی خواہش پر قابو نہ پاتے ہوئے زنا میں مبتلا ہو جاتی ہے، پھر اگر بچے کی ولادت ہو تو ایسا بچہ جنم دیتی ہے جو پیدائش کے دن سے ہی یتیم ہوتا ہے اور شرعی نسب کی شرافت اور باپ کے باعث حاصل ہونے والی عزت سے محروم ہوتا ہے اور پھر اس بچے کی ماں اپنے اور اس بچے کے خرقے اور تربیت کی تہا ذمہ دار بنتی ہے اور بچہ بھی اسی یتیمی میں زندگی گزارتا ہے۔ پس ان دونوں قسم کے لوگوں میں کون بڑا ظالم ہے۔۔۔؟ شاید کہ جواب واضح ہے۔“

(www.islamweb.net)

(vi) معاشرتی تحقیر و تذلیل:

جس طرح معاشرے میں دوسری شادی کرنے والے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح ان لوگوں کو بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا جو اپنی بیٹی یا بہن کو دوسری شادی کرنے والے مرد کے نکاح میں دے دیتے ہیں اور نہ ہی ان خواتین کو اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو خود کو اس امر کے لیے پیش کرتی ہیں۔ الغرض ہر اس شخص کو مشکوک و معیوب نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور اس کو تذلیل و تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے جو کسی طرح سے بھی دوسری شادی کے انعقاد میں اپنا مثبت کردار ادا کرتا ہے۔ اس طرح بہت سے والدین جو اپنی مختلف مجبوریوں کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کو دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی کے طور پر دینا تو چاہتے ہیں، لیکن لوگوں کے طعنوں کے خوف سے گھبراتے، کتراتے اور پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور نہ ہی خواتین اس معاشرتی سلوک کی وجہ سے اپنے لیے یہ چیز پسند کرتی ہیں۔ پھر ان میں سے کئی خواتین معاشرتی فساد و بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔

اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مبارک زندگیوں سے سبق لینا چاہیے، جہاں صحابہ کرام اپنی بیٹیوں یا بہنوں کو بغیر کسی عار اور شرم کے دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کے لیے پیش کر دیا کرتے تھے اور اس پر نہ کسی صحابیہ عورت کو کئی اعتراض ہوتا اور نہ ہی معاشرے کے لوگ کوئی بات بناتے، بلکہ یہ چیز ان کے معمول میں داخل تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دوسری بیوی کے طور پر پیش کیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چوتھی بیوی کے طور پر پیش

کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں چوتھی بیوی کے طور پر پیش کیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی واقعات روایات میں ملتے ہیں، جن کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

(vii) نکاح بیوگان کو معیوب سمجھا جاتا ہے:

اکثر خاندانوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی بچوں والی عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کے نکاح ثانی کو عیب سمجھا جاتا ہے، چاہے روحانی و جسمانی اعتبار سے اس کو نکاح کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اس صورتحال میں اکثر عورتیں خود پر جبر کرتے ہوئے حالات سے سمجھوتہ کر لیتی ہیں اور انتہائی صبر و تحمل سے کام لیتی ہیں اور کچھ عورتیں بچوں کی پرورش و تربیت کی خاطر نکاح ثانی سے رُک جاتی ہیں۔ اگر کوئی عورت کسی بھی طرح دوبارہ نکاح کی خواہش کا اظہار کر دے تو خاندان والے اس کو غیرت دلاتے ہیں اور یہ کہہ کر اس کی خوب حوصلہ شکنی کرتے ہیں کہ کیا فلاں عورت شوہر کے انتقال کے بعد اپنے بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی نہیں گزار رہی۔۔۔؟ اب اس کے اندرونی جذبات و کیفیات کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس عورت ہی کو ہوتا ہے، وہ عورت نکاح کی خواہش مند ہوتی ہے اور اللہ بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ نکاح کر لے، لیکن بے حس معاشرے کا خود ساختہ دستور اسے کچھ نہیں کرنے دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے بیوہ عورت کے نکاح کے لیے ولی جیسی شرط لازم بھی نہیں رکھی، بلکہ عدت گزارنے کے بعد وہ جب چاہے کسی مناسب مرد سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ بہر حال اس کے لیے بھی افضل تو یہی ہے کہ ولی کی سرپرستی میں نکاح کرے، لیکن ضروری نہیں۔ پر یہاں شریعت کو دیکھنا کون ہے؟ ہر کسی کے اپنے بنائے ہوئے قوانین و ضوابط ہیں، جن کے مطابق ہر ایک دوسرے کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

”پس جب یہ (عورتیں) اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں (دوبارہ) نکاح کرنے سے نہ روکو۔“ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۲)

مولانا محمد حنیف عبد المجید حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”الغرض ہمیں یہاں مسلمان بہنوں کو، بیوہ یا مطلقہ عورت کو یہ بات سمجھانی ہے کہ وہ فوراً عدت کے بعد دوسری شادی کر لیا کریں اور دوسری بہنیں ان کی معاون بنیں، خصوصاً پہلی بیوی کو اپنے شوہر کے لیے دوسری شادی کرنے میں مانع اور رکاوٹ نہ بننا چاہیے اور خصوصاً اگر شوہر دوسری شادی کسی بیوہ یا مطلقہ یا کسی ایسی عورت سے، جس کی کسی وجہ سے شادی نہ ہو سکی ہو، کر رہا ہو تو اس میں تو بالخصوص رکاوٹ نہ بنیں۔“ (تحفہ ذہن ص: ۱۰۹)

ایک عبرت آموز واقعہ

عظیم آباد میں ایک عورت بہت چھوٹی عمر میں بیوہ ہو گئی۔ اس نے ہمیشہ روزہ رکھنا اور ہر وقت عبادت کرنا اپنا معمول بنا لیا۔ گویا حقیقی معنوں میں ”صائمتہ النهار و قاضیۃ اللیل“ بن گئی، دن کو روزہ رکھنے والی رات، کو عبادت کرنے والی۔ روزہ افطار کرتے وقت شام کو سوکھی روٹی یا گیہوں کی بھوسی کھانا اختیار کیا اور شب و روز تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتی۔ اسی حالت میں وہ بوڑھی ہو گئی۔ سینکڑوں عورتیں اس کی نفس کشی اور سچی پارسائی کو دیکھ کر اس کی مرید ہو گئیں۔ مرتے وقت اس نے سب عورتوں کو بلا کر پوچھا کہ میں نے کیسی پاک دامنی، پارسائی اور عزت و حرمت سے اپنی زندگی گزاری؟ عورتوں نے کہا کہ ایسا ہونا بہت مشکل بلکہ

کے نتیجے میں پہلی بیوی کی تکلیف کی پروا نہیں کرتے، عورت کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ کسی مرد کی دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی بننے سے گریز نہ کرے اور یوں ایسے لوگ عورت کو اللہ کے حکم سے ثابت شدہ ایسی بات کی دعوت دیتے ہیں جس میں عدل و انصاف، عورت کا تحفظ، اس کی پاک دامنی کی حفاظت اور اس کے علاوہ بھی خصوصی اور قوم کی عمومی مصلحتیں پوشیدہ ہیں، تو ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ یہ لوگ عورت کے حق میں زیادہ بڑے ظالم ہیں یا وہ لوگ ان سے بھی بڑے ظالم ہیں جو عورتوں کو ایسے مرد سے نکاح کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو ایک سے زائد بیویاں رکھتا ہو، اور یوں ایسے لوگ درحقیقت اپنے اس اقدام کے ذریعے ایسی عورت کی عزت کو داؤ پر لگانے کی کوشش کرتے ہیں، بزبان حال اسے ذلت والی زندگی کی دعوت اور نکاح کی فضیلت والی زندگی سے روک رہے ہوتے ہیں اور یوں اس کی نگاہوں میں ایک قبیح کام کو اچھا اور اچھے کام کو گھٹیا بنا رہے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ایسے لوگ ایسی عورت کو فسق و فجور میں مبتلا اور اس کی نگاہوں میں زنا کو پسندیدہ بنا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایسی عورت ازدواجی زندگی کے بہترین ایام اور اپنی زندگی کو نفع بخش بنانے سے محروم ہو جاتی ہے اور بعض مرتبہ تو اپنی جنسی خواہش پر قابو نہ پاتے ہوئے زنا میں مبتلا ہو جاتی ہے، پھر اگر بچے کی ولادت ہو تو ایسا بچہ جنم دیتی ہے جو پیدائش کے دن سے ہی یتیم ہوتا ہے اور شرعی نسب کی شرافت اور باپ کے باعث حاصل ہونے والی عزت سے محروم ہوتا ہے اور پھر اس بچے کی ماں اپنے اور اس بچے کے خرچے اور تربیت کی تہا ذمہ دار بنتی ہے اور بچہ بھی اسی یتیمی میں زندگی گزارتا ہے۔ پس ان دونوں قسم کے لوگوں میں کون بڑا ظالم ہے۔۔۔؟ شاید کہ جواب واضح ہے۔“

(www.islamweb.net)

(vi) معاشرتی تحقیر و تذلیل:

جس طرح معاشرے میں دوسری شادی کرنے والے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح ان لوگوں کو بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا جو اپنی بیٹی یا بہن کو دوسری شادی کرنے والے مرد کے نکاح میں دے دیتے ہیں اور نہ ہی ان خواتین کو اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو خود کو اس امر کے لیے پیش کرتی ہیں۔ الغرض ہر اس شخص کو مشکوک و معیوب نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور اس کو تذلیل و تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے جو کسی طرح سے بھی دوسری شادی کے انعقاد میں اپنا مثبت کردار ادا کرتا ہے۔ اس طرح بہت سے والدین جو اپنی مختلف مجبوریوں کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کو دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی کے طور پر دینا تو چاہتے ہیں، لیکن لوگوں کے طعنوں کے خوف سے گھبراتے، کتراتے اور پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور نہ ہی خواتین اس معاشرتی سلوک کی وجہ سے اپنے لیے یہ چیز پسند کرتی ہیں۔ پھر ان میں سے کئی خواتین معاشرتی فساد و بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔

اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مبارک زندگیوں سے سبق لینا چاہیے، جہاں صحابہ کرام اپنی بیٹیوں یا بہنوں کو بغیر کسی عار اور شرم کے دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کے لیے پیش کر دیا کرتے تھے اور اس پر نہ کسی صحابیہ عورت کو کئی اعتراض ہوتا اور نہ ہی معاشرے کے لوگ کوئی بات بناتے، بلکہ یہ چیز ان کے معمول میں داخل تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دوسری بیوی کے طور پر پیش کیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چوتھی بیوی کے طور پر پیش

کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں چوتھی بیوی کے طور پر پیش کیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی واقعات روایات میں ملتے ہیں، جن کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

(vii) نکاح بیوگان کو معیوب سمجھا جاتا ہے:

اکثر خاندانوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی بچوں والی عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کے نکاح ثانی کو عیب سمجھا جاتا ہے، چاہے روحانی و جسمانی اعتبار سے اس کو نکاح کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اس صورتحال میں اکثر عورتیں خود پر جبر کرتے ہوئے حالات سے سمجھوتہ کر لیتی ہیں اور انتہائی صبر و تحمل سے کام لیتی ہیں اور کچھ عورتیں بچوں کی پرورش و تربیت کی خاطر نکاح ثانی سے رُک جاتی ہیں۔ اگر کوئی عورت کسی بھی طرح دوبارہ نکاح کی خواہش کا اظہار کر دے تو خاندان والے اس کو غیرت دلاتے ہیں اور یہ کہہ کر اس کی خوب حوصلہ شکنی کرتے ہیں کہ کیا فلاں عورت شوہر کے انتقال کے بعد اپنے بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی نہیں گزار رہی۔۔۔؟ اب اس کے اندرونی جذبات و کیفیات کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس عورت ہی کو ہوتا ہے، وہ عورت نکاح کی خواہش مند ہوتی ہے اور اللہ بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ نکاح کر لے، لیکن بے حس معاشرے کا خود ساختہ دستور اسے کچھ نہیں کرنے دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے بیوہ عورت کے نکاح کے لیے ولی جیسی شرط لازم بھی نہیں رکھی، بلکہ عدت گزارنے کے بعد وہ جب چاہے کسی مناسب مرد سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ بہر حال اس کے لیے بھی افضل تو یہی ہے کہ ولی کی سرپرستی میں نکاح کرے، لیکن ضروری نہیں۔ پر یہاں شریعت کو دیکھنا کون ہے؟ ہر کسی کے اپنے بنائے ہوئے قوانین و ضوابط ہیں، جن کے مطابق ہر ایک دوسرے کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

”پس جب یہ (عورتیں) اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں (دوبارہ) نکاح کرنے سے نہ روکو۔“ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۲)

مولانا محمد حنیف عبد المجید حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”الغرض ہمیں یہاں مسلمان بہنوں کو، بیوہ یا مطلقہ عورت کو یہ بات سمجھانی ہے کہ وہ فوراً عدت کے بعد دوسری شادی کر لیا کریں اور دوسری بہنیں ان کی معاون بنیں، خصوصاً پہلی بیوی کو اپنے شوہر کے لیے دوسری شادی کرنے میں مانع اور رکاوٹ نہ بننا چاہیے اور خصوصاً اگر شوہر دوسری شادی کسی بیوہ یا مطلقہ یا کسی ایسی عورت سے، جس کی کسی وجہ سے شادی نہ ہو سکی ہو، کر رہا ہو تو اس میں تو بالخصوص رکاوٹ نہ بنیں۔“ (تحفہ دلہن ص: ۱۰۹)

ایک عبرت آموز واقعہ

عظیم آباد میں ایک عورت بہت چھوٹی عمر میں بیوہ ہو گئی۔ اس نے ہمیشہ روزہ رکھنا اور ہر وقت عبادت کرنا اپنا معمول بنالیا۔ گویا حقیقی معنوں میں ”صائمتہ النهار و قانمتہ اللیل“ بن گئی، دن کو روزہ رکھنے والی رات، کو عبادت کرنے والی۔ روزہ افطار کرتے وقت شام کو سوکھی روٹی یا گیہوں کی بھوسی کھانا اختیار کیا اور شب و روز تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتی۔ اسی حالت میں وہ بوڑھی ہو گئی۔ سینکڑوں عورتیں اس کی نفس کشی اور سچی پارسائی کو دیکھ کر اس کی مرید ہو گئیں۔ مرتے وقت اس نے سب عورتوں کو بلا کر پوچھا کہ میں نے کیسی پاک دامنی، پارسائی اور عزت و حرمت سے اپنی زندگی گزاری؟ عورتوں نے کہا کہ ایسا ہونا بہت مشکل بلکہ

ناممکن ہے کہ کبھی کسی مرد کا منہ تک نہ دیکھا، ساری عمر روزہ رکھا، سوکھی روٹی یا ستوپی کر گزارا کیا اور شب و روز مصروفِ تلاوت اور مشغولِ عبادت رہیں۔ وہ بولی کہ اب میرے دل کا حال سنو کہ جوانی سے بڑھاپے تک رات کو قرآن کی تلاوت کرتے وقت کبھی میرے کان میں چوکیدار کی آواز آتی تو دل چاہتا کہ کسی طرح اس کے پاس چلی جاؤں، لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف اور دنیا کی شرم سے بچی رہی۔ اب میرا آخری وقت ہے۔ میں تم سب کو نصیحت کرتی ہوں کہ کبھی کسی جوان بیوہ عورت کو بے نکاح نہ رکھنا۔ (مخزنِ اخلاق، از: مولانا رحمت اللہ سبحانی رحمہ اللہ تعالیٰ)

ان حالات میں اگر کوئی بیوہ عورت سمجھتی ہے کہ بچوں کی پرورش و تربیت کی خاطر نکاح ثانی کو ترک کرنے کے بعد وہ کسی مصیبت و معصیت کا شکار نہ ہوگی تو شریعت نے اس کو اجازت دی ہے کہ نکاح کے بغیر باقی زندگی گزار سکتی ہے، بلکہ حدیث میں ایسی عورت کی فضیلت بیان ہوئی ہے، لیکن اس عورت کو اگر خوف ہو کہ نکاح ثانی کے بغیر وہ دینی و دنیوی اعتبار سے مشکل سے دوچار ہوگی تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی مناسب مرد سے نکاح کر لے اور اس کے گھر والوں پر بھی بیہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس کے نکاح کا انتظام کریں۔ چنانچہ عام حالات میں تو شریعت نے اسی چیز کو پسند کیا ہے کہ عورت بیوہ ہو جانے کے بعد دوبارہ نکاح کر لے اور بغیر نکاح کے زندگی نہ گزارے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو کہتے ہیں کہ ہم نکاح نہیں کریں گے اور اسی طرح ان عورتوں پر خدا کی لعنت

ہو جو کہتی ہیں کہ ہم نکاح نہیں کریں گی۔“ (کنز العمال 16/167)

اب یہ تو بہت مشکل ہے (خصوصاً موجودہ زمانے میں) کہ ہر بیوہ عورت کو کنوارہ یا تنہا مرد مل جائے، تو ایسی صورتحال میں وہی مرد پیش رفت کر سکتے ہیں جو پہلے سے شادی شدہ ہوں اور ان ضرورت مند عورتوں کو سہارا دینے کے لیے دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرنا چاہتے ہوں، لیکن معاشرہ چونکہ ایسے مردوں کی حوصلہ افزائی کرتا نہیں، اس لیے مسئلہ بھی حل ہوتا نہیں۔ دور نبوی اور دور صحابہ میں نہ تو بیوہ کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی مرد کی دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہاں کنواری، بیوہ یا مطلقہ عورتوں کے نکاح کا انتظام کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ ایک روایت مثال کے طور پر درج ذیل ہے، جس میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”ابو طلحہ نے اسلام لانے سے پہلے (میری والدہ) حضرت ام سلیم کو نکاح کا پیغام دیا۔ انہوں نے کہا: اے ابو طلحہ! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ تم جس خدا کی عبادت کرتے ہو وہ تو زمین سے اگے والا درخت ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ام سلیم نے کہا: درخت کی عبادت کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے اسلام کے علاوہ کسی قسم کے مہر کا مطالبہ نہیں کروں گی۔ انہوں نے کہا: اچھا! میں ذرا سوچ لوں اور چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آکر کلمہ شہادت پڑھ لیا تو ام سلیم نے کہا: اے انس! میرا نکاح ابو طلحہ سے کر دو۔ چنانچہ حضرت انس نے ان کا نکاح کروا دیا۔“ (حیۃ الصحابہ)

خلاصہ کلام

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر والدین و سرپرست یا خود خواتین تعددِ ازواج کو ناپسند کرتے ہوئے اگر ایسے مرد کے پیغامِ نکاح

کو ٹھکرا دیتی ہیں اور اس کے مقابلے میں زندگی بھر بغیر نکاح کے رہنا پسند کرتی ہیں یا اچھے سے اچھے رشتے کی تلاش میں نکاح میں تاخیر کرتی ہیں تو شریعت اس سلسلے میں ان کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتی، بلکہ شریعت تو کسی طرح بھی عورتوں کا بغیر نکاح کے رہنا پسند نہیں کرتی اور مناسب رشتے ملتے ہی جلد نکاح کر دینے کا حکم دیتی ہے، چاہے وہ رشتے شادی شدہ مردوں کے ہوں یا غیر شادی شدہ مردوں کے، اس میں پہلی، دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کی کوئی شرط نہیں، بس اتنی تاکید ضرور ہے کہ رشتے کرتے وقت دین و ایمان اور اخلاق و اعمال کو دیکھا جائے۔

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تمہاری طرف کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین و اخلاق سے تم راضی ہو تو اس سے (اپنی لڑکی کا) نکاح کر دیا کرو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد پھیلے گا۔“ (ترمذی)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تین کاموں میں جلدی کیا کرو، پہلا نماز قائم کرنے میں جب اس کا وقت ہو جائے، دوسرا میت کے دفن میں جب جنازہ تیار ہو جائے اور تیسرا عورت کے نکاح میں جب اس کے جوڑ کا رشتہ مل جائے۔“ (ترمذی 206/1)

شیخ خالد الجریسی حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”بہت سی خواتین اپنی رائے پر ناحق اڑ جاتی ہیں اور نکاح سے اجتناب کر کے خود اپنی ذلت کو، خاندان کو اور معاشرے کو بہت سی بھلائیوں سے محروم کرنے کا سبب بنتی ہیں، حالانکہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ زندگی کے ایام کو نفع بخش بنانا اور انہیں ضائع ہونے سے بچانا ایک ضروری کام ہے، مسلمان کی شان ہے کہ وہ بہت عقلمند اور باریک بین ہوتا ہے، بعض خواتین کے بارے میں مشاہدہ ہے کہ جب انہیں طلاق ہو جائے یا شہر کا انتقال ہو جائے تو بچوں کی تربیت اور ان کی خبر بینی میں مصروفیت کا حوالہ دے کر آئندہ کے لیے نکاح سے اجتناب کرتی ہیں، مگر ایسے اقدام کے وقت یہ بات ذہن سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ یہ خواتین ایسا اقدام کر کے خود اپنے آپ کو، اپنی اولاد کو اور معاشرے کو بہت سے فسادات میں مبتلا کرنے کا سبب بن سکتی ہیں، جن کا خلاصہ نمبر وار یہ ہے:

(1) بعض خواتین کم عمری میں طلاق یافتہ یا بیوہ ہو جاتی ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت میں بھی جنسی شہوت و رغبت رکھی ہے تاکہ توالد و تناسل کا سلسلہ چلتا رہے۔ جب شوہر ایسی خواتین کو زنا سے محفوظ رکھنے اور جنسی تسکین کے ذریعے بہت سی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کا سبب بنتا ہے تو یہ خواتین کس دلیل کی بنیاد پر خود کو نکاح سے محروم رکھتی ہیں؟

(2) بعض خواتین کہتی ہیں کہ جب بچے بڑے ہو جائیں گے تو وہ نکاح کر لیں گی، ایسی خواتین سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کو اس بات کی کون ضمانت دے سکتا ہے کہ یہ بچے اس عمر تک زندہ رہ بھی سکیں گے کہ بڑے ہو جائیں گے؟ کیا موت کا خطرہ انسان کو ہر وقت نہیں رہتا؟ عین ممکن ہے کہ آپ کی اولاد پر موت واقع ہو جائے (اور آپ کی عمر اتنی ہو جائے کہ کوئی مرد نکاح کا پیغام بھی نہ بھیجے) اس صورت میں آپ کو ندامت ہوگی، لیکن یہ ندامت فائدہ نہیں دے گی۔

(3) ایک بات یہ ہے کہ مرد بس خواتین سے نکاح میں رغبت رکھتے ہیں جو زیادہ عمر والی نہ ہوں، اور مرد کو اس کا حق بھی ہے، دوسری طرف خواتین حیض و نفاس اور دوسرے عوارض کی وجہ سے مردوں کی نسبت جلد بڑھاپے کا شکار بھی ہو جاتی ہیں، یہ سب احوال اس

ناممکن ہے کہ کبھی کسی مرد کا منہ تک نہ دیکھا، ساری عمر روزہ رکھا، سوکھی روٹی یا ستوپی کر گزارا کیا اور شب و روز مصروفِ تلاوت اور مشغولِ عبادت رہیں۔ وہ بولی کہ اب میرے دل کا حال سنو کہ جوانی سے بڑھاپے تک رات کو قرآن کی تلاوت کرتے وقت کبھی میرے کان میں چوکیدار کی آواز آتی تو دل چاہتا کہ کسی طرح اس کے پاس چلی جاؤں، لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف اور دنیا کی شرم سے بچی رہی۔ اب میرا آخری وقت ہے۔ میں تم سب کو نصیحت کرتی ہوں کہ کبھی کسی جوان بیوہ عورت کو بے نکاح نہ رکھنا۔ (مخزنِ اخلاق، از: مولانا رحمت اللہ سبحانی رحمہ اللہ تعالیٰ)

ان حالات میں اگر کوئی بیوہ عورت سمجھتی ہے کہ بچوں کی پرورش و تربیت کی خاطر نکاح ثانی کو ترک کرنے کے بعد وہ کسی مصیبت و معصیت کا شکار نہ ہوگی تو شریعت نے اس کو اجازت دی ہے کہ نکاح کے بغیر باقی زندگی گزار سکتی ہے، بلکہ حدیث میں ایسی عورت کی فضیلت بیان ہوئی ہے، لیکن اس عورت کو اگر خوف ہو کہ نکاح ثانی کے بغیر وہ دینی و دنیوی اعتبار سے مشکل سے دوچار ہوگی تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی مناسب مرد سے نکاح کر لے اور اس کے گھر والوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس کے نکاح کا انتظام کریں۔ چنانچہ عام حالات میں تو شریعت نے اسی چیز کو پسند کیا ہے کہ عورت بیوہ ہو جانے کے بعد دوبارہ نکاح کر لے اور بغیر نکاح کے زندگی نہ گزارے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو کہتے ہیں کہ ہم نکاح نہیں کریں گے اور اسی طرح ان عورتوں پر خدا کی لعنت

ہو جو کہتی ہیں کہ ہم نکاح نہیں کریں گی۔“ (کنز العمال 16/167)

اب یہ تو بہت مشکل ہے (خصوصاً موجودہ زمانے میں) کہ ہر بیوہ عورت کو کنوارہ یا تنہا مرد مل جائے، تو ایسی صورتحال میں وہی مرد پیش رفت کر سکتے ہیں جو پہلے سے شادی شدہ ہوں اور ان ضرورت مند عورتوں کو سہارا دینے کے لیے دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرنا چاہتے ہوں، لیکن معاشرہ چونکہ ایسے مردوں کی حوصلہ افزائی کرتا نہیں، اس لیے مسئلہ بھی حل ہوتا نہیں۔ دور نبوی اور دور صحابہ میں نہ تو بیوہ کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی مرد کی دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہاں کنواری، بیوہ یا مطلقہ عورتوں کے نکاح کا انتظام کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ ایک روایت مثال کے طور پر درج ذیل ہے، جس میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”ابو طلحہ نے اسلام لانے سے پہلے (میری والدہ) حضرت ام سلیم کو نکاح کا پیغام دیا۔ انہوں نے کہا: اے ابو طلحہ! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ تم جس خدا کی عبادت کرتے ہو وہ تو زمین سے اگے والا درخت ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ام سلیم نے کہا: درخت کی عبادت کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے اسلام کے علاوہ کسی قسم کے مہر کا مطالبہ نہیں کروں گی۔ انہوں نے کہا: اچھا! میں ذرا سوچ لوں اور چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آکر کلمہ شہادت پڑھ لیا تو ام سلیم نے کہا: اے انس! میرا نکاح ابو طلحہ سے کر دو۔ چنانچہ حضرت انس نے ان کا نکاح کروا دیا۔“ (حیۃ الصحابہ)

خلاصہ کلام

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر والدین و سرپرست یا خود خواتین تعددِ ازواج کو ناپسند کرتے ہوئے اگر ایسے مرد کے پیغامِ نکاح

کو ٹھکرا دیتی ہیں اور اس کے مقابلے میں زندگی بھر بغیر نکاح کے رہنا پسند کرتی ہیں یا اچھے سے اچھے رشتے کی تلاش میں نکاح میں تاخیر کرتی ہیں تو شریعت اس سلسلے میں ان کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتی، بلکہ شریعت تو کسی طرح بھی عورتوں کا بغیر نکاح کے رہنا پسند نہیں کرتی اور مناسب رشتے ملتے ہی جلد نکاح کر دینے کا حکم دیتی ہے، چاہے وہ رشتے شادی شدہ مردوں کے ہوں یا غیر شادی شدہ مردوں کے، اس میں پہلی، دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کی کوئی شرط نہیں، بس اتنی تاکید ضرور ہے کہ رشتے کرتے وقت دین و ایمان اور اخلاق و اعمال کو دیکھا جائے۔

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تمہاری طرف کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین و اخلاق سے تم راضی ہو تو اس سے (اپنی لڑکی کا) نکاح کر دیا کرو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد پھیلے گا۔“ (ترمذی)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تین کاموں میں جلدی کیا کرو، پہلا نماز قائم کرنے میں جب اس کا وقت ہو جائے، دوسرا میت کے دفن میں جب جنازہ تیار ہو جائے اور تیسرا عورت کے نکاح میں جب اس کے جوڑ کا رشتہ مل جائے۔“ (ترمذی 206/1)

شیخ خالد الجریسی حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”بہت سی خواتین اپنی رائے پر ناحق اڑ جاتی ہیں اور نکاح سے اجتناب کر کے خود اپنی ذلت کو، خا۔ ان کو اور معاشرے کو بہت سی بھلائیوں سے محروم کرنے کا سبب بنتی ہیں، حالانکہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ زندگی کے ایام کو نفع بخش بنانا اور انہیں ضائع ہونے سے بچانا ایک ضروری کام ہے، مسلمان کی شان ہے کہ وہ بہت عقلمند اور باریک بین ہوتا ہے، بعض خواتین کے بارے میں مشاہدہ ہے کہ جب انہیں طلاق ہو جائے یا شہر کا انتقال ہو جائے تو بچوں کی تربیت اور ان کی خبر بینی میں مصروفیت کا حوالہ دے کر آئندہ کے لیے نکاح سے اجتناب کرتی ہیں، مگر ایسے اقدام کے وقت یہ بات ذہن سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ یہ خواتین ایسا اقدام کر کے خود اپنے آپ کو، اپنی اولاد کو اور معاشرے کو بہت سے فسادات میں مبتلا کرنے کا سبب بن سکتی ہیں، جن کا خلاصہ نمبر وار یہ ہے:

(1) بعض خواتین کم عمری میں طلاق یافتہ یا بیوہ ہو جاتی ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت میں بھی جنسی شہوت و رغبت رکھی ہے تاکہ تو والد و تناسل کا سلسلہ چلتا رہے۔ جب شوہر ایسی خواتین کو زنا سے محفوظ رکھنے اور جنسی تسکین کے ذریعے بہت سی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کا سبب بنتا ہے تو یہ خواتین کس دلیل کی بنیاد پر خود کو نکاح سے محروم رکھتی ہیں؟

(2) بعض خواتین کہتی ہیں کہ جب بچے بڑے ہو جائیں گے تو وہ نکاح کر لیں گی، ایسی خواتین سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کو اس بات کی کون ضمانت دے سکتا ہے کہ یہ بچے اس عمر تک زندہ رہ بھی سکیں گے کہ بڑے ہو جائیں گے؟ کیا موت کا خطرہ انسان کو ہر وقت نہیں رہتا؟ عین ممکن ہے کہ آپ کی اولاد پر موت واقع ہو جائے (اور آپ کی عمر اتنی ہو جائے کہ کوئی مرد نکاح کا پیغام بھی نہ بھیجے) اس صورت میں آپ کو ندامت ہوگی، لیکن یہ ندامت فائدہ نہیں دے گی۔

(3) ایک بات یہ ہے کہ مرد ایسی خواتین سے نکاح میں رغبت رکھتے ہیں جو زیادہ عمر والی نہ ہوں، اور مرد کو اس کا حق بھی ہے، دوسری طرف خواتین حیض و نفاس اور دوسرے عوارض کی وجہ سے مردوں کی نسبت جلد بڑھاپے کا شکار بھی ہو جاتی ہیں، یہ سب احوال اس

بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ خواتین کو نکاح میں جلدی کرنی چاہیے، اس سے پہلے کہ ان کی جوانی کے ایام ڈھلنا شروع ہو جائیں اور مرد ایسی خواتین سے اعراض اور بے رغبتی شروع کر دیں، اس وقت بھی پھر خواتین کو ندامت ہوگی، لیکن ندامت فائدہ نہیں دے گی۔

(4) بچوں کے بڑے ہونے تک نکاح کو مؤخر کر کے رکھنے والی خواتین معاشرے کو ایک بہت بڑی بھلائی سے محروم کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ امت کی نسل میں اضافہ ایک ایسی مطلوب چیز ہے جس کی شریعت نے ترغیب دی ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو بہت محبت کرنے والی اور کثرت سے بچے جننے والی ہو، کیونکہ میں تمہاری کثرت پہ فخر کروں گا۔ تو کیا عورتوں کا بے کار دلائل کے ذریعے نکاح سے اجتناب یا اس میں تاخیر امت مسلمہ کے ساتھ ظلم کے مترادف نہیں ہے؟ کہ جس امت کو یہ عورتیں بہت سے ایسے افراد سے محروم کر رہی ہیں جن کے ذریعے ذراعت، صنعت، تجارت اور جہاد جیسے مختلف میدانوں میں امت مسلمہ قوت و شوکت حاصل کرتی؟ چنانچہ ایسی خواتین کو کیا نہیں معلوم کہ جو بچے بچپن میں انتقال کر گئے تو قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گے اور جو زندہ رہ گئے تو ان کو بھی نفع پہنچائیں گے اور پورے معاشرے کو بھی نفع پہنچائیں گے۔ آبادی میں جتنا زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوگا امت مسلمہ مختلف شعبوں میں کام کرنے کے لیے غیروں کی محتاجی سے اتنا ہی مستغنی ہوتی چلی جائے گی۔ نیز بہت سی خواتین جنہوں نے نکاح ثانی سے اجتناب کیا مستقبل میں اولاد کی نافرمانی والی آزمائش کا شکار ہو گئیں یا بعض مرتبہ بچے بڑے ہونے کے بعد ماں کو ہمیشہ کے لیے تنہا چھوڑ کر چلے گئے، جس کی وجہ سے ایسی ماں اپنی اولاد کے فوائد سے محروم ہو گئی، لہذا عورت کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کر کے بھی اولاد کی طلب کو جاری رکھے تاکہ مستقبل میں اگر پہلے شوہر کی اولاد سے فائدہ نہ حاصل کر سکے تو دوسرے شوہر سے ہونے والی اولاد اس نقصان کی تلافی کر سکے۔

(5) نکاح سے اجتناب میں یہ خرابی بھی لازم آتی ہے کہ بعض مرتبہ دوسرا شوہر رحم دل ہوتا ہے اور طلاق یافتہ یا بیوہ کے بچوں کی مالی کفالت کے لیے بھی تیار ہو جاتا ہے، اس صورت میں عورت کا نکاح کو ترجیح دینا خود اپنے خاندان سے بھی اچھے سلوک کے مترادف ہے (کیونکہ جس عورت کے لیے نکاح ممکن ہو اس کے لیے مناسب نہیں کہ رہائش و خوراک وغیرہ سے متعلق مالی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے والدین یا بھائیوں پر ڈالے یا از خود ملازمت کرے)۔

(6) بعض خواتین بیوگی کے بعد دوبارہ نکاح کو پہلے شوہر کے ساتھ ایک قسم کی بے وفائی سمجھتی ہیں۔ ہمارے لیے اُمہات المؤمنین اور صحابیات کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، ان میں بہت سوں کے شوہر میدان جہاد میں شہید ہوئے اور بہت سے طبعی موت انتقال کر گئے، مگر ان سب باتوں کے باوجود انہوں نے نکاح ثانی سے اجتناب نہیں کیا، نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ اقدام اس وقت بے وفائی ہوتا کہ جب سابق شوہر گمشدہ ہوتا، جس کے ملنے کی امید ہوتی یا مثلاً مریض ہوتا۔ اب جبکہ شوہر اس فانی دنیا سے ہمیشہ کے لیے جا چکا ہے اور اس دنیا سے مکمل رشتہ ختم ہو چکا ہے تو نکاح ثانی کو پہلے شوہر کے ساتھ بے وفائی کیوں سمجھا جائے؟ لہذا عقل مند عورت کو چاہیے کہ شوہر کے انتقال کے بعد جلد از جلد نکاح کی کوشش کرے تاکہ اس کی نگاہیں ناجائز کاموں سے محفوظ رہ سکیں۔

(7) بعض طلاق یافتہ خواتین اس خوف سے نکاح سے اجتناب کرتی ہیں کہ دوسرا شوہر بھی پہلے والے کی طرح ظالم نہ ہو۔۔۔ یہ ایک ناامیدی اور مایوسی کی کیفیت ہے جسے نہ شریعت قبول کرتی ہے اور نہ ہی عقل۔ شریعت تو اس لیے قبول نہیں کرتی کہ ہمارے سامنے

کتنی ہی صحابیات کی مثالی ہیں کہ جنہیں شوہروں نے طلاق دی مگر انہوں نے پھر دوبارہ نکاح کیا، نیز ایسی خواتین سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا انہیں پہلے سے غیب کا علم ہو جاتا ہے کہ دوسرا شوہر بھی پہلے والے کی طرح ظالم ہوگا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہر اچھا اور برا پہلے سے تقدیر میں نہیں لکھ دیا اور ہمیں اسباب کے اختیار کرنے اور پھر نتیجہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم نہیں دیا؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے فرمایا تھا کہ اونٹنی کوری سے باندھو اور پھر اللہ پر اعتماد کرو، نیز یہ احتمال بھی تو ہے کہ دوسرا شوہر بہت ہی اچھا ہو تو کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عمدہ فال پسند نہ تھی اور ہمیں بری فال سے نہیں روکا گیا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ممکن ہے کہ تم کسی بات کو ناپسند کرتے ہو اور وہ درحقیقت تمہارے لیے مفید ہو۔ نیز خطرات تو دنیا کے ہر کام میں ہوتے ہیں، تو اگر لوگ ایک مرتبہ ناکامی کے بعد دوبارہ کوشش ہی ترک کرتے رہتے تو یہ دنیا جتنی آباد اور ترقی سے پر رونق نظر آتی ہے، ایسی نہ ہوتی بلکہ خالی اور ویران ہوتی، چنانچہ انسانوں کا مختلف حوادث کے خطرات کے باوجود کوشش اور محنت میں لگے رہنا ہی اس دنیا کی کامیابی اور مختلف میدانوں میں پیش رفتی کا سبب ہے۔

(8) بعض خواتین کی طرف پے در پے بہت سے مردوں کے پیغامات نکاح آتے ہیں، مگر یہ خواتین صرف اس بنا پر انکار پر انکار کرتی چلی جاتی ہیں کہ مرد کے پاس پہلے سے بیوی اور بچے موجود ہیں، سوال یہ ہے کہ اگر ہم عقل سے فیصلہ کروائیں تو عورت کا کئی کئی سال اپنے خاندان پر بوجھ بن کر بیٹھے رہنا جیسا کہ بعض دس دس سال تک بیٹھی رہتی ہیں اور بعض کو تو پھر نکاح کی امید ہی ختم ہو جاتی ہے، یہ بہتر ہے یا یہ زیادہ بہتر ہے کہ کسی مرد کی دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی بن کر اس مرد سے رہائش، نان نفقہ حاصل کرے، خود کو فحاشی اور برائی سے محفوظ رکھے اور مزید ایسی صالح اولاد حاصل کر سکے جو اسے دین و دنیا دونوں لحاظ سے فائدہ پہنچائے، زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ اگر ہم عقل سے فیصلہ کروائیں تو ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات اتباع کے زیادہ قابل ہے۔۔۔؟

(9) جو خواتین ازدواجی زندگی کے بغیر وقت گزاریں ہیں وہ لوگوں کی طرف سے مختلف قسم کی بدگمانیوں، قیل و قال، تبصروں اور اشاروں کا شکار رہتی ہیں، نکاح کا اقدام ایسے لوگوں کی زبانوں کو بند کرنے کا سبب بنتا ہے۔

(10) ازدواجی زندگی کے بغیر جو وقت گزرتا ہے اس میں عورت مختلف قسم کے بہت سے اخروی ثواب اور اجر سے محروم رہتی ہے، مثلاً شوہر کی خدمت کا اجر، اور یہ اتنی فضیلت کی چیز ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، نیز فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عورت اپنے رب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ شوہر کا حق ادا نہ کرے۔

اسی طرح نکاح کے بعد عورت کو حمل، ولادت، نفاس وغیرہ جیسی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بچوں کی موت، بچوں کی نگہداشت، بچوں کی خاطر راتوں کو جاگنا۔۔۔ اگر نیت ثواب کی ہو تو عورت کو ان تمام تکالیف پر بہت اجر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت اپنی جان اور اولاد سے متعلق مختلف آزمائشوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوتی ہے تو گناہوں سے مکمل پاک و صاف ہو چکے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کے تین بچے بچپن میں انتقال کر جائیں تو اس عورت کے لیے یہ بچے جہنم اور اس عورت کے درمیان آڑ بن جائیں گے، ایک خاتون نے پوچھا کہ اگر دو بچے ہوں؟ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو ہوں تو بھی (یہی

بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ خواتین کو نکاح میں جلدی کرنی چاہیے، اس سے پہلے کہ ان کی جوانی کے ایام ڈھلنا شروع ہو جائیں اور مرد ایسی خواتین سے اعراض اور بے رغبتی شروع کر دیں، اس وقت بھی پھر خواتین کو ندامت ہوگی، لیکن ندامت فائدہ نہیں دے گی۔

(4) بچوں کے بڑے ہونے تک نکاح کو مؤخر کر کے رکھنے والی خواتین معاشرے کو ایک بہت بڑی بھلائی سے محروم کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ امت کی نسل میں اضافہ ایک ایسی مطلوب چیز ہے جس کی شریعت نے ترغیب دی ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو بہت محبت کرنے والی اور کثرت سے بچے جننے والی ہو، کیونکہ میں تمہاری کثرت پہ فخر کروں گا۔ تو کیا عورتوں کا بے کار دلائل کے ذریعے نکاح سے اجتناب یا اس میں تاخیر امت مسلمہ کے ساتھ ظلم کے مترادف نہیں ہے؟ کہ جس امت کو یہ عورتیں بہت سے ایسے افراد سے محروم کر رہی ہیں جن کے ذریعے ذراعت، صنعت، تجارت اور جہاد جیسے مختلف میدانوں میں امت مسلمہ قوت و شوکت حاصل کرتی؟ چنانچہ ایسی خواتین کو کیا نہیں معلوم کہ جو بچے بچپن میں انتقال کر گئے تو قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گے اور جو زندہ رہ گئے تو ان کو بھی نفع پہنچائیں گے اور پورے معاشرے کو بھی نفع پہنچائیں گے۔ آبادی میں جتنا زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوگا امت مسلمہ مختلف شعبوں میں کام کرنے کے لیے غیروں کی محتاجی سے اتنا ہی مستغنی ہوتی چلی جائے گی۔ نیز بہت سی خواتین جنہوں نے نکاح ثانی سے اجتناب کیا مستقبل میں اولاد کی نافرمانی والی آزمائش کا شکار ہو گئیں یا بعض مرتبہ بچے بڑے ہونے کے بعد ماں کو ہمیشہ کے لیے تنہا چھوڑ کر چلے گئے، جس کی وجہ سے ایسی ماں اپنی اولاد کے فوائد سے محروم ہو گئی، لہذا عورت کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کر کے بھی اولاد کی طلب کو جاری رکھے تاکہ مستقبل میں اگر پہلے شوہر کی اولاد سے فائدہ نہ حاصل کر سکے تو دوسرے شوہر سے ہونے والی اولاد اس نقصان کی تلافی کر سکے۔

(5) نکاح سے اجتناب میں یہ خرابی بھی لازم آتی ہے کہ بعض مرتبہ دوسرا شوہر رحم دل ہوتا ہے اور طلاق یافتہ یا بیوہ کے بچوں کی مالی کفالت کے لیے بھی تیار ہو جاتا ہے، اس صورت میں عورت کا نکاح کو ترجیح دینا خود اپنے خاندان سے بھی اچھے سلوک کے مترادف ہے (کیونکہ جس عورت کے لیے نکاح ممکن ہو اس کے لیے مناسب نہیں کہ رہائش و خوراک وغیرہ سے متعلق مالی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے والدین یا بھائیوں پر ڈالے یا از خود ملازمت کرے)۔

(6) بعض خواتین بیوگی کے بعد دوبارہ نکاح کو پہلے شوہر کے ساتھ ایک قسم کی بے وفائی سمجھتی ہیں۔ ہمارے لیے اُمہات المؤمنین اور صحابیات کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، ان میں بہت سوں کے شوہر میدان جہاد میں شہید ہوئے اور بہت سے طبعی موت انتقال کر گئے، مگر ان سب باتوں کے باوجود انہوں نے نکاح ثانی سے اجتناب نہیں کیا، نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ اقدام اس وقت بے وفائی ہوتا کہ جب سابق شوہر گمشدہ ہوتا، جس کے ملنے کی امید ہوتی یا مثلاً مریض ہوتا۔ اب جبکہ شوہر اس فانی دنیا سے ہمیشہ کے لیے جا چکا ہے اور اس دنیا سے مکمل رشتہ ختم ہو چکا ہے تو نکاح ثانی کو پہلے شوہر کے ساتھ بے وفائی کیوں سمجھا جائے؟ لہذا عقل مند عورت کو چاہیے کہ شوہر کے انتقال کے بعد جلد از جلد نکاح کی کوشش کرے تاکہ اس کی نگاہیں ناجائز کاموں سے محفوظ رہ سکیں۔

(7) بعض طلاق یافتہ خواتین اس خوف سے نکاح سے اجتناب کرتی ہیں کہ دوسرا شوہر بھی پہلے والے کی طرح ظالم نہ ہو۔۔۔ یہ ایک ناامیدی اور مایوسی کی کیفیت ہے جسے نہ شریعت قبول کرتی ہے اور نہ ہی عقل۔ شریعت تو اس لیے قبول نہیں کرتی کہ ہمارے سامنے

کتنی ہی صحابیات کی مثالی ہیں کہ جنہیں شوہروں نے طلاق دی مگر انہوں نے پھر دوبارہ نکاح کیا، نیز ایسی خواتین سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا انہیں پہلے سے غیب کا علم ہو جاتا ہے کہ دوسرا شوہر بھی پہلے والے کی طرح ظالم ہوگا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہر اچھا اور برا پہلے سے تقدیر میں نہیں لکھ دیا اور ہمیں اسباب کے اختیار کرنے اور پھر نتیجہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم نہیں دیا؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے فرمایا تھا کہ اونٹنی کوری سے باندھو اور پھر اللہ پر اعتماد کرو، نیز یہ احتمال بھی تو ہے کہ دوسرا شوہر بہت ہی اچھا ہو تو کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عمدہ فال پسند نہ تھی اور ہمیں بری فال سے نہیں روکا گیا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ممکن ہے کہ تم کسی بات کو ناپسند کرتے ہو اور وہ درحقیقت تمہارے لیے مفید ہو۔ نیز خطرات تو دنیا کے ہر کام میں ہوتے ہیں، تو اگر لوگ ایک مرتبہ ناکامی کے بعد دوبارہ کوشش ہی ترک کرتے رہتے تو یہ دنیا جتنی آباد اور ترقی سے پر رونق نظر آتی ہے، ایسی نہ ہوتی بلکہ خالی اور ویران ہوتی، چنانچہ انسانوں کا مختلف حوادث کے خطرات کے باوجود کوشش اور محنت میں لگے رہنا ہی اس دنیا کی کامیابی اور مختلف میدانوں میں پیش رفتی کا سبب ہے۔

(8) بعض خواتین کی طرف پے در پے بہت سے مردوں کے پیغامات نکاح آتے ہیں، مگر یہ خواتین صرف اس بنا پر انکار پر انکار کرتی چلی جاتی ہیں کہ مرد کے پاس پہلے سے بیوی اور بچے موجود ہیں، سوال یہ ہے کہ اگر ہم عقل سے فیصلہ کروائیں تو عورت کا کئی کئی سال اپنے خاندان پر بوجھ بن کر بیٹھ رہنا جیسا کہ بعض دس دس سال تک بیٹھی رہتی ہیں اور بعض کو تو پھر نکاح کی امید ہی ختم ہو جاتی ہے، یہ بہتر ہے یا یہ زیادہ بہتر ہے کہ کسی مرد کی دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی بن کر اس مرد سے رہائش، نان نفقہ حاصل کرے، خود کو فاشی اور برائی سے محفوظ رکھے اور مزید ایسی صالح اولاد حاصل کر سکے جو اسے دین و دنیا دونوں لحاظ سے فائدہ پہنچائے، زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ اگر ہم عقل سے فیصلہ کروائیں تو ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات اتباع کے زیادہ قابل ہے۔۔۔؟

(9) جو خواتین ازدواجی زندگی کے بغیر وقت گزاریں ہیں وہ لوگوں کی طرف سے مختلف قسم کی بدگمانیوں، قیل و قال، تبصروں اور اشاروں کا شکار رہتی ہیں، نکاح کا اقدام ایسے لوگوں کی زبانوں کو بند کرنے کا سبب بنتا ہے۔

(10) ازدواجی زندگی کے بغیر جو وقت گزرتا ہے اس میں عورت مختلف قسم کے بہت سے اخروی ثواب اور اجر سے محروم رہتی ہے، مثلاً شوہر کی خدمت کا اجر، اور یہ اتنی فضیلت کی چیز ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، نیز فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عورت اپنے رب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ شوہر کا حق ادا نہ کرے۔

اسی طرح نکاح کے بعد عورت کو حمل، ولادت، نفاس وغیرہ جیسی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بچوں کی موت، بچوں کی نگہداشت، بچوں کی خاطر راتوں کو جاگنا۔۔۔ اگر نیت ثواب کی ہو تو عورت کو ان تمام تکالیف پر بہت اجر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت اپنی جان اور اولاد سے متعلق مختلف آزمائشوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوتی ہے تو گناہوں سے مکمل پاک و صاف ہو چکے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کے تین بچے بچپن میں انتقال کر جائیں تو اس عورت کے لیے یہ بچے جہنم اور اس عورت کے درمیان آڑ بن جائیں گے، ایک خاتون نے پوچھا کہ اگر دو بچے ہوں؟ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو ہوں تو بھی (یہی

اجر ہے)۔۔۔ اسی طرح شوہر کی بد اخلاقی، بخل وغیرہ جیسے برے اخلاق کے برداشت کرنے کا بھی عورت کو ثواب ملتا ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ عورت جب کسی مسلمان مرد سے نکاح کرتی ہے تو مرد اس نکاح کے ذریعے جو کچھ فوائد حاصل کرتا ہے مثلاً اس کی نگاہیں جھک جاتی ہیں، نیز مرد کو اولاد ملتی ہے تو ان باتوں میں عورت مرد کے اجر میں برابر شریک ہوتی ہے، حتیٰ کہ ہم بستری اور جماع کا بھی مرد و عورت دونوں کے ثواب ملتا ہے، کیونکہ عورت کا شوہر کے مطالبے پر جماع کے لیے آمادہ ہو جانا شوہر کے حرام اور ناجائز اقدام سے باز رہنے کا سبب بنتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی آخرت کے ثواب سے متعلق بہت سے ایسے امور اور فضائل ہیں جو صرف شادی شدہ خواتین ہی حاصل کر سکتی ہیں، نکاح کے بغیر زندگی گزارنے والی خواتین مخصوص نوعیت کے ان فضائل سے محروم رہتی ہیں۔

الغرض یہ تمام امور جو ہم نے نمبر وار ذکر کیے، اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ عورت نکاح سے اجتناب یا اس میں تاخیر کر کے خود کو اور معاشرے کو ایک واضح نقصان میں مبتلا نہ کرے اور نہ ہی اس کھیت کو ویران اور اجاڑنے کی کوشش کرے جس میں کثرت سے ایسی پیداوار پیدا کرنے کی صلاحیت ہے جو مختلف شعبوں میں فرد اور قوم دونوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ مردوں پر بھی لازم ہے کہ قوم کی طلاق یافتہ، بیوگان اور وہ کنواریاں جو بڑھاپے کا انتظار کر رہی ہیں، ان سے نکاح کے معاملے میں خوب بڑھ چڑھ کر کوشش کریں اور عورتوں کے نکاح سے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان پر جو ذمہ داری ڈالی ہے اس سے بری ہونے کی کوشش کریں اور اس معاملے میں جو آزمائشیں آئیں اس پر صبر کریں، نیز جو بیوہ یا طلاق یافتہ خواتین بچوں والی ہیں ان سے نکاح کر کے اولاد سے متعلق ان کی مشکلات کو بھی حل کرنے کی کوشش کریں، اگر وہ ان بچوں پر خالص اپنے اموال سے خرچ کریں گے تو عنقریب میزان کے ترازو میں اس کا اجر پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو قریب کر کے فرمایا کہ میں اور یتیم بچے کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے۔۔۔ نیز ارشاد فرمایا کہ جس نے یتیم بچے کے سر پر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے شفقت سے ہاتھ پھیرا تو ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے اللہ تعالیٰ اس کے بقدر نیکیاں عطا فرمائیں گے۔“ (رسالہ فضل تعدد زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)



تعددِ ازواج

سے

دُوری کے نتائج



اجر ہے)۔۔۔ اسی طرح شوہر کی بد اخلاقی، بخل وغیرہ جیسے برے اخلاق کے برداشت کرنے کا بھی عورت کو ثواب ملتا ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ عورت جب کسی مسلمان مرد سے نکاح کرتی ہے تو مرد اس نکاح کے ذریعے جو کچھ فائدہ حاصل کرتا ہے مثلاً اس کی نگاہیں جھک جاتی ہیں، نیز مرد کو اولاد ملتی ہے تو ان باتوں میں عورت مرد کے اجر میں برابر شریک ہوتی ہے، حتیٰ کہ ہم بستری اور جماع کا بھی مرد و عورت دونوں کے ثواب ملتا ہے، کیونکہ عورت کا شوہر کے مطالبے پر جماع کے لیے آمادہ ہو جانا شوہر کے حرام اور ناجائز اقدام سے باز رہنے کا سبب بنتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی آخرت کے ثواب سے متعلق بہت سے ایسے امور اور فضائل ہیں جو صرف شادی شدہ خواتین ہی حاصل کر سکتی ہیں، نکاح کے بغیر زندگی گزارنے والی خواتین مخصوص نوعیت کے ان فضائل سے محروم رہتی ہیں۔

الغرض یہ تمام امور جو ہم نے نمبر وار ذکر کیے، اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ عورت نکاح سے اجتناب یا اس میں تاخیر کر کے خود کو اور معاشرے کو ایک واضح نقصان میں مبتلا نہ کرے اور نہ ہی اس کھیت کو ویران اور اجاڑنے کی کوشش کرے جس میں کثرت سے ایسی پیداوار پیدا کرنے کی صلاحیت ہے جو مختلف شعبوں میں فرد اور قوم دونوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ مردوں پر بھی لازم ہے کہ قوم کی طلاق یافتہ، بیوگان اور وہ کنواریاں جو بڑھاپے کا انتظار کر رہی ہیں، ان سے نکاح کے معاملے میں خوب بڑھ چڑھ کر کوشش کریں اور عورتوں کے نکاح سے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان پر جو ذمہ داری ڈالی ہے اس سے بری ہونے کی کوشش کریں اور اس معاملے میں جو آزمائشیں آئیں اس پر صبر کریں، نیز جو بیوہ یا طلاق یافتہ خواتین بچوں والی ہیں ان سے نکاح کر کے اولاد سے متعلق ان کی مشکلات کو بھی حل کرنے کی کوشش کریں، اگر وہ ان بچوں پر خالص اپنے اموال سے خرچ کریں گے تو عنقریب میزان کے ترازو میں اس کا اجر پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو قریب کر کے فرمایا کہ میں اور یتیم بچے کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے۔۔۔ نیز ارشاد فرمایا کہ جس نے یتیم بچے کے سر پر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے شفقت سے ہاتھ پھیرا تو ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے اللہ تعالیٰ اس کے بقدر نیکیاں عطا فرمائیں گے۔“ (رسالہ فضل تعدد زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)



تعددِ ازواج

سے

دُوری کے نتائج



ترین ہونے کی دلالت و شہادت کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن، رسول اللہ کی سنت اور صحابہ کرام کا طریقہ موجود و محفوظ ہے اور موجودہ دور میں اس کی بڑھتی ہوئی ضرورت و اہمیت کا اندازہ با آسانی لگایا جاسکتا ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

علامہ عبدالرحمن ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص نکاح کثرت سے کرے اور زیادہ باندیاں رکھے تو یہ ایک قابل تعریف کام ہے، قابل ملامت نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویاں بھی رکھیں اور باندیاں بھی اور جمہور صحابہ کثرت سے نکاح کیا کرتے تھے۔۔۔ اور اگر نکاح سے کسی کا مقصد اولاد ہو تو پھر تو یہ عمل اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔۔۔ نکاح کئی لحاظ سے عبادت ہے کہ جن کو شمار کرنا ممکن نہیں، مثلاً: اس سے خود کو بھی عفت و پاکدامنی حاصل ہوتی ہے اور عورتوں کو بھی وغیرہ اور تحقیق موسیٰ علیہ السلام نے نکاح کی خاطر اپنی مبارک عمر کے دس سال بکریاں چرا کر گزار دیے، پس نکاح اگر تمام اعمال میں افضل نہ ہوتا تو انبیاء کرام علیہم السلام اپنی زندگیوں کا ایک کثیر حصہ نکاح کی کوشش میں خرچ نہ فرماتے اور تحقیق عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما چکے ہیں کہ اس اُمت میں وہ لوگ بہتر ہیں جن کی بیویاں زیادہ ہیں۔“ (صید الخاطر ص: 19)

جلیل القدر فقیہ موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نکاح افضل ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا اور نکاح کی تعداد میں مبالغہ فرمایا (یعنی کثرت سے نکاح فرمائے) اور یہی کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بھی کیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی کام میں مشغول ہو سکتے ہیں جو افضل ہو اور ایسا ممکن نہیں کہ صحابہ کرام سب کے سب ایک غیر افضل کام میں مشغول ہو جائیں اور وہ کام جو افضل تھا اسے ترک کر دیں۔“ (معنی بن قدامة ج: 7)

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نکاح کے بغیر اسلام میں زندگی کا کوئی تصور نہیں، اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ شادیاں کیں اور بیک وقت نو بیویاں چھوڑ کر انتقال فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح اس حال میں کرتے کہ اہل و عیال کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا اور شام کرتے تو بھی یہی حالت ہوتی، مگر اس کے باوجود نو بیویاں چھوڑ کر انتقال فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر نکاح کے زندگی گزارنے کو منع فرمایا ہے۔ پس جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اعراض کرے وہ سیدھے راستے پر نہیں اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجرین و انصار صحابہ کے طریقے سے اعراض کرے اس کا بھی دین سے کوئی تعلق نہیں۔“

(الودع لابن حنبل 119/1)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”عورتوں کی طرف میلان و رغبت سے کسی کا مقصد عفت و پاکدامنی ہو یا کثرتِ اولاد مقصود ہو تو پھر یہ کام شرعاً مطلوب بھی ہے اور شریعت میں اس کی ترغیب اور دعوت بھی دی گئی ہے، جیسا کہ نفس نکاح اور کثرتِ نکاح کی ترغیب کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ اس اُمت میں بہتر وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل میں عورتوں اور خوشبو کی محبت ڈال دی گئی ہے۔۔۔۔“ (ابن کثیر 352/1)

تعددِ ازواج سے دُوری کے نتائج

یہ ایک حقیقت ہے اور حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہیں ہوتی، حالات و واقعات حقیقت کو ثابت کر ہی دیتے ہیں، لیکن بہتر یہی ہے کہ اس سے پہلے حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے، ورنہ حقیقت سے منہ موڑ کر جو انجان بنا رہے تو وقت کی ٹھوکر اس کا منہ اس طرف پھرنے کے لیے کافی ہو جاتی ہے، مگر وہ وقت پھر تسلیم و رضا کا نہیں بلکہ زخموں کی دوا کا ہوتا ہے۔ لہذا کوئی اس حقیقت کا اعتراف کرے یا نہ کرے، وقت اس کی مستحکم گواہی و شہادت دینے لے لیے تیار ہے کہ جب تک اُمت کے اکثر لوگ تعددِ ازواج پر قائم رہے اور اس کو رواج دیتے رہے، وہ ہر طرح کے معاشرتی و اخلاقی بگاڑ، فتنہ و فساد اور روحانی و جسمانی برائیوں اور بیماریوں سے محفوظ رہے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس قدر اس حکمِ آسمانی سے روگردانی کی جاتی رہی، اسی قدر مشکلات و مصائب میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی راہ دُشواری کی خاطر جب اجتماعی مخالفت کا بازار گرم ہونے لگا تو ہر جگہ سے غیرت و شرافت اور شرم و حیاء کا جنازہ اٹھنے لگا، دیگر کئی احکاماتِ دین سے دُوری اختیار کی جانے لگی بلکہ ان کا مذاق تک اُڑایا جانے لگا، خود مسلمان ہی دین اسلام کو ناپسند کرنے لگے اور اس کی فطری اداؤں میں عار محسوس کرنے لگے، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں سے وہ بھاگنے لگے اور غیروں کے طریقے ان کو بھاننے لگے، برائیوں کے دلدل میں پھر اس طرح پھسنے لگے کہ واپسی کا راستہ ہی بھلا بیٹھے۔ الغرض برائی کا راستہ آسان سے آسان تر اور نیکی کا راستہ مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا، لیکن جب لوگ دینِ فطرت ہی کو ناپسند کرنے لگے تو اس کے احکامات کو کیونکر چاہیں گے؟ اور جب ان کو اپنی اخلاقی پستی کا احساس تک نہ رہا تو اس کے اسباب پر کیونکر غور کریں گے؟

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

تعددِ ازواج کے ساتھ ستم در ستم تو یہ ہوا کہ دین دوست اور دین فہم لوگ بھی اس کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہو گئے اور وقت کی ضرورت کے باوجود اس کی اہمیت سے انکار کرنے لگے۔ اس افسوس ناک صورتحال کا اندازہ گزشتہ مضامین سے لگایا جاسکتا ہے۔ آئیے! اب ہم ان بھیانک نتائج کا جائزہ لیتے ہیں جو تعددِ ازواج کو ترک کرنے کی وجہ سے آج ہمارے سامنے ہیں:

1) ایک مرغوب عمل معیوب بن گیا:

ایک عرصہ دراز پر محیط بھرپور مخالفت اور مسلسل لائق کی وجہ سے تعددِ ازواج معیوب و مکروہ عمل بن گیا، ہر خاص و عام اس کے چند منفی پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے، جو خود انسانی خطاؤں کی بنا پر سامنے آتے ہیں، اس کے کئی مثبت پہلوؤں کو نظر انداز کرنے لگا، اس سے کترانے لگا اور دور بھاگنے لگا بلکہ اس میں شرم و عار محسوس کرنے لگا اور اس کو قابلِ تنقید، غیر ضروری و بے کار اور قابلِ ترک فعل سمجھنے لگا۔ جبکہ حقیقت میں تعددِ ازواج ایک ایسا احسن و افضل اور قابلِ تعریف عمل ہے، جس کے پسندیدہ و مرغوب

ترین ہونے کی دلالت و شہادت کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن، رسول اللہ کی سنت اور صحابہ کرام کا طریقہ موجود و محفوظ ہے اور موجودہ دور میں اس کی بڑھتی ہوئی ضرورت و اہمیت کا اندازہ با آسانی لگایا جاسکتا ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

علامہ عبدالرحمن ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص نکاح کثرت سے کرے اور زیادہ باندیاں رکھے تو یہ ایک قابل تعریف کام ہے، قابل ملامت نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویاں بھی رکھیں اور باندیاں بھی اور جمہور صحابہ کثرت سے نکاح کیا کرتے تھے۔۔۔ اور اگر نکاح سے کسی کا مقصد اولاد ہو تو پھر تو یہ عمل اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔۔۔ نکاح کئی لحاظ سے عبادت ہے کہ جن کو شمار کرنا ممکن نہیں، مثلاً: اس سے خود کو بھی عفت و پاکدامنی حاصل ہوتی ہے اور عورتوں کو بھی وغیرہ اور تحقیق موسیٰ علیہ السلام نے نکاح کی خاطر اپنی مبارک عمر کے دس سال بکریاں چرا کر گزار دیے، پس نکاح اگر تمام اعمال میں افضل نہ ہوتا تو انبیاء کرام علیہم السلام اپنی زندگیوں کا ایک کثیر حصہ نکاح کی کوشش میں خرچ نہ فرماتے اور تحقیق عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما چکے ہیں کہ اس اُمت میں وہ لوگ بہتر ہیں جن کی بیویاں زیادہ ہیں۔“ (صید الخاطر ص: 19)

جلیل القدر فقیہ موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نکاح افضل ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا اور نکاح کی تعداد میں مبالغہ فرمایا (یعنی کثرت سے نکاح فرمائے) اور یہی کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بھی کیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی کام میں مشغول ہو سکتے ہیں جو افضل ہو اور ایسا ممکن نہیں کہ صحابہ کرام سب کے سب ایک غیر افضل کام میں مشغول ہو جائیں اور وہ کام جو افضل تھا اسے ترک کر دیں۔“ (معنی بن قدامة ج: 7)

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نکاح کے بغیر اسلام میں زندگی کا کوئی تصور نہیں، اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ شادیاں کیں اور بیک وقت نو بیویاں چھوڑ کر انتقال فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح اس حال میں کرتے کہ اہل و عیال کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا اور شام کرتے تو بھی یہی حالت ہوتی، مگر اس کے باوجود نو بیویاں چھوڑ کر انتقال فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر نکاح کے زندگی گزارنے کو منع فرمایا ہے۔ پس جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اعراض کرے وہ سیدھے راستے پر نہیں اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجرین و انصار صحابہ کے طریقے سے اعراض کرے اس کا بھی دین سے کوئی تعلق نہیں۔“

(الودع لابن حنبل 119/1)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”عورتوں کی طرف میلان و رغبت سے کسی کا مقصد عفت و پاکدامنی ہو یا کثرت اولاد مقصود ہو تو پھر یہ کام شرعاً مطلوب بھی ہے اور شریعت میں اس کی ترغیب اور دعوت بھی دی گئی ہے، جیسا کہ نفس نکاح اور کثرت نکاح کی ترغیب کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ اس اُمت میں بہتر وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل میں عورتوں اور خوشبو کی محبت ڈال دی گئی ہے۔۔۔۔“ (ابن کثیر 352/1)

تعددِ ازواج سے دُوری کے نتائج

یہ ایک حقیقت ہے اور حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہیں ہوتی، حالات و واقعات حقیقت کو ثابت کر رہی دیتے ہیں، لیکن بہتر یہی ہے کہ اس سے پہلے حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے، ورنہ حقیقت سے منہ موڑ کر جو انجان بنا رہے تو وقت کی ٹھوکر اس کا منہ اس طرف پھرنے کے لیے کافی ہو جاتی ہے، مگر وہ وقت پھر تسلیم و رضا کا نہیں بلکہ زخموں کی دوا کا ہوتا ہے۔ لہذا کوئی اس حقیقت کا اعتراف کرے یا نہ کرے، وقت اس کی مستحکم گواہی و شہادت دینے لے لیے تیار ہے کہ جب تک اُمت کے اکثر لوگ تعددِ ازواج پر قائم رہے اور اس کو رواج دیتے رہے، وہ ہر طرح کے معاشرتی و اخلاقی بگاڑ، فتنہ و فساد اور روحانی و جسمانی برائیوں اور بیماریوں سے محفوظ رہے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس قدر اس حکمِ آسمانی سے روگردانی کی جاتی رہی، اسی قدر مشکلات و مصائب میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی راہ دُشواری کی خاطر جب اجتماعی مخالفت کا بازار گرم ہونے لگا تو ہر جگہ سے غیرت و شرافت اور شرم و حیاء کا جنازہ اٹھنے لگا، دیگر کئی احکاماتِ دین سے دُوری اختیار کی جانے لگی بلکہ ان کا مذاق تک اُڑایا جانے لگا، خود مسلمان ہی دین اسلام کو ناپسند کرنے لگے اور اس کی فطری اداؤں میں عار محسوس کرنے لگے، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں سے وہ بھاگنے لگے اور غیروں کے طریقے ان کو بھاننے لگے، برائیوں کے دلدل میں پھر اس طرح پھنسے کہ واپسی کا راستہ ہی بھلا بیٹھے۔ الغرض برائی کا راستہ آسان سے آسان تر اور نیکی کا راستہ مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا، لیکن جب لوگ دینِ فطرت ہی کو ناپسند کرنے لگے تو اس کے احکامات کو کیونکر چاہیں گے؟ اور جب ان کو اپنی اخلاقی پستی کا احساس تک نہ رہا تو اس کے اسباب پر کیونکر غور کریں گے؟

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

تعددِ ازواج کے ساتھ ستم در ستم تو یہ ہوا کہ دین دوست اور دین فہم لوگ بھی اس کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہو گئے اور وقت کی ضرورت کے باوجود اس کی اہمیت سے انکار کرنے لگے۔ اس افسوس ناک صورتحال کا اندازہ گزشتہ مضامین سے لگایا جاسکتا ہے۔ آئیے! اب ہم ان بھیانک نتائج کا جائزہ لیتے ہیں جو تعددِ ازواج کو ترک کرنے کی وجہ سے آج ہمارے سامنے ہیں:

1) ایک مرغوب عمل معیوب بن گیا:

ایک عرصہ دراز پر محیط بھرپور مخالفت اور مسلسل لائق کی وجہ سے تعددِ ازواج معیوب و مکروہ عمل بن گیا، ہر خاص و عام اس کے چند منفی پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے، جو خود انسانی خطاؤں کی بنا پر سامنے آتے ہیں، اس کے کئی مثبت پہلوؤں کو نظر انداز کرنے لگا، اس سے کترانے لگا اور دور بھاگنے لگا بلکہ اس میں شرم و عار محسوس کرنے لگا اور اس کو قابل تنقید، غیر ضروری و بے کار اور قابل ترک فعل سمجھنے لگا۔ جبکہ حقیقت میں تعددِ ازواج ایک ایسا احسن و افضل اور قابل تعریف عمل ہے، جس کے پسندیدہ و مرغوب

ہیں اور بعض دفعہ تو مرد حضرات یعنی لڑکے کے والد وغیرہ لڑکی کو ناپسند کر دیتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوس ناک صورتحال ہے، خاص طور پر مسئلہ اس لیے گھمبیر ہو گیا ہے کہ ہر ایک کو گوری اور خوبصورت لڑکی چاہیے۔ اس ”چاہیے“ کی وجہ سے لڑکیاں شدید احساس کمتری کا شکار ہو گئی ہیں۔ امید ہے کہ مسلمان نوجوان اور ان کے سرپرست اس بے ہودہ طریقے کو مٹانے کے لیے عملی اقدام کریں گے تاکہ شادی آسان اور سنت کے مطابق ہو۔“ (ہفت روزہ ضرب مؤمن 33/7)

اس کے ساتھ ہی جہیز جیسی لعنت کو ہر گھر نے خوش آمدید کہا اور اس کے بغیر شادی کے انعقاد کو ادھورا دھجوا سمجھا جانے لگا، اعلیٰ سے اعلیٰ اور زیادہ سے زیادہ جہیز کو لڑکی والوں کے لیے عزت و ناموس کا باعث سمجھا جانے لگا اور ایک عام معیار کے مطابق کم از کم اتنے جہیز کو لازمی سمجھا جانے لگا کہ جس سے لڑکے کا وہ کمرہ یا فلیٹ بھر جائے جو صرف اس لیے خالی رکھا گیا تھا کہ جب بیوی آئے گی تو سامان بھی لے کر آئے گی۔ اس صورتحال میں خود پر جہیز کو واجب کرنے اور ہر وقت اس کے لیے مستعد رہنے کے سوا لڑکی والوں کے لیے کوئی چارہ نہ رہا، کبھی معاشرے میں نام و نمود کی خاطر اور ذلت و رسوائی سے بچنے کی خاطر اور کبھی سسرال میں اپنی بیٹی کی عزت نفس کے تحفظ کی خاطر کہ کل شادی کے بعد کوئی بھی اس کو طعنہ نہ دے سکے۔ جیسا کہ ایک خاتون اپنے خط میں لکھتی ہیں:

”آج کل ”ضرب مؤمن“ میں جو تحریک شادی سے متعلق چلی ہوئی ہے اس سلسلے میں ایک بات عرض کرنا چاہتی ہوں کہ اگر کوئی بیٹیا بھائی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ سنا دیتا ہے کہ اس کی شادی سادگی سے اور بغیر جہیز کے ہوگی اور گھر کی خواتین کو لامحالہ یہ فیصلہ اپنے ناجائز ارمانوں کا خون کرتے ہوئے ماننا پڑتا ہے تو وہ اس کا بدلہ آنے والی بہو سے لیتی ہیں اور اسے طعنہ دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں، یہاں تک کہ ہر آنے جانے والی رشتہ دار خاتون کے سامنے اس بے چاری کو جہیز نہ لانے کی پاداش میں ذلیل کرتی ہیں۔ بعض جگہ تو شوہر کو بھی علم نہیں ہوتا کہ اس کی بیوی کے ساتھ گھر کی خواتین کا رد عمل کیا ہے، جو خواتین کھل کر طعنہ نہیں دیتیں وہ باتوں میں سنانا بھی نہیں بھولتیں کہ ان کو جہیز میں یہ ملا اور یہ ملا اور یہ سب کچھ دنیا دار گھرانوں میں ہی نہیں ہوتا، بظاہر دین دار کہلانے والیوں کے ہاں بھی ہوتا ہے، جو کہ نہیں ہونا چاہیے۔“ (ہفت روزہ ضرب مؤمن 39/7)

اس معاملے میں غریب لوگ تو پھر بھی آپس میں کچھ سمجھوتہ کرنے لگے اور امیر لوگ بغیر کسی دشواری کے محض اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے سب کچھ کر گزرنے لگے، لیکن متوسط اور سفید پوش لوگ بیچ میں پس کر رہ گئے اور اپنی بچیوں کے لیے مناسب رشتوں کے حصول میں بری طرح ناکام ہو گئے، لیکن جو لوگ کسی بھی طرح رشتوں کے حصول میں کامیاب ہو گئے، ان میں سے اکثر کو اپنی بچیوں کی شادی کے بعد بھی سکون و اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہو سکا اور ہر وقت ان کو یہ خوف و ڈر لاحق رہا کہ کہیں کسی وجہ سے داماد صاحبان یا ان کے گھر والوں کا مزاج بگڑ نہ جائے اور ان کی بچیوں کی زندگی خراب ہو جائے۔ چنانچہ اس معاشرے میں جہاں طلاق کے بعد عورت کو کوئی پوچھتا تک نہ ہو وہاں شادی کے بعد بھی لڑکی والوں کا ذہن کر رہا ایک معمول بن گیا۔

”ایک مظلومہ کی پکار“ کے عنوان سے شائع ہونے والا ایک خط ملاحظہ ہو:

مکرمی جناب (ایڈیٹر صاحب)! ہم کنواری لڑکیاں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے اب تک شادی کی نعمت سے محروم ہیں۔ خدا کی قسم برائی سے بچنا مشکل ہو گیا ہے۔ مسلم نوجوانوں کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دیجیے کہ ہم کب تک تمہاری عزتیں سنبھال کر بیٹھیں۔ خدا را!

اس غفلت سے نکل کر اپنی عزتوں کی حفاظت کرو، اگر جہیز ہی کی بات ہے تو تمہیں شادیوں کے بعد جہیز تو مل جائے گا، لیکن کنواری بیویاں نہیں ملیں گی۔ خدا کے لیے اس جہیز کی رسم کو توڑ کر مسلم ہونا ثابت کرو۔ مولوی صاحب! ہمارے لیے دعا کیجیے گا کہ خدا ہمیں ثابت قدمی نصیب فرمائے۔

الجواب..... ہم آپ کا یہ خط بغیر کسی تبصرے کے ان مسلم نوجوانوں اور لڑکوں کے والدین کے لیے شائع کر رہے ہیں جنہوں نے جہیز اور دیگر رسوم کی لعنت میں پڑ کر اپنی مسلمان بچیوں کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔ ان سے ہماری درخواست ہے کہ خدا را غیر شرعی رسومات اور فضول اخراجات کا منحوس طوق گردن سے اتار پھینکیں اور روز زندہ ہو کر روز مرنے والے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اس عذاب سے نجات دلائیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس مظلومانہ پکار کے ذریعے کسی کو ہدایت نصیب فرمادے۔ آمین (ہفت روزہ ضرب مؤمن 24/7)

پہلی شادی پر ترکِ تعددِ ازاواج کے چند براہِ راست اثرات

☆ جب پہلی بیوی کے لیے سوکن کا تصور ناگوار ہو گیا اور لفظ سوکن اس کے لیے ایک گالی بن گیا تو کسی طرح بھی اس کے لیے قابلِ برداشت نہ رہا کہ کوئی دوسری مسلمان بہن اس کے شوہر کے ذریعے کفالت اور عزت و عفت کا تحفظ پاسکے۔ خود عورت ہوتے ہوئے بھی وہ عورت کی نیک تمناؤں کا احترام نہ کر سکی اور نہ اس کے غم کا کچھ احساس کر سکی، اس کی ”انا“ اس پر غالب آگئی، غیرت سے وہ مغلوب ہو گئی اور جذبہ ہمدردی و ایثار سے یکسر محروم ہو گئی، اس طرح عورت ہی عورت کی دشمن بن گئی۔

☆ جب دوسری شادی کو پہلی بیوی پر ظلم سمجھا جانے لگا اور اس مظلومہ کی مدد اور اس کے حقوق کے تحفظ کی خاطر اہل خاندان و معاشرہ نے مل کر ظلم بغاوت بلند کیا تو ایک شادی کے باوجود بھی ان کی بہنیں اور بیٹیاں شوہروں اور سسرال والوں کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہ سکیں اور ظلم و ستم کی نئی داستانیں جنم لینے لگیں، جن کا مشاہدہ آئے روز ہونے لگا۔ لڑکیوں کی شادی کے بعد بھی والدین کو سکون و اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہوا اور ہر وقت ان کو یہ خوف و ڈر لاحق رہا کہ کہیں کسی وجہ سے داماد صاحبان یا ان کے گھر والوں کا مزاج بگڑ جائے اور ان کی بچیوں کی زندگی خراب ہو جائے۔ سیاہ جذبات کے بہاؤ میں آکر اگر وہ یہ نہ بھولتے کہ ان کی بہن و بیٹی، جس کو اللہ تعالیٰ نے شوہر اور گھربار کی نعمت سے نوازا دیا ہے اور اس پر بلا وجہ مظلومیت کا ٹھپہ لگایا جا رہا ہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی بہنیں اور بیٹیاں ایسی ہیں جو ان کی بہن و بیٹی سے بڑھ کر مظلوم ہیں، جو نکاح کی خواہش و تمنا میں اپنی جوانیاں محرومیوں اور تنہائیوں میں یا پھر گناہوں اور عذابوں میں گزار رہی ہیں، ان کے بوڑھے اور غریب والدین، جن کی کمزور کمر کو ایک طرف تو مہنگائی نے اور دوسری طرف چار چار، پانچ پانچ جوان بیٹیوں کے بوجھ نے توڑ کر رکھ دیا ہے، یہ صورتحال اگر ان کو درپیش ہوتی تو یہ کبھی بھی ایسے مردوں کی مخالفت نہ کرتے جو تعددِ ازاواج کے ذریعے ان کی بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و کفالت کی ذمہ داری اٹھانے اور اس کو بخوبی نبھانے کے لیے دوسری شادی کا اقدام کرتے۔

☆ جب دوسری شادی کو پہلی بیوی کی کسی خرابی پر منحصر کیا جانے لگا تو ایسی بہت سی بیویاں جو کسی بھی نمایاں خرابی سے پاک تھیں اپنے شوہروں کی نظروں میں خراب ہو گئیں، کیونکہ سکرین نے جب عورت کو خوبصورت دکھا کر پیش کیا اور اس کے مقابلے میں بیشتر

ہیں اور بعض دفعہ تو مرد حضرات یعنی لڑکے کے والد وغیرہ لڑکی کو ناپسند کر دیتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوس ناک صورتحال ہے، خاص طور پر مسئلہ اس لیے گھمبیر ہو گیا ہے کہ ہر ایک کو گوری اور خوبصورت لڑکی چاہیے۔ اس ”چاہیے“ کی وجہ سے لڑکیاں شدید احساسِ کمتری کا شکار ہو گئی ہیں۔ امید ہے کہ مسلمان نوجوان اور ان کے سرپرست اس بے ہودہ طریقے کو مٹانے کے لیے عملی اقدام کریں گے تاکہ شادی آسان اور سنت کے مطابق ہو۔“ (ہفت روزہ ضربِ مؤمن 33/7)

اس کے ساتھ ہی جہیز جیسی لعنت کو ہر گھر نے خوش آمدید کہا اور اس کے بغیر شادی کے انعقاد کو ادھورا و عجوبہ سمجھا جانے لگا، اعلیٰ سے اعلیٰ اور زیادہ سے زیادہ جہیز کو لڑکی والوں کے لیے عزت و ناموس کا باعث سمجھا جانے لگا اور ایک عام معیار کے مطابق کم از کم اتنے جہیز کو لازمی سمجھا جانے لگا کہ جس سے لڑکے کا وہ کمرہ یا فلیٹ بھر جائے جو صرف اس لیے خالی رکھا گیا تھا کہ جب بیوی آئے گی تو سامان بھی لے کر آئے گی۔ اس صورتحال میں خود پر جہیز کو واجب کرنے اور ہر وقت اس کے لیے مستعد رہنے کے سوا لڑکی والوں کے لیے کوئی چارہ نہ رہا، کبھی معاشرے میں نام و نمود کی خاطر اور ذلت و رسوائی سے بچنے کی خاطر اور کبھی سسرال میں اپنی بیٹی کی عزت نفس کے تحفظ کی خاطر کہ کل شادی کے بعد کوئی بھی اس کو طعنہ نہ دے سکے۔ جیسا کہ ایک خاتون اپنے خط میں لکھتی ہیں:

”آج کل ”ضربِ مؤمن“ میں جو تحریک شادی سے متعلق چلی ہوئی ہے اس سلسلے میں ایک بات عرض کرنا چاہتی ہوں کہ اگر کوئی بیٹیا بھائی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ سنا دیتا ہے کہ اس کی شادی سادگی سے اور بغیر جہیز کے ہوگی اور گھر کی خواتین کو لامحالہ یہ فیصلہ اپنے ناجائز ارمانوں کا خون کرتے ہوئے ماننا پڑتا ہے تو وہ اس کا بدلہ آنے والی بہو سے لیتی ہیں اور اسے طعنہ دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں، یہاں تک کہ ہر آنے جانے والی رشتہ دار خاتون کے سامنے اس بے چاری کو جہیز نہ لانے کی پاداش میں ذلیل کرتی ہیں۔ بعض جگہ تو شوہر کو بھی علم نہیں ہوتا کہ اس کی بیوی کے ساتھ گھر کی خواتین کا ردِ عمل کیا ہے، جو خواتین کھل کر طعنہ نہیں دیتیں وہ باتوں میں سنانا بھی نہیں بھولتیں کہ ان کو جہیز میں یہ ملا اور یہ ملا اور یہ سب کچھ دنیا دار گھرانوں میں ہی نہیں ہوتا، بظاہر دین دار کہلانے والیوں کے ہاں بھی ہوتا ہے، جو کہ نہیں ہونا چاہیے۔“ (ہفت روزہ ضربِ مؤمن 39/7)

اس معاملے میں غریب لوگ تو پھر بھی آپس میں کچھ سمجھوتہ کرنے لگے اور امیر لوگ بغیر کسی دشواری کے محض اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے سب کچھ کر گزرنے لگے، لیکن متوسط اور سفید پوش لوگ بیچ میں پس کر رہ گئے اور اپنی بچیوں کے لیے مناسب رشتوں کے حصول میں بری طرح ناکام ہو گئے، لیکن جو لوگ کسی بھی طرح رشتوں کے حصول میں کامیاب ہو گئے، ان میں سے اکثر کو اپنی بچیوں کی شادی کے بعد بھی سکون و اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہو سکا اور ہر وقت ان کو یہ خوف و ڈر لاحق رہا کہ کہیں کسی وجہ سے داماد صاحبان یا ان کے گھر والوں کا مزاج بگڑ نہ جائے اور ان کی بچیوں کی زندگی خراب ہو جائے۔ چنانچہ اس معاشرے میں جہاں طلاق کے بعد عورت کو کوئی پوچھتا تک نہ ہو وہاں شادی کے بعد بھی لڑکی والوں کا ذہن کر رہنا ایک معمول بن گیا۔

”ایک مظلومہ کی پکار“ کے عنوان سے شائع ہونے والا ایک خط ملاحظہ ہو:

کرمی جناب (ایڈیٹر صاحب)! ہم کنواری لڑکیاں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے اب تک شادی کی نعمت سے محروم ہیں۔ خدا کی قسم برائی سے بچنا مشکل ہو گیا ہے۔ مسلم نوجوانوں کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دیجیے کہ ہم کب تک تمہاری عزتیں سنبھال کر بیٹھیں۔ خدا را!

اس غفلت سے نکل کر اپنی عزتوں کی حفاظت کرو، اگر جہیز ہی کی بات ہے تو تمہیں شادیوں کے بعد جہیز تو مل جائے گا، لیکن کنواری بیویاں نہیں ملیں گی۔ خدا کے لیے اس جہیز کی رسم کو توڑ کر مسلم ہونا ثابت کرو۔ مولوی صاحب! ہمارے لیے دعا کیجیے گا کہ خدا ہمیں ثابت قدمی نصیب فرمائے۔

الجواب..... ہم آپ کا یہ خط بغیر کسی تبصرے کے ان مسلم نوجوانوں اور لڑکوں کے والدین کے لیے شائع کر رہے ہیں جنہوں نے جہیز اور دیگر رسوم کی لعنت میں پڑ کر اپنی مسلمان بچیوں کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔ ان سے ہماری درخواست ہے کہ خدا را غیر شرعی رسومات اور فضول اخراجات کا منحوس طوق گردن سے اتار پھینکیں اور روز زندہ ہو کر روز مرنے والے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اس عذاب سے نجات دلائیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس مظلومانہ پکار کے ذریعے کسی کو ہدایت نصیب فرمادے۔ آمین (ہفت روزہ ضربِ مؤمن 24/7)

پہلی شادی پر ترکِ تعددِ ازواج کے چند براہِ راست اثرات

☆ جب پہلی بیوی کے لیے سوکن کا تصور ناگوار ہو گیا اور لفظ سوکن اس کے لیے ایک گالی بن گیا تو کسی طرح بھی اس کے لیے قابلِ برداشت نہ رہا کہ کوئی دوسری مسلمان بہن اس کے شوہر کے ذریعے کفالت اور عزت و عفت کا تحفظ پاسکے۔ خود عورت ہوتے ہوئے بھی وہ عورت کی نیک تمناؤں کا احترام نہ کر سکی اور نہ اس کے غم کا کچھ احساس کر سکی، اس کی ”انا“ اس پر غالب آگئی، غیرت سے وہ مغلوب ہو گئی اور جذبہ ہمدردی و ایثار سے یکسر محروم ہو گئی، اس طرح عورت ہی عورت کی دشمن بن گئی۔

☆ جب دوسری شادی کو پہلی بیوی پر ظلم سمجھا جانے لگا اور اس مظلومہ کی مدد اور اس کے حقوق کے تحفظ کی خاطر اہل خاندان و معاشرہ نے مل کر ظلم بغاوت بلند کیا تو ایک شادی کے باوجود بھی ان کی بہنیں اور بیٹیاں شوہروں اور سسرال والوں کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہ سکیں اور ظلم و ستم کی نئی داستانیں جنم لینے لگیں، جن کا مشاہدہ آئے روز ہونے لگا۔ لڑکیوں کی شادی کے بعد بھی والدین کو سکون و اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہوا اور ہر وقت ان کو یہ خوف و ڈر لاحق رہا کہ کہیں کسی وجہ سے داماد صاحبان یا ان کے گھر والوں کا مزاج نہ بگڑ جائے اور ان کی بچیوں کی زندگی خراب ہو جائے۔ سیاہ جذبات کے بہاؤ میں آ کر اگر وہ یہ نہ بھولتے کہ ان کی بہن و بیٹی، جس کو اللہ تعالیٰ نے شوہر اور گھر باری کی نعمت سے نوازا دیا ہے اور اس پر بلا وجہ مظلومیت کا ٹھپہ لگایا جا رہا ہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی بہنیں اور بیٹیاں ایسی ہیں جو ان کی بہن و بیٹی سے بڑھ کر مظلوم ہیں، جو نکاح کی خواہش و تمنا میں اپنی جوانیاں محرومیوں اور تنہائیوں میں یا پھر گناہوں اور عذابوں میں گزار رہی ہیں، ان کے بوڑھے اور غریب والدین، جن کی کمزور کمر کو ایک طرف تو مہنگائی نے اور دوسری طرف چار چار، پانچ پانچ جوان بیٹیوں کے بوجھ نے توڑ کر رکھ دیا ہے، یہ صورتحال اگر ان کو درپیش ہوتی تو یہ کبھی بھی ایسے مردوں کی مخالفت نہ کرتے جو تعددِ ازواج کے ذریعے ان کی بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و کفالت کی ذمہ داری اٹھانے اور اس کو بخوبی نبھانے کے لیے دوسری شادی کا اقدام کرتے۔

☆ جب دوسری شادی کو پہلی بیوی کی کسی خرابی پر منحصر کیا جانے لگا تو ایسی بہت سی بیویاں جو کسی بھی نمایاں خرابی سے پاک تھیں اپنے شوہروں کی نظروں میں خراب ہو گئیں، کیونکہ سکرین نے جب عورت کو خوبصورت دکھا کر پیش کیا اور اس کے مقابلے میں بیشتر

عورتوں نے بے پردہ ہو کر، بن سنور کر، چست اور نیم برہنہ لباس پہن کر گھروں سے نکلنا اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا شروع کیا تو گھروں میں بیٹھی معصوم اور اچھی بھلی عورتیں مصنوعی حسن کے اسیر شوہروں کی نگاہ میں کم تر اور خراب ہو گئیں اور پھر طلاق لینے یا گھٹ گھٹ کر جینے پر مجبور ہو گئیں۔

☆ جب متعدد بیویوں کے درمیان لڑائی جھگڑوں کے خوف سے تعددِ ازواج سے کنارہ کشی میں ہی خیر و عافیت سمجھی جانے لگی تو باقی رشتے بھی لڑائی جھگڑوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ایک شادی کے باوجود ساس و بہو، نند و بھانج، دیورانی و جیٹھانی حتیٰ کہ میاں بیوی کے جھگڑوں سے بازار گرم ہونے لگا اور ہر گھر لڑائی جھگڑوں کی آماج گاہ بن گیا۔ کبھی شوہر کے گھر دیر سے آنے پر جھگڑا، کبھی بیوی کے منہ پھلانے پر جھگڑا، کبھی ساس کے ڈانٹنے پر جھگڑا، کبھی نند کے طنز و طعنے پر جھگڑا اور کبھی آپس کی کسی نا اتفاقی و بے رُخی پر جھگڑا۔ جب ایک دوسرے کی چھوٹی چھوٹی غلطیاں اور کوتاہیاں ناقابل برداشت ہونے لگیں تو بڑے بڑے جھگڑوں کا باعث اور آخر کار گھروں کو اجاڑنے کا سبب بن گئیں۔

☆ جب غربت، تنگ دستی اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے متعدد شادیوں کی حوصلہ شکنی کی جانے لگی تو ایک شادی بھی اس وبا کے مہلک اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ ایک عام شادی کے اخراجات ہی اس قدر بڑھ گئے کہ ان کو پورا کرنا ایک عام آدمی کی بساط سے باہر ہو گیا۔ غیر شرعی رسومات، بے جالوازمات، غیر ضروری تقریبات اور جہیز کے انتظامات، ایسے پہاڑوں کی صورت اختیار کرنے لگے کہ ہر کوئی ان کو سر کرنے کے قابل ہی نہ رہا، پھر ان کو اس قدر لازم و ملزوم سمجھا جانے لگا کہ ان کے بغیر شادی کا تصور ہی ادھورا ہو گیا اور ان کو پورا کیے بغیر شادی کرنے والوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ اس کے نتیجے میں بہت سے والدین جہاں اپنی بیٹیوں کے فرائض کی ادائیگی میں تاخیر کرنے لگے وہاں وہ حج و زکوٰۃ جیسے شرعی فرائض کی ادائیگی کو بھی مؤخر کرنے لگے۔

☆ جب متعدد بیویوں میں بے عدلی کے خوف سے تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی کی جانے لگی تو بہت سے مردوں کے لیے صرف ایک بیوی کے ساتھ بھی عدل کا معاملہ مشکل ہو گیا اور اس معاملے میں ان کی بے احتیاطی و بے پروائی سامنے آنے لگی، کیونکہ وہ مرد جو شادی سے پہلے اپنے اکثر اوقات دوستوں اور یاروں کی محفلوں میں گزارنے کے عادی ہوتے ہیں اور اس وجہ سے گھریلو ذمہ داریوں سے لاتعلقی رہتے ہیں، شادی کے کچھ عرصے بعد ہی اپنی پرانی روش پر واپس آ جاتے ہیں اور بیوی بچوں کے لیے اوقات کی تقسیم و تخصیص، ان سے محبت و قربت اور حقوق و فرائض کی ادائیگی کے معاملے میں غفلت برتنے لگتے ہیں اور اس طرح قیامِ عدل میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

☆ جب علمائے کرام بھی عوام الناس کی رائے کا لحاظ کرنے لگے اور ایک شرعی حکم کی حقیقت و فضیلت اور ضرورت و اہمیت کو نظر انداز کرنے لگے تو لوگوں کو بھی باتیں بنانے کا خوب موقع ملا، لیکن اس معاملے میں ہر کوئی صرف باتیں ہی بنا سکا اور صورتِ حال کی کشیدگی و سنجیدگی کے باوجود ان مسائل کا صحیح حل کوئی بھی پیش نہ کر سکا، جو نکاح نہ ہونے یا اس میں تاخیر کرنے کی وجہ سے درپیش ہوتے ہیں۔ اس طرح تعددِ ازواج کے معاملے میں خواص کا یہ بگاڑ عمومی بگاڑ کا باعث بن گیا۔

☆ جب لوگ کبھی کم عمری کو اور کبھی ادھیڑ عمری کو تعددِ ازواج کی راہ میں حائل کرنے لگے اور یہ کہہ کر دوسری شادی کا اقدام کرنے والے نوجوان کو روکنے لگے کہ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، دوسری شادی کے لیے تو پوری عمر پڑی ہے، ابھی ایک بیوی کو تو سنبھالو اور

بڑی عمر والے کو یہ کہہ کر اس کی حوصلہ شکنی کرنے لگے کہ بچے بڑے ہو گئے، داڑھی میں سفید بال آ گئے اور اب چلے ہیں دوسری شادی کرنے۔۔۔! تو اس طرح کے مردوں کی کثرت ہو گئی جو نوجوانی سے ادھیڑ عمری تک پہنچنے کے باوجود ایک شادی بھی نہ کر سکے اور نہ ہی مستقبل میں ان کی شادی کی کوئی امید باقی رہ سکی۔

☆ جب ایک سے زائد شادیوں کو بے شرعی و شہوت پرستی کی علامت سمجھا جانے لگا تو فحاشی و عریانی اور شہوت پرستی و جنسی آوارگی کا ایسا طوفان چڑھ آیا جس نے بڑے بڑے دعویداروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک سے زیادہ عورتوں کی خواہش تو ویسے ہی مردانہ فطرت کے عین مطابق ہے اور ظاہری و باطنی حالات کبھی نہ کبھی مردوں کو ضرور دوسری عورت کی ضرورت و طلب کا احساس دلاتے رہتے ہیں، لیکن تعددِ ازواج کے جائز راستے کے بند ہو جانے کے بعد انہیں اپنی فطری خواہش کو پورا کرنے کے لیے ناجائز راستوں کے سوا کوئی دوسرا جائز راستہ نہ مل سکا اور وہ کسی نہ کسی درجے میں دوسری عورتوں کی طرف مائل ہونے لگے اور آخر کار حد درجے تک پہنچنے لگے۔ موجودہ رواج کے مطابق انہوں نے بیوی تو صرف ایک ہی رکھی، لیکن اس کے علاوہ دوسری کئی عورتوں سے پوشیدہ ناجائز تعلقات قائم کرنا شروع کر دیے۔ خصوصاً وہ مرد جو شادی سے پہلے ایک ہی وقت میں کئی لڑکیوں سے چیٹنگ اور ڈیٹنگ کے عادی تھے، شادی کے بعد بھی اس عادت سے چھٹکارا نہ پاسکے اور وہ مرد جو صاحبِ حیثیت تھے اپنی ماتحت لڑکیوں کو عشق و محبت کے جال میں پھنسانے لگے۔ بڑا افسر اپنی پرسنل سیکریٹری کے ساتھ، اسکول کا پرنسپل کسی لیڈی ٹیچر کے ساتھ اور پرائیویٹ ادارے کا ملازم وہاں کی کسی ملازمہ کے ساتھ اور جس کو جہاں موقع ملا وہاں دل بھانے لگا اور اپنی خواہش کو غلط طریقے سے پورا کرنے لگا۔

☆ جب موجودہ زمانے کا موازنہ ماضی کے زمانے سے کیا جانے لگا تو نیکی کے اعتبار سے اکثر لوگوں نے ٹھیک کہا کہ یہ زمانہ اور ہے اور وہ زمانہ اور تھا، لیکن برائی کے اعتبار سے کوئی یہ نہ کہہ سکا کہ یہ زمانہ اور ہے اور وہ زمانہ اور تھا۔ سب سے عجیب بات یہ کہ اس موازنے کے بعد نیکی کو اپنانے اور برائی کو دفنانے کی کسی نے کوشش تک نہ کی۔ اس حقیقتِ حال کو بیان کرنے اور اس کے مطابق اقدام کرنے سے ہر ایک قاصر ہو گیا کہ زمانہ ماضی میں نیکی عروج پر تھی، اس کے باوجود نکاح آسان تھا اور اس میں عجلت کا معمول تھا بلکہ متعدد شادیوں کا رواج تھا، جبکہ موجودہ زمانے میں بدی عروج پر ہے، اس کے باوجود نکاح مشکل ہے اور اس میں تاخیر کا معمول ہے بلکہ ایک شادی بھی بہت مشکل ہے، اور اس وجہ سے متعدد شادیوں کی ضرورت و اہمیت گھٹنے کے بجائے مزید بڑھ جاتی ہے۔

☆ جب دوسری شادی کرنے والے مرد لوگوں کی نظروں میں مشکوک و معیوب اور ناقابل اعتبار و اعتماد بن گئے اور اچھی بھلی خویوں اور پسندیدہ صفات کے باوجود صرف دوسری شادی کی بنا پر ناقابل قبول ہو گئے تو پہلی شادی والے مرد بھی ان کی تنگ نظریوں میں بہت مشکل سے سامنے لگے اور اچھے اچھے کنوارے اور جوان مردوں کو معمولی معمولی کمی و بیشی کی بنا پر رد کیا جانے لگا۔ اس کے علاوہ دوسری شادی کی ناکامی کی چند ایک مثالوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب لوگوں کا ذہنی و قلبی اطمینان و رجحان اس طرف مائل نہ ہو سکا تو پہلی شادی کی ناکامی کی بھی ایسی مثالیں قائم ہونے لگیں کہ لوگ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے رشتوں کے معاملے میں کئی طرح کے اوہام و وساوس کا شکار ہو گئے اور کسی بھی موزوں و مناسب اور کنوارے مرد کی مالی و اخلاقی حالت سے ان کی تسلی و تشفی کا حصول انتہائی مشکل ہو گیا۔

عورتوں نے بے پردہ ہو کر، بن سنور کر، چست اور نیم برہنہ لباس پہن کر گھروں سے نکلنا اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا شروع کیا تو گھروں میں بیٹھی معصوم اور اچھی بھلی عورتیں مصنوعی حسن کے اسیر شوہروں کی نگاہ میں کم تر اور خراب ہو گئیں اور پھر طلاق لینے یا گھٹ گھٹ کر جینے پر مجبور ہو گئیں۔

☆ جب متعدد بیویوں کے درمیان لڑائی جھگڑوں کے خوف سے تعددِ ازواج سے کنارہ کشی میں ہی خیر و عافیت سمجھی جانے لگی تو باقی رشتے بھی لڑائی جھگڑوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ایک شادی کے باوجود ساس و بہو، نند و بھانج، دیورانی و جیٹھانی حتیٰ کہ میاں بیوی کے جھگڑوں سے بازار گرم ہونے لگا اور ہر گھر لڑائی جھگڑوں کی آماج گاہ بن گیا۔ کبھی شوہر کے گھر دیر سے آنے پر جھگڑا، کبھی بیوی کے منہ پھلانے پر جھگڑا، کبھی ساس کے ڈانسنے پر جھگڑا، کبھی نند کے طنز و طعنے پر جھگڑا اور کبھی آپس کی کسی نا اتفاقی و بے رُخی پر جھگڑا۔ جب ایک دوسرے کی چھوٹی چھوٹی غلطیاں اور کوتاہیاں ناقابل برداشت ہونے لگیں تو بڑے بڑے جھگڑوں کا باعث اور آخر کار گھروں کو اجاڑنے کا سبب بن گئیں۔

☆ جب غربت، تنگ دستی اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے متعدد شادیوں کی حوصلہ شکنی کی جانے لگی تو ایک شادی بھی اس وبا کے مہلک اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ ایک عام شادی کے اخراجات ہی اس قدر بڑھ گئے کہ ان کو پورا کرنا ایک عام آدمی کی بساط سے باہر ہو گیا۔ غیر شرعی رسومات، بے جالوازمات، غیر ضروری تقریبات اور جہیز کے انتظامات، ایسے پہاڑوں کی صورت اختیار کرنے لگے کہ ہر کوئی ان کو سر کرنے کے قابل ہی نہ رہا، پھر ان کو اس قدر لازم و ملزوم سمجھا جانے لگا کہ ان کے بغیر شادی کا تصور ہی ادھورا ہو گیا اور ان کو پورا کیے بغیر شادی کرنے والوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ اس کے نتیجے میں بہت سے والدین جہاں اپنی بیٹیوں کے فرائض کی ادائیگی میں تاخیر کرنے لگے وہاں وہ حج و زکوٰۃ جیسے شرعی فرائض کی ادائیگی کو بھی مؤخر کرنے لگے۔

☆ جب متعدد بیویوں میں بے عدلی کے خوف سے تعددِ ازواج کی حوصلہ شکنی کی جانے لگی تو بہت سے مردوں کے لیے صرف ایک بیوی کے ساتھ بھی عدل کا معاملہ مشکل ہو گیا اور اس معاملے میں ان کی بے احتیاطی و بے پروائی سامنے آنے لگی، کیونکہ وہ مرد جو شادی سے پہلے اپنے اکثر اوقات دوستوں اور یاروں کی محفلوں میں گزارنے کے عادی ہوتے ہیں اور اس وجہ سے گھریلو ذمہ داریوں سے لاتعلقی رہتے ہیں، شادی کے کچھ عرصے بعد ہی اپنی پرانی روش پر واپس آ جاتے ہیں اور بیوی بچوں کے لیے اوقات کی تقسیم و تخصیص، ان سے محبت و قربت اور حقوق و فرائض کی ادائیگی کے معاملے میں غفلت برتنے لگتے ہیں اور اس طرح قیامِ عدل میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

☆ جب علمائے کرام بھی عوام الناس کی رائے کا لحاظ کرنے لگے اور ایک شرعی حکم کی حقیقت و فضیلت اور ضرورت و اہمیت کو نظر انداز کرنے لگے تو لوگوں کو بھی باتیں بنانے کا خوب موقع ملا، لیکن اس معاملے میں ہر کوئی صرف باتیں ہی بنا سکا اور صورتِ حال کی کشیدگی و سنجیدگی کے باوجود ان مسائل کا صحیح حل کوئی بھی پیش نہ کر سکا، چونکہ نہ ہونے یا اس میں تاخیر کرنے کی وجہ سے درپیش ہوتے ہیں۔ اس طرح تعددِ ازواج کے معاملے میں خواص کا یہ بگاڑ عمومی بگاڑ کا باعث بن گیا۔

☆ جب لوگ کبھی کم عمری کو اور کبھی ادھیڑ عمری کو تعددِ ازواج کی راہ میں حائل کرنے لگے اور یہ کہہ کر دوسری شادی کا اقدام کرنے والے نوجوان کو روکنے لگے کہ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، دوسری شادی کے لیے تو پوری عمر پڑی ہے، ابھی ایک بیوی کو تو سنبھالو اور

بڑی عمر والے کو یہ کہہ کر اس کی حوصلہ شکنی کرنے لگے کہ بچے بڑے ہو گئے، داڑھی میں سفید بال آ گئے اور اب چلے ہیں دوسری شادی کرنے۔۔۔! تو اس طرح کے مردوں کی کثرت ہو گئی جو نوجوانی سے ادھیڑ عمری تک پہنچنے کے باوجود ایک شادی بھی نہ کر سکے اور نہ ہی مستقبل میں ان کی شادی کی کوئی امید باقی رہ سکی۔

☆ جب ایک سے زائد شادیوں کو بے شرعی و شہوت پرستی کی علامت سمجھا جانے لگا تو فحاشی و عریانی اور شہوت پرستی و جنسی آوارگی کا ایسا طوفان چڑھ آیا جس نے بڑے بڑے دعویداروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک سے زیادہ عورتوں کی خواہش تو ویسے ہی مردانہ فطرت کے عین مطابق ہے اور ظاہری و باطنی حالات کبھی نہ کبھی مردوں کو ضرور دوسری عورت کی ضرورت و طلب کا احساس دلاتے رہتے ہیں، لیکن تعددِ ازواج کے جائز راستے کے بند ہو جانے کے بعد انہیں اپنی فطری خواہش کو پورا کرنے کے لیے ناجائز راستوں کے سوا کوئی دوسرا جائز راستہ نہ مل سکا اور وہ کسی نہ کسی درجے میں دوسری عورتوں کی طرف مائل ہونے لگے اور آخر کار حد درجے تک پہنچنے لگے۔ موجودہ رواج کے مطابق انہوں نے بیوی تو صرف ایک ہی رکھی، لیکن اس کے علاوہ دوسری کئی عورتوں سے پوشیدہ ناجائز تعلقات قائم کرنا شروع کر دیے۔ خصوصاً وہ مرد جو شادی سے پہلے ایک ہی وقت میں کئی لڑکیوں سے چیٹنگ اور ڈیٹنگ کے عادی تھے، شادی کے بعد بھی اس عادت سے چھٹکارا نہ پاسکے اور وہ مرد جو صاحبِ حیثیت تھے اپنی ماتحت لڑکیوں کو عشق و محبت کے جال میں پھنسانے لگے۔ بڑا افسر اپنی پرسنل سیکریٹری کے ساتھ، اسکول کا پرنسپل کسی لیڈی ٹیچر کے ساتھ اور پرائیویٹ ادارے کا ملازم وہاں کی کسی ملازمہ کے ساتھ اور جس کو جہاں موقع ملا وہاں دل لہانے لگا اور اپنی خواہش کو غلط طریقے سے پورا کرنے لگا۔

☆ جب موجودہ زمانے کا موازنہ ماضی کے زمانے سے کیا جانے لگا تو نیکی کے اعتبار سے اکثر لوگوں نے ٹھیک کہا کہ یہ زمانہ اور ہے اور وہ زمانہ اور تھا، لیکن برائی کے اعتبار سے کوئی یہ نہ کہہ سکا کہ یہ زمانہ اور ہے اور وہ زمانہ اور تھا۔ سب سے عجیب بات یہ کہ اس موازنے کے بعد نیکی کو اپنانے اور برائی کو دفنانے کی کسی نے کوشش تک نہ کی۔ اس حقیقتِ حال کو بیان کرنے اور اس کے مطابق اقدام کرنے سے ہر ایک قاصر ہو گیا کہ زمانہ ماضی میں نیکی عروج پر تھی، اس کے باوجود نکاح آسان تھا اور اس میں عجلت کا معمول تھا بلکہ متعدد شادیوں کا رواج تھا، جبکہ موجودہ زمانے میں بدی عروج پر ہے، اس کے باوجود نکاح مشکل ہے اور اس میں تاخیر کا معمول ہے بلکہ ایک شادی بھی بہت مشکل ہے، اور اس وجہ سے متعدد شادیوں کی ضرورت و اہمیت گھٹنے کے بجائے مزید بڑھ جاتی ہے۔

☆ جب دوسری شادی کرنے والے مرد لوگوں کی نظروں میں مشکوک و معیوب اور ناقابل اعتبار و اعتماد بن گئے اور اچھی بھلی خویوں اور پسندیدہ صفات کے باوجود صرف دوسری شادی کی بنا پر ناقابل قبول ہو گئے تو پہلی شادی والے مرد بھی ان کی تنگ نظریوں میں بہت مشکل سے سامنے لگے اور اچھے اچھے کنوارے اور جوان مردوں کو معمولی معمولی کمی و بیشی کی بنا پر رد کیا جانے لگا۔ اس کے علاوہ دوسری شادی کی ناکامی کی چند ایک مثالوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب لوگوں کا ذہنی و قلبی اطمینان و رجحان اس طرف مائل نہ ہو سکا تو پہلی شادی کی ناکامی کی بھی ایسی مثالیں قائم ہونے لگیں کہ لوگ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے رشتوں کے معاملے میں کئی طرح کے اوہام و وساوس کا شکار ہو گئے اور کسی بھی موزوں و مناسب اور کنوارے مرد کی مالی و اخلاقی حالت سے ان کی تسلی و تشفی کا حصول انتہائی مشکل ہو گیا۔

مجموعی نتیجہ

الغرض جس معاشرے میں ایک سے زیادہ شادیاں مشکل ہونے کے باوجود ایک شادی کبھی آسان تھی وہاں وہ بھی انتہائی مشکل ہوگئی اور جو مشکلات کبھی دوسری شادی کے وقت پیش آتی تھیں، ان سے کہیں زیادہ پہلی شادی کے وقت بھی پیش آنے لگیں۔ پھر اس کا اثر صرف مردوں کی پہلی شادی تک ہی محدود نہ رہا بلکہ عورتیں بھی اس کی لپیٹ میں آگئیں اور بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی شادی کئی گنا زیادہ سنجیدہ و پیچیدہ صورتحال اختیار کرنے لگی۔ لیکن افسوس! مسئلہ کو صحیح طریقے سے حل کرنے کی کوشش پھر بھی نہ کی گئی، یہاں تک کہ رشتوں کے حصول کے لیے نازیبا اور غیر شرعی طریقے اپنائے جانے لگے۔

لڑکوں کی شادی کے معاملے میں بعض والدین غلط بیانی اور دھوکہ بازی سے کام لینے لگے اور اپنے لڑکوں کی حیثیت و قابلیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے لگے اور کئی والدین تو اسے اپنے فرائض میں ہی شمار نہ کر سکے اور سارا معاملہ لڑکوں پر چھوڑنے لگے کہ اب ان کی مرضی، جیسے بھی چاہیں اپنے لیے رشتے کا انتظام کر سکیں تو کر لیں ورنہ اپنی قسمت پر روئیں۔ لڑکیوں کی شادی کے معاملے میں دین دار والدین تو فقط دعاؤں اور وظیفوں پر اکتفاء کرنے لگے، لیکن دین دور والدین کے جائز و ناجائز، جو سمجھ میں آیا سو کرنے لگے اور صرف اس امید پر اپنی لڑکیوں کو از خود دوسروں کے آگے پیش کرنے لگے کہ ہو سکتا ہے کسی کو ہماری کوئی لڑکی پسند آجائے اور اس کے لیے شادی کا پیغام آجائے! بعض لوگ جان بوجھ کر اپنی لڑکیوں کو دعوتوں اور محفلوں میں بنا سنوار کر لے جانے لگے، بعض لوگ تعلیم کے بہانے کالج اور یونیورسٹی بھیجنے لگے، بعض لوگ دفتر اور کارخانے میں کام کروانے لگے اور بعض لوگ جوان لڑکوں سے اپنی لڑکیوں کو ٹیوشن پڑھوانے لگے۔۔۔ کہ کسی طرح کوئی جھانسنے میں آجائے اور ہماری لڑکی کا رشتہ ہو جائے۔ پھر یہ بھی ہوا کہ امیر والدین بڑے سے بڑے جہیز، نوکری یا فلیٹ، کاروباری سرمایہ یا باہر سیٹل کرنے کی لالچ دے کر بھی مناسب رشتے کا حصول ممکن بنانے لگے، جبکہ غریب والدین تعویذ گنڈوں سے کام چلانے لگے اور انتہائی بد حال لوگ جوان بہنوں اور بیٹیوں کا واسطہ دے کر بھیک مانگنے لگے۔

دو طرفہ رکاوٹوں کی وجہ سے کئی لڑکے ایسے بھی سامنے آنے لگے جو دل میں شادی کا شوق اور طلب رکھنے کے باوجود 35 سے 40 سال کی عمر کو پہنچ گئے، لیکن پھر بھی گھر میں موجود تین تین، چار چار اور پانچ پانچ کنواری بہنوں کی وجہ سے شادی نہ کر سکے، حتیٰ کہ اس تاخیر کو فرض عین سمجھنے لگے اور جوان بہنوں کی شادی والا عظیم بوجھ سر سے اتارے بغیر اپنی شادی کو بے شرمی والا کام سمجھنے لگے۔ اس طرح اپنی بہنوں کی شادی کے انتظار میں ہر ایک دوسرے کی بہنوں کو ترساتا رہا اور سب کی شادی کا مسئلہ جوں کا توں ہی رہا۔

(3) اپنی مدد آپ:

جب پہلی شادی کا معاملہ بھی اس قدر مشکل ہو گیا اور اس کو آسان اور جلد ممکن بنانے کے لیے والدین، سرپرست اور معاشرے کے سمجھدار لوگوں سے کچھ نہ ہو سکا تو کئی نو جوان لڑکے اور لڑکیاں اپنی مدد آپ کے جذبے کے تحت میدان میں اترنے کو تیار ہو گئے اور اپنی اپنی سوچ و بساط کے مطابق اپنے اپنے رشتوں کے لیے سعی و کوشش کرنے لگے۔

ایک طرف تو دین دار لڑکے علمائے کرام سے دعا و دوا کی درخواست کرنے لگے اور دین دار لڑکیاں از خود اپنی شادی کے لیے وظیفے پڑھنے لگیں، حالانکہ شریعت نے ایجاب و قبول کے وقت شرم و حیا کے پیش نظر کنواری لڑکی کو آواز کے ساتھ ہاں کہنے کا بھی

پابند نہیں بنایا اور صرف سر کے اشارے، حتیٰ کہ اس کی خاموشی کو بھی اس کی کامل رضا کی علامت قرار دیا، لیکن بے درد معاشرے نے اس کو وظیفے پڑھنے اور دعاؤں میں گڑ گڑانے پر مجبور کر دیا۔

جب ان کی معصوم کوششیں مضبوط معاشرتی حصار کو توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکیں تو ان کے پاس صبر و رضا سے کام لینے اور قسمت کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ لہذا وہ اپنا زیادہ تر وقت دین کی خدمت اور گھریلو ذمہ داریاں پوری کرنے میں صرف کرنے لگے اور کسی طرح مصروف رہ کر خود کو احساس محرومی سے بچانے لگے۔ لیکن یہ ان کے مسئلے کا کوئی دیر پا حل ثابت نہ ہو سکا، وہ مسلسل ایک کشمکش کا شکار رہنے لگے اور ان میں سے بہت کم اپنے دین و ایمان و اعمال کو کمزوری سے بچا سکے۔ حتیٰ کہ بعض نو جوان لڑکیاں اور لڑکے اس قدر اکتا گئے کہ وہ اپنی دینداری سے ہی کوفت محسوس کرنے لگے اور آہستہ آہستہ دنیا داری کی طرف راغب ہونے لگے۔

دوسری طرف دنیا دار اور دین کی صحیح سمجھ نہ رکھنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی غیر شریفانہ کوششیں وہ گل کھلانے لگیں جو کبھی مغرب کی کانٹے دار جھاڑیوں کے درمیان اُگا کرتے تھے۔ کئی لڑکے دین و ایمان سے بے فکر ہو کر انٹرنیٹ کے ذریعے برطانیہ، امریکہ، کینیڈا کی کسی لڑکی کی جستجو کرنے لگے اور اس کے ساتھ شادی کر کے وہاں کی سکونت کے سنے دیکھنے لگے اور کئی لڑکے اپنے مخصوص حلقے اور ماحول میں ہی پیار، محبت اور دوستی کے داؤ پیچ آزمانے لگے۔ لڑکیوں کی حکمت عملی بھی کچھ اسی طرح رہی اور کئی لڑکے لڑکیاں عشق و محبت کے جال میں پھنس کر اور پھنسا کر ایک دوسرے کو شادی کے لیے تیار کرنے لگے، بعض کو تو اس میں کامیابی حاصل ہوئی، جو باقیوں کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث بنی، لیکن لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں کی کوشش کافی حد تک غیر سنجیدہ اور محض وقت گزاری ثابت ہو سکی۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”آج کل اعلیٰ تعلیم کے شوق نے والدین کو اپنے اسی فریضہ سے غافل کر رکھا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی عمر کالج اور یونیورسٹیوں کے چکر میں ڈھل جاتی ہے اور جب وقت گزر جاتا ہے تو ماں باپ کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ مجھے اس طرح کے سینکڑوں خطوط موصول ہو چکے ہیں کہ لڑکی کی عمر تیس پینتیس برس ہو گئی، کوئی رشتہ نہیں آتا اور جو آتا ہے وہ بھی چپ سادھ لیتا ہے، کوئی تعویذ و وظیفہ اور عمل بتاؤ کہ بچیوں کی شادی ہو جائے، لڑکی پڑھی لکھی، قبول صورت اور گھڑ ہے، مگر رشتہ نہیں ہو پاتا وغیرہ۔ خدا جانے کتنے خاندان اس سیلاب میں ڈوب چلے ہیں اور کتنے لڑکے لڑکیاں غلط راستے پر چل نکلی ہیں۔ یہ ایک دل خراش حقیقت ہے، حدیث میں ہے کہ جب اولاد بالغ ہو جائے اور والدین ان کے نکاح سے آنکھیں بند کیے رکھیں تو اس صورت میں اگر اولاد کسی غلطی کی مرتکب ہو تو والدین اس جرم میں برابر کے شریک ہوں گے (مشکوٰۃ ص: 271)۔“

(آپ کے مسائل اور ان کا حل 31/5)

(4) عورت نمائش کا سامان بن گئی اور اس کی قدر و قیمت گر گئی:

قدرتی قانون کے مطابق ہر دور میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ رہتی ہی ہے، جس کی وجہ سے ایک شادی والا نظام ناپید ہو جاتا ہے، لیکن وہ دور جس میں ایک شادی کو بھی انتہائی مشکل بنا دیا گیا ہو، پھر اعلیٰ سے اعلیٰ معیار اور اچھے سے اچھے کی امید نے قلت کے باوجود کئی مردوں کو شادی کے لیے رد کر دیا ہو اور اس وجہ سے کثرت کے باوجود کئی لڑکیاں بے نکاحی رہ گئی ہوں تو اس

مجموعی نتیجہ

الغرض جس معاشرے میں ایک سے زیادہ شادیاں مشکل ہونے کے باوجود ایک شادی کبھی آسان تھی وہاں وہ بھی انتہائی مشکل ہوگئی اور جو مشکلات کبھی دوسری شادی کے وقت پیش آتی تھیں، ان سے کہیں زیادہ پہلی شادی کے وقت بھی پیش آنے لگیں۔ پھر اس کا اثر صرف مردوں کی پہلی شادی تک ہی محدود نہ رہا بلکہ عورتیں بھی اس کی لپیٹ میں آگئیں اور بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی شادی کئی گنا زیادہ سنجیدہ و پیچیدہ صورتحال اختیار کرنے لگی۔ لیکن افسوس! مسئلہ کو صحیح طریقے سے حل کرنے کی کوشش پھر بھی نہ کی گئی، یہاں تک کہ رشتوں کے حصول کے لیے نازیبا اور غیر شرعی طریقے اپنائے جانے لگے۔

لڑکوں کی شادی کے معاملے میں بعض والدین غلط بیانی اور دھوکہ بازی سے کام لینے لگے اور اپنے لڑکوں کی حیثیت و قابلیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے لگے اور کئی والدین تو اسے اپنے فرائض میں ہی شمار نہ کر سکے اور سارا معاملہ لڑکوں پر چھوڑنے لگے کہ اب ان کی مرضی، جیسے بھی چاہیں اپنے لیے رشتے کا انتظام کر سکیں تو کر لیں ورنہ اپنی قسمت پر روئیں۔ لڑکیوں کی شادی کے معاملے میں دین دار والدین تو فقط دعاؤں اور وظیفوں پر اکتفاء کرنے لگے، لیکن دین دار والدین کے جائز و ناجائز، جو سمجھ میں آیا سو کرنے لگے اور صرف اس امید پر اپنی لڑکیوں کو از خود دوسروں کے آگے پیش کرنے لگے کہ ہو سکتا ہے کسی کو ہماری کوئی لڑکی پسند آجائے اور اس کے لیے شادی کا پیغام آجائے! بعض لوگ جان بوجھ کر اپنی لڑکیوں کو دعوتوں اور محفلوں میں بنا سنوار کر لے جانے لگے، بعض لوگ تعلیم کے بہانے کالج اور یونیورسٹی بھیجنے لگے، بعض لوگ دفتر اور کارخانے میں کام کروانے لگے اور بعض لوگ جوان لڑکوں سے اپنی لڑکیوں کو ٹیوشن پڑھوانے لگے۔۔۔ کہ کسی طرح کوئی جھانسنے میں آجائے اور ہماری لڑکی کا رشتہ ہو جائے۔ پھر یہ بھی ہوا کہ امیر والدین بڑے سے بڑے جہیز، نوکری یا فلیٹ، کاروباری سرمایہ یا باہر سیٹل کرنے کی لالچ دے کر بھی مناسب رشتے کا حصول ممکن بنانے لگے، جبکہ غریب والدین تعویذ گنڈوں سے کام چلانے لگے اور انتہائی بد حال لوگ جوان بہنوں اور بیٹیوں کا واسطہ دے کر بھیک مانگنے لگے۔

دو طرفہ رکاوٹوں کی وجہ سے کئی لڑکے ایسے بھی سامنے آنے لگے جو دل میں شادی کا شوق اور طلب رکھنے کے باوجود 35 سے 40 سال کی عمر کو پہنچ گئے، لیکن پھر بھی گھر میں موجود تین تین، چار چار اور پانچ پانچ کنواری بہنوں کی وجہ سے شادی نہ کر سکے، حتیٰ کہ اس تاخیر کو فرض عین سمجھنے لگے اور جوان بہنوں کی شادی والا عظیم بوجھ سر سے اتارے بغیر اپنی شادی کو بے شرمی والا کام سمجھنے لگے۔ اس طرح اپنی بہنوں کی شادی کے انتظار میں ہر ایک دوسرے کی بہنوں کو ترساتا رہا اور سب کی شادی کا مسئلہ جوں کا توں ہی رہا۔

(3) اپنی مدد آپ:

جب پہلی شادی کا معاملہ بھی اس قدر مشکل ہو گیا اور اس کو آسان اور جلد ممکن بنانے کے لیے والدین، سرپرست اور معاشرے کے سمجھدار لوگوں سے کچھ نہ ہو سکا تو کئی نو جوان لڑکے اور لڑکیاں اپنی مدد آپ کے جذبے کے تحت میدان میں اترنے کو تیار ہو گئے اور اپنی اپنی سوچ و بساط کے مطابق اپنے اپنے رشتوں کے لیے سعی و کوشش کرنے لگے۔

ایک طرف تو دین دار لڑکے علمائے کرام سے دعا و دوا کی درخواست کرنے لگے اور دین دار لڑکیاں از خود اپنی شادی کے لیے وظیفے پڑھنے لگیں، حالانکہ شریعت نے ایجاب و قبول کے وقت شرم و حیا کے پیش نظر کنواری لڑکی کو آواز کے ساتھ ہاں کہنے کا بھی

پابند نہیں بنایا اور صرف سر کے اشارے، حتیٰ کہ اس کی خاموشی کو بھی اس کی کامل رضا کی علامت قرار دیا، لیکن بے درد معاشرے نے اس کو وظیفے پڑھنے اور دعاؤں میں گڑ گڑانے پر مجبور کر دیا۔

جب ان کی معصوم کوششیں مضبوط معاشرتی حصار کو توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکیں تو ان کے پاس صبر و رضا سے کام لینے اور قسمت کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ لہذا وہ اپنا زیادہ تر وقت دین کی خدمت اور گھریلو ذمہ داریاں پوری کرنے میں صرف کرنے لگے اور کسی طرح مصروف رہ کر خود کو احساس محرومی سے بچانے لگے۔ لیکن یہ ان کے مسئلے کا کوئی دیر پا حل ثابت نہ ہو سکا، وہ مسلسل ایک کشمکش کا شکار رہنے لگے اور ان میں سے بہت کم اپنے دین و ایمان و اعمال کو کمزوری سے بچا سکے۔ حتیٰ کہ بعض نو جوان لڑکیاں اور لڑکے اس قدر اکتا گئے کہ وہ اپنی دینداری سے ہی کوفت محسوس کرنے لگے اور آہستہ آہستہ دنیا داری کی طرف راغب ہونے لگے۔

دوسری طرف دنیا دار اور دین کی صحیح سمجھ نہ رکھنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی غیر شریفانہ کوششیں وہ گل کھلانے لگیں جو کبھی مغرب کی کانٹے دار جھاڑیوں کے درمیان اُگا کرتے تھے۔ کئی لڑکے دین و ایمان سے بے فکر ہو کر انٹرنیٹ کے ذریعے برطانیہ، امریکہ، کینیڈا کی کسی لڑکی کی جستجو کرنے لگے اور اس کے ساتھ شادی کر کے وہاں کی سکونت کے سنے دیکھنے لگے اور کئی لڑکے اپنے مخصوص حلقے اور ماحول میں ہی پیار، محبت اور دوستی کے داؤ پیچ آزمانے لگے۔ لڑکیوں کی حکمت عملی بھی کچھ اسی طرح رہی اور کئی لڑکے لڑکیاں عشق و محبت کے جال میں پھنس کر اور پھنسا کر ایک دوسرے کو شادی کے لیے تیار کرنے لگے، بعض کو تو اس میں کامیابی حاصل ہوئی، جو باقیوں کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث بنی، لیکن لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں کی کوشش کافی حد تک غیر سنجیدہ اور محض وقت گزاری ثابت ہو سکی۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”آج کل اعلیٰ تعلیم کے شوق نے والدین کو اپنے اسی فریضہ سے غافل کر رکھا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی عمر کالج اور یونیورسٹیوں کے چکر میں ڈھل جاتی ہے اور جب وقت گزر جاتا ہے تو ماں باپ کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ مجھے اس طرح کے سینکڑوں خطوط موصول ہو چکے ہیں کہ لڑکی کی عمر تیس پینتیس برس ہو گئی، کوئی رشتہ نہیں آتا اور جو آتا ہے وہ بھی چپ سادھ لیتا ہے، کوئی تعویذ و وظیفہ اور عمل بتاؤ کہ بچیوں کی شادی ہو جائے، لڑکی پڑھی لکھی، قبول صورت اور گھڑ ہے، مگر رشتہ نہیں ہو پاتا وغیرہ۔ خدا جانے کتنے خاندان اس سیلاب میں ڈوب چلے ہیں اور کتنے لڑکے لڑکیاں غلط راستے پر چل نکلی ہیں۔ یہ ایک دل خراش حقیقت ہے، حدیث میں ہے کہ جب اولاد بالغ ہو جائے اور والدین ان کے نکاح سے آنکھیں بند کیے رکھیں تو اس صورت میں اگر اولاد کسی غلطی کی مرتکب ہو تو والدین اس جرم میں برابر کے شریک ہوں گے (مشکوٰۃ ص: 271)۔“

(آپ کے مسائل اور ان کا حل 31/5)

(4) عورت نمائش کا سامان بن گئی اور اس کی قدر و قیمت گر گئی:

قدرتی قانون کے مطابق ہر دور میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ رہتی ہی ہے، جس کی وجہ سے ایک شادی والا نظام ناپید ہو جاتا ہے، لیکن وہ دور جس میں ایک شادی کو بھی انتہائی مشکل بنا دیا گیا ہو، پھر اعلیٰ سے اعلیٰ معیار اور اچھے سے اچھے کی امید نے قلت کے باوجود کئی مردوں کو شادی کے لیے رد کر دیا ہو اور اس وجہ سے کثرت کے باوجود کئی لڑکیاں بے نکاحی رہ گئی ہوں تو اس

دور میں ایک طرف تو شادی کے قابل عورتوں کی تعداد میں کئی گنا زیادہ اضافہ ہونے لگا اور دوسری طرف موجودہ معیار کے مطابق شادی کے قابل مردوں کے انتخابی خروں میں بھی اضافہ ہونے لگا، جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ عورتوں کی قدر و قیمت گر گئی، پھر والدین یا اپنی مرضی سے جب کنواری لڑکیاں مختلف طریقوں سے لڑکوں کو یا ان کے گھر والوں کو اپنی طرف مائل کرنے لگیں اور بڑھ بڑھ کر خود کو شادی کے لیے پیش کرنے لگیں تو ان کی قدر و قیمت مزید گر گئی اور آخر کار جب نکاح کے ذریعے عورت کی عزت افزائی مشکل ہو گئی تو وہ نمائش کا سامان بن کر رہ گئی۔ اس گرتی ہوئی قدر و قیمت کی بحالی کے لیے اعلیٰ تعلیم، اچھی ملازمت، ظاہری بناؤ سنگھار اور خود نمائی کے دیگر کئی طریقوں سے کوششیں کی جاتی رہیں، لیکن پھر بھی عورت کو محرومی و یاس کے سوا کچھ نہ مل سکا اور نہ ہی معاشرے میں اس کو وہ مقام نصیب ہو سکا جو اس کی فطرت کو مطلوب تھا۔ کبھی وہ مردوں کے ہاتھ کا کھلونا اور ان کے دل کو لبھانے کا سامان یا پھر اہل خانہ کے لیے مناسب کسب و معاش اور ان کی خدمت گزاری کا ذریعہ و وسیلہ بن کر رہ گئی۔

(5) بیٹی بوجھ بن گئی:

شادی کی اس مشکل ترین صورتحال نے لڑکوں کے معاملے میں تو لوگوں کو اتنا فکر مند نہ کیا، کیونکہ لڑکوں کا کیا ہے؟ جیسے تیسے کر کے زندگی گزار ہی لیں گے اور اگر شادی نہ بھی ہو سکی تو کم از کم چار پیسے تو کما کر ہی لائیں گے، لیکن لڑکیوں کی مناسب تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا، بچپن سے لے کر جوانی تک ان کی عزت و عفت کی حفاظت کرنا، جوان ہوتے ہی ان کے لیے مناسب رشتوں کا بندوبست کرنا، جہیز اور شادی کے اخراجات کے لیے پائی پائی جوڑنا اور شادی کے بعد بھی ان کے گھر کو اجڑنے سے بچانے کے لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنا، پھر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اگر شادی نہ ہو سکی یا شادی کے بعد طلاق ہو گئی تو عمر بھر ان کو گھر بٹھائے رکھنا، ان کے ساتھ ان کے بچوں کا نان نفقہ برداشت کرنا اور اس سلسلے میں کئی والدین کو پریشان کن ذمہ داریوں میں جکڑا ہوا دیکھنا، ان تمام باتوں کی وجہ سے لوگ اس قدر گھبرانے لگے کہ بیٹی کی پیدائش کا معاملہ ہی ان کے لیے ایک روح فرسا خیال بن گیا اور بیٹی کا وجود ان کے لیے ایک بوجھ سا بن گیا۔ چنانچہ پیدائش سے پہلے ہی الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے تجسس کیا جانے لگا کہ بیٹا ہے یا بیٹی؟ بیٹی کا سن کر والدین ناگواری محسوس کرنے لگے اور پیدائش کے بعد قسمت کا رونا رونے لگے کہ تنگ دستی اور مہنگائی کے دور میں چار چار بیٹیوں کا بوجھ کیسے اٹھائیں گے؟ اور بعض بد بخت تو پیدائش سے پہلے ہی استقاطِ حمل کے ذریعے بیٹی کا گلا گھونٹنے لگے۔

ہندوستان میں بیٹی کو کس قدر بوجھ سمجھا جانے لگا ہے اس کا اندازہ بی بی سی میں زیر تبصرہ اس خبر سے لگایا جاسکتا ہے، جس میں بتایا گیا کہ ہندوستان کی ایک عدالت میں ایک شادی شدہ جوڑے کی طرف سے ایک ڈاکٹر صاحب کے خلاف مقدمہ دائر ہوا۔ شادی شدہ جوڑے کا کہنا تھا کہ ہمارے ہاں ایک بیٹا ہے اور دوسری بار جب حمل ٹھہرا تو ہم نے فلاں ڈاکٹر صاحب کے ذریعے الٹرا ساؤنڈ کروایا، ڈاکٹر نے ہمیں رپورٹ میں بتایا کہ ”لڑکا“ ہے، لڑکے کا سن کر ہم نے حمل ضائع نہیں کروایا، مگر ولادت لڑکی کی ہوئی۔ ہمیں لڑکی کی قطعاً خواہش نہ تھی، اب چونکہ یہ لڑکی ڈاکٹر صاحب کی غلط رپورٹ کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی ولادت کے ذمہ دار چونکہ ڈاکٹر صاحب ہیں، لہذا ہمارا عدالت سے مطالبہ ہے کہ اس لڑکی کے لباس و خوراک، تعلیم و جہیز اور شادی تک کے تمام مصارف ڈاکٹر صاحب کے ذمے ڈالے جائیں۔۔۔

ہندوستان میں الٹرا ساؤنڈ سے تجسس کے بعد بیٹیوں کو خفیہ درگور کرنے کی خبریں آج کل مختلف اخباروں میں بہت زیادہ

شائع ہونے لگی ہیں اور اس معاملے میں اب اتنی تیزی آتی جا رہی ہے کہ ہندوستان کی حکومت اس اقدام کو روکنے میں سنجیدگی سے دلچسپی لینے کے باوجود عاجز آ گئی ہے۔ حکومت کو اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ ہندوستان میں کچھ وقت کے بعد عورتوں کی پوری نسل ہی کہیں الٹرا ساؤنڈ کی بھیینٹ نہ چڑھ جائے۔ چنانچہ حکومت نے بیٹی کی ولادت پر قوم کو تیار کرنے کے لیے ایسے والدین کو مختلف قسم کی سہولتیں اور ان کے ساتھ مالی تعاون جیسے اقدامات شروع کر دیے ہیں۔ چنانچہ کچھ قبل ہاریاز Haryarز کے بارے میں حکومت ہند نے یہ قانون بنایا کہ دوسری بیٹی کی ولادت پر والدین سالانہ 5 ہزار روپے کے تعاون کے حقدار ہوں گے۔

Chief Minister Bhupinder Singh Hoda said, "On the birth of a second girl child, the government gives an incentive of Rs.5,000 a year for five years to the parents....." Indo-Asia News Service.

(www.eians.com/stories/2005/-05/23girls.shtml#)

یہ تو اسلام کی برکت ہے، جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بیٹی اس طرح کی بے عزتی و بے اکرمی سے کافی حد تک محفوظ ہے، لیکن جو صورتحال اس وقت درپیش ہے، اگر اس پر قابو نہ پایا گیا تو کچھ بعید نہیں کہ بیٹی کا معاملہ بھی مسلمانوں کے ان معاملات میں سے ایک ہو جائے جو ہندوانہ رسم و رواج کے تحت طے پاتے ہیں۔

(6) مرد سے کہیں زیادہ عورت مشکل میں پڑ گئی:

جب ایک طرف فطری و شرعی وجوہات کی بنا پر شادی کے قابل مردوں اور عورتوں کی کثرت ہو گئی اور دوسری طرف دنیوی و مادی وجوہات کی بنا پر رشتوں کی قلت ہو گئی تو اس صورتحال کے سنگین نتائج مرد و عورت دونوں کے حق میں رونما ہونے لگے، لیکن مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر عورت کو مرد سے کہیں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا:

پہلی وجہ..... ہر زمانے میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہوتی ہے اور مسلسل بڑھتی ہی رہتی ہے، جو مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو زیادہ متاثر کر دیتی ہے۔

دوسری وجہ..... عورت کی فطرت ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ اپنی گھرداری اور بچوں کی تربیت و نگہداشت میں ہی خوش رہتی ہے۔ سائنس خواہ کتنی ہی ترقی کر لے، لیکن فطرت کے اصولوں کو نہیں بدل سکتی اور نہ ہی اس کا نعم البدل فراہم کر سکتی ہے، نیکنا لوجی چاہے آسمان تک پہنچ جائے، لیکن بھوک کو ختم کرنے کے لیے روٹی ہی کھانی پڑے گی اور اسے ہضم کرنے کے بعد بڑے بڑے سائنسدانوں کو بھی بیت الخلاء کا چکر لگانا پڑے گا، روٹی چبانے اور نگلنے کے لیے دانتوں کو اسی طرح سے گھمانا پڑے گا جس طرح انسان ہزاروں سال پہلے گھمایا کرتا تھا، پیاس بھی اسی طرح سے لگتی رہے گی جس طرح پہلے لگا کرتی تھی اور پیاس بجھانے کے لیے پانی بھی اسی طرح پینا پڑے گا جس طرح پہلے پیا جاتا تھا۔ فطرت نے عورت کی ذہنی و جسمانی ساخت کو دیکھتے ہوئے اس کے لیے زندگی گزارنے کا جو طریقہ متعین کیا اسی میں اس کی ذہنی و جسمانی صحت و آسودگی ہے اور فطرت نے جس کام کے لیے اس کو پیدا کیا اسی کام میں مصروف رہنا اس کی ذہنی و جسمانی نشوونما کے لیے بہتر اور ضروری ہے۔ جس طرح بھوک کے وقت کھانا ہی سب سے بہتر کام اور صحت کے لیے مفید ہے، اسی طرح جب جسم میں بلوغت کی وجہ سے زبردست جنسی رغبت و قوت پیدا ہو جائے تو اس کی

دور میں ایک طرف تو شادی کے قابل عورتوں کی تعداد میں کئی گنا زیادہ اضافہ ہونے لگا اور دوسری طرف موجودہ معیار کے مطابق شادی کے قابل مردوں کے انتخابی نخروں میں بھی اضافہ ہونے لگا، جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ عورتوں کی قدر و قیمت گر گئی، پھر والدین یا اپنی مرضی سے جب کنواری لڑکیاں مختلف طریقوں سے لڑکوں کو یا ان کے گھر والوں کو اپنی طرف مائل کرنے لگیں اور بڑھ بڑھ کر خود کو شادی کے لیے پیش کرنے لگیں تو ان کی قدر و قیمت مزید گر گئی اور آخر کار جب نکاح کے ذریعے عورت کی عزت افزائی مشکل ہو گئی تو وہ نمائش کا سامان بن کر رہ گئی۔ اس گرتی ہوئی قدر و قیمت کی بحالی کے لیے اعلیٰ تعلیم، اچھی ملازمت، ظاہری بناؤ سنگھار اور خود نمائی کے دیگر کئی طریقوں سے کوششیں کی جاتی رہیں، لیکن پھر بھی عورت کو محرومی و یاس کے سوا کچھ نہ مل سکا اور نہ ہی معاشرے میں اس کو وہ مقام نصیب ہو سکا جو اس کی فطرت کو مطلوب تھا۔ کبھی وہ مردوں کے ہاتھ کا کھلونا اور ان کے دل کو لبھانے کا سامان یا پھر اہل خانہ کے لیے مناسب کسب و معاش اور ان کی خدمت گزاری کا ذریعہ و وسیلہ بن کر رہ گئی۔

(5) بیٹی بوجھ بن گئی:

شادی کی اس مشکل ترین صورتحال نے لڑکوں کے معاملے میں تو لوگوں کو اتنا فکر مند نہ کیا، کیونکہ لڑکوں کا کیا ہے؟ جیسے تیسے کر کے زندگی گزار ہی لیں گے اور اگر شادی نہ بھی ہو سکی تو کم از کم چار پیسے تو کما کر ہی لائیں گے، لیکن لڑکیوں کی مناسب تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا، بچپن سے لے کر جوانی تک ان کی عزت و عفت کی حفاظت کرنا، جوان ہوتے ہی ان کے لیے مناسب رشتوں کا بندوبست کرنا، جہیز اور شادی کے اخراجات کے لیے پائی پائی جوڑنا اور شادی کے بعد بھی ان کے گھر کو اجڑنے سے بچانے کے لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنا، پھر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اگر شادی نہ ہو سکی یا شادی کے بعد طلاق ہو گئی تو عمر بھر ان کو گھر بٹھائے رکھنا، ان کے ساتھ ان کے بچوں کا نان نفقہ برداشت کرنا اور اس سلسلے میں کئی والدین کو پریشان کن ذمہ داریوں میں جکڑا ہوا دیکھنا، ان تمام باتوں کی وجہ سے لوگ اس قدر گھبرانے لگے کہ بیٹی کی پیدائش کا معاملہ ہی ان کے لیے ایک روح فرسا خیال بن گیا اور بیٹی کا وجود ان کے لیے ایک بوجھ سا بن گیا۔ چنانچہ پیدائش سے پہلے ہی الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے تجسس کیا جانے لگا کہ بیٹا ہے یا بیٹی؟ بیٹی کا سن کرو والدین ناگواری محسوس کرنے لگے اور پیدائش کے بعد قسمت کار و ناروونے لگے کہ تنگ دستی اور مہنگائی کے دور میں چار چار بیٹیوں کا بوجھ کیسے اٹھائیں گے؟ اور بعض بد بخت تو پیدائش سے پہلے ہی اسقاطِ حمل کے ذریعے بیٹی کا گلا گھونٹنے لگے۔

ہندوستان میں بیٹی کو کس قدر بوجھ سمجھا جانے لگا ہے اس کا اندازہ بی بی سی میں زیر تبصرہ اس خبر سے لگایا جاسکتا ہے، جس میں بتایا گیا کہ ہندوستان کی ایک عدالت میں ایک شادی شدہ جوڑے کی طرف سے ایک ڈاکٹر صاحب کے خلاف مقدمہ دائر ہوا۔ شادی شدہ جوڑے کا کہنا تھا کہ ہمارے ہاں ایک بیٹا ہے اور دوسری بار جب حمل ٹھہرا تو ہم نے فلاں ڈاکٹر صاحب کے ذریعے الٹرا ساؤنڈ کروایا، ڈاکٹر نے ہمیں رپورٹ میں بتایا کہ ”لڑکا“ ہے، لڑکے کا سن کر ہم نے حمل ضائع نہیں کروایا، مگر ولادت لڑکی کی ہوئی۔ ہمیں لڑکی کی قطعاً خواہش نہ تھی، اب چونکہ یہ لڑکی ڈاکٹر صاحب کی غلط رپورٹ کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی ولادت کے ذمہ دار چونکہ ڈاکٹر صاحب ہیں، لہذا ہمارا عدالت سے مطالبہ ہے کہ اس لڑکی کے لباس و خوراک، تعلیم و جہیز اور شادی تک کے تمام مصارف ڈاکٹر صاحب کے ذمے ڈالے جائیں۔۔۔

ہندوستان میں الٹرا ساؤنڈ سے تجسس کے بعد بیٹیوں کو خفیہ درگور کرنے کی خبریں آج کل مختلف اخباروں میں بہت زیادہ

شائع ہونے لگی ہیں اور اس معاملے میں اب اتنی تیزی آتی جا رہی ہے کہ ہندوستان کی حکومت اس اقدام کو روکنے میں سنجیدگی سے دلچسپی لینے کے باوجود عاجز آ گئی ہے۔ حکومت کو اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ ہندوستان میں کچھ وقت کے بعد عورتوں کی پوری نسل ہی کہیں الٹرا ساؤنڈ کی بھیٹ نہ چڑھ جائے۔ چنانچہ حکومت نے بیٹی کی ولادت پر قوم کو تیار کرنے کے لیے ایسے والدین کو مختلف قسم کی سہولتیں اور ان کے ساتھ مالی تعاون جیسے اقدامات شروع کر دیے ہیں۔ چنانچہ کچھ قبل ہاریاز Haryarز کے بارے میں حکومت ہند نے یہ قانون بنایا کہ دوسری بیٹی کی ولادت پر والدین سالانہ 5 ہزار روپے کے تعاون کے حقدار ہوں گے۔

Chief Minister Bhupinder Singh Hoda said, "On the birth of a second girl child, the government gives an incentive of Rs.5,000 a year for five years to the parents....." Indo-Asia News Service.

(www.eians.com/stories/2005/-05/23girls.shtml#)

یہ تو اسلام کی برکت ہے، جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بیٹی اس طرح کی بے عزتی و بے اکرمی سے کافی حد تک محفوظ ہے، لیکن جو صورتحال اس وقت درپیش ہے، اگر اس پر قابو نہ پایا گیا تو کچھ بعید نہیں کہ بیٹی کا معاملہ بھی مسلمانوں کے ان معاملات میں سے ایک ہو جائے جو ہندوانہ رسم و رواج کے تحت طے پاتے ہیں۔

(6) مرد سے کہیں زیادہ عورت مشکل میں پڑ گئی:

جب ایک طرف فطری و شرعی وجوہات کی بنا پر شادی کے قابل مردوں اور عورتوں کی کثرت ہو گئی اور دوسری طرف دنیوی و مادی وجوہات کی بنا پر رشتوں کی قلت ہو گئی تو اس صورتحال کے سنگین نتائج مرد و عورت دونوں کے حق میں رونما ہونے لگے، لیکن مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر عورت کو مرد سے کہیں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا:

پہلی وجہ..... ہر زمانے میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہوتی ہے اور مسلسل بڑھتی ہی رہتی ہے، جو مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو زیادہ متاثر کر دیتی ہے۔

دوسری وجہ..... عورت کی فطرت ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ اپنی گھرداری اور بچوں کی تربیت و نگہداشت میں ہی خوش رہتی ہے۔ سائنس خواہ کتنی ہی ترقی کر لے، لیکن فطرت کے اصولوں کو نہیں بدل سکتی اور نہ ہی اس کا نعم البدل فراہم کر سکتی ہے، مینیکالوجی چاہے آسمان تک پہنچ جائے، لیکن بھوک کو ختم کرنے کے لیے روٹی ہی کھانی پڑے گی اور اسے ہضم کرنے کے بعد بڑے بڑے سانسند انوں کو بھی بیت الخلاء کا چکر لگانا پڑے گا، روٹی چبانے اور نگلنے کے لیے دانتوں کو اسی طرح سے گھمانا پڑے گا جس طرح انسان ہزاروں سال پہلے گھمایا کرتا تھا، پیاس بھی اسی طرح سے لگتی رہے گی جس طرح پہلے لگا کرتی تھی اور پیاس بجھانے کے لیے پانی بھی اسی طرح پینا پڑے گا جس طرح پہلے پیا جاتا تھا۔ فطرت نے عورت کی ذہنی و جسمانی ساخت کو دیکھتے ہوئے اس کے لیے زندگی گزارنے کا جو طریقہ متعین کیا اسی میں اس کی ذہنی و جسمانی صحت و آسودگی ہے اور فطرت نے جس کام کے لیے اس کو پیدا کیا اسی کام میں مصروف رہنا اس کی ذہنی و جسمانی نشوونما کے لیے بہتر اور ضروری ہے۔ جس طرح بھوک کے وقت کھانا ہی سب سے بہتر کام اور صحت کے لیے مفید ہے، اسی طرح جب جسم میں بلوغت کی وجہ سے زبردست جنسی رغبت و قوت پیدا ہو جائے تو اس کی

فطری خواہش کو پورا کرنا ہی ذہنی و جسمانی لحاظ سے بہتر اور مفید ہے۔ اس کے بعد عورت کو جو عزت و راحت کسی کی بیوی اور کسی کی ماں کے روپ میں ملتی ہے وہ کسی اور روپ میں ہرگز نہیں مل سکتی۔ فنکارہ، گلوکارہ، پرسنل سیکریٹری اور ایئر ہوسٹس کے روپ میں دلی بے سکنی کے ایسے کائنات عورت کو چھ رہے ہوتے ہیں جن کا احساس صرف اسی کو ہی ہو سکتا ہے۔ اس روپ میں عورت کا چہرہ بظاہر کتنا ہی چمکتا دیکھتا اور ہنستا مسکراتا نظر آتا ہو، لیکن باطن میں اندھیرے، ویرانے، رونے اور چلانے کے سوا کچھ نہیں ملتا، کیونکہ حقیقی معنوں میں کوئی اس کا اپنا نہیں ہوتا، جس کے وجود کے سائے تلے ظاہری و باطنی اعتبار سے وہ خود کو محفوظ تصور کر سکے، حسن نسوانی اور جوش جوانی کے بل بوتے پر وہ ایک عرصے تک تو کئی پروانوں کی شمع بنی رہتی ہے، لیکن جوانی کے ڈھلتے ہی وہ سب کی نظروں سے گر جاتی ہے اور معاشرے پر ایسا بوجھ بن جاتی ہے جس کو اٹھانے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہوتا۔

تیسری وجہ..... طبعیت اور مزاج کے اعتبار سے مرد کے مقابلے میں عورت زیادہ حساس ہوتی ہے اور معاشرے میں اپنی محرومی و ناقداری کا بہت جلد اثر لے لیتی ہے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوتی ہے کہ عورت کی زندگی مرد کے بغیر انتہائی مشکل، نامکمل اور بے معنی ہو جاتی ہے، اس لیے شادی کے معاملے میں ذرا سی نظر اندازی بھی اس پر شاک گزرتی ہے اور اس کے جذبات کو مجروح کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر عورتیں جن کی شادی نہیں ہو پاتی نفسیاتی مریض بن جاتی ہیں اور عمر کے ایک حصے کو پہنچنے کے بعد بھکی بھکی باتیں شروع کر دیتی ہیں یا شدید احساس کمتری کا شکار ہو کر زندگی سے بے زاری اور مایوسی کا اظہار کر دیتی ہیں۔ اس کے برعکس مرد کے قوی قدرے مضبوط و مستحکم ہوتے ہیں اور معاشرتی سلوک کے اثرات اتنی شدت کے ساتھ ان کے جذبات و احساسات پر مرتب نہیں ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو کما کر کھانے اور کھلانے والا بنایا ہے اور اس کے جسم و ذہن میں طاقت و قوت بھی اسی حساب سے رکھی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ نو جوان عموماً کنوارے پن سے زیادہ بے روزگاری کی وجہ سے نفسیاتی مریض اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، جبکہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے شوہر کے تابع بنا کر گھرداری، اپنے بچوں سے محبت اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا بنایا ہے اور اس کی جسمانی و ذہنی سوچ و فکر کو بھی اسی کے مطابق ڈھالا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک مدت تک اگر شادی کے ذریعے عورت کی یہ فطری پیاس نہ بجھ سکے تو وہ بسا اوقات پاگل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

چوتھی وجہ..... شادی نہ ہونے یا اس میں غیر مناسب تاخیر کی وجہ سے مرد و عورت دونوں بدی و برائی کا شکار ہوتے ہیں اور پھر بے شرمی و بے حیائی کو پھیلانے کا ذریعہ بنتے ہیں، لیکن مرد کی نسبت عورت کا بغیر شادی کے رہنا زیادہ خطرناک ہوتا ہے، کیونکہ بہت سی معاشرتی برائیاں ایسی ہیں جو عورت کی رضا کی محتاج ہوتی ہیں، ادھر عورت راضی ہوئی اور ادھر برائی کا دروازہ کھل گیا۔ اس لیے زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ برائی کے لیے عورت کو تیار کرنا پڑتا ہے، مرد تو پہلے ہی سے تیار اور عورت کے اشارے کا منتظر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس وہ عورت جس کی بوقت شادی ہو گئی اور اپنی گھریلو اور بچوں والی زندگی میں مصروف ہو گئی تو ایسی عورت کو کوئی بھی بدکردار مرد آسانی کے ساتھ بہکا کر اپنی ہوس کا نشانہ نہیں بنا سکتا، کیونکہ عورت کی طبعیت میں مرد کی نسبت جنسی میلان کم اور شرم و حیاء کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا کسی بھی عورت کے بے شرم و بے حیاء بننے سے پہلے پہلے اگر اس کو شوہر و گھریلو بچوں والی فطری زندگی سے منسلک نہ کیا گیا تو اس کا مستقبل غیر محفوظ ہو جاتا ہے اور جنسی بھوکوں اور پیاسوں کے لیے ایسی عورت کو ورغلا نا اور بہکانا آسان ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی ایک عورت بھی ان کے جال میں پھنس کر برائی کی طرف راغب ہو گئی اور بدکاری کا چمکا اس کو

لگ گیا تو ایسی عورت معاشرے میں کم از کم دس مردوں کو بہکانے اور بدکاری کا چمکا لگانے کے لیے کافی ہو جاتی ہے، پھر اس کی عادات بد سے متاثر ہونے والوں میں صرف کنوارے ہی نہیں، بلکہ نظام یک زوجگی کے ستارے اور تڑپائے ہوئے شادی شدہ مرد بھی بکثرت شامل ہوتے ہیں۔

الغرض شادی و خانہ آبادی ہر لحاظ سے عورت کی فطری ضرورت ہے، جس کے بغیر عورت کی زندگی ادھوری و بے معنی ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر شریعت نے عورت کے نکاح کی ضرورت و اہمیت پر بہت زور دیا اور اس حقیقت کو اب ان لوگوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے جو شریعت کے اصولوں کے پاسدار تو نہیں، لیکن فطری ضرورتوں کے منکر بھی نہیں۔ ہندوستان کا مشہور لیڈر اور بھارت کا پہلا ہندوستانی گورنر جنرل مسٹر راج گوپال اچاریہ کہتا ہے:

”عورتوں کے لیے شادی کرنا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹری، انجینئرنگ اور سیاست دانی بلاشبہ باعزت پیشے ہیں، مگر گھریلو نگرانی اور بچوں کی پرورش بھی کچھ کم قابل عزت نہیں ہے۔ فوجی کارخانوں میں کام کرنا اور دفاتروں میں حاضری دینا، خواہ کتنا ہی اہم ہو، لیکن گھریلو زندگی کے نوک و پلک درست کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ میں نے چھیانوہ برس کی عمر میں جو تجربہ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہی ہو سکتی ہے۔“ (زمزم، لاہور 17 اگست 1945ء)

ایک فاضل انگریز خاتون کہتی ہیں:

”عورت کا اولین فریضہ شادی، مادریت اور خانہ داری ہے، معاشرے کا فرض ہے کہ ہر عورت کے لیے اس کے موقعے بہم پہنچائے اور جو عورت اس کی تلاش میں ہوا سے وہ اسی آسانی سے مل جائے، جیسے مرد کو ذریعہ معاش۔“ (صدق جدید، لکھنؤ 18 جنوری 1952ء)

ایک مغربی مفکر اینتھونی ایم لوڈ ویسی کہتا ہے:

”اس امر پر زور دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر عورت کے لیے ایک خاص عمر تک ازدواجی زندگی کو مقصود زندگی قرار دیا جانا چاہیے اور یہ امر والدین کے ذہن نشین کر دینا چاہیے کہ ازدواج ہی وہ اصل غرض ہے جس کے لیے لڑکیوں کی تربیت کی جانی چاہیے۔ انسانیت کے بہترین پہلوؤں کی تکمیل ماں بن کر ہی ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ایک عورت حاصل کرے وہ اس سے کم تر درجہ رکھتی ہے اور وہ لوگ جو عورت کو عالم شباب میں یہ فریب دیتے ہیں کہ اس کے لیے ماں بننے سے بڑھ کر یا اس کے برابر اور مشاغل بھی ہیں، وہ نہ صرف صنف نازک کے بلکہ نوع انسانی کے دشمن ہیں۔۔۔ اس حقیقت کا صاف طور پر اور بلا خوف و تردد اعلان ہونا چاہیے کہ وہ تمام لوگ جو عورت کو یہ سکھاتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی اور شغل اس کا اصلی شغل ہے، وہ تمام لوگ جو مسائل حاضرہ کے گورکھ دھندے میں اسے نسوانیت کے بارے میں ایسے قصے کہانیوں سے پریشان کرتے ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اصلی نسوانیت زندگی اور اس کی افزائش سے علیحدہ کوئی چیز ہے، غرض یہ کہ وہ تمام لوگ جو اسے مرد اور بچوں سے دور رہتے ہوئے مسرت، اطمینان اور راحت کی توقعات دلاتے ہیں، جھوٹے ہیں۔“ (ندائے حرم، کراچی، جمادی الاولیٰ 1969ء)

یہ چند نمونے بطور مثال نقل کیے گئے ہیں، ورنہ انسانی تاریخ کا ایسا کون سا حصہ ہے جس میں ازدواجی زندگی کی اہمیت محسوس

فطری خواہش کو پورا کرنا ہی ذہنی و جسمانی لحاظ سے بہتر اور مفید ہے۔ اس کے بعد عورت کو جو عزت و راحت کسی کی بیوی اور کسی کی ماں کے روپ میں ملتی ہے وہ کسی اور روپ میں ہرگز نہیں مل سکتی۔ فنکارہ، گلوکارہ، پرسنل سیکریٹری اور ایئر ہوسٹس کے روپ میں دلی بے سکنی کے ایسے کانٹے عورت کو چھ رہے ہوتے ہیں جن کا احساس صرف اسی کو ہی ہو سکتا ہے۔ اس روپ میں عورت کا چہرہ بظاہر کتنا ہی چمکتا دیکھا اور ہنستا مسکراتا نظر آتا ہو، لیکن باطن میں اندھیرے، ویرانے، رونے اور چلانے کے سوا کچھ نہیں ملتا، کیونکہ حقیقی معنوں میں کوئی اس کا اپنا نہیں ہوتا، جس کے وجود کے سائے تلے ظاہری و باطنی اعتبار سے وہ خود کو محفوظ تصور کر سکے، حسن نسوانی اور جوش جوانی کے بل بوتے پر وہ ایک عرصے تک تو کئی پروانوں کی شمع بنی رہتی ہے، لیکن جوانی کے ڈھلتے ہی وہ سب کی نظروں سے گر جاتی ہے اور معاشرے پر ایسا بوجھ بن جاتی ہے جس کو اٹھانے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہوتا۔

تیسری وجہ..... طبعیت اور مزاج کے اعتبار سے مرد کے مقابلے میں عورت زیادہ حساس ہوتی ہے اور معاشرے میں اپنی محرومی و ناقداری کا بہت جلد اثر لے لیتی ہے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوتی ہے کہ عورت کی زندگی مرد کے بغیر انتہائی مشکل، نامکمل اور بے معنی ہو جاتی ہے، اس لیے شادی کے معاملے میں ذرا سی نظر اندازی بھی اس پر شاک گزرتی ہے اور اس کے جذبات کو مجروح کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر عورتیں جن کی شادی نہیں ہو پاتی نفسیاتی مریض بن جاتی ہیں اور عمر کے ایک حصے کو پہنچنے کے بعد بھکی بھکی باتیں شروع کر دیتی ہیں یا شدید احساس کمتری کا شکار ہو کر زندگی سے بے زاری اور مایوسی کا اظہار کر دیتی ہیں۔ اس کے برعکس مرد کے قوی قدرے مضبوط و مستحکم ہوتے ہیں اور معاشرتی سلوک کے اثرات اتنی شدت کے ساتھ ان کے جذبات و احساسات پر مرتب نہیں ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو کما کر کھانے اور کھلانے والا بنایا ہے اور اس کے جسم و ذہن میں طاقت و قوت بھی اسی حساب سے رکھی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ نو جوان عموماً کنوارے پن سے زیادہ بے روزگاری کی وجہ سے نفسیاتی مریض اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، جبکہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے شوہر کے تابع بنا کر گھرداری، اپنے بچوں سے محبت اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا بنایا ہے اور اس کی جسمانی و ذہنی سوچ و فکر کو بھی اسی کے مطابق ڈھالا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک مدت تک اگر شادی کے ذریعے عورت کی یہ فطری پیاس نہ بجھ سکے تو وہ بسا اوقات پاگل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

چوتھی وجہ..... شادی نہ ہونے یا اس میں غیر مناسب تاخیر کی وجہ سے مرد و عورت دونوں بدی و برائی کا شکار ہوتے ہیں اور پھر بے شرمی و بے حیائی کو پھیلانے کا ذریعہ بنتے ہیں، لیکن مرد کی نسبت عورت کا بغیر شادی کے رہنا زیادہ خطرناک ہوتا ہے، کیونکہ بہت سی معاشرتی برائیاں ایسی ہیں جو عورت کی رضا کی محتاج ہوتی ہیں، ادھر عورت راضی ہوئی اور ادھر برائی کا دروازہ کھل گیا۔ اس لیے زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ برائی کے لیے عورت کو تیار کرنا پڑتا ہے، مرد تو پہلے ہی سے تیار اور عورت کے اشارے کا منتظر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس وہ عورت جس کی بڑ وقت شادی ہو گئی اور اپنی گھریلو اور بچوں والی زندگی میں مصروف ہو گئی تو ایسی عورت کو کوئی بھی بدکردار مرد آسانی کے ساتھ بہکا کر اپنی ہوس کا نشانہ نہیں بنا سکتا، کیونکہ عورت کی طبعیت میں مرد کی نسبت جنسی میلان کم اور شرم و حیاء کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا کسی بھی عورت کے بے شرم و بے حیاء بننے سے پہلے پہلے اگر اس کو شوہر و گھریلو بچوں والی فطری زندگی سے منسلک نہ کیا گیا تو اس کا مستقبل غیر محفوظ ہو جاتا ہے اور جنسی بھوکوں اور پیاسوں کے لیے ایسی عورت کو ورغلا نا اور بہکانا آسان ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی ایک عورت بھی ان کے جال میں پھنس کر برائی کی طرف راغب ہو گئی اور بدکاری کا چسکا اس کو

لگ گیا تو ایسی عورت معاشرے میں کم از کم دس مردوں کو بہکانے اور بدکاری کا چسکا لگانے کے لیے کافی ہو جاتی ہے، پھر اس کی عادات بد سے متاثر ہونے والوں میں صرف کنوارے ہی نہیں، بلکہ نظام یک زوجگی کے ستارے اور تڑپائے ہوئے شادی شدہ مرد بھی بکثرت شامل ہوتے ہیں۔

الغرض شادی و خانہ آبادی ہر لحاظ سے عورت کی فطری ضرورت ہے، جس کے بغیر عورت کی زندگی ادھوری و بے معنی ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر شریعت نے عورت کے نکاح کی ضرورت و اہمیت پر بہت زور دیا اور اس حقیقت کو اب ان لوگوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے جو شریعت کے اصولوں کے پاسدار تو نہیں، لیکن فطری ضرورتوں کے منکر بھی نہیں۔ ہندوستان کا مشہور لیڈر اور بھارت کا پہلا ہندوستانی گورنر جنرل مسٹر راج گوپال اچاریہ کہتا ہے:

”عورتوں کے لیے شادی کرنا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹری، انجینئرنگ اور سیاست دانی بلاشبہ باعزت پیشے ہیں، مگر گھریلو گمرانی اور بچوں کی پرورش بھی کچھ کم قابل عزت نہیں ہے۔ فوجی کارخانوں میں کام کرنا اور دفاتروں میں حاضری دینا، خواہ کتنا ہی اہم ہو، لیکن گھریلو زندگی کے نوک و پلک درست کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ میں نے چھیانوے برس کی عمر میں جو تجربہ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہی ہو سکتی ہے۔“ (زم زم، لاہور 17 اگست 1945ء)

ایک فاضل انگریز خاتون کہتی ہیں:

”عورت کا اولین فریضہ شادی، مادریت اور خانہ داری ہے، معاشرے کا فرض ہے کہ ہر عورت کے لیے اس کے موقعے بہم پہنچائے اور جو عورت اس کی تلاش میں ہوا سے وہ اسی آسانی سے مل جائے، جیسے مرد کو ذریعہ معاش۔“ (صدق جدید، لکھنؤ 18 جنوری 1952ء)

ایک مغربی مفکر اینتھونی ایم لوڈ ویسی کہتا ہے:

”اس امر پر زور دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر عورت کے لیے ایک خاص عمر تک ازدواجی زندگی کو مقصود زندگی قرار دیا جانا چاہیے اور یہ امر والدین کے ذہن نشین کر دینا چاہیے کہ ازدواج ہی وہ اصل غرض ہے جس کے لیے لڑکیوں کی تربیت کی جانی چاہیے۔ انسانیت کے بہترین پہلوؤں کی تکمیل ماں بن کر ہی ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ایک عورت حاصل کرے وہ اس سے کم تر درجہ رکھتی ہے اور وہ لوگ جو عورت کو عالم شباب میں یہ فریب دیتے ہیں کہ اس کے لیے ماں بننے سے بڑھ کر یا اس کے برابر اور مشاغل بھی ہیں، وہ نہ صرف صنف نازک کے بلکہ نوع انسانی کے دشمن ہیں۔۔۔ اس حقیقت کا صاف طور پر اور بلا خوف و تردید اعلان ہونا چاہیے کہ وہ تمام لوگ جو عورت کو یہ سکھاتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی اور شغل اس کا اصلی شغل ہے، وہ تمام لوگ جو مسائل حاضرہ کے گورکھ دھندے میں اسے نسوانیت کے بارے میں ایسے قصے کہانیوں سے پریشان کرتے ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اصلی نسوانیت زندگی اور اس کی افزائش سے علیحدہ کوئی چیز ہے، غرض یہ کہ وہ تمام لوگ جو اسے مرد اور بچوں سے دور رہتے ہوئے مسرت، اطمینان اور راحت کی توقعات دلاتے ہیں، جھوٹے ہیں۔“ (ندائے حرم، کراچی، جمادی الاولیٰ 1969ء)

یہ چند نمونے بطور مثال نقل کیے گئے ہیں، ورنہ انسانی تاریخ کا ایسا کون سا حصہ ہے جس میں ازدواجی زندگی کی اہمیت محسوس

نہیں کی گئی، لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دوسرے منافع و فوائد کے ساتھ رشتہ ازدواج کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عفت و عصمت اور عزت و ناموس کی انمول دولت جو انسان کو بخشی گئی ہے، اس دولت کی حفاظت کا ضامن ازدواج کا یہی آئینی طریقہ ہے جسے ہم نکاح کہتے ہیں۔ اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب معاشرے میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کافی زیادہ ہو تو ان کے نکاح کا مسئلہ کیسے حل کیا جائے اور ان کی کفالت و حفاظت کا انتظام کیسے کیا جائے؟ تو اس کے لیے سب سے موزوں و مناسب حل یہی سامنے آتا ہے کہ معاشرتی توازن کو برقرار رکھنے کے لیے ایک مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی جائے۔ لندن کے ایک اسکول کی استانی مس میری اسمتھ اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

”یک زوجگی کا جو قاعدہ برطانیہ میں چلا ہوا ہے وہ تمام تر غلط ہے، مردوں کو دوسری شادی کی اجازت ملنی چاہیے، کیونکہ اس ملک میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے، اس لیے ہر عورت شوہر پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اب ایک بیوی کا رواج نا کام ہو چکا ہے اور یہ رواج کوئی سائنٹفک بھی نہیں ہے۔“ (صدق جدید، لکھنؤ 18 جنوری 1952ء)

مذکورہ بالا صورتحال تو آج سے نصف صدی پہلے کی ہے، موجودہ حالات اس قدر گرگوں ہو چکے ہیں کہ مصائب و مسائل کے حصار کو توڑنے کے لیے سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی ممکن حل نظر نہیں آتا کہ جس سے معاشرے کی طلب و ضرورت کو پورا کر کے اسے تباہی و بربادی، فتنہ و فساد اور بگاڑ و انتشار سے بچایا جاسکے۔

(7) نکاح مشکل اور زنا آسان ہو گیا:

دین اسلام نکاح کے معاملے میں انتہائی حساس ہے اور ہر اس کوشش کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جس کی وجہ سے نکاح مشکل ہو جائے، کیونکہ نکاح کی ضد زنا ہے جو ایک بدترین گناہ اور فتنہ ترین فعل ہے، جو نہ صرف یہ کہ انفرادی طور پر اخلاقی پستی کا باعث ہے بلکہ معاشرتی فساد و بگاڑ کا بھی سب سے بڑا سبب ہے، اس لیے زنا کو مشکل کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ یہی ہے کہ نکاح کو آسان بنایا جائے۔ ایک حدیث کے تحت علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ عشق کا سب سے بہترین علاج معشوقہ سے نکاح کر لینے میں ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”دو محبت کرنے والوں میں نکاح سے بہتر ہرگز کوئی دوسری چیز نہیں۔“ (ابن ماجہ 593/1)

یعنی اول تو شریعت نے غیر محرم مرد و عورت کو نظر کی حفاظت کا حکم دیا اور ان کے باہمی اختلاط اور خلوت میں جمع ہونے سے منع کیا، مگر ہر طرح کی احتیاط کے باوجود اگر کسی طرح یا غلطی سے ہی کسی مرد کی کسی عورت سے نظر مل جائے اور اس سے محبت ہو جائے، وہ عورت بھی اس سے محبت کرنے لگے اور پھر آپس میں عشق ہو جائے۔ اس صورت میں اگر وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے مناسب اور ہم پلہ ہیں تو بغیر کسی شرعی قباحت کے کسی بھی طرح ان کے فطری میلان کو کچلنے کے بجائے نکاح کو ملاپ کا سب سے بہترین ذریعہ قرار دیا۔ حضرت مولانا ظفر الدین پورہ نوڈیہاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”غور کیجیے! اسلام نے شادی کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی شادی ایسی تنگ دستی میں کیوں کرائی؟ سوچا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ سارا اہتمام اس لیے عمل میں آیا کہ عفت و عصمت کی پاکیزہ زندگی میسر آئے، شرم و حیا کی معاشرے میں حفاظت ہو، جائز طور پر بچے پیدا ہوں، جس سے پاک بازی پھیلے، پھر دنیا میں اخلاق اور عزت

و آبرو کی مٹی پلید نہ ہو سکے۔“ (اسلام کا نظام عفت و عصمت ص: 65)

جس طرح اخلاقی و معاشرتی تباہی و بربادی کے لیے زنا ایک انتہائی اقدام ہے اور بے پردگی و بے حیائی، فحاشی و عریانی اور بد نظری و عشق مجازی اس کے ابتدائی اقدامات ہیں، اسی طرح اخلاقی و معاشرتی اصلاح و درستگی کے لیے نکاح ایک انتہائی اقدام ہے اور تعلیم و ترغیب، وعظ و نصیحت اور صحبت و ماحول اس کے ابتدائی اقدامات ہیں۔ ان میں سے ہر اقدام کی ضرورت و اہمیت اپنی جگہ مسلم و محکم ہے، لیکن انتہائی درجے کے فتنہ و فساد کے علاج و خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ طریقہ و کلیہ بھی انتہائی درجے کا استعمال کیا جائے، اس لیے اسلام نے زنا کے مقابلے میں نکاح کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس کو آسان سے آسان تر بنانے کا حکم دیا اور تعدد ازدواج کے ذریعے نہ صرف یہ کہ ایک کے مقابلے میں چار عورتوں کے نکاح کا انتظام کیا، بلکہ ایک ایسا نظام عطا کیا جس میں نکاح کے مشکل ہونے کا امکان بہت ہی کم ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے زیادہ معقول و منصفانہ مذہب یا دوسرا نظام زندگی نہیں ہے۔ اسلام کا صالح معاشرہ یک زوجگی ہی کو قانوناً رائج کر کے کھلی بے شرمی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ زنا جیسی بدکاری کو حرام قرار دے کر تعدد ازدواج کی قانونی اجازت دینے والا حکیمانہ دین فی الحقیقت اسلام ہی ہے، جس نے مرد و عورت کی ذہنی و جسمانی ساخت، ان کی نفسیات اور اور ان کی عملی ضروریات کا پورا پورا لحاظ کیا ہے۔ جو لوگ اس سے ہٹ کر کسی اور مذہب یا نظام کی بات کرتے ہیں اور اس کو رائج کرنے کے درپے رہتے ہیں وہ گویا کھلم کھلا بے شرمی و بے حیائی کو فروغ دے کر اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“

(سورۃ النور ایتہ: 19)

اسلام کا پیش کردہ یہی نظریہ و نظام جب لوگوں کے لیے عجیب و غریب ہو گیا اور معاشرے میں اس کا عملی نفاذ ناپید و ناپید ہو گیا تو اس کی یقینی و دائمی حکمتوں اور مصلحتوں کے باوجود لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے لگے اور اس کے مقابلے میں موجودہ روایتی نظام کو ترجیح دینے لگے، اپنے اپنے معیار کے مطابق نکاح کے معاملات کو ترتیب دینے لگے اور اس سلسلے میں پیش آنے والے مسائل کو اپنی اپنی ناقص حکمت عملی سے حل کرنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن مسئلہ حل ہونے کے بجائے شدید سے شدید ترین ہوتا چلا گیا اور وہ لوگ جو کبھی ایک سے زیادہ شادیوں کو مشکل بنانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، کھڑے کے کھڑے ہی رہ گئے اور ان کے لیے صرف ایک شادی ہی اتنا بڑا مسئلہ بن گیا کہ سوچ و فکر نے کام کرنا چھوڑ دیا اور ان کو زمانے کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا۔ ان حالات میں ایک طرف تو مایوسی کے احساسات جنم لینے لگے، جو انسان کو پُچ رہے، کچھ نہ کرنے اور قسمت پہ رونے کا درس دینے لگے اور دوسری طرف بغاوت کے جذبات بھڑکنے لگے، جو انسان کو سب کچھ کرنے، کچھ نہ سہنے اور کسی سے نہ ڈرنے کا حوصلہ بلند کرنے لگے۔

جدید دور نے جہاں نو جوان نسل کو بے لگام کیا وہاں بھاگ دوڑ کے لیے ان کو ایک میدان بھی فراہم کیا، پہلے تو اس نے آزادانہ فکر اور آوارہ سوچ دے کر نو جوان نسل کو اپنا غلام کیا، پھر ہر شعبے اور معاملے میں مرد و عورت کے اختلاط سے بے شرمی و بے حیائی کو اور فیشن پرستی سے فحاشی و عریانی کو عام کیا، نو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کی ذہنی تربیت کے لیے اور ان کے جذبات کو بھڑکانے

نہیں کی گئی، لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دوسرے منافع و فوائد کے ساتھ رشتہ ازدواج کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عفت و عصمت اور عزت و ناموس کی انمول دولت جو انسان کو بخشی گئی ہے، اس دولت کی حفاظت کا ضامن ازدواج کا یہی آئینی طریقہ ہے جسے ہم نکاح کہتے ہیں۔ اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب معاشرے میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کافی زیادہ ہو تو ان کے نکاح کا مسئلہ کیسے حل کیا جائے اور ان کی کفالت و حفاظت کا انتظام کیسے کیا جائے؟ تو اس کے لیے سب سے موزوں و مناسب حل یہی سامنے آتا ہے کہ معاشرتی توازن کو برقرار رکھنے کے لیے ایک مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی جائے۔ لندن کے ایک اسکول کی استانی مس میری اسمتھ اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

”یک زوجگی کا جو قاعدہ برطانیہ میں چلا ہوا ہے وہ تمام تر غلط ہے، مردوں کو دوسری شادی کی اجازت ملنی چاہیے، کیونکہ اس ملک میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے، اس لیے ہر عورت شوہر پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اب ایک بیوی کا رواج نا کام ہو چکا ہے اور یہ رواج کوئی سائنٹفک بھی نہیں ہے۔“ (صدق جدید، لکھنؤ 18 جنوری 1952ء)

مذکورہ بالا صورتحال تو آج سے نصف صدی پہلے کی ہے، موجودہ حالات اس قدر دیگر گوں ہو چکے ہیں کہ مصائب و مسائل کے حصار کو توڑنے کے لیے سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی ممکن حل نظر نہیں آتا کہ جس سے معاشرے کی طلب و ضرورت کو پورا کر کے اسے تباہی و بربادی، فتنہ و فساد اور بگاڑ و انتشار سے بچایا جاسکے۔

(7) نکاح مشکل اور زنا آسان ہو گیا:

دین اسلام نکاح کے معاملے میں انتہائی حساس ہے اور ہر اس کوشش کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جس کی وجہ سے نکاح مشکل ہو جائے، کیونکہ نکاح کی ضد زنا ہے جو ایک بدترین گناہ اور فتنہ ترین فعل ہے، جو نہ صرف یہ کہ انفرادی طور پر اخلاقی پستی کا باعث ہے بلکہ معاشرتی فساد و بگاڑ کا بھی سب سے بڑا سبب ہے، اس لیے زنا کو مشکل کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ یہی ہے کہ نکاح کو آسان بنایا جائے۔ ایک حدیث کے تحت علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ عشق کا سب سے بہترین علاج معشوقہ سے نکاح کر لینے میں ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”دو محبت کرنے والوں میں نکاح سے بہتر ہرگز کوئی دوسری چیز نہیں۔“ (ابن ماجہ 593/1)

یعنی اول تو شریعت نے غیر محرم مرد و عورت کو نظر کی حفاظت کا حکم دیا اور ان کے باہمی اختلاط اور خلوت میں جمع ہونے سے منع کیا، مگر ہر طرح کی احتیاط کے باوجود اگر کسی طرح یا غلطی سے ہی کسی مرد کی کسی عورت سے نظر مل جائے اور اس سے محبت ہو جائے، وہ عورت بھی اس سے محبت کرنے لگے اور پھر آپس میں عشق ہو جائے۔ اس صورت میں اگر وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے مناسب اور ہم پلہ ہیں تو بغیر کسی شرعی قباحت کے کسی بھی طرح ان کے فطری میلان کو کچلنے کے بجائے نکاح کو ملاپ کا سب سے بہترین ذریعہ قرار دیا۔ حضرت مولانا ظفر الدین پورہ نوڈیہاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”غور کیجیے! اسلام نے شادی کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی شادی ایسی تنگ دستی میں کیوں کرائی؟ سوچا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ سارا اہتمام اس لیے عمل میں آیا کہ عفت و عصمت کی پاکیزہ زندگی میسر آئے، شرم و حیا کی معاشرے میں حفاظت ہو، جائز طور پر بچے پیدا ہوں، جس سے پاک بازی پھیلے، پھر دنیا میں اخلاق اور عزت

و آبرو کی مٹی پلید نہ ہو سکے۔“ (اسلام کا نظام عفت و عصمت ص: 65)

جس طرح اخلاقی و معاشرتی تباہی و بربادی کے لیے زنا ایک انتہائی اقدام ہے اور بے پردگی و بے حیائی، فحاشی و عریانی اور بد نظری و عشق مجازی اس کے ابتدائی اقدامات ہیں، اسی طرح اخلاقی و معاشرتی اصلاح و درستگی کے لیے نکاح ایک انتہائی اقدام ہے اور تعلیم و ترغیب، وعظ و نصیحت اور صحبت و ماحول اس کے ابتدائی اقدامات ہیں۔ ان میں سے ہر اقدام کی ضرورت و اہمیت اپنی جگہ مسلم و محکم ہے، لیکن انتہائی درجے کے فتنہ و فساد کے علاج و خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ طریقہ و کلیہ بھی انتہائی درجے کا استعمال کیا جائے، اس لیے اسلام نے زنا کے مقابلے میں نکاح کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس کو آسان سے آسان تر بنانے کا حکم دیا اور تعدد ازدواج کے ذریعے نہ صرف یہ کہ ایک کے مقابلے میں چار عورتوں کے نکاح کا انتظام کیا، بلکہ ایک ایسا نظام عطا کیا جس میں نکاح کے مشکل ہونے کا امکان بہت ہی کم ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے زیادہ معقول و منصفانہ مذہب یا دوسرا نظام زندگی نہیں ہے۔ اسلام کا صالح معاشرہ یک زوجگی ہی کو قانوناً رائج کر کے کھلی بے شرمی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ زنا جیسی بدکاری کو حرام قرار دے کر تعدد ازدواج کی قانونی اجازت دینے والا حکیمانہ دین فی الحقیقت اسلام ہی ہے، جس نے مرد و عورت کی ذہنی و جسمانی ساخت، ان کی نفسیات اور اور ان کی عملی ضروریات کا پورا پورا لحاظ کیا ہے۔ جو لوگ اس سے ہٹ کر کسی اور مذہب یا نظام کی بات کرتے ہیں اور اس کو رائج کرنے کے درپے رہتے ہیں وہ گویا کھلم کھلا بے شرمی و بے حیائی کو فروغ دے کر اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“

(سورۃ النور ایتہ: 19)

اسلام کا پیش کردہ یہی نظریہ و نظام جب لوگوں کے لیے عجیب و غریب ہو گیا اور معاشرے میں اس کا عملی نفاذ ناپید و ناپید ہو گیا تو اس کی یقینی و دائمی حکمتوں اور مصلحتوں کے باوجود لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے لگے اور اس کے مقابلے میں موجودہ روایتی نظام کو ترجیح دینے لگے، اپنے اپنے معیار کے مطابق نکاح کے معاملات کو ترتیب دینے لگے اور اس سلسلے میں پیش آنے والے مسائل کو اپنی اپنی ناقص حکمت عملی سے حل کرنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن مسئلہ حل ہونے کے بجائے شدید سے شدید ترین ہوتا چلا گیا اور وہ لوگ جو کبھی ایک سے زیادہ شادیوں کو مشکل بنانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، کھڑے کے کھڑے ہی رہ گئے اور ان کے لیے صرف ایک شادی ہی اتنا بڑا مسئلہ بن گیا کہ سوچ و فکر نے کام کرنا چھوڑ دیا اور ان کو زمانے کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا۔ ان حالات میں ایک طرف تو مایوسی کے احساسات جنم لینے لگے، جو انسان کو پُچ رہے، کچھ نہ کرنے اور قسمت پہ رونے کا درس دینے لگے اور دوسری طرف بغاوت کے جذبات بھڑکنے لگے، جو انسان کو سب کچھ کرنے، کچھ نہ سہنے اور کسی سے نہ ڈرنے کا حوصلہ بلند کرنے لگے۔

جدید دور نے جہاں نو جوان نسل کو بے لگام کیا وہاں بھاگ دوڑ کے لیے ان کو ایک میدان بھی فراہم کیا، پہلے تو اس نے آزادانہ فکر اور آوارہ سوچ دے کر نو جوان نسل کو اپنا غلام کیا، پھر ہر شعبے اور معاملے میں مرد و عورت کے اختلاط سے بے شرمی و بے حیائی کو اور فیشن پرستی سے فحاشی و عریانی کو عام کیا، نو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کی ذہنی تربیت کے لیے اور ان کے جذبات کو بھڑکانے

کے لیے ٹی وی، کمپیوٹر اور کیمبل کا اہتمام کیا، پھر عملی تربیت کے لیے اسکول، کالج، یونیورسٹی اور دیگر مخلوط اداروں کا انتظام کیا اور ساتھ ہی انٹرنیٹ اور موبائل نے اسیرانِ عشق و محبت کے تعلقات کو بڑھانے کے لیے اور ان کے باہمی روابط کو مضبوط و محفوظ بنانے کے لیے سب سے بڑھ کر کام کیا، غرض ہر طرح سے فطری خواہش کی تکمیل کے جائز راستے یعنی نکاح کے راستے کو دشوار کیا اور ناجائز راستے یعنی زنا کے راستے کو ہموار کیا۔

جنسی بے راہ روی کروٹیں لینے لگی، مردوں کی غیرت اور عورتوں کی حیاء دم توڑنے لگی، خاندانی عزت و شرافت سر عام لٹنے لگی، شرعی حدود و قیود کا طوق گلے سے اتارنے لگا اور جس سے جس طرح ہوسکا اور جتنا ہوسکا اپنی جنسی تسکین کا سامان جمع کرنے لگا۔ مرد تو پہلے ہی حرام کاری میں بے باک تھا اور عورت کو اپنی محبت اور دوستی کے جال میں پھنسا کر اس کی عفت و پاک دامنی کو داغدار کرنے میں بدکردار تھا، لیکن حقوقِ نسواں کے علمبرداروں نے یہاں بھی عورت کو مرد کے شانہ بشانہ لا کر کھڑا کر دیا۔ وہ عورتیں جو کبھی صرف جسمانی نمائش کی حد تک دعوتِ نظارہ دیا کرتی تھیں، مردوں کو اذانِ قربت دینے لگیں اور جسمانی کھیل کی دعوت دینے لگیں۔ جسموں کے اس کھیل کو اتنا فروغ ملا کہ نوجوان نسل کا پسندیدہ مشغلہ بن گیا اور ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر کارکردگی دکھانے لگا۔ کلب اور کھٹے سے ہٹ کر بحری و ہوائی جہازوں اور ویرانوں میں کھڑی گاڑیوں میں اس کھیل کے مقابلے بغیر کسی اصول و ضوابط کے منعقد ہونے لگے، ایک عورت کا مقابلہ کبھی ایک سے زیادہ مردوں کے ساتھ اور ایک سے زیادہ عورتوں کا مقابلہ کبھی ایک مرد کے ساتھ۔ اس کھیل کی ہلکی پھلکی سنسنی خیز جھلکیاں آئے دن گلیوں، سڑکوں، پارکوں، مزاروں اور سمندر کے کناروں پر بھی دیکھی جانے لگیں اور ساتھ ہی اخبارات، ٹی وی نیوز، انٹرنیٹ ویب سائٹس اور موبائل ویڈیو کلپس کی زینت بننے لگیں۔ اس کھیل میں جتنا کھیلا سومرد نے کھیلا، عورت نے تو صرف جھیلا۔ کبھی وہ داشتہ کے روپ میں پیشہ ور کھلاڑی بن کر آئی اور کبھی غربت و تنگ دستی سے مجبور ہو کر ضرورت مند بن کر آئی، لیکن ہمیشہ ٹھوکر کھائی، کبھی مرد کے ہاتھوں کھلونا بن کر اور کبھی معاشرے میں رُسوا اور بدنام ہو کر، لیکن افسوس! اس قدر تذلیل و تحقیر اور تباہی و بربادی کے باوجود بھی دیکھنے والوں کے لیے وہ عبرت کے بجائے تماشہ بن گئی۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جو مذہب اور قانون عفت و عصمت کو قائم رکھنا چاہتا ہو، زنا کاری کا انسداد ضروری جانتا ہو، اس کے لیے کوئی چارہ نہیں کہ تعددِ ازواج کی اجازت دے، اس میں زنا کاری کا بھی انسداد ہے اور مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی جو کثرت بہت سے علاقوں میں پائی جاتی ہے اس کا بھی علاج ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو داشتہ اور پیشہ ور کبھی عورتوں کی افراط ہوگی، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعددِ ازواج پر تو پابندی ہے، مگر بطورِ دوستانہ جتنی بھی عورتوں سے مرد زنا کرتا ہے اس کی پوری اجازت ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ نکاح ممنوع اور زنا جائز۔۔۔!“ (معارف القرآن 287/2)

(8) نکاح کا رجحان ہی کم ہونے لگا:

ایک طرف تو شادی کے سلسلے میں پیش آنے والے حالات و واقعات اور معاملات، خصوصاً بڑھتے ہوئے مطالبات و اخراجات اور توقعات اور غیر شرعی رسومات و لوازمات کی وجہ سے شادی کا اقدام مشکل ہو گیا اور دوسری طرف بڑھتی ہوئی بے شرمی و بے حیائی، فحاشی و عریانی، ذہنی آزادی و آوارگی اور جنسی بے راہ روی کی وجہ سے زنا آسان ہو گیا۔ پھر غربت و تنگ دستی، بے بسی و

بے کسی، بے حسی و بے پروائی، خود غرضی و مطلب پرستی اور نفسا نفسی کا وہ عالم جہاں کسی کو کسی کا خیال نہ ہو، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہو، کسی کو کسی سے سروکار نہ ہو، کسی کو کسی پہ اعتبار نہ ہو اور ایک دوسرے کی مشکلات و مصائب کو سننے اور دور کرنے کی کوشش و سعی اور ہمت و حوصلے کا نام و نشان تک نہ ہو تو وہاں شادی جیسے مسئلے کے حل کا امکان کیونکر ہو سکتا ہے؟

اس صورتحال نے مختلف لوگوں کو مختلف انداز میں ان کی ظاہری و باطنی حیثیت کے مطابق متاثر کیا۔ غریب و شریف خاندان کے باشرم و باحیاء لڑکوں اور لڑکیوں کے پاس صبر کا کڑوا گھونٹ پینے اور شادی سے نا اُمید ہو کر اپنی قسمت سے سمجھوتہ کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، وہ خود کو مختلف گھریلو ذمہ داریوں، دینی یا مباح کاموں میں مصروفِ عمل رکھ کر اپنا غم غلط کرنے لگے اور احساسِ محرومی کو مٹانے کی کوشش کرنے لگے، جبکہ متوسط اور سفید پوش گھرانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں نے تو شادی کی اُمید میں ہی عمریں گزار دیں اور امیر و کبیر خاندان کے لڑکوں اور لڑکیوں نے اسبابِ نکاح کی موجودگی کے باوجود اعلیٰ تعلیم، اونچے معیار، مستحکم مستقبل اور آئیڈیل کے حصول کی خاطر نکاح میں تاخیر کو فیض بنالیا۔

کسی بھی انسان کے لیے فطری تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خوشگوار زندگی کے تسلسل کو قائم رکھنا بہت مشکل اور بعض صورتوں میں ناممکن ہوتا ہے اور جنسی تسکین ایک ایسا فطری تقاضا ہے جس کے گرد کئی دوسرے تقاضے گردش کرتے ہیں۔ ذہنی و جسمانی طور پر ایک صحیح و سالم انسان ہمیشہ اس کو باقی تقاضوں پر مقدم رکھتا ہے اور اس کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فطری تقاضا انسانی خواہش کی صورت میں ہر دم بڑھتا ہی رہتا ہے اور اس کو پورا کیے بغیر انسان ہر وقت ایک کشمکش کا شکار رہتا ہے، خصوصاً ایسے دور میں، جہاں ہر آنے والا وقت گزشتہ وقت سے بدتر ثابت ہوتا ہو اور ایک نئی آزمائش کا سبب بنتا ہو۔ اب انسان کے سامنے تکمیلِ خواہش کے دونوں طریقے موجود ہیں، فطری (نکاح) بھی اور غیر فطری (زنا) بھی، لیکن انسان کی روحانی و جسمانی شفا و بقا کے لیے ضروری ہے کہ اس کو فطری طریقے کا عادی بنایا جائے اور غیر فطری طریقے سے اس کو اتنا دور رکھا جائے کہ اس طرف اس کا دھیان بھی نہ جاسکے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”زنا کے قریب بھی مت جاؤ کہ وہ بے حیائی اور بُری راہ ہے۔“ (سورۃ بنی اسرائیل ایتہ: 32)

چنانچہ جب معاشرے میں تکمیلِ خواہش کے لیے نکاح مشکل اور زنا آسان ہو گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلا کہ آہستہ آہستہ نکاح کا رجحان ہی ختم ہونے لگا اور جس کو جتنی جگہ ملی اتنے پاؤں پھیلانے لگا، یعنی اپنی اوقات و بساط کے بقدر اور محصل و وسائل و مواقع کے مطابق تکمیلِ خواہش کی کوشش کرنے لگا۔ کوئی دیکھ دیکھ کر اور کوئی سوچ سوچ کر، کوئی چیٹنگ اور ڈیننگ کر کے اور کوئی موبائل پر بات چیت کر کے، کوئی جنسی فلمیں دیکھ دیکھ کر اور کوئی کونے کھانچے میں چھپ چھپ کر، کوئی محبوبہ کے ساتھ اور کوئی داشتہ کے ساتھ اپنی فطری خواہش کو غیر فطری طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی جب نکاح کے بغیر عورت کا حصول آسان سے آسان تر ہوتا چلا گیا تو بعض لوگوں نے شادی جیسے جھنجھٹ میں پڑنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی، خاندانی نظام کو برقرار رکھنے کے لیے نکاح کرنا اور اس بارے میں پریشان ہونا انہیں ایک بوجھ سا لگنے لگا۔ اس طوفانِ بدتمیزی نے پھر کئی شادی شدہ مردوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ گھروں میں موجود اپنی بیویوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے پوشیدہ تعلقات قائم کر کے ایک سے زیادہ عورتوں والی فطری خواہش کو غیر فطری طریقے سے پورا کرنے لگے۔۔۔ اس طرح از خود اپنے لیے تباہی و بربادی

کے لیے ٹی وی، کمپیوٹر اور کیمبل کا اہتمام کیا، پھر عملی تربیت کے لیے اسکول، کالج، یونیورسٹی اور دیگر مخلوط اداروں کا انتظام کیا اور ساتھ ہی انٹرنیٹ اور موبائل نے اسیران عشق و محبت کے تعلقات کو بڑھانے کے لیے اور ان کے باہمی روابط کو مضبوط و محفوظ بنانے کے لیے سب سے بڑھ کر کام کیا، غرض ہر طرح سے فطری خواہش کی تکمیل کے جائز راستے یعنی نکاح کے راستے کو دشوار کیا اور ناجائز راستے یعنی زنا کے راستے کو ہموار کیا۔

جنسی بے راہ روی کروٹیں لینے لگی، مردوں کی غیرت اور عورتوں کی حیاء دم توڑنے لگی، خاندانی عزت و شرافت سر عام لٹنے لگی، شرعی حدود و قیود کا طوق گلے سے اتارنے لگا اور جس سے جس طرح ہوسکا اور جتنا ہوسکا اپنی جنسی تسکین کا سامان جمع کرنے لگا۔ مرد تو پہلے ہی حرام کاری میں بے باک تھا اور عورت کو اپنی محبت اور دوستی کے جال میں پھنسا کر اس کی عفت و پاک دامنی کو داغدار کرنے میں بدکردار تھا، لیکن حقوق نسواں کے علمبرداروں نے یہاں بھی عورت کو مرد کے شانہ بشاند لا کر کھڑا کر دیا۔ وہ عورتیں جو کبھی صرف جسمانی نمائش کی حد تک دعوتِ نظارہ دیا کرتی تھیں، مردوں کو اذنِ قربت دینے لگیں اور جسمانی کھیل کی دعوت دینے لگیں۔ جسموں کے اس کھیل کو اتنا فروغ ملا کہ نوجوان نسل کا پسندیدہ مشغلہ بن گیا اور ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر کارکردگی دکھانے لگا۔ کلب اور کوچے سے ہٹ کر بحری و ہوائی جہازوں اور ویرانوں میں کھڑی گاڑیوں میں اس کھیل کے مقابلے بغیر کسی اصول و ضوابط کے منعقد ہونے لگے، ایک عورت کا مقابلہ کبھی ایک سے زیادہ مردوں کے ساتھ اور ایک سے زیادہ عورتوں کا مقابلہ کبھی ایک مرد کے ساتھ۔ اس کھیل کی ہلکی پھلکی سنسنی خیز جھلکیاں آئے دن گلیوں، سڑکوں، پارکوں، مزاروں اور سمندر کے کناروں پر بھی دیکھی جانے لگیں اور ساتھ ہی اخبارات، ٹی وی نیوز، انٹرنیٹ ویب سائٹس اور موبائل ویڈیو کلپس کی زینت بننے لگیں۔ اس کھیل میں جتنا کھیلا سو مرد نے کھیلا، عورت نے تو صرف جھیلا۔ کبھی وہ داشتہ کے روپ میں پیشہ ور کھلاڑی بن کر آئی اور کبھی غربت و تنگ دستی سے مجبور ہو کر ضرورت مند بن کر آئی، لیکن ہمیشہ ٹھوکر کھائی، کبھی مرد کے ہاتھوں کھلونا بن کر اور کبھی معاشرے میں رُسوا اور بدنام ہو کر، لیکن افسوس! اس قدر تذلیل و تحقیر اور تباہی و بربادی کے باوجود بھی دیکھنے والوں کے لیے وہ عبرت کے بجائے تماشہ بن گئی۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جو مذہب اور قانون عفت و عصمت کو قائم رکھنا چاہتا ہو، زنا کاری کا انسداد ضروری جانتا ہو، اس کے لیے کوئی چارہ نہیں کہ تعدادِ ازواج کی اجازت دے، اس میں زنا کاری کا بھی انسداد ہے اور مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی جو کثرت بہت سے علاقوں میں پائی جاتی ہے اس کا بھی علاج ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو داشتہ اور پیشہ ور کبھی عورتوں کی افراط ہوگی، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعدادِ ازواج پر تو پابندی ہے، مگر بطورِ دوستانہ جنسی بھی عورتوں سے مرد زنا کرتا ہے اس کی پوری اجازت ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ نکاح ممنوع اور زنا جائز۔۔۔!“ (معارف القرآن 287/2)

8) نکاح کا رجحان ہی کم ہونے لگا:

ایک طرف تو شادی کے سلسلے میں پیش آنے والے حالات و واقعات اور معاملات، خصوصاً بڑھتے ہوئے مطالبات و اخراجات اور توقعات اور غیر شرعی رسومات و لوازمات کی وجہ سے شادی کا اقدام مشکل ہو گیا اور دوسری طرف بڑھتی ہوئی بے شرمی و بے حیائی، فحاشی و عریانی، ذہنی آزادی و آوارگی اور جنسی بے راہ روی کی وجہ سے زنا آسان ہو گیا۔ پھر غربت و تنگ دستی، بے بسی و

بے کسی، بے حسی و بے پروائی، خود غرضی و مطلب پرستی اور نفسا نفسی کا وہ عالم جہاں کسی کو کسی کا خیال نہ ہو، کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہو، کسی کو کسی سے سروکار نہ ہو، کسی کو کسی پہ اعتبار نہ ہو اور ایک دوسرے کی مشکلات و مصائب کو سننے اور دور کرنے کی کوشش و سعی اور ہمت و حوصلے کا نام و نشان تک نہ ہو تو وہاں شادی جیسے مسئلے کے حل کا امکان کیونکر ہو سکتا ہے؟

اس صورتحال نے مختلف لوگوں کو مختلف انداز میں ان کی ظاہری و باطنی حیثیت کے مطابق متاثر کیا۔ غریب و شریف خاندان کے باشرم و باحیاء لڑکوں اور لڑکیوں کے پاس صبر کا کڑوا گھونٹ پینے اور شادی سے نا اُمید ہو کر اپنی قسمت سے سمجھوتہ کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، وہ خود کو مختلف گھریلو ذمہ داریوں، دینی یا مباح کاموں میں مصروفِ عمل رکھ کر اپنا غم غلط کرنے لگے اور احساسِ محرومی کو مٹانے کی کوشش کرنے لگے، جبکہ متوسط اور سفید پوش گھرانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں نے تو شادی کی اُمید میں ہی عمریں گزار دیں اور امیر و کبیر خاندان کے لڑکوں اور لڑکیوں نے اسبابِ نکاح کی موجودگی کے باوجود اعلیٰ تعلیم، اونچے معیار، مستحکم مستقبل اور آئیڈیل کے حصول کی خاطر نکاح میں تاخیر کو فیشن بنا لیا۔

کسی بھی انسان کے لیے فطری تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خوشگوار زندگی کے تسلسل کو قائم رکھنا بہت مشکل اور بعض صورتوں میں ناممکن ہوتا ہے اور جنسی تسکین ایک ایسا فطری تقاضا ہے جس کے گرد کئی دوسرے تقاضے گردش کرتے ہیں۔ ذہنی و جسمانی طور پر ایک صحیح و سالم انسان ہمیشہ اس کو باقی تقاضوں پر مقدم رکھتا ہے اور اس کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فطری تقاضا انسانی خواہش کی صورت میں ہر دم بڑھتا ہی رہتا ہے اور اس کو پورا کیے بغیر انسان ہر وقت ایک کشمکش کا شکار رہتا ہے، خصوصاً ایسے دور میں، جہاں ہر آنے والا وقت گزشتہ وقت سے بدتر ثابت ہوتا ہو اور ایک نئی آزمائش کا سبب بنتا ہو۔ اب انسان کے سامنے تکمیلِ خواہش کے دونوں طریقے موجود ہیں، فطری (نکاح) بھی اور غیر فطری (زنا) بھی، لیکن انسان کی روحانی و جسمانی شفا و بقا کے لیے ضروری ہے کہ اس کو فطری طریقے کا عادی بنایا جائے اور غیر فطری طریقے سے اس کو اتنا دور رکھا جائے کہ اس طرف اس کا دھیان بھی نہ جاسکے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”زنا کے قریب بھی مت جاؤ کہ وہ بے حیائی اور بُری راہ ہے۔“ (سورۃ بنی اسرائیل ۳۲)

چنانچہ جب معاشرے میں تکمیلِ خواہش کے لیے نکاح مشکل اور زنا آسان ہو گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلا کہ آہستہ آہستہ نکاح کا رجحان ہی ختم ہونے لگا اور جس کو جتنی جگہ ملی اتنے پاؤں پھیلانے لگا، یعنی اپنی اوقات و بساط کے بقدر اور محصول و وسائل و مواقع کے مطابق تکمیلِ خواہش کی کوشش کرنے لگا۔ کوئی دیکھ دیکھ کر اور کوئی سوچ سوچ کر، کوئی چیٹنگ اور ڈیننگ کر کے اور کوئی موبائل پر بات چیت کر کے، کوئی جنسی فلمیں دیکھ دیکھ کر اور کوئی کونے کھانچے میں چھپ چھپ کر، کوئی محبوبہ کے ساتھ اور کوئی داشتہ کے ساتھ اپنی فطری خواہش کو غیر فطری طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی جب نکاح کے بغیر عورت کا حصول آسان سے آسان تر ہوتا چلا گیا تو بعض لوگوں نے شادی جیسے جھنجھٹ میں پڑنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی، خاندانی نظام کو برقرار رکھنے کے لیے نکاح کرنا اور اس بارے میں پریشان ہونا انہیں ایک بوجھ سا لگنے لگا۔ اس طوفانِ بدتمیزی نے پھر کئی شادی شدہ مردوں کو بھی اپنی پلیٹ میں لے لیا اور وہ گھروں میں موجود اپنی بیویوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے پوشیدہ تعلقات قائم کر کے ایک سے زیادہ عورتوں والی فطری خواہش کو غیر فطری طریقے سے پورا کرنے لگے۔۔۔ اس طرح از خود اپنے لیے تباہی و بربادی

کے دروازے کھولنے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ سب قیامت کی علامتیں ہیں: علم کا اٹھ جانا، جہالت کا عام ہونا، شراب کا پینا، زنا کاری کا پھیل جانا اور یہ کہ مردوں کی تعداد کم پڑ جائے تاکہ پچاس عورتوں کا ذمہ دار صرف ایک مرد باقی رہ جائے۔“ (بخاری)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب کسی قوم میں زنا کاری عام ہوتی ہے تو اس میں اموات کی کثرت ہو جاتی ہے۔“ (مشکوٰۃ ص: 459)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب کسی قوم میں زنا پھیل پڑتا ہے تو اسے قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے۔“ (مشکوٰۃ ص: 313)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں فرمایا:

”جس قوم میں بدکاری و زنا کاری پھیل جاتی ہے تو خدا اس میں بلا و مصیبت کو پھیلا دیتا ہے۔“ (تاریخ ملت 40/2)

اسلامی معاشرہ مغربی رنگ میں ڈھل جائے گا

ترک تعددِ ازواج کی وجہ سے حاصل ہونے والے برے نتائج کا جائزہ لینے کے بعد، اگر کھلی آنکھوں سے ان تمام بھیا نک نتائج کا مشاہدہ کیا جائے، جو بڑھتی ہوئی اخلاقی پستی اور معاشرتی تباہی کی وجہ سے ہماری راہ تک رہے ہیں، تو یہ کہنا مبالغہ آرائی نہ ہوگا کہ جو پیچیدہ صورتحال اس وقت ہمیں درپیش ہے، اگر اس پر قابو نہ پایا گیا اور تعددِ ازواج کے ذریعے شادی کے مسائل کو حل نہ کیا گیا تو عنقریب وہ وقت دور نہیں جب ہمارا معاشرہ پوری طرح مغربی رنگ میں ڈھلنے کے بعد صرف کہنے کی حد تک اسلامی رہ جائے گا، جہاں اسلامی اقدار و احکام کو طنز و تمسخر کا نشانہ بنانے والے اپنے ہی برائے نام مسلمان ہونگے، جہاں مرد و عورت کا فرق مٹ چکا ہوگا اور فکرِ معاش نے مرد و عورت کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا ہوگا، جہاں مردانہ غیرت و حمیت دفن ہو چکی ہوگی اور نسوانی شرم و حیا کا آئے دن جنازہ اٹھتا ہوگا، جہاں عورت آدھے لباس سے بھی بے زار ہوگی اور مرد اس کے برہنہ جسم کے لیے بے قرار ہوگا، جہاں عورت مرد کو مائل کر کے اپنے قریب کرنے میں اور مرد عورت سے کھیل کود کر فرار ہونے میں ماہر ہوگا، جہاں مرد کے لیے عورت باعثِ تسکین ہوگی اور عورت کے لیے مرد باعثِ تذلیل ہوگا، جہاں تکمیلِ خواہش میں ہر ایک آزاد ہوگا اور کوئی کسی ضابطہ و قانون کا پابند نہ ہوگا، جہاں نکاح کے لیے مرد آسانی سے تیار نہ ہوگا اور نکاح کے بغیر عورت آسانی سے دستیاب ہوگی، جہاں انسانی ہمدردی و غم خواری کا نام و نشان نہ ہوگا اور وقتی تعلقات کا مقصد شہوات و خواہشات کے سوا کچھ نہ ہوگا، جہاں رشتوں کا تقدس، لحاظ اور احترام بلکہ وجود بھی نہ ہوگا اور ازدواجی و خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہوگا۔

جب یہ سب کچھ ہوگا تو آج جس طرح روزہ و نماز کی پابندی اور پردہ و داڑھی کا اہتمام صرف مذہبی قسم کے لوگ کرتے ہیں، کل اسی طرح شادی کا اہتمام بھی صرف مذہبی اور دینی نوعی قسم کے لوگ کیا کریں گے، لیکن موجودہ ماحول کی سختی کی وجہ سے جس طرح دیگر احکام دین پر عمل کرنا مشکل ہو چکا ہے، اسی طرح مروجہ نظام کی نحوست کی وجہ سے شادی کا عمل بھی ان کے لیے کسی کوہِ گراں سے کم نہ ہوگا، جس کو سر کرنا ہر کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ لوگوں کی اکثریت شادی کے تکلفات سے دستبردار ہو جائے گی اور

جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے حرام راستے پر نکل جائے گی۔ حتیٰ کہ قربِ قیامت میں جب فتنہ اپنے عروج پر ہوگا اور ”فتنہ دجال اکبر“ کی صورت میں سب سے بڑا فتنہ نمودار ہوگا تو اس فتنے کے پانچ بنیادی عناصر میں سے ایک اہم عنصر ”فتنہ جنس“ ہوگا، جس کا مقصد دجالی نظام کو دنیا پر غالب کرنے کے لیے پورے روئے ارض پر جنسی خواہش کی تکمیل کے فطری اور بابرکت نظام یعنی ”نظامِ ازدواج“ کو درہم برہم کرنا ہوگا۔

حضرت مفتی ابوالبابہ شاہ منصور حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقبول و معروف کتاب ”دجال، کون؟ کہاں؟ کب؟“ میں دجالی فتنے سے محفوظ رہنے کی پانچ اہم تدبیراتی تدابیر پیش کی ہیں، جن میں سے چوتھی تدبیر جنسی بے راہ روی کو ممکنہ حد تک کم سے کم کرنے کے لیے پوری کوشش صرف کرنے سے متعلق پیش کی ہے۔ اس تدبیر میں ان مسائل کا صحیح حل موجود ہے جو معاشرے میں نکاح مشکل اور زنا آسان ہو جانے کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔

فتنہ جنس سے حفاظت:

فتنہ دجال اکبر کا مقابلہ کرنے کی اہم ترین تدبیر ”سنت نکاح“ کا قیام اور اکمال ہے، یعنی نکاح کی سنت کو درجہ کمال تک پہنچانا۔ مرد و عورت کے حلال ملاپ کو رواج دینا اور آسان بنانا۔ حرام پر سزا دینا اور اسے مشکل تر بنانا۔ آج کل تقریباً نکاح کے حوالے سے کی جانے والی رسومات کی بنا پر حلال مشکل ہے اور حرام آسان۔ ہم جسے مسنون نکاح کہتے ہیں، وہ نکاح تو ہے لیکن ”مسنون“ نہیں۔ اس میں اتنی رسومات، اسراف اور ریا کاری شامل ہو گئی ہے کہ نام تو ”نکاح مسنون“ اور ”ولیمہ مسنونہ“ کا ہوتا ہے، لیکن ان تقریبات میں اکثر کام غیر شرعی اور خلاف سنت ہوتے ہیں، جس سے نکاح مشکل اور فحاشی (زنا) آسان ہوتی جا رہی ہے۔ ”استکمالِ سنت نکاح“ کی کوشش کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

☆ ہمہ جہت جنسی علیحدگی، یعنی مرد و عورت کا مکمل طور پر علیحدہ علیحدہ ماحول میں رہنا، جو شرعی پردے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

☆ عورتوں کو زیادہ سے زیادہ شرعی مراعات دینا اور ان کی مخصوص ذمہ داریوں کے علاوہ دیگر ذمہ داریوں سے انہیں سبکدوش کرنا، جو ان کی فطرت اور شریعت کے خلاف ہے۔

☆ نکاح کو زیادہ سے زیادہ آسان اور فتح نکاح کو زیادہ سے زیادہ منضبط بنانا۔

☆ کسی بھی عمر میں جنسی و نفسیاتی محرومی کو کم سے کم واقع ہونے دینا، لہذا بڑی عمر کے مردوں اور عورتوں کو بھی پاکیزہ گھریلو زندگی گزارنے کے لیے نکاح ثانی کی آسانی فراہم کرنا۔

☆ کثرتِ نکاح اور کثرتِ اولاد کو رواج دینا۔ ایک سے زیادہ نکاح اور دو سے زیادہ بچوں کو خوبی اور قابلِ تعریف بات بنانا۔ ایک نکاح اور دو بچوں پر اکتفاء کی ہمت شکنی کرنا۔ ورنہ اُمت سکڑتے سکڑتے دجالی فتنے کے آگے سرگم ہو جائے گی۔

”تکمیلِ سنت نکاح“ کے یہ وہ عنوانات تھے جن کو اسلام نے قائم کیا۔ دجال کے زمانے کی قرب کی ایک علامت یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر آج درہم برہم ہو چکے ہیں۔ اس کی ناگزیر ضرورت ہے کہ ان تمام امور کو از سر نو نافذ العمل بنایا جائے۔

فتنہ دجال اکبر سے بچنے کے اقدامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر قسم کے حرام جنسی عمل اور حرام تولید سے معاشرے کو پاک

کے دروازے کھولنے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ سب قیامت کی علامتیں ہیں: علم کا اٹھ جانا، جہالت کا عام ہونا، شراب کا پینا، زنا کاری کا پھیل جانا اور یہ کہ مردوں کی تعداد کم پڑ جائے تاکہ پچاس عورتوں کا ذمہ دار صرف ایک مرد باقی رہ جائے۔“ (بخاری)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب کسی قوم میں زنا کاری عام ہوتی ہے تو اس میں اموات کی کثرت ہو جاتی ہے۔“ (مشکوٰۃ ص: 459)

ایک اور جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب کسی قوم میں زنا پھیل پڑتا ہے تو اسے قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے۔“ (مشکوٰۃ ص: 313)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں فرمایا:

”جس قوم میں بدکاری و زنا کاری پھیل جاتی ہے تو خدا اس میں بلا و مصیبت کو پھیلا دیتا ہے۔“ (تاریخ ملت 40/2)

اسلامی معاشرہ مغربی رنگ میں ڈھل جائے گا

ترک تعدد و ازدواج کی وجہ سے حاصل ہونے والے برے نتائج کا جائزہ لینے کے بعد، اگر کھلی آنکھوں سے ان تمام بھیا نک نتائج کا مشاہدہ کیا جائے، جو بڑھتی ہوئی اخلاقی پستی اور معاشرتی تباہی کی وجہ سے ہماری راہ تک رہے ہیں، تو یہ کہنا مبالغہ آرائی نہ ہوگا کہ جو پیچیدہ صورتحال اس وقت ہمیں درپیش ہے، اگر اس پر قابو نہ پایا گیا اور تعدد و ازدواج کے ذریعے شادی کے مسائل کو حل نہ کیا گیا تو عنقریب وہ وقت دور نہیں جب ہمارا معاشرہ پوری طرح مغربی رنگ میں ڈھلنے کے بعد صرف کہنے کی حد تک اسلامی رہ جائے گا، جہاں اسلامی اقدار و احکام کو طنز و تمسخر کا نشانہ بنانے والے اپنے ہی برائے نام مسلمان ہونگے، جہاں مرد و عورت کا فرق مٹ چکا ہوگا اور فکرِ معاش نے مرد و عورت کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا ہوگا، جہاں مردانہ غیرت و حمیت دفن ہو چکی ہوگی اور نسوانی شرم و حیاء کا آئے دن جنازہ اٹھتا ہوگا، جہاں عورت آدھے لباس سے بھی بے زار ہوگی اور مرد اس کے برہنہ جسم کے لیے بے قرار ہوگا، جہاں عورت مرد کو مائل کر کے اپنے قریب کرنے میں اور مرد عورت سے کھیل کود کر فرار ہونے میں ماہر ہوگا، جہاں مرد کے لیے عورت باعثِ تسکین ہوگی اور عورت کے لیے مرد باعثِ تذلیل ہوگا، جہاں تکمیلِ خواہش میں ہر ایک آزاد ہوگا اور کوئی کسی ضابطہ و قانون کا پابند نہ ہوگا، جہاں نکاح کے لیے مرد آسانی سے تیار نہ ہوگا اور نکاح کے بغیر عورت آسانی سے دستیاب ہوگی، جہاں انسانی ہمدردی و غم خواری کا نام و نشان نہ ہوگا اور وقتی تعلقات کا مقصد شہوات و خواہشات کے سوا کچھ نہ ہوگا، جہاں رشتوں کا تقدس، لحاظ اور احترام بلکہ وجود بھی نہ ہوگا اور ازدواجی و خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہوگا۔

جب یہ سب کچھ ہوگا تو آج جس طرح روزہ و نماز کی پابندی اور پردہ و داڑھی کا اہتمام صرف مذہبی قسم کے لوگ کرتے ہیں، کل اسی طرح شادی کا اہتمام بھی صرف مذہبی اور دینی نوعی قسم کے لوگ کیا کریں گے، لیکن موجودہ ماحول کی سختی کی وجہ سے جس طرح دیگر احکام دین پر عمل کرنا مشکل ہو چکا ہے، اسی طرح مروجہ نظام کی نحوست کی وجہ سے شادی کا عمل بھی ان کے لیے کسی کوہِ گراں سے کم نہ ہوگا، جس کو سر کرنا ہر کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ لوگوں کی اکثریت شادی کے تکلفات سے دستبردار ہو جائے گی اور

جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے حرام راستے پر نکل جائے گی۔ حتیٰ کہ قرب قیامت میں جب فتنہ اپنے عروج پر ہوگا اور ”فتنہ دجال اکبر“ کی صورت میں سب سے بڑا فتنہ نمودار ہوگا تو اس فتنے کے پانچ بنیادی عناصر میں سے ایک اہم عنصر ”فتنہ جنس“ ہوگا، جس کا مقصد دجالی نظام کو دنیا پر غالب کرنے کے لیے پورے روئے ارض پر جنسی خواہش کی تکمیل کے فطری اور بابرکت نظام یعنی ”نظام ازدواج“ کو درہم برہم کرنا ہوگا۔

حضرت مفتی ابوالبابہ شاہ منصور حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقبول و معروف کتاب ”دجال، کون؟ کہاں؟ کب؟“ میں دجالی فتنے سے محفوظ رہنے کی پانچ اہم تدبیراتی تدابیر پیش کی ہیں، جن میں سے چوتھی تدبیر جنسی بے راہ روی کو ممکنہ حد تک کم سے کم کرنے کے لیے پوری کوشش صرف کرنے سے متعلق پیش کی ہے۔ اس تدبیر میں ان مسائل کا صحیح حل موجود ہے جو معاشرے میں نکاح مشکل اور زنا آسان ہو جانے کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔

فتنہ جنس سے حفاظت:

فتنہ دجال اکبر کا مقابلہ کرنے کی اہم ترین تدبیر ”سنت نکاح“ کا قیام اور اکمال ہے، یعنی نکاح کی سنت کو درجہ کمال تک پہنچانا۔ مرد و عورت کے حلال ملاپ کو رواج دینا اور آسان بنانا۔ حرام پر سزا دینا اور اسے مشکل تر بنانا۔ آج کل تقریباً نکاح کے حوالے سے کی جانے والی رسومات کی بنا پر حلال مشکل ہے اور حرام آسان۔ ہم جسے مسنون نکاح کہتے ہیں، وہ نکاح تو ہے لیکن ”مسنون“ نہیں۔ اس میں اتنی رسومات، اسراف اور ریا کاری شامل ہو گئی ہے کہ نام تو ”نکاح مسنون“ اور ”ولیمہ مسنونہ“ کا ہوتا ہے، لیکن ان تقریبات میں اکثر کام غیر شرعی اور خلاف سنت ہوتے ہیں، جس سے نکاح مشکل اور فحاشی (زنا) آسان ہوتی جا رہی ہے۔ ”استکمال سنت نکاح“ کی کوشش کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

☆ ہمہ جہت جنسی علیحدگی، یعنی مرد و عورت کا مکمل طور پر علیحدہ علیحدہ ماحول میں رہنا، جو شرعی پردے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

☆ عورتوں کو زیادہ سے زیادہ شرعی مراعات دینا اور ان کی مخصوص ذمہ داریوں کے علاوہ دیگر ذمہ داریوں سے انہیں سبکدوش کرنا، جو ان کی فطرت اور شریعت کے خلاف ہے۔

☆ نکاح کو زیادہ سے زیادہ آسان اور فتح نکاح کو زیادہ سے زیادہ منضبط بنانا۔

☆ کسی بھی عمر میں جنسی و نفسیاتی محرومی کو کم سے کم واقع ہونے دینا، لہذا بڑی عمر کے مردوں اور عورتوں کو بھی پاکیزہ گھریلو زندگی گزارنے کے لیے نکاح ثانی کی آسانی فراہم کرنا۔

☆ کثرت نکاح اور کثرت اولاد کو رواج دینا۔ ایک سے زیادہ نکاح اور دو سے زیادہ بچوں کو خوبی اور قابلِ تعریف بات بنانا۔ ایک نکاح اور دو بچوں پر اکتفاء کی ہمت شکنی کرنا۔ ورنہ اُمت سکڑتے سکڑتے دجالی فتنے کے آگے سرنگوں ہو جائے گی۔

”تکمیل سنت نکاح“ کے یہ وہ عنوانات تھے جن کو اسلام نے قائم کیا۔ دجال کے زمانے کی قرب کی ایک علامت یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر آج درہم برہم ہو چکے ہیں۔ اس کی ناگزیر ضرورت ہے کہ ان تمام امور کو از سر نو نافذ العمل بنایا جائے۔

فتنہ دجال اکبر سے بچنے کے اقدامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر قسم کے حرام جنسی عمل اور حرام تولید سے معاشرے کو پاک

اختیار کرتے ہیں جو غلط ہوتے ہیں، مثلاً: شراب پی جاتی ہے۔ چونکہ ماحول شراب نوشی کا ہے، اس لیے جو نہیں پیتے انہیں بھی بڑی مشکلات پیش آتی ہیں، لوگ تعجب سے ان کی طرف دیکھتے ہیں۔ شراب نہ پینے والی ملازم عورت پریشان رہتی ہے کہ اگر وہ نہیں پیے گی تو Boss ناراض ہو کر ڈانٹے گا۔ مرد و عورت ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں، بہت زیادہ ذہنی دباؤ ہوتا ہے، عورتوں سے فحش اور گندے مزاق کیے جاتے ہیں۔ مسلمان ان میں نہیں پڑتے اسی لیے میں مسلمانوں سے متاثر ہوئی۔

(2) آزادی نسوان کی جو مختلف تحریکیں چل رہی ہیں، اس حوالے سے آپ کے کیا خیالات ہیں؟

ایسی تحریکوں میں حصہ لینے والی خواتین ذہنی دباؤ اور پریشانیوں کا شکار ہوتی ہیں۔ ان پر ہر وقت لڑائی کی کیفیت طاری رہتی ہے اور وہ بے سکون ہوتی ہیں۔ میرے خیال میں اسلامی تعلیمات سے ایک عورت کو تمام تحفظات اور سکون کا آسان راستہ دکھائی ہیں۔ غیر مسلم سوسائٹی میں ہر عورت کو یہ فکر ہوتی ہے کہ مرد اسے کس نظر سے دیکھتا ہے؟ اسی لیے وہ ہر وقت بنے سنورنے میں لگی رہتی ہے۔ مغربی تہذیب (خواہ یہ مشرقی ممالک میں بھی ہو) میں عورت کو ایک کھلونا سمجھا جاتا ہے، اس لیے اس تہذیب کی علم بردار عورتیں مردوں کو خوش کرنے کے لیے فیشن کرتی ہیں۔ میں خود ایسی ہی سوسائٹی میں پلی بڑھی ہوں، میں نے سب کچھ دیکھا ہے اور اس تہذیب کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ جو عورتیں آزادی نسوان کا نعرہ لگا کر مرد بننے کی خواہاں ہیں، وہ عورت کی شناخت کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔ ایسی عورتوں کو کبھی سکون نہیں ملتا اور ہر وقت بے سکون رہتی ہیں۔ عورت کو حجاب میں چھپانا اس کی قدر و منزلت کا اعتراف ہے۔ با حجاب عورت قابل احترام سمجھی جاتی ہے۔

(3) حجاب کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے، آپ کیا سمجھتی ہیں؟

یہ مغرب کی سوچ ہے۔ میرے خیال میں سوچنے کا یہ انداز ہی غلط ہے۔ میں نے تو حجاب کو کسی قسم کی رکاوٹ محسوس نہیں کیا۔ (4) کیا خواتین کے حوالے سے اسلام کے خلاف مشرق و مغرب کے میڈیا کی پروپیگنڈہ مہم نے آپ پر کوئی منفی اثرات نہ ڈالے؟ مثلاً: وراثت اور گواہی میں خواتین کا نصف حصہ، مسلم معاشروں میں خواتین پر گھریلو تشدد، تعددِ ازواج یعنی چار شادیوں کا مسئلہ وغیرہ کے حوالے سے کیا جانے والا پروپیگنڈہ.....

مجھے احساس تھا کہ یہ سارا من گھڑت پروپیگنڈہ ہے۔ میرا امریکہ سے کافی تعلق رہا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ مغربی ذرائع ابلاغ صرف اسلام ہی نہیں، دوسروں کے خلاف بھی من گھڑت پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ اس پروپیگنڈے کو اسی زاویے سے دیکھا ہے، اس لیے اس کا میں نے کوئی اثر نہیں لیا۔ جہاں تک تعددِ ازواج اور نصف وراثت کا تعلق ہے، میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام خواتین کے خلاف نہیں، ان میں خواتین ہی کی بھلائی ہے۔ میں اسلامی احکام پر مطمئن ہوں۔ جو مرد تعددِ ازواج کی اجازت سے استفادہ کرتے ہوئے اجازت سے متعلق شرائط پر منصفانہ عمل نہیں کرتے اور خواتین کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے، اسلامی تعلیمات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر میرا خاوند اسلامی شرائط کو پورا کرتے ہوئے دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

(5) ایک مسلم سوسائٹی کا فیملی سسٹم آپ کو کیسا لگا؟

مسلم سوسائٹی کے فیملی سسٹم میں ایک دوسرے کے لیے عزت و احترام پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کا خیال رکھا جاتا ہے۔

کیا جائے۔ حرام جنس اور حرام تولید سے فتنہ دجال اکبر کے زمانے میں فرد اور معاشرے کو بچانا تقریباً محال ہوتا جائے گا۔ اس سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ حلال جنس اور حلال تولید کی صورتوں اور سہولتوں کو آسان سے آسان تر بنانا اور زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا۔ اس کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں جن کو صالح مرد اور خواتین کو زیادہ سے زیادہ قبول اور رائج کرنا ہوگا:

☆ بالغ ہونے کے بعد مردوں اور عورتوں کی شادی میں دیر نہ کرنا۔

☆ بیوگان و مطلقہ خواتین کی فوراً شادی۔

☆ مردوں اور عورتوں کی شادی کو خرچ کے اعتبار سے آسان تر بنانا اور ہر طرح کی معاشرتی پابندیوں کا خاتمہ کرنا۔

☆ معاشرے میں آسان نکاح کی ہمت افزائی کرنا اور مشکل نکاح سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا حتیٰ کہ اس کا بائیکاٹ کرنا۔

جو لوگ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رائج غیر شرعی شادی کی رسوم کو جاری رکھیں یا محض نمائش کے لیے آسان اور مسنون نکاح کریں اور درپردہ اسی رائج الوقت رسومات اور فضول خرچی سے بھرپور شادی کو جاری رکھیں، ان کا سخت بائیکاٹ کیا جائے۔ ایسے لوگوں کی مجلس نکاح میں شرکت کرنا اور راہ و رسم رکھنا ایسا ہی ہوگا جیسے ”مسجد ضرار“ میں نماز پڑھنا۔ فتنہ دجال اکبر کے مقابلے اور جنسی بے راہ روی کے خاتمے کے لیے لازمی ہے کہ شرعی طور پر سنت نکاح کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے اور یہ اسی وقت ہوگا جب عقد نکاح کی تقریب کو رسومات، منکرات اور لغویات سے پاک کیا جائے۔ اس کے نتیجے میں بیہودہ رسموں کا خاتمہ ہوگا، نکاح پر کم سے کم خرچ ہوگا، حرام جنسی ملاپ کا سد باب ہوگا اور مسنون نکاح کے عمل کو زندہ کرنے سے پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے گا۔

فتنہ دجال اکبر کے مقابلے کے لیے لازمی ہے کہ اہل ایمان خالص اور مخلص بنیں۔ حلال نسب اور حلال رزق کے علاوہ کسی چیز کو رواج نہ پانے دیں اور روئے ارض پر برسرِ پیکار دجالی افواج کے مقابلے میں اللہ کا سپاہی بننے کی تیاری کریں۔

(دجال، کون؟ کہاں؟ کب؟ ص 230)

ایک نو مسلم خاتون کا انٹرویو:

امریکہ و جاپان کے معروف آرٹسٹ ”آئیوا بجیما“ کی نو مسلم بیٹی ”فاطمہ“ سابقہ ”حانا کو ابجیما“ سے لیے گئے ایک انٹرویو میں پوچھے گئے چند سوالات اور ان کے جوابات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں، جو عبرت و نصیحت آموز ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان افروز بھی ہیں۔

(1) جاپان اور مغربی معاشرے کی عورت کن مسائل کا شکار ہے؟

جاپانی اور مغربی عورت کے بے شمار مسائل ہیں۔ عورت کھلونا بنادی گئی ہے، مرد اپنی خواہش کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہے۔ گھر اور سوسائٹی منہدم ہو رہی ہے۔ اس کے نتیجے میں عورتوں میں شادی نہ کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ شادی کی خواہاں عورتوں میں بے شمار مسائل کے باعث شادی کی عمر کا وقت گزر جاتا ہے۔ ناقابل یقین حد تک مغربی عورت ذہنی دباؤ اور پریشانیوں کا شکار ہے۔ شادی شدہ گھرانوں میں بھی زنا کار رجحان بڑھتا چلا جا رہا ہے، مہذب اور پڑھی لکھی فیملیز بھی اس کا شکار ہیں۔ اس کے باعث میاں بیوی میں ایک دوسرے پر عدم اعتماد پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے مغربی عورت تحفظ اور سکون سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب اس کا گھر انڈوٹ جائے گا۔ چونکہ میاں بیوی میں تعلقات ٹھیک نہیں ہوتے اس لیے سکون کے لیے ایسے راستے

اختیار کرتے ہیں جو غلط ہوتے ہیں، مثلاً: شراب پی جاتی ہے۔ چونکہ ماحول شراب نوشی کا ہے، اس لیے جو نہیں پیتے انہیں بھی بڑی مشکلات پیش آتی ہیں، لوگ تعجب سے ان کی طرف دیکھتے ہیں۔ شراب نہ پینے والی ملازم عورت پریشان رہتی ہے کہ اگر وہ نہیں پیے گی تو Boss ناراض ہو کر ڈانسنے لگا۔ مرد و عورت ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں، بہت زیادہ ذہنی دباؤ ہوتا ہے، عورتوں سے فحش اور گندے مزاق کیے جاتے ہیں۔ مسلمان ان میں نہیں پڑتے اسی لیے میں مسلمانوں سے متاثر ہوئی۔

(2) آزادی نسوان کی جو مختلف تحریکیں چل رہی ہیں، اس حوالے سے آپ کے کیا خیالات ہیں؟

ایسی تحریکیں میں حصہ لینے والی خواتین ذہنی دباؤ اور پریشانیوں کا شکار ہوتی ہیں۔ ان پر ہر وقت لڑائی کی کیفیت طاری رہتی ہے اور وہ بے سکون ہوتی ہیں۔ میرے خیال میں اسلامی تعلیمات سے ایک عورت کو تمام تحفظات اور سکون کا آسان راستہ دکھائی ہیں۔ غیر مسلم سوسائٹی میں ہر عورت کو یہ فکر ہوتی ہے کہ مرد اسے کس نظر سے دیکھتا ہے؟ اسی لیے وہ ہر وقت بنے سنورنے میں لگی رہتی ہے۔ مغربی تہذیب (خواہ یہ مشرقی ممالک میں بھی ہو) میں عورت کو ایک کھلونا سمجھا جاتا ہے، اس لیے اس تہذیب کی علم بردار عورتیں مردوں کو خوش کرنے کے لیے فیشن کرتی ہیں۔ میں خود ایسی ہی سوسائٹی میں پلی بڑھی ہوں، میں نے سب کچھ دیکھا ہے اور اس تہذیب کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ جو عورتیں آزادی نسوان کا نعرہ لگا کر مرد بننے کی خواہاں ہیں، وہ عورت کی شناخت کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔ ایسی عورتوں کو کبھی سکون نہیں ملتا اور ہر وقت بے سکون رہتی ہیں۔ عورت کو حجاب میں چھپانا اس کی قدر و منزلت کا اعتراف ہے۔ باحجاب عورت قابل احترام سمجھی جاتی ہے۔

(3) حجاب کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے، آپ کیا سمجھتی ہیں؟

یہ مغرب کی سوچ ہے۔ میرے خیال میں سوچنے کا یہ انداز ہی غلط ہے۔ میں نے تو حجاب کو کسی قسم کی رکاوٹ محسوس نہیں کیا۔

(4) کیا خواتین کے حوالے سے اسلام کے خلاف مشرق و مغرب کے میڈیا کی پروپیگنڈہ مہم نے آپ پر کوئی منفی اثرات نہ ڈالے؟ مثلاً: وراثت اور گواہی میں خواتین کا نصف حصہ، مسلم معاشروں میں خواتین پر گھریلو تشدد، تعددِ ازواج یعنی چار شادیوں کا مسئلہ وغیرہ کے حوالے سے کیا جانے والا پروپیگنڈہ.....

مجھے احساس تھا کہ یہ سارا من گھڑت پروپیگنڈہ ہے۔ میرا امریکہ سے کافی تعلق رہا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ مغربی ذرائع ابلاغ صرف اسلام ہی نہیں، دوسروں کے خلاف بھی من گھڑت پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ اس پروپیگنڈے کو اسی زاویے سے دیکھا ہے، اس لیے اس کا میں نے کوئی اثر نہیں لیا۔ جہاں تک تعددِ ازواج اور نصف وراثت کا تعلق ہے، میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام خواتین کے خلاف نہیں، ان میں خواتین ہی کی بھلائی ہے۔ میں اسلامی احکام پر مطمئن ہوں۔ جو مرد تعددِ ازواج کی اجازت سے استفادہ کرتے ہوئے اجازت سے متعلق شرائط پر منصفانہ عمل نہیں کرتے اور خواتین کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے، اسلامی تعلیمات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر میرا خاوند اسلامی شرائط کو پورا کرتے ہوئے دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

(5) ایک مسلم سوسائٹی کا فیملی سسٹم آپ کو کیسا لگا؟

مسلم سوسائٹی کے فیملی سسٹم میں ایک دوسرے کے لیے عزت و احترام پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کا خیال رکھا جاتا ہے۔

کیا جائے۔ حرام جنس اور حرام تولید سے فتنہ و جال اکبر کے زمانے میں فرد اور معاشرے کو بچانا تقریباً محال ہوتا جائے گا۔ اس سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ حلال جنس اور حلال تولید کی صورتوں اور سہولتوں کو آسان سے آسان تر بنانا اور زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا۔ اس کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں جن کو صالح مرد اور خواتین کو زیادہ سے زیادہ قبول اور رائج کرنا ہوگا:

☆ بالغ ہونے کے بعد مردوں اور عورتوں کی شادی میں دیر نہ کرنا۔

☆ بیوگان و مطلقہ خواتین کی فوراً شادی۔

☆ مردوں اور عورتوں کی شادی کو خرچ کے اعتبار سے آسان تر بنانا اور ہر طرح کی معاشرتی پابندیوں کا خاتمہ کرنا۔

☆ معاشرے میں آسان نکاح کی ہمت افزائی کرنا اور مشکل نکاح سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا حتیٰ کہ اس کا بائیکاٹ کرنا۔

جو لوگ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رائج غیر شرعی شادی کی رسوم کو جاری رکھیں یا محض نمائش کے لیے آسان اور مسنون نکاح کریں اور درپردہ اسی رائج الوقت رسومات اور فضول خرچی سے بھرپور شادی کو جاری رکھیں، ان کا سخت بائیکاٹ کیا جائے۔ ایسے لوگوں کی مجلس نکاح میں شرکت کرنا اور راہ و رسم رکھنا ایسا ہی ہوگا جیسے ”مسجد ضرا“ میں نماز پڑھنا۔ فتنہ و جال اکبر کے مقابلے اور جنسی بے راہ روی کے خاتمے کے لیے لازمی ہے کہ شرعی طور پر سنت نکاح کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے اور یہی اسی وقت ہوگا جب عقد نکاح کی تقریب کو رسومات، منکرات اور لغویات سے پاک کیا جائے۔ اس کے نتیجے میں یہودہ رسوں کا خاتمہ ہوگا، نکاح پر کم سے کم خرچ ہوگا، حرام جنسی ملاپ کا سد باب ہوگا اور مسنون نکاح کے عمل کو زندہ کرنے سے پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے گا۔

فتنہ و جال اکبر کے مقابلے کے لیے لازمی ہے کہ اہل ایمان خالص اور مخلص بنیں۔ حلال نسب اور حلال رزق کے علاوہ کسی چیز کو رواج نہ پانے دیں اور روئے ارض پر برسرِ پیکار دجالی افواج کے مقابلے میں اللہ کا سپاہی بننے کی تیاری کریں۔

(دجال، کون؟ کہاں؟ کب؟ ص 230)

ایک نو مسلم خاتون کا انٹرویو:

امریکہ و جاپان کے معروف آرٹسٹ ”آئیو ایجیما“ کی نو مسلم بیٹی ”فاطمہ“ سابقہ ”حانا کو ایجیما“ سے لیے گئے ایک انٹرویو میں پوچھے گئے چند سوالات اور ان کے جوابات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں، جو عبرت و نصیحت آموز ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان افروز بھی ہیں۔

(1) جاپان اور مغربی معاشرے کی عورت کن مسائل کا شکار ہے؟

جاپانی اور مغربی عورت کے بے شمار مسائل ہیں۔ عورت کھلونا بنادی گئی ہے، مرد اپنی خواہش کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہے۔ گھر اور سوسائٹی منہدم ہو رہی ہے۔ اس کے نتیجے میں عورتوں میں شادی نہ کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ شادی کی خواہاں عورتوں میں بے شمار مسائل کے باعث شادی کی عمر کا وقت گزر جاتا ہے۔ ناقابل یقین حد تک مغربی عورت ذہنی دباؤ اور پریشانیوں کا شکار ہے۔ شادی شدہ گھرانوں میں بھی زنا کار رجحان بڑھتا چلا جا رہا ہے، مہذب اور پڑھی لکھی فیملیز بھی اس کا شکار ہیں۔ اس کے باعث میاں بیوی میں ایک دوسرے پر عدم اعتماد پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے مغربی عورت تحفظ اور سکون سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب اس کا گھر انڈوٹ جائے گا۔ چونکہ میاں بیوی میں تعلقات ٹھیک نہیں ہوتے اس لیے سکون کے لیے ایسے راستے

سب کا دل ایک ہوتا ہے۔ جاپانی اور مغربی فیملی سسٹم مختلف ہے، وہاں دوسری جنریشن کے آتے ہی پہلی جنریشن (یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا نانی وغیرہ) کی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ امریکہ، یورپ اور جاپان کا سب سے اہم مسئلہ فیملی سسٹم کا منہدم ہو جانا ہی تو ہے۔ لوگ اکیلے اکیلے اور پریشان رہتے ہیں، خاص طور پر بوڑھوں کی زندگی تو بڑی اذیت ناک ہوتی ہے۔ ایک مسلم سوسائٹی میں بوڑھے بزرگ کہلاتے ہیں اور قابلِ احترام ہوتے ہیں۔

(6) پاکستانی معاشرے کو آپ نے کیسا پایا؟

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے پڑھا لکھا، دین دار اور اچھا سسرالی گھرانہ ملا ہے، ماحول بہت اچھا ہے۔ عزت و احترام اور محبت سب کچھ ہے۔ ہاں! جب بازار وغیرہ کو دیکھتی ہوں تو دکھ ہوتا ہے کہ لوگ مغربی ڈگر پر چل رہے ہیں۔

(7) مسلم خواتین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

میں نے مسلم اور غیر مسلم دونوں سوسائٹیاں دیکھی ہیں۔ جاپان اور مغربی سوسائٹی میں پڑھی ہوں۔ انسانی بھلائی کا اسلام ہی واحد راستہ اور دین ہے۔ جن عورتوں نے مغربی معاشرے کو اندر سے دیکھا ہے وہ کسی صورت بھی اس کا تجربہ کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتیں۔ میں مسلمان خواتین سے یہی کہوں گی کہ وہ مسلم معاشرے کو مغربی بنانے کا کبھی نہ سوچیں۔ اسلام ایک نعمت ہے، اس پر عمل کریں، اس سے استفادہ کریں، اسی میں آپ کی بہتری اور نجات ہے۔ امریکی سوسائٹی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہاں سب لوگ ذہنی مریض ہیں۔ اس سوسائٹی میں مسلمان منفرد نظر آئے اور مجھے اسلام میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ مسلمان خواتین اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے معاشرے کو بہتر بنائیں، اسے مغربی رنگ میں رنگنے کی کوشش نہ کریں۔ (ماہنامہ ضیائے آفاق، لاہور، خواتین کا اسلام

شمارہ: 365-366)



حرفِ آخر

تعددِ ازواج وہ اذنِ رحمانی و حکمِ ربانی ہے جس میں انسان کے لیے سراسر مہربانی و آسانی ہے، لیکن انسان جب مہر و کرم کے دروازے از خود اپنے لیے بند کر دے تو پھر اسے کوئی نہیں کھول سکتا اور یہ معاملہ صرف تعددِ ازواج کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ تمام احکاماتِ الہی کی غرض و غایت صرف اور صرف انسانی بھلائی و خیر خواہی ہے، جو خواب و حقیقت کے جہانوں کی فوز و فلاح کے لیے کافی و شافی ہیں۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت کا کوئی بھی حکم حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، لیکن عمل کیے بغیر اس کی حکمت و مصلحت کھلتی بھی نہیں، کوئی بھی حکم بظاہر کتنا ہی دشوار و ناگوار ہو، عمل کے بعد جب انسان اس کی حکمت و مصلحت کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو اس کا سر تسلیم خم ہو جاتا ہے۔ ایمان و اسلام کا مطالبہ و تقاضہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کے آگے اپنی انا کے سر کو جھکایا جائے اور اُس کے فیصلوں کے سامنے ذاتی آراء کو بے حیثیت و بے بنیاد سمجھا جائے، کیونکہ احکاماتِ خداوندی کی حکمت و مصلحت لامحدود ہے، جبکہ انسانی عقل و فہم محدود ہے اور حقیقت شناسی کے لیے ہدایاتِ آسمانی کی محتاج ہے۔

قرآنی آیات و احادیث کی تشریحات و تشریحات، صحابہ کرام کے احوال و اقوال، علماء و صلحاء کے کلمات و تاثرات اور عوم و خواص کی طرف سے اس پر کیے جانے والے اعتراضات کے عقلی و شرعی دلائل پر موقوف جوابات کی روشنی میں تعددِ ازواج کی حقیقت و فضیلت کو سمجھ لینے کے بعد، زمانے کی گردش اور اس کے تغیر کے نتیجے میں پیش آنے والے حالات و واقعات اور اس کی طویل مخالفت اور مسلسل حوصلہ شکنی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل و مصائب کو جان لینے کے بعد اور موجودہ دور میں اس کی ضرورت و اہمیت کے بڑھ جانے کے بعد اب ضروری ہے کہ حقائق سے منہ موڑنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حکموں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں دائمی فلاح و نجات کا پکا و سچا یقین رکھتے ہوئے تعددِ ازواج کو اپنایا جائے، اس کو ایک معیوب و متروک عمل کے بجائے ایک احسن و افضل عمل کی حیثیت سے رائج کیا جائے اور معاشرے میں اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کے حصول و ظہور کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔ تعددِ ازواج پر جاری اجتماعی ظلم و زیادتی کی وجہ سے معاشرے کی لاکھوں بیوہ و مطلقہ اور کنواری عورتوں پر ہونے والے جو روستم کے سلسلے کو ختم کیا جائے، اس کی شدید مخالفت اور حوصلہ شکنی کی وجہ سے شادی شدہ اور کنوارے مردوں کے لیے کھلنے والے ناجائز و حرام راستوں کو بند کیا جائے اور بڑھتی ہوئی جنسی بے راہ روی پر قابو پانے کے لیے جنسی تسکین کے فطری نظام کو نافذ العمل بنایا جائے۔

موجودہ معاشرتی حالات میں ایک طرف شادی کے قابل عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت اور دوسری طرف شادی میں حائل رکاوٹوں، بناوٹوں اور بندشوں کی وجہ سے ”شادی کا مسئلہ“ ایک سنگین صورتحال اختیار کر چکا ہے، جس میں اہمیت و نزاکت کے اعتبار سے لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ زیادہ فکر و توجہ کے قابل بن چکا ہے، کیونکہ لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کا بغیر شادی

سب کا دل ایک ہوتا ہے۔ جاپانی اور مغربی فیملی سسٹم مختلف ہے، وہاں دوسری جنریشن کے آتے ہی پہلی جنریشن (یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانائانی وغیرہ) کی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ امریکہ، یورپ اور جاپان کا سب سے اہم مسئلہ فیملی سسٹم کا منہدم ہو جانا ہی تو ہے۔ لوگ اکیلے اکیلے اور پریشان رہتے ہیں، خاص طور پر بوڑھوں کی زندگی تو بڑی اذیت ناک ہوتی ہے۔ ایک مسلم سوسائٹی میں بوڑھے بزرگ کہلاتے ہیں اور قابل احترام ہوتے ہیں۔

(6) پاکستانی معاشرے کو آپ نے کیسا پایا؟

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے پڑھا لکھا، دین دار اور اچھا سسرالی گھرانہ ملا ہے، ماحول بہت اچھا ہے۔ عزت و احترام اور محبت سب کچھ ہے۔ ہاں! جب بازار وغیرہ کو دیکھتی ہوں تو دکھ ہوتا ہے کہ لوگ مغربی ڈگر پر چل رہے ہیں۔

(7) مسلم خواتین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

میں نے مسلم اور غیر مسلم دونوں سوسائٹیاں دیکھی ہیں۔ جاپان اور مغربی سوسائٹی میں پڑھی ہوں۔ انسانی بھلائی کا اسلام ہی واحد راستہ اور دین ہے۔ جن عورتوں نے مغربی معاشرے کو اندر سے دیکھا ہے وہ کسی صورت بھی اس کا تجربہ کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتیں۔ میں مسلمان خواتین سے یہی کہوں گی کہ وہ مسلم معاشرے کو مغربی بنانے کا کبھی نہ سوچیں۔ اسلام ایک نعمت ہے، اس پر عمل کریں، اس سے استفادہ کریں، اسی میں آپ کی بہتری اور نجات ہے۔ امریکی سوسائٹی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہاں سب لوگ ذہنی مریض ہیں۔ اس سوسائٹی میں مسلمان منفرد نظر آئے اور مجھے اسلام میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ مسلمان خواتین اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے معاشرے کو بہتر بنائیں، اسے مغربی رنگ میں رنگنے کی کوشش نہ کریں۔ (ماہنامہ ضیائے آفاق، لاہور، خواتین کا اسلام

شمارہ: 365-366)



حرف آخر

تعددِ ازواج وہ اذنِ رحمانی و حکمِ ربانی ہے جس میں انسان کے لیے سراسر مہربانی و آسانی ہے، لیکن انسان جب مہر و کرم کے دروازے از خود اپنے لیے بند کر دے تو پھر اسے کوئی نہیں کھول سکتا اور یہ معاملہ صرف تعددِ ازواج کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ تمام احکاماتِ الہی کی غرض و غایت صرف اور صرف انسانی بھلائی و خیر خواہی ہے، جو خواب و حقیقت کے جہانوں کی فوز و فلاح کے لیے کافی و شافی ہیں۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت کا کوئی بھی حکم حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، لیکن عمل کیے بغیر اس کی حکمت و مصلحت کھلتی بھی نہیں، کوئی بھی حکم بظاہر کتنا ہی دشوار و ناگوار ہو، عمل کے بعد جب انسان اس کی حکمت و مصلحت کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو اس کا سر تسلیم خم ہو جاتا ہے۔ ایمان و اسلام کا مطالبہ و تقاضہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کے آگے اپنی انا کے سر کو جھکایا جائے اور اُس کے فیصلوں کے سامنے ذاتی آراء کو بے حیثیت و بے بنیاد سمجھا جائے، کیونکہ احکاماتِ خداوندی کی حکمت و مصلحت لامحدود ہے، جبکہ انسانی عقل و فہم محدود ہے اور حقیقت شناسی کے لیے ہدایاتِ آسمانی کی محتاج ہے۔

قرآنی آیات و احادیث کی تشریحات و تشریحات، صحابہ کرام کے احوال و اقوال، علماء و صلحاء کے کلمات و تاثرات اور عوم و خواص کی طرف سے اس پر کیے جانے والے اعتراضات کے عقلی و شرعی دلائل پر موقوف جوابات کی روشنی میں تعددِ ازواج کی حقیقت و فضیلت کو سمجھ لینے کے بعد، زمانے کی گردش اور اس کے تغیر کے نتیجے میں پیش آنے والے حالات و واقعات اور اس کی طویل مخالفت اور مسلسل حوصلہ شکنی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل و مصائب کو جان لینے کے بعد اور موجودہ دور میں اس کی ضرورت و اہمیت کے بڑھ جانے کے بعد اب ضروری ہے کہ حقائق سے منہ موڑنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حکموں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں دائمی فلاح و نجات کا پکا و سچا یقین رکھتے ہوئے تعددِ ازواج کو اپنایا جائے، اس کو ایک معیوب و متروک عمل کے بجائے ایک احسن و افضل عمل کی حیثیت سے رائج کیا جائے اور معاشرے میں اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کے حصول و ظہور کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔ تعددِ ازواج پر جاری اجتماعی ظلم و زیادتی کی وجہ سے معاشرے کی لاکھوں بیوہ و مطلقہ اور کنواری عورتوں پر ہونے والے جور و ستم کے سلسلے کو ختم کیا جائے، اس کی شدید مخالفت اور حوصلہ شکنی کی وجہ سے شادی شدہ اور کنوارے مردوں کے لیے کھلنے والے ناجائز و حرام راستوں کو بند کیا جائے اور بڑھتی ہوئی جنسی بے راہ روی پر قابو پانے کے لیے جنسی تسکین کے فطری نظام کو نافذ العمل بنایا جائے۔

موجودہ معاشرتی حالات میں ایک طرف شادی کے قابل عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت اور دوسری طرف شادی میں حائل رکاوٹوں، بناوٹوں اور بندشوں کی وجہ سے ”شادی کا مسئلہ“ ایک سنگین صورتحال اختیار کر چکا ہے، جس میں اہمیت و نزاکت کے اعتبار سے لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ زیادہ فکر و توجہ کے قابل بن چکا ہے، کیونکہ لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کا بغیر شادی

کے رہنا زیادہ مسائل و فتن کا باعث بنتا ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ دین دار گھرانے ہوں یا دین دور گھرانے، اس وقت رشتوں کے مسائل سب کو درپیش ہیں، مگر ایک خالص دین دار گھرانے کی اہم ترین ضرورت اور اولین ترجیح یہی ہوتی ہے کہ اس کی باحیاء و باپردہ بیٹی کو ایک ایسے حقیقی مردِ مؤمن کا رشتہ ملے جو اس کے ایمان و اعمال کا محافظ بن سکے، کیونکہ ایسی لڑکی جو دینی معاملات میں بہت سنجیدہ ہو اور اس کو کسی ایسے لڑکے کے ساتھ جوڑ دیا جائے جو دینی معاملات میں بالکل سنجیدہ نہ ہو تو اس بیچاری کے لیے اپنا شرعی پردہ قائم رکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح دین دار لڑکیوں کے لیے دین دار رشتوں کا حصول ایک اور بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ پھر دین دار گھرانوں میں بھی کچھ ایسے دنیاوی خیالات و رجحانات پیدا ہو گئے ہیں کہ دین داری کا مسئلہ ان کے ہاں ایک ثانوی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر والے دین دار نہیں ہوتے، مگر لڑکے دین دار ہوتے ہیں اور جب وہ اپنے گھر والوں کے سامنے دین دار لڑکیوں سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی بھرپور حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں بہت سے ایسے لڑکے جو ظاہری طور پر تو دین دار ہوتے ہیں، مگر کم ہمتی کی وجہ سے ایسی لڑکیوں کو سہارا دینے سے محروم ہو جاتے ہیں جن کو ان کے سہارے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اکثر لوگ ذات پات کو بھی دیکھتے ہیں اور خاندان سے باہر رشتہ کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس طرح بہت سی دین دار لڑکیاں صرف دین دار رشتے نہ ملنے کی وجہ سے نکاح سے محروم رہ جاتی ہیں اور گھر والوں کے لیے فکر و پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔

اس کے برعکس دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ کبھی کوئی صحابی اپنی کنواری بیٹیوں کے رشتوں کے لیے پریشان ہوا ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دعا یا دوا کی درخواست لے کر آیا ہو۔ عورتوں کے مقابلے میں اتنی کثرت سے مردوں کے شہید ہونے کے باوجود ایک ایک وقت میں ہزاروں کی تعداد میں بیوہ ہو جانے والی عورتوں کی شادی اور ان کی کفالت وغیرہ کا مسئلہ کبھی کھڑا نہ ہوا۔ غزوہ موتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں صحابہ کو خبر دی کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو چکے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ جاؤ اور ان کے اہل کو ان کی شہادت کی اطلاع دے آؤ، صحابی گئے اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار بیویوں کو شہادت کی اطلاع پہنچا کر آ گئے، مگر کسی بھی روایت سے ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بیوگان کے رشتوں کے سلسلے میں پریشان ہوئے ہوں اور ان کے لیے خصوصی دعائیں مانگی گئی ہوں۔ جبکہ آج کسی بھی بزرگ کے پاس بچیوں کی شادی کے سلسلے میں دعاؤں، وظیفوں اور تعویذوں کی درخواستیں کچھ کم نہیں آتیں اور یہ درخواستیں صرف کنواری بچیوں کی شادیوں کے لیے آتی ہیں، بیوہ و مطلقہ عورتوں کے نکاح کی کوشش اور جستجو تو ایک لا حاصل اور فضول ترین کام بن چکا ہے، جس سے کنارہ کشی میں ہی عافیت سمجھی جا رہی ہے۔

ایک مرتبہ مصر سے شیخ عبدالفتاح ابو غندہ رحمہ اللہ تعالیٰ پاکستان تشریف لائے، بیان کے بعد کسی شخص نے آپ کو پرچی دی کہ: ”بیٹیاں ہیں، مناسب رشتوں کے لیے دعا فرمادیں“۔ اس پر شیخ بہت حیران ہوئے، آپ کا تعلق چونکہ عرب ممالک سے تھا تو آپ نے پہلی مرتبہ اس قسم کی دعا کی درخواست سنی تھی، تعجب سے فرمانے لگے: ”لڑکیوں کے رشتوں کے لیے کیسی مشکل اور اس بارے میں دعا کی کیسی ضرورت۔۔۔؟“ (ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت کیوں؟ ص: 230، ناشر: بیت السلام، کراچی)

ان تمام مسائل و مصائب کی بنیادی وجہ صرف اور صرف ”یک زوجگی“ ایک بیوی پر اکتفاء کرنے والا نظام ہے اور اس کا صحیح

حل صرف اور صرف ”تعددِ ازواج“ ایک سے زیادہ بیویوں والے نظام ہی سے ممکن ہے، کیونکہ مذکورہ صورتحال میں اگر ہر عورت کو شادی کے لیے ایک مرد مل بھی جائے، جو کہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے، تو باقی عورتیں جو مردوں سے زیادہ ہیں، وہ کہاں جائیں گی اور ان کا مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ نظام یک زوجگی کی نحوست سے کیا وہ ہمیشہ کے لیے محروم و مایوس ہو کر گھروں میں بے نکاحی بیٹھی رہیں گی یا گھروں سے باہر نکل کر شہوانی بھوکوں اور پیاسوں کی حرص و ہوس کا نشانہ بنیں گی؟ اس سوال کا جواب ہر ایک کے ذمے ہے اور کسی بھی قسم کی کوتاہی کی وجہ سے ہر ایک خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

سعودی عرب کے ایک جلیل القدر بزرگ اور بڑے مفتی عبداللہ بن عبد الرحمن بن جبرین حفظہ اللہ تعالیٰ سے چچینا کے کسی فرد نے تعددِ ازواج کے بارے میں سوال کیا کہ چچینا میں بہت سی بیوہ خواتین ایسی ہیں جن کے شوہر جہاد یا مختلف حادثات میں مر گئے ہیں اور اب تک یہ خواتین نکاح نہ کر سکی ہیں، اس لیے کہ یہاں متعدد شادیاں ممنوع ہیں اور ایک عورت کسی ایسے مرد سے نکاح نہیں کرتی جس کی پہلے سے بیوی موجود ہو، ان حالات میں کیا حکم ہے؟ اس سوال کے جواب میں شیخ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے مرد کو عدل کی شرط کے ساتھ چار شادیوں تک کی اجازت دی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: پس نکاح کرو تم ان عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں، دو دو سے، تین تین سے، چار چار سے۔۔۔ اور صحابہ کرام بھی بیک وقت متعدد عورتوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے، عورت کے لیے بھی ساری عمر بغیر شوہر کے زندگی گزارنے سے یہی بہتر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عورتوں کے نکاح کے بند و بست کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔۔۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کو جب طلاق ہو جائے یا اس کا شوہر مر جائے اور یوں یہ عورت شوہر کے بغیر رہ جائے تو اسے اس بیوگی کی زندگی پر تکلیف ہوتی ہے اور ایسی عورت کو فتنے اور فحاشی کا شکار ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، نیز یہ عورت نان نفقہ، لباس اور رہائش کی محتاج ہوتی ہے۔ لہذا اس کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ یہ نکاح کرے، اگرچہ کسی ایسے مرد کے ساتھ ہی سہی جس کے پاس پہلے سے ایک یا دو بیویاں موجود ہوں، تاکہ اس نکاح کے ذریعے یہ عورت پاک دامنی، مالی کفالت اور لباس و پوشاک حاصل کر سکے اور اس امید پر بھی کہ شاید اللہ اسے اس نکاح کے بعد نیک و صالح اولاد عطا فرما دے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی عورتوں کو نکاح سے محروم رکھنا ان عورتوں پر ظلم اور ان کے نقصان کا سبب ہے۔

اسی طرح ایسی عورتوں کو کسی ایسے شخص سے نکاح نہ کرنے دینا کہ جس کی پہلے سے ایک یا دو بیویاں ہوں تو اس اقدام میں بھی ایسی عورتوں کا نقصان ہے، جبکہ یہ اقدام خدا کی مقرر کردہ اس حد کے بھی مخالف ہے جس حد تک خدا نے مرد کو نکاح کی اجازت دی ہے اور متعدد شادیوں سے روکنے کا یہ اقدام معاشرے میں ایسی بیوہ اور بوڑھی ہو جانے والی کنواری عورتوں کی کثرت کا سبب ہے جن کی پہلی مرتبہ شادی نہ ہو سکی یا شوہر کے انتقال یا طلاق کے بعد دوبارہ شادی نہ ہو سکی اور یہ بات بے حیائی اور حرام کاری کے پھیلنے کا سبب ہے، جیسا کہ وہ ممالک جہاں متعدد شادیوں پر پابندی ہے، ان میں اس کا مشاہدہ بھی ہو رہا ہے۔ پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اسے حرام نہ سمجھیں اور جس کو خدا نے حرام قرار دیا اسے حلال قرار نہ دیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کر کے سچے مسلمان کہلا سکیں۔

کے رہنا زیادہ مسائل و فتن کا باعث بنتا ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ دین دار گھرانے ہوں یا دین دور گھرانے، اس وقت رشتوں کے مسائل سب کو درپیش ہیں، مگر ایک خالص دین دار گھرانے کی اہم ترین ضرورت اور اولین ترجیح یہی ہوتی ہے کہ اس کی باحیاء و باپردہ بیٹی کو ایک ایسے حقیقی مردِ مؤمن کا رشتہ ملے جو اس کے ایمان و اعمال کا محافظ بن سکے، کیونکہ ایسی لڑکی جو دینی معاملات میں بہت سنجیدہ ہو اور اس کو کسی ایسے لڑکے کے ساتھ جوڑ دیا جائے جو دینی معاملات میں بالکل سنجیدہ نہ ہو تو اس بیچاری کے لیے اپنا شرعی پردہ قائم رکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح دین دار لڑکیوں کے لیے دین دار رشتوں کا حصول ایک اور بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ پھر دین دار گھرانوں میں بھی کچھ ایسے دنیاوی خیالات و رجحانات پیدا ہو گئے ہیں کہ دین داری کا مسئلہ ان کے ہاں ایک ثانوی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر والے دین دار نہیں ہوتے، مگر لڑکے دین دار ہوتے ہیں اور جب وہ اپنے گھر والوں کے سامنے دین دار لڑکیوں سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی بھرپور حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں بہت سے ایسے لڑکے جو ظاہری طور پر تو دین دار ہوتے ہیں، مگر کم ہمتی کی وجہ سے ایسی لڑکیوں کو سہارا دینے سے محروم ہو جاتے ہیں جن کو ان کے سہارے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اکثر لوگ ذات پات کو بھی دیکھتے ہیں اور خاندان سے باہر رشتہ کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس طرح بہت سی دین دار لڑکیاں صرف دین دار رشتے نہ ملنے کی وجہ سے نکاح سے محروم رہ جاتی ہیں اور گھر والوں کے لیے فکر و پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔

اس کے برعکس دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ کبھی کوئی صحابی اپنی کنواری بیٹیوں کے رشتوں کے لیے پریشان ہوا ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دعایا دو کی درخواست لے کر آیا ہو۔ عورتوں کے مقابلے میں اتنی کثرت سے مردوں کے شہید ہونے کے باوجود ایک ایک وقت میں ہزاروں کی تعداد میں بیوہ ہو جانے والی عورتوں کی شادی اور ان کی کفالت وغیرہ کا مسئلہ کبھی کھڑا نہ ہوا۔ غزوہ موتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں صحابہ کو خبر دی کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو چکے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ جاؤ اور ان کے اہل کو ان کی شہادت کی اطلاع دے آؤ، صحابی گئے اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار بیویوں کو شہادت کی اطلاع پہنچا کر آ گئے، مگر کسی بھی روایت سے ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بیوگان کے رشتوں کے سلسلے میں پریشان ہوئے ہوں اور ان کے لیے خصوصی دعائیں مانگی گئی ہوں۔ جبکہ آج کسی بھی بزرگ کے پاس بچیوں کی شادی کے سلسلے میں دعاؤں، وظیفوں اور تعویذوں کی درخواستیں کچھ کم نہیں آتیں اور یہ درخواستیں صرف کنواری بچیوں کی شادیوں کے لیے آتی ہیں، بیوہ و مطلقہ عورتوں کے نکاح کی کوشش اور جستجو تو ایک لا حاصل اور فضول ترین کام بن چکا ہے، جس سے کنارہ کشی میں ہی عافیت سمجھی جا رہی ہے۔

ایک مرتبہ مصر سے شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ تعالیٰ پاکستان تشریف لائے، بیان کے بعد کسی شخص نے آپ کو پرچی دی کہ: ”بیٹیاں ہیں، مناسب رشتوں کے لیے دعا فرمادیں“۔ اس پر شیخ بہت حیران ہوئے، آپ کا تعلق چونکہ عرب ممالک سے تھا تو آپ نے پہلی مرتبہ اس قسم کی دعا کی درخواست سنی تھی، تعجب سے فرمانے لگے: ”لڑکیوں کے رشتوں کے لیے کیسی مشکل اور اس بارے میں دعا کی کیسی ضرورت۔۔۔؟“ (ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت کیوں؟ ص: 230، ناشر: بیت السلام، کراچی)

ان تمام مسائل و مصائب کی بنیادی وجہ صرف اور صرف ”یک زوجگی“ ایک بیوی پر اکتفاء کرنے والا نظام ہے اور اس کا صحیح

حل صرف اور صرف ”تعددِ ازواج“ ایک سے زیادہ بیویوں والے نظام ہی سے ممکن ہے، کیونکہ مذکورہ صورتحال میں اگر ہر عورت کو شادی کے لیے ایک مرد مل بھی جائے، جو کہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے، تو باقی عورتیں جو مردوں سے زیادہ ہیں، وہ کہاں جائیں گی اور ان کا مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ نظام یک زوجگی کی نحوست سے کیا وہ ہمیشہ کے لیے محروم و مایوس ہو کر گھروں میں بے نکاحی بیٹھی رہیں گی یا گھروں سے باہر نکل کر شہوانی بھوکوں اور پیاسوں کی حرص و ہوس کا نشانہ بنیں گی؟ اس سوال کا جواب ہر ایک کے ذمے ہے اور کسی بھی قسم کی کوتاہی کی وجہ سے ہر ایک خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

سعودی عرب کے ایک جلیل القدر بزرگ اور بڑے مفتی عبداللہ بن عبد الرحمن بن جبرین حفظہ اللہ تعالیٰ سے چچینا کے کسی فرد نے تعددِ ازواج کے بارے میں سوال کیا کہ چچینا میں بہت سی بیوہ خواتین ایسی ہیں جن کے شوہر جہاد یا مختلف حادثات میں مر گئے ہیں اور اب تک یہ خواتین نکاح نہ کر سکی ہیں، اس لیے کہ یہاں متعدد شادیاں ممنوع ہیں اور ایک عورت کسی ایسے مرد سے نکاح نہیں کرتی جس کی پہلے سے بیوی موجود ہو، ان حالات میں کیا حکم ہے؟ اس سوال کے جواب میں شیخ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے مرد کو عدل کی شرط کے ساتھ چار شادیوں تک کی اجازت دی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: پس نکاح کرو تم ان عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں، دو دو سے، تین تین سے، چار چار سے۔۔۔ اور صحابہ کرام بھی بیک وقت متعدد عورتوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے، عورت کے لیے بھی ساری عمر بغیر شوہر کے زندگی گزارنے سے یہی بہتر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عورتوں کے نکاح کے بند و بست کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔۔۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کو جب طلاق ہو جائے یا اس کا شوہر مر جائے اور یوں یہ عورت شوہر کے بغیر رہ جائے تو اسے اس بیوگی کی زندگی پر تکلیف ہوتی ہے اور ایسی عورت کو فتنے اور فحاشی کا شکار ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، نیز یہ عورت نان نفقہ، لباس اور رہائش کی محتاج ہوتی ہے۔ لہذا اس کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ یہ نکاح کرے، اگرچہ کسی ایسے مرد کے ساتھ ہی سہی جس کے پاس پہلے سے ایک یا دو بیویاں موجود ہوں، تا کہ اس نکاح کے ذریعے یہ عورت پاک دامنی، مالی کفالت اور لباس و پوشاک حاصل کر سکے اور اس امید پر بھی کہ شاید اللہ اسے اس نکاح کے بعد نیک و صالح اولاد عطا فرما دے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی عورتوں کو نکاح سے محروم رکھنا ان عورتوں پر ظلم اور ان کے نقصان کا سبب ہے۔

اسی طرح ایسی عورتوں کو کسی ایسے شخص سے نکاح نہ کرنے دینا کہ جس کی پہلے سے ایک یا دو بیویاں ہوں تو اس اقدام میں بھی ایسی عورتوں کا نقصان ہے، جبکہ یہ اقدام خدا کی مقرر کردہ اس حد کے بھی مخالف ہے جس حد تک خدا نے مرد کو نکاح کی اجازت دی ہے اور متعدد شادیوں سے روکنے کا یہ اقدام معاشرے میں ایسی بیوہ اور بوڑھی ہو جانے والی کنواری عورتوں کی کثرت کا سبب ہے جن کی پہلی مرتبہ شادی نہ ہو سکی یا شوہر کے انتقال یا طلاق کے بعد دوبارہ شادی نہ ہو سکی اور یہ بات بے حیائی اور حرام کاری کے پھیلنے کا سبب ہے، جیسا کہ وہ ممالک جہاں متعدد شادیوں پر پابندی ہے، ان میں اس کا مشاہدہ بھی ہو رہا ہے۔ پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اسے حرام نہ سمجھیں اور جس کو خدا نے حرام قرار دیا اسے حلال قرار نہ دیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کر کے سچے مسلمان کہلا سکیں۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور قطعی، مطلق اور عام حکم کو بغیر کسی دلیل کے مقید و خاص کرنا ہے اور یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی جرأت کی بات ہے اور قطعی و یقینی اجماع کی مخالفت ہے۔ مرد کے لیے چار شادیاں کرنے کے حق میں دخل اندازی کرنے کا حق کسی کو نہیں، اس لیے کہ اس پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بلکہ آج تک ساری امت کا اجماع ہے، کوئی ایک بھی مخالف نہیں، اس سے زیادہ قوی کوئی اجماع ہو نہیں سکتا۔ جب مسئلہ یہ ہے تو مرد اور وہ عورت (جس سے دوسری شادی کا ارادہ ہو) دونوں کے راضی ہونے کے بعد ان کے اس اقدام میں کسی ایسے شخص کا دخل اندازی کرنا جسے دخل اندازی کی قوت حاصل ہو، مرد کو اپنا حق استعمال کرنے کی اجازت نہ دینا شریعت میں انتہائی قبیح جبر ہے۔“ (مقالات کونری ص: 217)

شیخ عبد اللہ الفقیہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جب کسی مسلمان کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی ضرورت محسوس ہو تو اس کے لیے اس اقدام میں کچھ حرج نہیں۔۔۔ بلکہ بعض صورتوں میں دوسری شادی واجب ہو جاتی ہے اور یہ اس صورت میں کہ جب کسی کو اپنے بارے میں زنا کا خوف ہو یا کسی اور ناجائز اقدام کا خوف ہو یا کوئی ایسی عورت موجود ہو اور اس کے بارے میں یہ خوف ہو کہ اگر اس کا نکاح نہیں ہوا تو اس کے اخلاق و عادات خراب ہو جائیں گی۔ یوں یہ عورت جب اپنے نکاح کے لیے کسی متعین مرد کی محتاج ہو جائے گی تو اس خاص مرد پر دوسرا نکاح واجب ہو جائے گا اور متعین طور پر اس مرد پر لازم ہوگا کہ وہ اس عورت کی عفت و پاک دامنی کا انتظام کرے، کیونکہ مسلمان کو حکم ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی زندگی کو تباہی سے بچائے۔ پس دوسرے مسلمان کے دین کی حفاظت تو بطریق اولیٰ واجب ہے۔“ (رقم الفتوی: 15556، 7 صفر 1423ھ)

ایک جگہ یوں بھی فرمایا:

”دوسری شادی کی صحت کے لیے والدین کی رضا شرط نہیں بلکہ گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو اس صورت میں والدین کی اطاعت جائز نہیں۔“ (رقم الفتوی: 26140، www.islamweb.net)

دین اسلام میں تعددِ ازواج کی حقیقت و حیثیت اور موجودہ زمانے میں اس کی ضرورت و اہمیت کو حقائق و دلائل نے تو ثابت کر ہی دیا، اب ہم بھی جتنا جلد اس کو تسلیم کر لیں اور اس کے مطابق اپنی فکری و عملی جدوجہد شروع کر دیں تو اتنا زیادہ ہمارے لیے بہتر ہوگا۔ اس وقت اخلاقی پستی اور معاشرتی بد حالی کے طوفان میں ہماری آنکھیں تو بند ہو چکی ہیں، دیکھنے کی صلاحیت ابھی بھی ان میں موجود ہے، بے شرمی و بے حیائی اور فحاشی و عریانی کے سیلاب میں ہمارے پاؤں تو بھیگ چکے ہیں، سر ابھی بھی سلامت ہے اور احساس محرومی و کمتری اور مایوسی و ناامیدی کے گھنے بادل ہمارے عزم و ارادے کو دبانے کے لیے ہر طرف منڈلا کر پوری طرح زور آزمائی کر چکے ہیں، ہم میں دم ابھی بھی باقی ہے، لیکن اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے اور پانی سر سے گزر جائے، ہوائیں اتنی تندو تیز ہو جائیں کہ بینائی اڑا لے جائیں اور گھٹن اتنی بڑھ جائے کہ سانس لینا عذاب ہو جائے، اس سے پہلے ہمیں اپنے جمود کو توڑنا ہوگا، ہوا کے رخ کو موڑنا ہوگا اور تعددِ ازواج کو معاشرے میں اس کا جائز و لازم مقام دینا ہوگا۔۔۔ اسی میں ہمارے مسائل کا صحیح حل، اسی میں ہمارے درد کی موثر دوا اور اسی میں ہماری معاشرتی بقاء ہے۔

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ چیچنیا میں مرد کم ہیں اور بیوگان بہت ہیں تو اس سے تو فساق و فجار اور کفار کو ان مسلمان عورتوں سے لہو و لعب اور ان کی عزتوں سے کھیلنے کا موقع ملے گا، نیز بے حیائی پھیلے گی اور ولد الزنا بچوں کی کثرت ہوگی تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمان مردوں پر لازم ہے کہ وہ حلال کے ذریعے مسلمان عورتوں کی عفت و پاک دامنی کا انتظام کریں۔ لہذا وہاں جو شخص چار عورتوں کے حقوق واجب کی ادائیگی اور ان میں عدل کر سکتا ہو اس پر واجب ہے کہ وہ چار شادیاں کرے اور جو تین یا دو بیویوں میں عدل کر سکتا ہو اس پر تین یا دو شادیاں واجب ہیں تاکہ مسلمان عورتیں محفوظ ہو سکیں اور انہیں عفت حاصل ہو اور وہ فساق و فجار کی دسترس سے محفوظ ہو جائیں۔ الغرض جو شخص متعدد شادیوں کی قدرت رکھتا ہے اور پھر بھی متعدد شادیاں نہیں کرتا جبکہ اسے بیوہ عورتوں کی کثرت کا مشاہدہ اور علم بھی ہے اور اس بات کا علم ہے کہ کس طرح یہ عورتیں ان کافروں کے نشانے پر ہیں جو ان کی عزتوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا شخص گنہگار ہوگا اور اس سے سوال ہوگا کہ اس نے ان مسلمان عورتوں کی عفت کا انتظام کیوں نہیں کیا؟“

(رقم الفتوی: 5080، www.ibn-jebreen.com/controller?action=)

مندرجہ بالا فتویٰ پر غور کرنے کے بعد اگر اپنے حالات کا جائزہ لیا جائے تو معاملہ چیچنیا سے کچھ مختلف نہ ہوگا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بدتر ثابت ہوگا کہ وہاں وہ حالات جنگ کی وجہ سے پیدا ہوئے، جبکہ یہاں یہ حالات بغیر کسی جنگ کے ہی پیدا ہو چکے ہیں اور وہاں پر مسلمان عورتوں کی عزتوں سے کھیلنے والے کفار تھے، جبکہ یہاں پر مسلمان عورتوں کی عزتوں سے کھیلنے والے اپنے ہی برائے نام مسلمان ہیں۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ وقت کے تقاضوں کے عین مطابق قدم اٹھایا جائے اور تعددِ ازواج کے ذریعے معاشرے کو مزید تباہی و بربادی سے بچایا جائے۔ یہ انتہائی مشکل ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں اور ہر مشکل کے بعد ایک آسانی ہوتی ہے، جس کا اجر کبیر یقیناً پہل کرنے والوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ اس کے لیے ہر ایک کو چاہیے کہ فرد معاشرہ کی حیثیت سے اپنا اپنا کردار ادا کرے۔ مرد کو چاہیے کہ شرعی اعتبار سے اس کے اندر ختنی شادیوں کی استطاعت ہے اتنی شادیاں کرے، چاہے کسی ضرورت مند عورت کی بھلائی و خیر خواہی کی خاطر، خود کو گناہ سے بچانے کی خاطر یا محض اپنی جائز فطری خواہش کو پورا کرنے کی خاطر، خصوصاً وہ دین دار مرد جو سنجیدہ و سمجھ دار بھی ہو، متقی و پرہیزگار بھی ہو اور باہمت و حوصلہ مند بھی ہو۔ اس کے بعد عورت چاہے کنواری ہو یا بیوہ و مطلقہ، اس کو چاہیے کہ ایسے مناسب مرد سے شادی کرنے سے ہرگز گریز نہ کرے جو پہلے سے شادی شدہ ہو اور دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کر کے اس کو تحفظ اور سہارا دے کر اس کے مسئلے کو حل کرنا چاہتا ہو، خصوصاً دین دار لڑکیوں یا عورتوں اور ان کے والدین یا سرپرستوں کو چاہیے کہ شادی کے معاملے میں کنوارے اور اکیلے پن سے زیادہ مرد کی دین داری و ذمہ داری کو ترجیح دیں۔ پھر مرد کے اس اقدام پر نہ اس کی بیوی کو کوئی اعتراض ہونا چاہیے، نہ ان دونوں کے خاندان والوں کو اور نہ ہی اہل معاشرہ کو، ہر ایک کو چاہیے کہ شریعت کی عدالت میں جانے سے پہلے خود کو ضرورت و حاجت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے اپنے ضمیر سے فیصلہ کروائے اور دائرہ شریعت سے باہر ہونے سے پہلے جذبہ انسانیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سوچے کہ اگر یہی صورتحال براہ راست یا کسی واسطے سے اس کو درپیش ہوتی تو اس کا رد عمل کیا ہوتا؟ علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر مرد دوسری شادی کرنا چاہے تو کسی کو رکاوٹ بننے کا کوئی حق نہیں، کسی دوسرے کا رکاوٹ بننے ہوئے مداخلت کرنا،

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ چچنیا میں مرد کم ہیں اور بیوگان بہت ہیں تو اس سے توفساق و فجار اور کفار کو ان مسلمان عورتوں سے لہو و لعب اور ان کی عزتوں سے کھیلنے کا موقع ملے گا، نیز بے حیائی پھیلے گی اور ولد الزنا بچوں کی کثرت ہوگی تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمان مردوں پر لازم ہے کہ وہ حلال کے ذریعے مسلمان عورتوں کی عفت و پاک دامنی کا انتظام کریں۔ لہذا وہاں جو شخص چار عورتوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان میں عدل کر سکتا ہو اس پر واجب ہے کہ وہ چار شادیاں کرے اور جو تین یا دو بیویوں میں عدل کر سکتا ہو اس پر تین یا دو شادیاں واجب ہیں تاکہ مسلمان عورتیں محفوظ ہو سکیں اور انہیں عفت حاصل ہو اور وہ فساد و فجاریہ دسترس سے محفوظ ہو جائیں۔ الغرض جو شخص متعدد شادیوں کی قدرت رکھتا ہے اور پھر بھی متعدد شادیاں نہیں کرتا جبکہ اسے بیوہ عورتوں کی کثرت کا مشاہدہ اور علم بھی ہے اور اس بات کا علم ہے کہ کس طرح یہ عورتیں ان کافروں کے نشانے پر ہیں جو ان کی عزتوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا شخص گنہگار ہوگا اور اس سے سوال ہوگا کہ اس نے ان مسلمان عورتوں کی عفت کا انتظام کیوں نہیں کیا؟“

(رقم الفتوی: 5080، www.ibn-jebreen.com/controller?action=)

مندرجہ بالا فتویٰ پر غور کرنے کے بعد اگر اپنے حالات کا جائزہ لیا جائے تو معاملہ چچنیا سے کچھ مختلف نہ ہوگا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بدتر ثابت ہوگا کہ وہاں وہ حالات جنگ کی وجہ سے پیدا ہوئے، جبکہ یہاں یہ حالات بغیر کسی جنگ کے ہی پیدا ہو چکے ہیں اور وہاں پر مسلمان عورتوں کی عزتوں سے کھیلنے والے کفار تھے، جبکہ یہاں پر مسلمان عورتوں کی عزتوں سے کھیلنے والے اپنے ہی برائے نام مسلمان ہیں۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ وقت کے تقاضوں کے عین مطابق قدم اٹھایا جائے اور تعددِ ازواج کے ذریعے معاشرے کو مزید تباہی و بربادی سے بچایا جائے۔ یہ انتہائی مشکل ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں اور ہر مشکل کے بعد ایک آسانی ہوتی ہے، جس کا اجر کبیر یقیناً پہل کرنے والوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ اس کے لیے ہر ایک کو چاہیے کہ فردِ معاشرہ کی حیثیت سے اپنا اپنا کردار ادا کرے۔ مرد کو چاہیے کہ شرعی اعتبار سے اس کے اندر جتنی شادیوں کی استطاعت ہے اتنی شادیاں کرے، چاہے کسی ضرورتمند عورت کی بھلائی و خیر خواہی کی خاطر، خود کو گناہ سے بچانے کی خاطر یا محض اپنی جائز فطری خواہش کو پورا کرنے کی خاطر، خصوصاً وہ دین دار مرد جو سنجیدہ و سمجھ دار بھی ہو، متقی و پرہیزگار بھی ہو اور باہمت و حوصلہ مند بھی ہو۔ اس کے بعد عورت چاہے کنواری ہو یا بیوہ و مطلقہ، اس کو چاہیے کہ ایسے مناسب مرد سے شادی کرنے سے ہرگز گریز نہ کرے جو پہلے سے شادی شدہ ہو اور دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کر کے اس کو تحفظ اور سہارا دے کر اس کے مسئلے کو حل کرنا چاہتا ہو، خصوصاً دین دار لڑکیوں یا عورتوں اور ان کے والدین یا سرپرستوں کو چاہیے کہ شادی کے معاملے میں کنوارے اور اکیلے پن سے زیادہ مرد کی دین داری و ذمہ داری کو ترجیح دیں۔ پھر مرد کے اس اقدام پر نہ اس کی بیوی کو کوئی اعتراض ہونا چاہیے، نہ ان دونوں کے خاندان والوں کو اور نہ ہی اہل معاشرہ کو، ہر ایک کو چاہیے کہ شریعت کی عدالت میں جانے سے پہلے خود کو ضرورت و حاجت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے اپنے ضمیر سے فیصلہ کروائے اور دائرۂ شریعت سے باہر ہونے سے پہلے جذبہٴ انسانیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سوچے کہ اگر یہی صورتحال براہِ راست یا کسی واسطے سے اس کو درپیش ہوتی تو اس کا ردِ عمل کیا ہوتا؟ علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر مرد دوسری شادی کرنا چاہے تو کسی کو رکاوٹ بننے کا کوئی حق نہیں، کسی دوسرے کا رکاوٹ بننے ہوئے مداخلت کرنا،

کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور قطعی، مطلق اور عام حکم کو بغیر کسی دلیل کے مقید و خاص کرنا ہے اور یہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی جرأت کی بات ہے اور قطعی و یقینی اجماع کی مخالفت ہے۔ مرد کے لیے چار شادیاں کرنے کے حق میں دخل اندازی کرنے کا حق کسی کو نہیں، اس لیے کہ اس پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بلکہ آج تک ساری امت کا اجماع ہے، کوئی ایک بھی مخالف نہیں، اس سے زیادہ قوی کوئی اجماع ہو نہیں سکتا۔ جب مسئلہ یہ ہے تو مرد اور وہ عورت (جس سے دوسری شادی کا ارادہ ہو) دونوں کے راضی ہونے کے بعد ان کے اس اقدام میں کسی ایسے شخص کا دخل اندازی کرنا جسے دخل اندازی کی قوت حاصل ہو، مرد کو اپنا حق استعمال کرنے کی اجازت نہ دینا شریعت میں انتہائی قبیح جبر ہے۔“ (مقالات کھوڑی ص: 217)

شیخ عبد اللہ الفقیہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جب کسی مسلمان کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی ضرورت محسوس ہو تو اس کے لیے اس اقدام میں کچھ حرج نہیں۔۔۔ بلکہ بعض صورتوں میں دوسری شادی واجب ہو جاتی ہے اور یہ اس صورت میں کہ جب کسی کو اپنے بارے میں زنا کا خوف ہو یا کسی اور ناجائز اقدام کا خوف ہو یا کوئی ایسی عورت موجود ہو اور اس کے بارے میں یہ خوف ہو کہ اگر اس کا نکاح نہیں ہوا تو اس کے اخلاق و عادات خراب ہو جائیں گی۔ یوں یہ عورت جب اپنے نکاح کے لیے کسی متعین مرد کی محتاج ہو جائے گی تو اس خاص مرد پر دوسرا نکاح واجب ہو جائے گا اور متعین طور پر اس مرد پر لازم ہوگا کہ وہ اس عورت کی عفت و پاک دامنی کا انتظام کرے، کیونکہ مسلمان کو حکم ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی زندگی کو تباہی سے بچائے۔ پس دوسرے مسلمان کے دین کی حفاظت تو بطریقِ اولیٰ واجب ہے۔“ (رقم الفتوی: 15556، 7 صفر 1423ھ)

ایک جگہ یوں بھی فرمایا:

”دوسری شادی کی صحت کے لیے والدین کی رضا شرط نہیں بلکہ گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو اس صورت میں والدین کی اطاعت جائز نہیں۔“ (رقم الفتوی: 26140، www.islamweb.net)

دین اسلام میں تعددِ ازواج کی حقیقت و حیثیت اور موجودہ زمانے میں اس کی ضرورت و اہمیت کو حقائق و دلائل نے تو ثابت کر ہی دیا، اب ہم بھی جتنا جلد اس کو تسلیم کر لیں اور اس کے مطابق اپنی فکری و عملی جدوجہد شروع کر دیں تو اتنا زیادہ ہمارے لیے بہتر ہوگا۔ اس وقت اخلاقی پستی اور معاشرتی بد حالی کے طوفان میں ہماری آنکھیں تو بند ہو چکی ہیں، دیکھنے کی صلاحیت ابھی ان میں موجود ہے، بے شرمی و بے حیائی اور فحاشی و عریانی کے سیلاب میں ہمارے پاؤں تو بھیگ چکے ہیں، سر ابھی بھی سلامت ہے اور احساسِ محرومی و کمتری اور مایوسی و ناامیدی کے گھنے بادل ہمارے عزم و ارادے کو دبانے کے لیے ہر طرف منڈلا کر پوری طرح زور آزمائی کر چکے ہیں، ہم میں دم ابھی بھی باقی ہے، لیکن اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے اور پانی سر سے گزر جائے، ہوائیں اتنی تند و تیز ہو جائیں کہ بینائی اڑا لے جائیں اور گھٹن اتنی بڑھ جائے کہ سانس لینا عذاب ہو جائے، اس سے پہلے ہمیں اپنے جمود کو توڑنا ہوگا، ہوا کے رخ کو موڑنا ہوگا اور تعددِ ازواج کو معاشرے میں اس کا جائز و لازم مقام دینا ہوگا۔۔۔ اسی میں ہمارے مسائل کا صحیح حل، اسی میں ہمارے درد کی موثر دوا اور اسی میں ہماری معاشرتی بقاء ہے۔

جیسا کہ شیخ خالد الجریسی حفظہ اللہ تعالیٰ تعددِ ازواج کے حق میں یورپ کے غیر مسلم مرد و خواتین اور مفکرین کے اقوال و اعترافات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”کیا اُمّتِ مسلمہ کے وہ غافل اب غفلت سے بیدار ہو جائیں گے جو ہر معاملے میں مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔۔۔؟“
حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سچ فرمایا: بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، درحقیقت وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔۔۔“ (رسالہ فضل تعددِ زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)
شیخ ابن باز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اسلام اور تعددِ ازواج کے بارے میں دشمنانِ اسلام کے اقوال میں سے یہ وہ بعض اقوال ہیں، جن پر میں مطلع ہوا اور ان اقوال میں ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس میں عقل ہو۔۔۔ اور اللہ ہی مددگار ہے۔

(www.iu.edu.sa/magazine/24/25/html)

شیخ النفسیر حضرت مولانا محمد اسلم شیخ پوری حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مردم شماری کے جو سروے شائع ہوتے رہتے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ تقریباً تمام ممالک میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔۔۔ حال ہی میں پاکستان کے بارے میں ایک سروے نظر سے گزرا جس کے مطابق صرف پاکستان میں ایک کروڑ خواتین بے نکاحی گھروں میں بیٹھی ہیں۔ اگر ان عورتوں کو نکاح میں نہ لایا جائے تو زنا کاری بڑھے گی، یہ عورتیں بے سہارا رہیں گی، تو والد و تناسل کے ذریعے اپنی قوم کی افرادی قوت میں اضافہ نہیں کر سکیں گی۔ اہل مغرب نے زنا کو جو قانونی تحفظ فراہم کر رکھا ہے وہ بھی تعدد کے نظریے کو قوت فراہم کرتا ہے، گویا وہ بھی تعدد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، مگر نکاح کی صورت میں نہیں بلکہ زنا کی صورت میں۔ آئے دن اخبارات میں ان کی سیاسی اور مذہبی قیادت تک کے ناجائز اسکیئنڈل شائع ہوتے رہتے ہیں۔

یہ حقیقت جس قدر جلد ہم تسلیم کر لیں اتنا ہی ہماری معاشرتی زندگی کو بگاڑ سے بچانے کے لیے بہتر ہوگا کہ اگر ہم نے تعددِ ازواج کا دروازہ بند رکھا اور معاذ اللہ اسے ایک قابلِ نفرت عمل سمجھتے رہے تو بے شمار بہنیں اور بیٹیاں تازہ زندگی بے نکاحی رہیں گی اور ان میں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جنہیں بدکاری کی راہ پر چلنے سے روکنا بہت مشکل ہوگا۔“

(درس قرآن وحدیث www.darsequran.com، خواتین کا اسلام شمارہ: 196)



وَلَا حَرَمَ وَحْوَانَا لَہِ الْعَمْرُ لَہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ط مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

جیسا کہ شیخ خالد الجریسی حفظہ اللہ تعالیٰ تعددِ ازواج کے حق میں یورپ کے غیر مسلم مرد و خواتین اور مفکرین کے اقوال و اعترافات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”کیا اُمّتِ مسلمہ کے وہ غافل اب غفلت سے بیدار ہو جائیں گے جو ہر معاملے میں مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔۔۔؟“
حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سچ فرمایا: بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، درحقیقت وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔۔۔“ (رسالہ فضل تعددِ زوجات، شیخ خالد الجریسی، ریاض)

شیخ ابن باز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اسلام اور تعددِ ازواج کے بارے میں دشمنانِ اسلام کے اقوال میں سے یہ وہ بعض اقوال ہیں، جن پر میں مطلع ہوا اور ان اقوال میں ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس میں عقل ہو۔۔۔ اور اللہ ہی مددگار ہے۔“

(www.iu.edu.sa/magazine/24/25/html)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد اسلم شیخ پوری حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مردم شماری کے جو سروے شائع ہوتے رہتے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ تقریباً تمام ممالک میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔۔۔ حال ہی میں پاکستان کے بارے میں ایک سروے نظر سے گزرا جس کے مطابق صرف پاکستان میں ایک کروڑ خواتین بے نکاحی گھروں میں بیٹھی ہیں۔ اگر ان عورتوں کو نکاح میں نہ لایا جائے تو زنا کاری بڑھے گی، یہ عورتیں بے سہارا رہیں گی، تو والد و تناسل کے ذریعے اپنی قوم کی افرادی قوت میں اضافہ نہیں کر سکیں گی۔ اہل مغرب نے زنا کو جو قانونی تحفظ فراہم کر رکھا ہے وہ بھی تعدد کے نظریے کو قوت فراہم کرتا ہے، گویا وہ بھی تعدد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، مگر نکاح کی صورت میں نہیں بلکہ زنا کی صورت میں۔ آئے دن اخبارات میں ان کی سیاسی اور مذہبی قیادت تک کے ناجائز اسکیئنڈل شائع ہوتے رہتے ہیں۔“

یہ حقیقت جس قدر جلد ہم تسلیم کر لیں اتنا ہی ہماری معاشرتی زندگی کو بگاڑ سے بچانے کے لیے بہتر ہوگا کہ اگر ہم نے تعددِ ازواج کا دروازہ بند رکھا اور معاذ اللہ اسے ایک قابلِ نفرت عمل سمجھتے رہے تو بے شمار بہنیں اور بیٹیاں تازندگی بے نکاحی رہیں گی اور ان میں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جنہیں بدکاری کی راہ پر چلنے سے روکنا بہت مشکل ہوگا۔“

(درس قرآن وحدیث www.darsequran.com، خواتین کا اسلام شمارہ: 196)



وَلَا حَرَّ وَلَا حَوْلَ لَنَا إِلَّا بِالْعَمْرِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ط مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ط